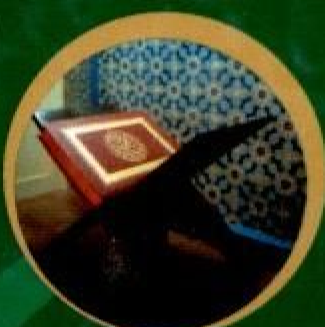
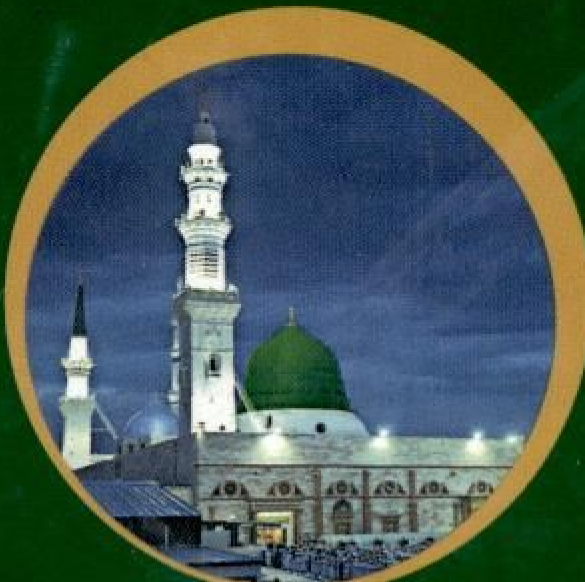
300 سے زائد کتب سے استفادہ شدہ کتاب جسکی تکمیل
روضہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں بیٹھ کر کی گئی

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم



تالیف
مولانا محمد ہارون معاویہ
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
خطیب جامع مسجد سرورِ کونین







پسند فرمودہ
مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

تقاریظ
مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

مولانا مفتی عبد المجید دینپوری مدظلہ
نائب رئیس دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مجمع فضل وکمال، سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین کی سیرت کے عظیم گوشے سے چیدہ چیدہ سو امتیازی خصوصیات وکمالات پر جدید اسلوب میں جامع، مفصل و قابل قدر ذخیرہ

جلد چہارم

تالیف
مولانا محمد ھارون معاویہ
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
واستاد مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : فروری ۲۰۰۷ء علمی گرافکس
ضخامت : 552 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

انتساب

حضور سرورِ کائنات، فخرِ مجسّم، شافعِ محشر، ساقیِ کوثر حضرت محمد عربی مصطفیٰ ﷺ کے نام، جو باعثِ تخلیق کائنات بن کر دنیا میں تشریف لائے اور اپنی ضوفشانیوں سے دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اجالوں سے روشن کر گئے۔

رخِ مصطفیٰ کو دیکھا تو دیوں نے جلنا سیکھا
یہ کرم ہے مصطفیٰ کا کہ شبِ غم نے ڈھلنا سیکھا
یہ زمیں رکی ہوئی تھی یہ فلک تھما ہوا تھا
چلے جب مرے محمدؐ تو دنیا نے چلنا سیکھا

محمد ہارون معاویہ

عرض مؤلف

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب وخلیل حضرت محمد ﷺ کے بے شمار فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں اورانہیں زینت رحمت سے مزین فرمایا ہے گویا کہ آپ ﷺ سراسر رحمت ہیں، آپ ﷺ کی جملہ صفات وفضائل تمام مخلوقات کے لئے باعث رحمت ہیں، آپ ﷺ کی زندگی عین رحمت اورآپ ﷺ کا رفیق اعلیٰ سے ملنا عین رحمت ہے، الغرض آپ ﷺ جن وانس کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا شہرہ بلند فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ورفعنا لک ذکرک ''اورہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کردیا۔''

اللہ کی قسم! بالکل ایسا ہی ہوا، دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا خوب چرچا فرمایا، دنیا میں کوئی خطیب، واعظ اورنمازی ایسانہیں ہے جو اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام نہ لیتا ہواوراشھد ان لاالہ الااللہ کے ساتھ اشھد ان محمدا الرسول اللہ نہ کہتا ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے دو مبارک نام رؤف اوررحیم اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رئوف رحیم ''دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایسا رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اوررحیم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو ایسی دل ربا شکل وصورت سے نوازا جو رعنائی وزیبائی میں بے مثل اورانتہائی حسین وجمیل ہے اوراس سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی اس حسن وجمال میں آپ ﷺ کا شریک وسہیم نہیں۔ چنانچہ خوبصورتی کی جملہ صفات میں سے وافر حصہ آپ ﷺ کو عطا کیا گیا اوردل ربائی کی جملہ اداؤں میں آپ ﷺ کو شریک کیا گیا حتیٰ کہ مختلف قسموں کا ذوق جمالیات رکھنے والے اگر آپ ﷺ کے رخ انور کو دیکھیں تو آپ ﷺ کی ہر ادا اور ہر پہلو میں اپنے لئے سامان طمانیت پائیں اورکوئی بھی زاویہ ان کے ذوق پر گرانی کا باعث نہ ہو۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک بے شمار انبیاءؑ بھیجے، ان میں اکثر انبیاءؑ وہ ہیں جن کے حالات تو کیا ہمیں ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں، قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء کرامؑ کے نام آئے ہیں۔

ان انبیاء کے نام اور حالات معلوم نہ ہونے کے باوجود ہم مسلمان ان تمام انبیاءؑ کا احترام کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے منتخب بندے تھے، وہ اپنے وقت کے سب سے بہتر، سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ انسان تھے۔ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی، ان میں سے کسی کو کتاب اور کسی کو صحیفہ عطا کیا گیا، انہیں مختلف معجزات عطا کئے گئے۔ انہیں عزت وعظمت سے سرفراز کیا گیا۔ ہم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بعض ایسی چیزیں بھی تھیں جو صرف ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔

چنانچہ انبیاء ورسلؑ کی اس مقدس جماعت میں جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو سینکڑوں امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے ''خصائص کبریٰ'' میں اڑھائی سو کے قریب حضور ﷺ کے خصائص جمع کئے ہیں ان سب کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ اسی طرح دیگر اور بھی کتابیں اس عظیم موضوع پر لکھی گئیں لیکن عربی زبان میں۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ کی سیرت کے اس عظیم گوشے کے بارے میں چونکہ اب تک اردو زبان میں ہماری معلومات کے مطابق مستقل کوئی کتاب ترتیب نہیں دی گئی تھی، اس لئے عرصے سے اس ضرورت کو محسوس کیا جارہا تھا، چنانچہ بندے کے ایک قریبی دوست مولانا محمد عمران سردار صاحب نے اس موضوع کی طرف توجہ دلائی کہ اس عظیم الشان موضوع پر کچھ کام ہوجائے تو ایک سعادت کی بات ہوگی، محترم موصوف کا مشورہ دل کو لگا، لہٰذا اسی وقت بندے نے اللہ رب العٰلمین کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اس عظیم سعادت کے حاصل کرنے کا عزمِ مصمم کرلیا اور اپنی طاقت کی بقدر سیرت کے عنوان پر لکھی جانے والی چھوٹی بڑی تقریباً ساری کتب کو خریدا، اور شب وروز کی محنت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قدر مواد جمع ہوگیا کہ جو چار جلدوں کی ضخامت تک پہنچ گیا، اور بحمد اللہ اس طرح سیرت النبی ﷺ کا یہ عظیم باب چار ضخیم جلدوں میں آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی، جس میں حضور ﷺ کی چیدہ چیدہ سو

خصوصیات کو مرتب کیا گیا یعنی ہر جلد میں پچیس خصوصیات شامل کی گئیں۔

یہ عظیم کتاب اب سے کئی مہینوں قبل آپ کے ہاتھوں تک پہنچ جاتی لیکن تاخیر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جذبہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایسا ہو جائے کہ اس مقدس کتاب کا کچھ کام صاحبِ خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس شہر مدینۃ المنورہ میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر کیا جائے، چنانچہ اللہ رب العلمین نے فضل فرمایا اور رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت حاصل ہوئی، تو چونکہ اس وقت تک یہ چاروں جلدوں کی کمپوزنگ ہو چکی تھی، لہٰذا بندے نے سفر میں چاروں جلدوں کا ایک پروف اپنے ساتھ رکھ لیا، اور مسلسل تقریباً ۱۲ دن تک شب و روز روضۂ رسول کے سائے میں بیٹھ کر کتاب کو آخری ترتیب دی، یعنی کچھ کانٹ چھانٹ ہوئی، کچھ مزید اضافے ہوئے، کہیں کہیں کچھ وضاحت یا تمہیدات کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسے پورا کیا گیا، اور مزید اس مقدس جگہ کی روحانیت کے نتیجے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا اسے بھی ترتیب دیا، الغرض اس کتاب کی آخری مکمل ترتیب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روضۂ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر مرتب کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوا، ورنہ ''من آنم کہ من دانم'' بہر حال اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کا کروڑوں بار شکر ادا کروں تو بھی کم ہے۔

اور اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو مرتب کرنے میں بھی میرا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ یہ نہ تو میری تصنیف ہے اور نہ ہی تحقیق، لاشک یہ سب کچھ اکابرین کی کتب سے استفادے کے بعد ترتیب دیا گیا مواد ہے، اور اس بات کا میں کھلے دل سے اقرار کرتا ہوں، تاکہ کسی محترم کے دل میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے بدگمانی پیدا نہ ہو، ہاں البتہ اس عاجز نے شب و روز محنت کر کے 300 سے زائد کتابوں کے ہزاروں صفحات کو بار بار کھنگالا اور مختلف کتابوں میں بکھری خصوصیات کو یکجا کیا، مشکل الفاظ کو جدید اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی، جدید دور کے نئے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی ذہنیت کے حامل مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی، اس کام کے لئے مجھے کس قدر باریک بینی اور شب و روز کی

محنت سے کام لینا پڑا، میرا علیم وخبیر خدائے وحدہٗ لاشریک اس سے بخوبی آگاہ ہے، اور بے شک میری نظر بھی اسی ذات پر ہے، اور اسی ذات سے اچھے بدلے کی امید ہے، کوئی قابلِ احترام دوست مجھ گنہگار کے بارے میں کچھ بھی کہے مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے، پرواہ یا فکر تو تب ہو کہ دنیا والوں سے بدلے کی امید وابستہ ہو، بس میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے اس کے بعد اور کچھ نہیں چاہیئے۔

اور اسی طرح اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ چاروں جلدوں میں بھی جابجا یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ کو لکھنے کا مقصد نعوذ باللہ دیگر انبیاء کرامؑ کی تنقیص نہیں ہے اور نہ ان کے مقام ومرتبے کو کم کرنا مقصد ہے بلکہ نیت صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی ﷺ کو جو مقام ملا ہے امت کے سامنے اسے اجاگر کیا جائے اور امت کو تعلیماتِ نبوی ﷺ کی طرف آنے کی دعوت دی جائے بے شک جب امت اپنے نبی ﷺ کے مقام ومرتبے کو سمجھے گی تو ان کے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت پیدا ہوگی اور اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر چلنا آسان ہوگا کیونکہ امت کے ہر فرد کی فلاح وکامرانی اب صرف اور صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے، لہٰذا ذہن میں رہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کے دل میں دیگر انبیاء کرامؑ سے متعلق ادنیٰ سا بھی منفی خیال آیا تو اس کا ایمان اس کے پاس باقی نہیں رہے گا، اور یہ بات کوئی اپنی طرف سے نہیں کہی جارہی بلکہ خود خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات میں اس کی تلقین کی گئی ہے، جیسا کہ مختلف مقامات پر تفصیل آپ ملاحظہ فرماتے رہیں گے انشاء اللہ۔

بہرحال محترم قارئین! بندۂ عاجز کی یہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر کچھ اچھا لگے تو اس گنہگار کی آخرت کی کامیابی کے لئے دعائے خیر کے دو بول ادا کردیجئے گا، اور اگر کچھ خامی یا کمزوری نظر آئے تو برائے مہربانی ایک کمزور اور ناقص سا مسلمان سمجھتے ہوئے معاف کردیجئے گا اور اگر رہنمائی ہوجائے تو ایک بہت بڑا احسان ہوگا، آپ کے مشوروں کا دلی خیر مقدم ہے کیونکہ بندہ رہنمائی اور مشوروں کا طالب اور پیاسا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اور اب ضروری ہے کہ اپنے ان تمام مہربانوں کا شکریہ ادا کروں کہ جن حضرات نے مجھے مشورے دیئے، میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی، جن میں سرِ دست میرے استاذِ محترم میری

مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے قدیم استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ ہیں کہ استاذ محترم نے اس کتاب کے لئے گراں قدر تقریظ تحریر فرما کر مجھ عاجز کے سر پر دست شفقت رکھا۔

اسی طرح شکریہ ادا کرتا ہوں استاذ محترم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی کا کہ حضرت استاذ محترم نے باوجود شدید مصروفیات کے بندے پر شفقت فرماتے ہوئے تقریظ تحریر فرمائی۔

اور میرے مشفق استاذ کہ جن کی شفقت کے سائے تلے میں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں آٹھ سال کے شب و روز گزارے، استاذ الحدیث اور ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ حضرت استاذ صاحب نے بھی اس کتاب کے حوالے سے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور قیمتی مشورے دیئے۔

اور اسی طرح استاذ الحدیث دار العلوم کورنگی کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، کہ حضرت مدظلہ نے میرے اس کام کو خوب پسند فرمایا، میری حوصلہ افزائی فرمائی اور بہت سے اچھے اچھے مشورے بھی دیئے، اور اسی طرح میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ کا کہ جنہوں نے میری گزارش پر ایک جامع اور مانع تقریظ تحریر فرمائی اور بہت سی باتوں کی بڑے اچھے انداز میں وضاحت فرمائی، اور بہت سے قیمتی مشورے بھی دیئے۔

اسی طرح شکریہ ادا کرنا ضروری ہے برادرِ کبیر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل، مشہور خطیب اور ایک رسالے کے مدیر حضرت مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب کا کہ جنہوں نے میری کتاب کے لئے تقریظ بھی تحریر فرمائی اور کتاب شروع کرنے سے لے کر آخر تک وقتاً فوقتاً ان کے مشورے بھی میرے شامل حال رہے، علاوہ ازیں

مفتی صغیر احمد صاحب، مفتی عمر انور بدخشانی صاحب، مفتی وقاص احمد صاحب، مولانا محمد سفیان بلند صاحب مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث "مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص مکتبہ یوسفیہ کے مالک برادر کبیر جناب حضرت مولانا محمد یوسف کھوکھر صاحب استاذ الحدیث مدرسہ عربیہ قاسم العلوم اور مولانا محمد عمران سردار صاحب، استاذ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، بے شک ان حضرات کا مجھ پر احسان ہے کہ مختلف موقعوں پر ان سے بھی مجھے مفید مشورے ملتے رہے اور ان کا تعاون میرے شامل حال رہا میری دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اساتذہ اور تمام پرخلوص معاونین کو دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرمائے، آمین۔

ان کے علاوہ بھی میں دیگر ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ اور کتاب کی اشاعت تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصاً دارالاشاعت کراچی کے مالک جناب خلیل اشرف عثمانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جو میری تمام کتابوں کو اہتمام کے ساتھ شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے۔ آمین!

اور میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ قدسی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری پہلی کتابوں کی طرح مفید اور کارآمد بنادے اور ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ آپ کے ہر مشورے کا دلی خیر مقدم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام آپ کا خیر اندیش محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسفؒ بنوری ٹاؤن کراچی

ساکن میرپور خاص سندھ

تقریظ

ازحضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

سرکارِ دو عالم ﷺ کی سیرت پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گزشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین ومقالات لکھے جاچکے ہیں، جن کا احاطہ کرنے کے لیے مستقل کتابیات اور فہرستیں تیار کی گئی ہیں، اگر اس پورے ادبیات سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو مواد تیار ہوا ہو، بلکہ یوں کہا جائے کہ سیرت کا موضوع محققین اور محبین وعاشقین کے لیے ایک مستقل میدان تحقیق وتصنیف بن گیا، خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا حاطہ کرنے کے لیے الگ کتابی جائزے کی ضرورت ہے، سیرت طیبہ کے ان مراجع ومصادر پر توجہ کریں تو ایک جہانِ سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے، سیرت نبوی کے ماخذ پر غور کیا جائے تو درج ذیل سولہ علوم وفنون اس کا سرچشمہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اہم ہے:

۱۔قرآن مجید ۲۔کتب تفاسیر ۳۔کتب تاریخ ۴۔کتب شمائل نبوی ۵۔کتب دلائل النبوۃ ۶۔کتب شروح احادیث ۷۔کتب احادیث، خطبات، مکاتیب، معاہدات، دستاویزات، ۸۔کتب آثار واخبار ۹۔اطلس وخرائط سیرت ۱۰۔کتب نعت رسول ۱۱۔کتب انساب ۱۲۔کتب جغرافیہ عرب ۱۳۔کتب تاریخ حرمین ۱۴۔کتب اسماء رجال ۱۵۔ادب عربی ۱۶۔سفرنامہ حرمین

سیرت النبی کے مطالعے کا شوقین جب آگے بڑھ کر دیکھتا ہے تو اس موضوع پر کتابوں کی کثرت اس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال سے مسلسل لکھا جا رہا ہے مگر ہنوز روزِ اول کا معاملہ محسوس ہوتا ہے اور یہ بذاتِ خود امتیازات سیرت کا ایک حسین اور حیران کن باب ہے، رحمت عالم کی ذات و سیرت سراپا امتیاز ہے، صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے از خود پانچ درج ذیل امتیازات گنوائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسے امتیازات دیئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے: (۱) ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے (۲) ساری روئے زمین میرے لئے اور میرے امتی کے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے سو جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے (۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا ہے (۵) پہلے انبیاء اپنی اقوام کے لیے خاص ہوا کرتے تھے، مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رسول اللہ کے خصائص و امتیازات پر عربی زبان میں کافی کتابیں ہیں جن میں امام جلال الدین سیوطیؒ کی ''الخصاص الکبریٰ'' اور حافظ ابن قیمؒ کی ''زاد المعاد'' سرفہرست ہیں، اس کے علاوہ ابونعیم اصبہانیؒ کی ''دلائل النبوۃ'' بھی اس موضوع پر مشہور کتابوں میں سے ہے، فارسی زبان کے مشہور شاعر اور صوفی بزرگ عالم مولانا جامیؒ نے فارسی میں ''شواہد نبوت'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے وہ امتیازی اوصاف جو حضور کی ذات مبارکہ میں پائے جاتے ہیں سات الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کئے ہیں، اردو زبان میں حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات و کمالات پر ایک مستقل اور مفصل کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی، اس کمی کو ہمارے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ہونہار نوجوان فاضل مولوی محمد ہارون معاویہ نے بخوبی پورا کیا اور انتہائی محنت کے بعد مختلف کتابوں سے مواد منتخب کر کے چار ضخیم جلدوں میں پیش کر دیا ہے، میں اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو نہ کر سکا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر امید

ہے کہ کوئی قابل اعتراض بات اس میں نہ ہوگی، فاضل موصوف زمانہ طالب علمی سے ہی جامعہ میں تقریری وتحریری سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اور اب میر پور خاص میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، نیز اس سے قبل بھی مختلف موضوعات پر ان کی تقریباً تیرہ کتابیں زیب طبع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس محنت کو حضور ﷺ کے طفیل قبول فرمائے اور ہم سب کو آنحضرت ﷺ کی سیرت اور سنت پر چلنے والا بنائے، آمین۔

(حضرت استاذ العلماء مولانا) محمد انور بدخشانی (صاحب مدظلہ العالی)
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی

نائب رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

سیرت کا موضوع سدا بہار گلشن کی طرح ہے جس کا ہر پھول اپنی جگہ اہم ہے۔ یہ گل چین کا ذوق ہے کہ وہ کس پھول کو چنتا ہے۔ لیکن جو پھول چننے سے رہ جائے وہ ہرگز چنے ہوئے پھول سے غیر اہم نہیں۔ سیرت کا موضوع انتہائی متنوّع ہے۔ قدیم وجدید، اپنے پرائے بہت سے محدثین نے اسے موضوع بحث بنایا ہے اور ہر مصنف نے اسے ایک نیا اسلوب دیا ہے۔ ''خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ'' ایسا موضوع ہے جس پر عربی میں بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اور اردو میں اگر چہ سیرتِ نبوی ﷺ کا ذخیرہ عربی سے کسی طور پر کم نہیں۔ اور متفرق طور پر یہ موضوع کسی حد تک اس میں پایا جاتا ہے لیکن اسی موضوع پر یکجا طور پر قابلِ قدر ذخیرہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ عزیز محترم مولانا ہارون معاویہ زید علمہ، کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے چار ضخیم جلدوں میں تصنیف کر کے اردو کے دامن کو اس موضوع سے مالا مال کر دیا۔ کتاب کی اجمالی فہرست پیش نظر ہے۔ فہرست کے عنوانات سے موضوع پر جامعیّت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ عزیز موصوف سلمہ نے بندہ ناچیز سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، بندہ لکھنے لکھانے کے فن سے نابلد ہے۔ پھر بھی صاحبِ خصوصیات ﷺ کی محبت کے تقاضے اور اس پر شفاعتِ مصطفوی ﷺ کے حصول کی امید پر چند سطور حوالہ قرطاس کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنا دیں، (آمین)

(حضرت استاذ العلماء مولانا مفتی) عبدالمجید دین پوری (صاحب مدظلہ العالی)

نائب رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

تقریظ

ازحضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

﴿الحمد للّٰہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ربنا ویرضی والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ المصطفی ورسولہ المجتبیٰ علی الہ وصحبہ وعترتہ واھل بیتہ الاطھار الاتقیاء وعلی کل من بھدیھم اھتدیٰ. اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ،بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،وما ارسلنک الا رحمۃ للعٰلمین ﴾ ترجمہ: اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔ (انوار البیان، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق میں سب سے اعلیٰ وافضل شخصیتوں کے مالک ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی فضل وکمال کے مختلف درجات رکھے ہیں بعضوں کو دوسرے بعض پر مختلف حیثیات میں فضیلت سے نوازا، بعض کو اوالعزمی کا خاص اعزاز بھی عطا فرمایا پھر ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے فضائل وکمالات کو ایک ہستی میں یکجا فرمادیا، یہ ہستی مجمع فضل وکمال، سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ للعٰلمین، خاتم النبیین ﷺ کی ذات اطہر ہے، جو عالمگیر نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

عالمگیر نبوت آپ ﷺ کی منفرد خصوصیات میں سے اولین خصوصیت شمار ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ اپنی ذات اور صفات میں بے پناہ خصوصیات کے مالک ہیں جو منضبط

یا منتشر انداز میں تقریباً احادیث وسیرت کی ہر ہر کتاب میں موجود ہیں، تاہم باقاعدہ عنوان کے تحت میری ناقص معلومات کے مطابق اپنے موضوع کی جامع ومستند کتاب، نویں صدی ہجری کے مشہور مفسر ومحدث علامہ جلال الدین السیوطی (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) نے ترتیب دی، جس میں آنحضرت ﷺ کی بڑی بڑی خصوصیات کو تقریباً ایک سو پچاس ابواب کے تحت ذکر فرمایا ہے، اس کتاب میں تتبع واستقراء کے طور پر چیدہ چیدہ وہ تمام خصوصیات ومعجزات تقریباً جمع فرمادیئے گئے ہیں جن میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی اور ہستی شریک نہیں، علامہ سیوطیؒ نے اس کتاب کا نام ''کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب ﷺ'' رکھا، جو بعد ازاں ''الخصائص الکبری للسیوطی'' کے نام سے مشہور ومتداول ہوئی، عرب وعجم کے مختلف مطابع متعدد بار اس عظیم کتاب کی اشاعت کا شرف حاصل کرچکے ہیں، اور مختلف بلاد میں مقامی زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے بھی ہوچکے ہیں۔

اس کتاب اور اس خاص موضوع کی وسیع پیمانے پر خدمت یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت وکرامت ہے، اسی کرامت وخصوصیت کا تسلسل کہیں یا مظہر، یہ زیرِ نظر مجموعہ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس مجموعہ میں بھی علامہ سیوطیؒ کی پیروی واقتداء سے باوصف ہوتے ہوئے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی ایک سو (۱۰۰) منفرد خصوصیات وامتیازات کو جمع فرمایا گیا ہے۔

یہاں پر روایت پسندی کے تناظر میں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ علامہ سیوطیؒ کی خصائص کبری جو اپنے اردو ترجمہ کے ساتھ بھی ہمارے ہاں دستیاب ہے تو اس عظیم کارنامہ پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی۔ ہے یا نہیں؟ تو اس حوالہ سے صرف اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ قرآن کریم اور سیرت طیبہ یہ دونوں ایسے موضوعات ہیں کہ ان موضوعات کی جس انداز سے جن پہلوؤں سے جتنی بھی خدمت کی جائے، وہ کافی وافی نہیں کہلاسکتی یہ بھی قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت میں سے ہے۔

تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضور ﷺ کے خصائص پر عربی کتب کے اردو تراجم میں

سلاست وروانگی کی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے،اس لئے اس موضوع پر سلیس ورواں انداز میں خدمت کی ضرورت زبان ،لہجہ اورتعبیرات میں رونما ہونے والے تغیرات کی وجہ سے محسوس ہوتی رہے گی،موجودہ دور کی اسی ضرورت کے تحت ہمارے جامعہ کے ایک فاضل مولانا محمد ہارون معاویہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ تالیفی کوشش پیش فرمائی ہے۔

مولانا محمد ہارون صاحب بنوری ٹاؤن کے سابق طالب علم جواب فاضل کہلاتے ہیں ،طالب علمی کے زمانہ میں جامعہ میں تقریر وبیان کے میدان کے شہسوار ہونے کی حیثیت سے شہرت وتعارف کے حامل رہے اورتقریری مقابلوں ومسابقوں میں سبقت سے ہمکنار ہوتے رہے ہیں،زمانہ طالب علمی ہی سے انہیں تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر سے بھی قلبی وعملی لگاؤ ہو چکا تھا فراغت کے بعد تحریری میدان میں بھی موصوف نے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ نمایاں شناخت باقی رکھی بلکہ موجودہ دور کے کثیر التالیف مصنفین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں ،موصوف فراغت کے بعد چند ہی سالوں میں ایک درجن سے زائد کتابوں کی جمع وترتیب کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب کی حالیہ تالیف ”خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

جس میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیات اورکمالات سے بحث فرمائی گئی ہے،کتاب کا مکمل مسودہ تو ہمارے سامنے نہیں ہے البتہ مؤلف موصوف نے مسودہ کی فہرست کے کچھ صفحات بطور تعارف کے پیش فرمائے تھے،فہرست کے مطالعہ سے اورخود مؤلف کی زبانی کتاب کا قدرے کفایت جو تعارف ہوا ،اس سے کتاب کی افادیت ، موضوع سے مناسبت اورامتیازی حیثیت واہمیت کا جو صحیح اندازہ ہوا وہی اس بات کا داعیہ بنا کہ آنحضرت ﷺ کے سیرت طیبہ کے امتیازی پہلو کی اس عظیم خدمت میں ہمارا بھی معمولی حصہ ہو جائے اورحضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے ﴿اللھم ابلغنا بغیتنا ،بمنزلته صلی الله علیه وسلم لدیک﴾.

آنحضرت ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات چونکہ اس کتاب کا موضوع ہے، اس لئے ایک اصولی بات کی یاددہانی بھی اس موقع پر نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اہل فضل وکمال میں سے کسی صاحبِ فضل وکمال کی خصوصیت اور امیتازی شان کو بیان کرنے میں اولاً تو ''تقابل'' کا انداز ہی اختیار نہیں کرنا چاہئے، اگر کسی ہستی کے درجہ ورتبہ کو تقابلی مثالوں ہی سے بیان فرمایا جارہا ہوتو پھر الفاظ وتعبیرات کا چناؤ ایسا ہونا ضروری ہے کہ کسی ہستی کی تفضیل وتکریم کسی دوسری ہستی کی تنقیص وتوہین کا مظہر نہ ہو، ورنہ یہ عملِ خیر اپنی اصلیت سے جدا ہوکر مواخذہ اخروی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک.

ہمارے مؤلف موصوف نے اس اصول پر کاربند ہونے کا بھرپور اطمینان دلایا ہے، اور ہمیں بھی موصوف کی گزشتہ کارکردگی کے تناظر میں احتیاط، ذمہ داری اور تیقّظ کا حسن ظن ہے، اس حسنِ ظن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے قبل مؤلف موصوف نے اپنی ہر کتاب کے اصل مواد میں اپنی اختراعات اور تعبیرات سے زیادہ اپنی کتابوں کے مراجع وماخذ یعنی اسلاف کی کتابوں کے مواد پر انحصار کیا ہے جو یقیناً اعتماد اور استناد کی ضمانت کی حامل ہیں۔

اسلاف کی کتابوں پر انحصار میں مؤلف موصوف نے جس دیانت داری اور امانت داری کا ثبوت دیا ہے، اس سے مؤلف کی شخصیت اور ان کی تالیفی خدمات کو بھرپور اعتماد کا فائدہ حاصل ہوگا، انشاء اللہ، کیونکہ ہمارے اس دور میں اس نوعیت کے مرتبین ومؤلفین عام طور پر ''سرقہ علمیہ اور علمی خیانت'' جیسے القاب والزامات کے لئے بجاطور پر محل ومورد بنے ہوئے ہیں، جنہوں نے بزرگوں کی باتوں، واقعات اور حکایات بلکہ پورے کے پورے مضامین ومقالات کو اپنی تالیفات کے بھوکے پیٹ بھرنے کے لئے ''من وعن'' نقل کردینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں فرمائی ہاں اتنا ضرور کیا کہ جہاں ان بزرگوں نے اپنایا اپنے بزرگوں کا نام ذکر کیا ہوا تھا وہاں ہمارے بعض جدید مؤلفین نے اپنا اور اپنے کسی بزرگ کا نام ڈال دیا یا پھر ضمائر اور متکلم کے صیغوں پر اکتفاء فرمالیا۔

چوری اور بد دیانتی کی اس ناخوشگوار فضا میں اگر کوئی عالم دین، پوری امانت داری، دیانتداری، اور سچائی کے تقاضوں کے ساتھ کوئی تالیفی خدمت منظر عام پر لائے تو یقیناً وہ تحسین وتشجیع کا مستحق ہے، سیرت طیبہ کی خدمت سے ادنی تعلق کے طمع کے بعد یہ دوسرا باعث ہے کہ یہ چند سطریں تحریر ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کے علم وعمل میں مزید برکت اور ترقی نصیب ہو، ان کی دینی خدمات کو ان کے لئے ان کے اساتذہ کرام اور والدین گرامی کے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے اور ہم سب کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنا آسان فرمائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں، بہت آسان ہے ہر عمل کی توفیق وقبولیت اسی کے پاس ہے۔﴿وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین﴾

(حضرت مولانا مفتی) رفیق احمد بالاکوٹی (صاحب مدظلہ العالی)
استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف ؒ بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر زمانہ نبوت سے اہل دانش واہل قلم اور زعماءِ امت مسلسل لکھتے آرہے ہیں، اور صبح قیامت تک لکھتے ہی رہیں گے، چونکہ بعد از خدا آمنہ کے دریتیم ہی کا مقام ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا۔

بعد از خدا بزرگ توہی قصہ مختصر

حال ہی میں ایک دانشور کی تحریر مطالعہ سے گزری جس میں موصوف نے سیرت مصطفیٰ ﷺ پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد تین ہزار سے زائد بتائی ہے، جس میں پچاس کتابیں فقط نعلین مبارک سے متعلق ہیں، چنانچہ کئی کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتابیں تاجدار مدینہ راحت قلب وسینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت واخلاق حسنہ کی عکاسی کررہی ہیں، آپ ﷺ کی سیرت پر تحریر شدہ کتب کی تعداد اسقدر زیادہ ہونے پر حیرت کی بات نہیں چونکہ آپ ﷺ کی سیرت کا طویل باب ہے جس کا بین ثبوت صدیقہ بنت صدیق اماں عائشہ کا فرمان ہے کہ پورا قرآن آپ کا اخلاق ہے۔

خدائے بزرگ وبرتر کے بعد سب سے اونچی ہستی اور اس دنیا کی آخری نسل تک کے لئے ہادی ورہبر سردار انبیاء، خاتم النبیین ﷺ ہیں جس کے روشن چہرے اور بکھری زلفوں کی قسمیں خود خالق ارض وسماء نے مقدس کلام میں اٹھائی ہیں یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز فرمایا کہ اے پیغمبر میں تمہیں وہ کچھ دوں گا کہ تو راضی ہوجائے گا، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز قرآن میں ورفعنا لک ذکرک فرماکر آپ ﷺ کا نام ہمیشہ کے لئے بلند وبالا کردیا اور پھر آپ ﷺ کے نام کا چناؤ بھی ایسا ہوا کہ منکر بھی آپ ﷺ کا نام (محمدؐ) لے تو باعتبار معنی خود بخود آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف ہوجائے، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، ہاں یہ بھی آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ ساتوں آسمانوں پر حضرات انبیاءؑ نے آپ کا استقبال کیا، پھر آپ ﷺ کے لئے

عرش کے دروازے کھلے پھر آپ کو حبیب کا لقب ملا اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ سے گفتگو فرمائی۔

چنانچہ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ فاضل نوجوان عزیزم مولانا محمد ہارون معاویہ نے عوامی، علمی اور دینی خدمت کے احساس کے تحت ہادی برحق ﷺ کی اہم اہم خصوصیات کو یکجا کرنے کا عزم مصمم کیا اور چار جلدوں میں آپ کی سو خصوصیات کو جمع کر دیا۔

مولانا محمد ہارون معاویہ سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ بندۂ عاجز کے ماموں زاد بھائی ہیں، ایشیاء کی معروف دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے سند فراغت حاصل کی ہے، زمانہ طالب علمی سے ہی تحریر وتقریر اور کتب اسلاف کا مطالعہ موصوف کا محبوب مشغلہ رہا ہے، دورۂ حدیث والے سال سے باقاعدہ میدان تالیف میں قدم رکھا اور تادم تحریر (۱۳) کتب شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں، چنانچہ میدان تالیف وتصنیف کے نشیب وفراز سے بخوبی آگاہی حاصل کرنے کے بعد خصوصیات کے لئے قلم اٹھایا ہے، یہ چار جلدوں پر مشتمل آپ ﷺ کی ۱۰۰ خصوصیات کا گرانقدر، جاذب نظر اور قابل فخر مجموعہ ہے، اس کی عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف مؤلف نے صاحب خصوصیات ﷺ کے روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر ان گنت صفحات تحریر فرمائے ہیں، جسے قارئین دورانِ مطالعہ محسوس بھی کریں گے اور بہرہ اندوز بھی ہوں گے، بلاشبہ آپ اس کتاب میں ایک ایسی عظیم ہستی (ﷺ) کی ۱۰۰ خصوصیات کو پڑھ سکتے ہیں جس کے عام وخاص حالات بھی بالتفصیل محفوظ ہیں، اور ان پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہو بہو محفوظ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس نونہال نوجوان نے اتنی کم عمری میں بہت بڑا کام کر دکھایا ہے، یہ محض خالق کائنات ہی کی کرم نوازی ہے۔

راقم الحروف نے چاروں جلدوں پر اک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور فہرست کو بغور پڑھا ہے، بحمد اللہ ایک جامع اور منفرد کام کیا ہے، بارگاہ صمدیت میں دست بدعا ہوں کہ رب ذوالجلال موصوف کی شب وروز کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے، اور علم وعمل، صحت وعمر میں برکت نصیب فرمائے، اور خود ان کے لئے اور ہمارے پورے خاندان کے لئے ذریعہ نجات بنائے، اور اہل علم وعامۃ الناس کو اس سے مستفیض فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

(مولانا حافظ) محمد اصغر کرنالوی (صاحب مدظلہ العالی)

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

انبیاءِ کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت اور ایک ضروری تطبیق

ہم جب قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک طرف تو ہمیں اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تمام انبیاءِ کرامؑ کی صداقت پر یکساں ایمان لانا اور ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

لَانُفَرِّقُ بَينَ أحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ)

''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے۔ دوسری طرف ارشاد ہے. تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعضَهُمْ عَلٰى بَعضٍ .مِنهُم مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعضَهُم دَرَجاتٍ .واٰتَينَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وأيَّدنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ (بقرہ)

''یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ علیہما السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (یعنی جبرئیل) سے فرمائی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی

ہے، ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

حضرات انبیاء کرامؑ تمام کمالات نبوت وفضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے زمانہ اور ماحول کی ضرورت اور مصالح الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانے کے حالات کے لحاظ سے کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بہ مصلحت یہ کمال ظاہر نہیں ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو تو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورت حال ان انبیاء کرامؑ کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات وفضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوہ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر ان کے چھوڑنے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا، تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم وعیسیٰؑ کی، اور اے عمر! تمہاری مثال نوح اور موسیٰؑ کی ہے، یعنی ایک فریق سے رحم وکرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا۔

(دیکھئے مستدرکِ حاکم غزوۂ بدر)

اس حدیث میں اسی نقطہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو انبیاءؑ کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی اس لئے بضرورت احوال آپ ﷺ کے تمام کمالاتِ نبوت آپ ﷺ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے اور آپ ﷺ کی نبوت کے آفتاب عالم تاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل

ہدایت بنی اور ظلمت کدہ عالم کا ہر گوشہ آپ ﷺ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پرُ نور ہوا۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو (نعوذ باللہ) پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیاءؑ کی توہین یا کسر پیدا ہو، اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد اول)

ایک ضروری وضاحت

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاءؑ کے مقابلے میں جو خصوصیات اور فضیلتیں دی گئیں اسکے نتیجے میں بقیہ تمام انبیاءؑ میں معاذ اللہ نقص اور خامی ثابت ہو جاتی ہے، ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بغیر استثناء تمام دوسرے انبیاء کرامؑ سے افضل ہیں، مگر اس عقیدے کی وجہ سے کسی نبی کے حق میں کوئی نقص اور خامی ثابت نہیں ہوتی، اس اعتراض کا جواب بھی دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر کوئی جاہل آدمی یہ اعتراض سنے گا تو وہ کہیں آنحضرت ﷺ کی ان تمام خصوصیات سے ہی انکار نہ کر دے جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاءؑ پر فضیلت حاصل ہے، جاہل آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ چونکہ ان خصوصیات کو ماننے کی وجہ سے دوسرے انبیاءؑ میں خامیاں ثابت ہوتی ہیں لہذا آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہی انکار کر دیا جائے، اس کے نتیجہ میں پھر وہ شخص عیاذ باللہ کفر و گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا (اس بناء پر اس اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا) یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا حوالہ ہے)

خصوصیت نمبر ۷۶

رسولِ اکرم ﷺ کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کر دیا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے چھہتر نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کر دیا" بحمد اللہ یہ سطریں لکھتے وقت میں عین روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھا ہوں اور حضور ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، زبان پر درود جاری ہے پیغمبر ﷺ کی محبت میں دل چاہتا ہے کہ لکھتا جاؤں لیکن لوگوں کے رش کی وجہ سے کم ہی لکھا گیا لیکن امید واثق ہے کہ روزِ قیامت انشاء اللہ یہ لکھنا ہی میری نجات کا ذریعہ ہوگا، اپنے اللہ سے بھی دعا کرتا ہوں کہ یارب قدوس میری اس ادنیٰ اور ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہِ اقدس میں مقبول و منظور فرما، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بھی نرالی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کیا جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں میں یہ بات نظر نہیں آتی، ہاں اگر کسی اور نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس خصوصیت سے نوازا لیکن محدود انداز اور محدود وقت تک کے لئے، لیکن ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کیا تو وسیع پیمانے پر اور قیامت تک کے لئے، بے شک اب قیامت تک جہاں جہاں اللہ کا ذکر اونچا ہوگا وہاں ہمارے نبی ﷺ کا ذکر اونچا ہوگا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: "ورفعنا لک ذکرک" یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ذکر کو اونچا کر دیا تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا بھی حقیقی مظہر ہمارے رسول ﷺ

ہی ہیں، جیسا کہ تفصیل آپ کو آنے والے اوراق میں معلوم ہوگی، جس تفصیل کو ہم نے عین قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عظیم نبی ﷺ کی قدر کرنے اور انکی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

چھہترویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن عظیم محمد ﷺ کے ذکرِ گرامی کی بلندی کی جاوداں دستاویز ہے۔ان کو نبی بنا کر ہماری طرف بھیجنے والے نے فرمایا: **ورفعنا لک ذکرک** (سورہ الم نشرح) ''اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کو بلند کیا۔''

اور یہ بات اس وقت کہی گئی، اور اس وقت یہ بشارت اطمینانِ قلب کے لئے دی گئی جب مکہ مکرمہ آپ کی شدید ترین مخالفت کا مرکز تھا، جب آپ کی بات تالیوں کی گونج، بے ہنگم قہقہوں اور طنز واستہزا کے شور میں دبانے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی۔ جب مکہ کا ہر ذرہ اسلام دشمنی کی مہم میں شریک معلوم ہوتا تھا، جب طاغوت سوز آواز اور پیغام کو سحر، شاعری اور کہانت کہہ کر رد کیا جارہا تھا۔ جب سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ اس مخالفت کے طوفان اور بشری طور پر تنگی محسوس کرتے اور ایک بڑے بوجھ کا احساس فرماتے۔اس فضا اور ماحول میں قرآن حکیم کی یہ سورۃ الم نشرح نازل ہوئی: ﴿**الم نشرح لک صدرک**﴾ ''اے نبی (ﷺ)! کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لئے کھول نہیں دیا۔'' اور: **ووضعنا عنک وزرک** (سورہ الم نشرح) ''اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا، جو کمر توڑ دے رہا تھا۔''

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہر اعتبار سے کشادگی کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ کفر کی طغیانیوں میں آپ کے سینے کو اسلام اور اپنی نصرت کے یقین سے آباد کر دیا۔ ہر انتشارِ ذہنی کی دھند چھٹ گئی اور اپنے پیغام کے حق ہونے پر وہ اعتماد نازل فرمایا، جس سے ٹکرا کر ہر طاقت پاش پاش ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ شرح صدر بخشا جس نے کارِ نبوت کی عظیم

ذمہ داریوں کے بوجھ کو سہل اور گوارا بنا دیا۔

آپ کے قلب طاہر پر کفر اور شرک کے ان مناظروں نے بڑا بوجھ ڈال رکھا تھا جو مکہ کے معاشرے میں عام تھے۔ آپ ﷺ کے جد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں ۳۶۰ بت پوجے جا رہے تھے، لات وہبل وعزیٰ کے جے کے نعرے فضا میں گونج رہے تھے، خشکی اور تری پر فساد پھیل چکا تھا۔ رقص وسرور اور شراب نوشی کی مجلسوں میں اہل عرب انسانیت کے ہر تقاضے کو غرقِ مئے ناب کر رہے تھے۔ ربا نے تجارت کو نجس اور ناپاک کر دیا تھا اور رزق حلال کے تصور سے ذہن نا آشنا ہو گئے تھے، جنسی جنون کی شدت کا یہ عالم تھا کہ تمام رشتوں کی حرمت اور تقدس نے دم توڑ دیا تھا۔ انسانی جان کی حرمت کا تصور بھی ذہنوں میں مٹ گیا تھا۔ جہالت کے ایک نعرے سے وہ جنگیں چھڑتیں جو ایک نسل سے دوسری نسل تک، بلکہ تیسری نسل تک جاری رہتیں۔ ان میں سے ہر بات اس ذات کے لئے ایک بوجھ تھی جو مشرکین کی ہمدردی اور بہی خواہی کی وجہ سے راتوں کو جاگتی رہتی اور ان کے ایمان اور سلامتی کے لئے دعا کرتی رہتی، جس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسورات کی تاریکی میں شمع کی طرح روشن ہوتے۔

ان تینوں آیات میں ''لک'' اور ''عنک'' کی معنویت پر غور فرمائیے۔ یہ لفظ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ السلام سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کے امین ہیں اور یہ لفظ دل کی طرح دھڑک رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی خاطر اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ کھولا، اور آپ ﷺ ہی کے لئے آپ ﷺ کا بوجھ کم کیا گیا، اور آپ ﷺ ہی کی خاطر آپ ﷺ کے ذکر کے آوازے کو بلند کیا گیا۔

آپ ﷺ کی خاطر آپ کے ذکر کو یوں بلند کیا گیا کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک سورج کی آنکھوں نے رفع ذکر کی کوئی ایسی مثال نہیں دیکھی۔ آسمانوں کے دریچوں سے جھانکنے والے سارے جو ہر واقعے کے تماشائی اور شاہد رہے ہیں، اس رفع ذکر پر حیران ہو گئے اور ان کی یہ حیرانی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

آپ کے رفع ذکر کے پہلے کارندے تو قریش مکہ بنے جو ایام حج میں اطراف

واکناف سے آنے والوں کے پاس جا کر انہیں خبردار کرتے کہ اپنی "متاع ایمان" کو ہمارے کاہن اور ساحر سے بچائے رکھنا، اس کے الفاظ کے جادو سے اپنی سماعتوں کی حفاظت کرنا، اپنی بینائی کو اس کے چہرے کے طلسم سے بچائے رکھنا۔ وہ چہرہ جو دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ قریش کے ایسے کلام سے حج کے لئے آنے والی متلاشی روحوں اور متجسس ذہنوں میں اس "کاہن" اس "شاعر" اس "ساحر" کو دیکھنے سننے اور سمجھنے کا شوق پیدا ہوتا اور پھر وہ حیرت سے سوچتے کہ یہ "آدمی" نہ تو کہانت کے نمونے پیش کرتا ہے، نہ اس کا کلام شعر کی طرح فرضی اور خیالی ہے۔ وہ یہ بھی سوچتے کہ اللہ کی طرف بلانے والے اس شخص کے بارے میں قریش کسی ایک بات پر متفق کیوں نہیں ہوتے۔ کاہن، ساحر، شاعر، مجنون۔ آخر بات کیا ہے؟...... سچ تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہو، اور نبوت کے تصور سے وہ بالکل نابلد نہ تھے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے بنائے ہوئے کعبہ شریف کو ان کی زندگی میں اس عالم گمراہی میں بھی بنیادی حیثیت حاصل تھی۔

حج کے لئے آنے والوں کے دل اسلام کے لئے کھلتے گئے اور یثرب کے لوگوں کی سماعتوں نے اس پیغام کو قبول کیا، ان کی بصارتوں نے مکہ کے محمد بن عبداللہ کے چہرے پر تحریر نبوت کو پڑھ لیا۔ پھر اسلام کے "آزاد سفر" کا دور مدینہ منورہ میں شروع ہوا۔ مدینہ کی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اسلام کے پہلے مشہور، بنیادی ادارے کے طور پر مساجد تعمیر کی گئیں۔ اس کے بعد اذان کو اسلام کی اساسی رکن نماز کے ساتھ وابستہ کرکے اسلام کے منشور اور اعلان کا درجہ دیا گیا۔ اسلام ریاست کی حدود میں اضافہ ہوتا گیا اور مسجد اسلامی بستیوں کا نشان ٹھہری۔ صدیاں سفر کرتی رہیں اور مشرق کے انتہائی بعید کنارے سے مغرب کے انتہائی بعید کنارے تک، شمال کے انتہائی بعید کنارے سے جنوب کے انتہائی بعید کنارے تک، مساجد کے مینار ابھرتے گئے اور چودہ صدیوں سے زیادہ عرصے سے یہ مینار اور مساجد کی محرابیں "اشھدان لا الہ الا اللہ" کے ساتھ ساتھ "اشھدان محمدا رسول اللہ" کی آوازوں سے گونج رہی ہیں۔ یہ آواز گردش مہر و ماہ پر غالب آچکی ہے۔

زمین کا کون سا چپہ ایسا ہے جہاں کسی نہ کسی وقت یہ آواز بلند ہو کر فضا کو مرتعش نہ کرتی ہو اور محمد عربی کا اسم گرامی سن کر اہل ایمان اور مناظر حیات و کائنات تحفۂ درود و سلام نہ بھیجتے ہوں۔ اللہ اور محمد (ﷺ) کے اسمائے مبارک سے دل کائنات نہ دھڑکتا ہو۔ اور ان ناموں کی گونج کا سلسلہ وقت کو اپنے احاطے اور دائرے میں لئے ہوئے ہے۔ اور بات اذان تک محدود نہیں۔ خطبے میں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی شامل ہے، اقامت میں یہ اسم گرامی شامل ہے، تشہد میں یہ اسم گرامی شامل ہے۔

رفع ذکر خاتم الانبیاء ﷺ کی شکلیں کتنی متنوع اور گونا گوں ہیں۔ نالۂ نیم شبی اور نغمۂ سحر گاہی میں اسم محمد کی دھڑکن اور ہونٹوں کا ترانہ بن جاتا ہے۔

پاکستان، ہندستان، بنگلہ دیش ہو یا افغانستان اور دنیائے عرب ہو، اقصائے مغرب ہو، یا ولایاتِ فرنگ، اشترا کی چین ہو یا سرمایہ پرست امریکہ، جاپان ہو یا مشرق بعید کے ممالک انڈونیشیا اور ملائشیا، دنیا کے ہر ملک میں ہر رات بچوں کو سلاتے وقت ماؤں کے ہونٹوں پر یہ سرمدی نغمہ ابھرتا ہے۔

حسبی ربی جل اللہ　　مافی قلبی غیر اللہ
لا الہ الا اللہ　　نورِ محمد صلی اللہ

اور اس نغمے سے فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ عالم اسلام کی سرحدوں کا تعین یہی نغمہ کرتا ہے۔ صوفیوں کے حلقۂ ذکر میں افضل الذکر لا الہ الا اللہ کی ضرب محمد رسول اللہ کے کلمات ہی بنتے ہیں۔

"ورفعنا لک ذکرک" وہ حرف تسلی تھا جس نے مکہ کے اس صبر آزما دور میں حضرت ختمی مرتبت ﷺ کو حوصلہ عطا کیا، قربت الٰہی کا عظیم تجربہ ان الفاظ میں سمٹ آیا۔ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کلام الٰہی کو کون سمجھ سکتا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب آپ ﷺ پر نازل فرمائی اور اس کے مفاہم و مطالب آپ ﷺ پر روشن کئے۔ حضور ﷺ نے اپنے یقین کو اور مستحکم کرنے اور اس حرف تسلی کو اور گہرائی دینے کے لئے حضرت جبریل امین سے "ورفعنا

لک ذکرک" کی حقیقت دریافت فرمائی۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا، "اذا ذکرت معی"۔چنانچہ سید السادات،فخر انبیاء ﷺ نے اس رفعت ذکر کی یوں تشریح فرمائی۔أتانی جبریْلُ فقالَ: یقولُ لکَ ربُّکَ أتدْرِیْ کیفَ رَفعْتُ ذِکْرَکَ ؟ قالَ:اللهُ أعْلمُ،قالَ:إذَا ذُکرْتُ مَعِیْ. (فتح الباری)

ترجمہ:میرے پاس جبریل امین آئے اور یہ کہا کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کا ذکر کس طرح بلند کیا ہے؟رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے،تو جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنایا کہ جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ تیرا بھی ذکر ہوگا۔

اس سے خود حق تعالیٰ کا اس ذکر شریف کو بلند کرنا ثابت ہوا۔اسلامی عقائد وشریعت میں یہ عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔(۱) توحید باری تعالیٰ پر ایمان بھی اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک سید دو عالم ﷺ کی رسالت کی شہادت نہ دے۔

(۲) اسی طرح جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا وہاں سید دو عالم ﷺ کا ذکر بھی ہوگا کلمہ طیبہ،اذان،اقامت،نماز سب جگہ آپ کا ذکر عالی ساتھ ساتھ مذکور ہے۔کوئی تقریر یا تحریر ،کوئی مجلس یا وعظ ایسی نہیں جس میں حمد کے ساتھ صلوٰۃ نہ ہو۔

(۳) کائنات ارضی وسماوی میں رفعت شان محمد ﷺ کا مظہر درود شریف ہے۔جس کو خود اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے سے شروع فرمایا،ارشاد ہے:﴿إنَّ اللهَ وملائکتَهُ یُصَلُّونَ علَی النبیِّ یَا أیُّها الذینَ اٰمَنُوا صلُّوا علیهِ وسَلِّمُوا تسْلِیماً.

یَاربِّ، صلِّ وسلِّمْ دائماً أبداً ....علَی حبِیبِکَ خیرِ الْخَلْقِ کُلِّهم

اللہ تعالیٰ کی رفعت اور شہرت تو ظاہر ہے۔اور جو اس کے ساتھ مقرون (لگا ہوا) ہوگا وہ رفعت وشرف میں بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔

ألا یَا مُجیبَ المصطفَی زِدْ صبابَةً ....وضَمِّخْ لسانَ الذِّکرِ منکَ بطیبِهِ

وَلَا تعْبَئَنَّ بِا لمُبْطلینَ فإنَّمَا ....علامةُ حُبُّ اللهِ حُبَّ حَبِیبِهِ

ترجمہ: سن رکھ اے عاشق مصطفیٰ ﷺ تو عشق میں خوب ترقی کر اور اپنی زبان کو خوشبوئے ذکر نبوی سے معطر کر، اور اہل بطالت کی کچھ پرواہ مت کر کیونکہ علامت حب الٰہی کی اس کے حبیب کی محبت ہے۔ (بحوالہ العطور المجموعہ)

اور رسولِ اکرم ﷺ کی اس خصوصیت سے متعلق علامہ سلیمان منصور پوریؒ اپنی شاہکار کتاب ''رحمۃ للعلمین'' کی جلد سوم میں یوں رقم طراز ہیں کہ بحر الکاہل کے مغربی کنارہ سے لے کر دریائے ہوانگ ہو کے مشرقی کنارہ تک کے رہنے والوں میں سے کون ہے، جس نے صبح کے روح افزاء جھونکوں کے ساتھ اذان کی آواز نہ سنی ہو، جس نے رات کی خاموشی میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُولُ اللّٰہ کی سریلی آواز کو جان بخش نہ پایا ہو۔

بغوی نے باسناد ثعلبی ابوسعید خدری ؓ سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام ورفعنا لک ذکرک سے کی حقیقت دریافت کی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا اِذَا ذُکِرْتَ معِی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ اس ارشادِ الٰہی میں اذان و اقامت تشہد و خطبہ مراد ہیں۔

چنانچہ یہی وہ الفاظ ہیں جو جاگنے والوں اور سونے والوں کو اُن کی ہستی کے بہترین آغاز و انجام کے اعلام کے سامعہ نواز ہیں۔ کیا رفعت ذکر کی کوئی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے، آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت میں کسی ہادی کو اپنے حلقہ اثر میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اُس کے مبارک نام کا اعلان ہر روز و شب اس طرح پر کیا جاتا ہو کہ خواہ کوئی سننا پسند کرے یا نہ کرے، لیکن وہ اعلان یہ ہے کہ پردہائے گوش کو چیرتا ہوا قعر قلب تک ضرور پہنچ جاتا ہے، ہاں وہ اعلان صرف اُس کے نام ہی کا اعلان نہیں، بلکہ اس کے کام کا بھی اور صرف کام کا ہی نہیں، بلکہ اُس کے پیغام کا بھی اعلان ہے۔

بے شک یہ اعلیٰ خصوصیت صرف اسی برگزیدہ انام کے نام نامی کو حاصل ہے، جس کی رفعتِ ذکر کا ذمہ دار خود رب العلمین بنا ہے اور جس کی بابت یسوع نبی کی کتاب میں پیش گوئی فرمائی گئی تھی، کہ اُس کے نام کو برکت دی جائے گی۔

طامس کارلائل کو دیکھو، یہ ایک پکا عیسائی ہے اور سارے انگلستان میں تاریخ وزبان دانی کی فضیلت سے اشہر المشاہیر میں داخل ہے وہ ''ہیروز آف ہیروز'' لکھنے بیٹھتا ہے تو گروہ انبیاء میں سے صرف رسولِ اکرم ﷺ ہی کے نام مبارک کا انتخاب کرتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بھولا ہوا ہے اور ان کے کارناموں سے جو آج تک بحیرۂ قلزم کی امواج اور فلسطین کے ذرات کو بھی یاد ہیں ناواقف ہے؟

کیا وہ داؤد علیہ السلام کو نہیں جانتا؟ جنہوں نے بنی اسرائیل کی متفرق شدہ اسباط میں جمعیت پیدا کی، جنہوں نے ایسی سلطنت کو بنایا اور پائدار کیا کہ اُن سے پہلے ایسی سلطنت کا خواب بھی فرزندانِ یعقوب علیہ السلام نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

کیا کارلائل کو معلوم نہ تھا کہ داؤد نے عبادت وموسیقی کو جمع کر کے ہوا کو ترنم سے اور فضا کو مناجات سے بھر دیا تھا۔ موسیقی کی اس قدر افزائی پر تو کارلائل کے رقاص دل کو ضرور اچھل پڑنا چاہئے تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو یسوع کی وہ نبوتیں اور پیش گوئیاں یاد نہ تھیں ،جو اناجیل متی یوحنا کی تصانیف کا مایۂ خمیر ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ دانی ایل نبی کی ان برکات سے بے خبر تھا، جس نے بابل کے کافر وجابر بادشاہ کو یہود کی حفاظت واکرام پر آمادہ کر دیا تھا، جس نے لاکھوں ایمانداروں کو قتل وصلب سے بچالیا تھا، جس نے سینکڑوں سال کے آئندہ واقعات کے طلسم کو کلید تعبیر خواب سے کھول دیا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو شالتی ایل کی خدمات کا علم نہ تھا، جس نے اسیری سے رہائی پا کر اتنا بڑا ایوان یروشلم تعبیر کر دیا تھا، جو ہیکل سلیمانی سے کم نہ بجھا جاتا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کارلائل حضرت زکریا علیہ السلام کی پیش گوئی اور حضرت یوحنا بپتسمہ وہندہ کے زہد وعبادت اور وعظ وتذکیر کے حالات سے ناآشنا تھا۔ ان سب کا جواب منفی ہے۔

پیارے قارئین! پروفیسر طامس کارلائل ان سب باتوں کو جانتا پہنچانتا ہوا، بلکہ مانتا اور ایمان رکھتا ہوا بھی مجبور ہے کہ گروہ انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضور سرور کائنات ﷺ ہی کا مبارک نام انتخاب کرے۔ اس جگہ یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ کارلائل کو انبیاء میں سے

صرف ایک ہی مبارک نام پر اکتفا کرنا تھا، اسی لئے حضور ہی کے نام پر اُسے بس کرنا پڑی۔ دیکھو حکماء وشعراء اور فلاسفروں کی صنف میں یہ مصنف صرف ایک ایک نام کے انتخاب کرنے کا پابند نہیں ہوا۔ لہذا اگر وہ چاہتا تو بحث نبوّت میں بھی ایک سے زیادہ نام لکھ سکتا تھا۔ لہذا ہماری دلیل اور بھی متین وو قیع ہو جاتی ہے اور پتہ لگ جاتا ہے کہ جب کارلائل نے اپنی مورخانہ تحقیقات کی نگاہ سے آفتاب نبوت رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھا تب اُسے ہزاروں سال کے عہد وسیع کے آسمان پر اور کوئی بھی کوکب نبوّت نظر نہ آیا، جسے اس آفتاب کے دوش بدوش وہ اپنے اوراق پر جلوہ گر کر سکتا۔

یہ نمونہ ہے رفعت ذکر کا کہ صحیح الاعتقاد عیسائی، کیمرج یونیورسٹی جیسے دارلعلوم کا مسلمہ استاد جس کے نام پر انگلستان کو فخر وناز ہے، ہزاروں انبیاء کی صداقت پر ایمان رکھتا ہوا اور سینکڑوں انبیاء کے اسمائے پاک کا علم رکھتا ہوا بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا نمونہ پیش کر سکا تو سیّدنا ومولانا محمد النبی الامّی ہی کے وجود کا ذکر کر سکا، اس جگہ وہ نوشتہ پورا ہوا، جو قرآن حکیم میں ہے۔ لقدْ کانَ لکُم فِی رسُولِ اللهِ اُسوۃٌ حسنَۃٌ. تم کو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ ہی ملیں گے۔

رفعتِ ذکر کا بیان جس طرح اہل ایمان کرتے ہیں۔ اُسے بھی یاد رکھنا چاہئے، ہم نے موجودہ بائیبل سے ثابت کر دیا ہے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر یعقوبؑ وموسیٰ، داود وسلیمان یسعیاہ، یرمیا، دانی ایل، حزقی ایل، حبقوق، ملاکی، یحیٰ وعیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے محامد محمدی اور نعوت مصطفوی کو اسالیب بدیعہ اور علامات متنوعہ کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اور یہ وہ امر عظیم الشان ہے جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔ انجیل اول کے مصنف سینٹ متی نے ان چند پیش گوئیوں کی تلمیحات پر اشارہ کیا ہے جو سیدنا عیسیٰ مسیحؑ کی بابت صحف سابقہ میں پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی منصف ہے تو ان مجمل اشارات کو دیکھے اور جناب متی نے جو طریق استدلال نکالا ہے اس کا موازنہ کرے اور پھر اُن آیاتِ بینات کو دیکھے جو بائیبل ہی کے اندر ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی ذات مبارک پر ثابت و متحقق ہیں۔

سینٹ متی کو جو محبتِ صادقہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ تھی، نیز جو دسترس کامل اُن کو مضامین بائیبل پر حاصل تھی، ہم ان ہر دو امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت وثوق سے یقین کر سکتے ہیں کہ سینٹ مذکور نے کوئی ایسی پیش گوئی اپنی انجیل میں درج کرنے سے باہر نہیں چھوڑی، جس کا تعلق جناب مسیح کی ذات گرامی سے تھا۔ ہم بھی متی کی بتلائی ہوئی پیش گوئیوں کا مصداق جناب مسیح ہی کو تسلیم کر لیتے ہیں اور بعد ازاں ان پیشگوئیوں کو لیتے ہیں، جو جناب متی کے زمانہ تک بہ طور پیش گوئی (خبر مستقبل) موجود تھیں اور جن کا مصدق رسولِ اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کے سوا اور کسی کو بھی نہیں ٹھہرایا جا سکتا اور نہیں ٹھرایا گیا تھا۔

یہودی، عیسائی، مسلمان سُن رکھیں کہ اسی موجودہ بائیبل کے اندر رسولِ اکرم ﷺ کا نام مبارک نام مقام ولادت اور دار ہجرت اور رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے والے قبائل کے نام رسولِ اکرم ﷺ سے برسر پیکار آنے والی قوموں کے نام اور اُن کے انجام ایسی وضاحت سے پائے جاتے ہیں کہ ورفعنا لکَ ذِکْرَکَ کی صحیح تفسیر ہیں اور اُن سے یہ امر بہ وضوح تام ظاہر ہو جاتا ہے کہ ربّ العلمین نے حضور کی رفعت ذکر کا اہتمام صدیوں پیشتر کیسے زبردست اعلانات سے فرمایا تھا۔ بے شک اس فضیلتِ علیا میں اور کوئی بھی بزرگوار حضور کا سہیم ثابت نہیں ہوا۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔ (بحوالہ رحمۃ العلمین ج ۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۷۷

رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ستترویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے" الحمد اللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں "رياض الجنة" (اس حصے پر جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا یہ ٹکڑا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے) میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ صاحبِ خصوصیت ﷺ عین میرے سامنے آرام فرما ہیں اور میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے اور جنت کے ٹکڑے میں بیٹھ کر انکی عظیم خصوصیت کو لکھ رہا ہوں، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے رسول ﷺ کی یہ امتیازی خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ کے کرم و فضل سے ہمارے آقا ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے، جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرت کا ہر ہر گوشہ ہمیں محفوظ نظر نہیں آتا، اگر چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء کرامؑ نے اپنی اپنی زندگیوں کو عین مرضی خداوندی کے مطابق بڑی کامیابی سے گزارا، اس پر ہمارا مکمل ایمان ہے اس کے بغیر ہم صاحبِ ایمان نہیں رہ سکتے کیونکہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے، چنانچہ ہمارا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دیگر انبیاءؑ نے زندگیاں کس طرح گزاری؟ ان کی زندگیوں میں کیسے کیسے نشیب و فراز آئے؟ اس طرح ان کی زندگی کے مکمل گوشے آج ہمیں محفوظ نظر نہیں آتے، یہاں تک کہ پچھلے انبیاءؑ کی

کتابیں تک محفوظ نظر نہیں آتی اور جہاں تک ہمارے نبی ﷺ کی زندگی کا تعلق ہے، الحمد اللہ ہمارے نبی ﷺ کے بچپن سے لیکر لڑکپن تک، لڑکپن سے لیکر جوانی تک، جوانی سے بڑھاپے تک اور اسی طرح نبوت ملنے سے پہلے کی زندگی اور نبوت ملنے سے بعد کی زندگی اور زندگی کا ہر ہر گوشہ محفوظ ہے اور ہمیں معلوم ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ خصوصیت بھی صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کی ہے جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت سے متعلق کچھ چیدہ چیدہ یعنی ضروری ضروری تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، انشاء اللہ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی زندگی پر اپنی زندگی کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

ستترویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

آپ ﷺ کی پوری زندگی محفوظ ہے

سارے انبیاء کی سیرتوں کا مطالعہ کر لیجئے آپ کو ان کے بچپن اور جوانی کے تفصیلی حالات نہیں ملیں گے لیکن یہ ہمارے آقا کی خصوصیت ہے کہ آپ کی ولادت و رضاعت سے لے کر وفات تک کے تفصیلی حالات معلوم ہیں۔

ہمارے آقا ﷺ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ بھی فوت ہو گئیں، آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو دادا بھی چل بسے، نکتہ وروں نے اس سے یہ نکتہ نکالا کہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اولاد میں کوئی کمال نظر آئے تو لوگ اسے والدین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شاگرد میں کوئی کمال نظر آئے تو استاد کی طرف منسوب کرتے ہیں مرید میں کوئی کمال نظر آئے تو پیر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو تعلیم و تربیت کے ظاہری سہاروں سے محروم فرما کر براہ راست اپنا سہارا عطا کر دیا تاکہ رسولِ اکرم ﷺ کے عملی اور اخلاقی کمالات دیکھ کر کوئی یہ نہ کہے کہ یہ والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے، یہ دادا کی تربیت کا ثمرہ ہے، یہ فلاں استاد اور شیخ کی صحبت کا اثر ہے، اور یہ صرف

رسولِ اکرم ﷺ کی تخصیص نہ تھی بلکہ سارے انبیاء کا یہی حال تھا۔ بے شک حضرت نوح علیہ السلام کو شجاعت کا سبق اللہ نے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے مقام تک کس نے پہنچایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تسلیم ورضا کا درس کہاں سے لیا، حضرت صالح علیہ السلام نے فصاحت کہاں سے سیکھی، حضرت لوط علیہ السلام کو حکمت کس نے عطا کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جاہ وجلال کس کی تربیت کا ثمرہ تھا، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر کس کی محنت کا نتیجہ تھا، حضرت یونس علیہ السلام کو توبہ وانابت کا راستہ کس نے بتایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زہد وقناعت کا سبق کہاں سے پڑھا۔

اگر آپ کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ ان سارے انبیاء کو علمی وعملی اور اخلاقی کمالات مربی حقیقی رب تعالیٰ نے عطا کیے تھے تو میں بھی سچ کہتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت اسماعیل علیہ السلام، کا جذبہ تسلیم ورضا، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جاہ وجلال، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ وانابت اور عیسیٰ کا زہد وقناعت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ نے عطا کیا، رسولِ اکرم ﷺ کے کمالات نہ والدین کی تربیت کا ثمرہ تھے نہ کسی استاد کی محنت کا نتیجہ تھے۔

اسی لئے تو یہ ممکن ہوا کہ ایک زندگی میں کئی زندگیاں اور ایک سیرت میں کئی سیرتیں سمٹ کر سما گئیں۔ تو عرض یہ کیا جا رہا ہے کہ ہمارے آقا ﷺ ولادت سے پہلے ہی یتیم ہو چکے تھے، ولادت کے بعد آپ کی رضاعت کا مسئلہ پیش آیا، عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ رضاعت اور ابتدائی پرورش کے لئے شہروں سے زیادہ دیہاتوں کو پسند کرتے تھے، جب آپ پیدا ہوئے تو کئی خواتین رضاعت کے لئے بچوں کی تلاش میں شہر مکہ آئیں لیکن سب نے مالدار گھرانوں کو ترجیح دی، محمد ﷺ کو کسی نے لینا قبول نہ کیا وہ یہی سوچتی رہیں کہ اس یتیم بچے کی ماں ہمیں کیا دے سکے گی۔

انہیں کیا معلوم تھا کہ جس بچے کو وہ یتیم سمجھ کر چھوڑ رہی ہیں وہ تو دریتیم ہے وہ تو نویدِ

مسیح ہے وہ تو دعائے خلیل ہے، وہ تو فخر انسانیت ہے وہ سرمایۂ کونین ہے، وہ تو محبوب الٰہی ہے۔

انسان بھی کتنا جاہل اور احمق ہے کتنی آسانی سے دھوکہ کھا جاتا ہے کبھی سنگریزوں کو موتی اور کبھی موتیوں کو سنگریزے سمجھ لیتا ہے۔ زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر جان لیتا ہے، دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست یقین کر لیتا ہے۔ جس بچے کو وہ خواتین اس لئے چھوڑ گئی تھیں کہ اس کی والدہ سے سرمایہ حاصل ہونے کی امید نہ تھی انہیں کیا خبر تھی کہ وہ بچہ خود بہت بڑا سرمایہ ہے۔ مگر وہ خواتین بھی کیا کر سکتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ازل سے یہ سعادت حلیمہ سعدیہ کے مقدر میں لکھ دی تھی، محترمہ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں بچے کو گھر لائی تو گھر میں خوشگوار تبدیلیاں محسوس ہونے لگیں۔

کہاں تو یہ حال تھا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ بھی نہ تھا کہ میرا بیٹا عبداللہ ابن حارث سیر ہو کر پی سکتا اور کہاں یہ حال ہو گیا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ اتر آیا کہ محمد ﷺ نے بھی سیر ہو کر پیا اور عبداللہ نے بھی، یہی نہیں بلکہ اس رات ہماری اونٹنی نے بھی اتنا دودھ دیا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب شکم سیر ہو کر پیا، مکہ سے واپس چلے تو ہماری لاغر سی اونٹنی سارے قافلے سے آگے نکل گئی، ہم سفر عورتوں کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ تو وہ اونٹنی تھی جو سب سے پیچھے رہتی تھی آج آگے کیسے نکل گئی، انہیں کیا معلوم تھا کہ سواری اگرچہ وہی ہے مگر سوار بدل گیا ہے اور جب سوار بدل جایا کرتے ہیں تو سواریوں کے انداز بھی بدل جایا کرتے ہیں۔ جب امام بدل جائیں تو مقتدیوں کا حال بدل جاتا ہے۔ جب قائد بدل جائے تو پیروکاروں کا مزاج بدل جاتا ہے۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں محمد ﷺ کی وجہ سے مجھے ہر چیز میں برکت محسوس ہونے لگی سواری میں بھی برکت، بکریوں میں بھی برکت، چراگاہ میں بھی برکت ہر طرف برکت ہی برکت۔ بے شک ہمارے آقا ﷺ کی ولادت بھی برکت تھی۔ آقا ﷺ کی تعلیمات بھی برکت ہیں۔ آقا ﷺ کی غلامی بھی برکت ہے آج آپ ہمارے درمیان بذاتِ خود تو موجود نہیں لیکن اگر ہم آقا کے سچے غلام بن جائیں تو ہماری بنجر زمینیں

سونا اگلیں گی۔ ہمارے جانوروں کے خشک تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔ ہمارا آسمان رحمت کی بارش برسائے گا اور ہمارے کھیت ہریالی سے لہلہا اٹھیں گے۔

ہمارے آقا ﷺ کا بچپن مثالی تھا وہ ماحول جس میں شراب نوشی اور بدکاری عام تھی ،لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا دور دورہ تھا۔اس ماحول میں بھی رسولِ اکرم ﷺ نے ایسا بچپن گزارا اور صداقت وامانت میں ایسا نام پیدا کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا لقب ہی صدیق اور امین مشہور ہوگیا۔ جناب ابوطالب کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو بچپن میں بھی غلط بیانی یا کسی کی غیبت کرتے ہوئے اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آقا ﷺ کے بچپن آقا ﷺ کی جوانی اور آقا کی ساری زندگی کو نمونہ بنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔

اور حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی مدظلہ نے اپنے خطبات میں حضور ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے بارے میں فرمایا، جس کے چند اقباسات پیش خدمت ہیں، رسولِ اکرم ﷺ اس دنیا میں ایک ایسے وقت میں تشریف لائے جو تاریخی اعتبار سے پوری روشنی کا وقت تھا۔ یہ ایک بڑا اہم نکتہ ہے۔ جب بھی کسی سے بات کر رہے ہوں اس کو یہ بات کھول کر بیان کریں کہ ہمارے آقا اور ہمارے قائد حضرت محمد ﷺ وہ ہستی ہیں کہ جنہوں نے تاریخ کی پوری روشنی کے اندر زندگی گزاری۔آپ عیسائیوں کے پاس جائیے اور ان سے کہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی بتائیں۔وہ آپ کو چند واقعات کے سوا کچھ نہیں بتا سکیں گے۔ یہودیوں سے حضرت موسیٰ کے بارے میں پوچھئے کہ وہ کب پیدا ہوئے ،انہوں نے بچپن کیسے گزارا، لڑکپن کیسے گزارا، جوانی کیسے گزاری انکی ازدواجی زندگی کیسی تھی ،ان کے پیغامات کیا تھے،ان کی وفات کب ہوئی تو آپ کو ان کی زندگی کے شب وروز کی تفصیل کہیں نہیں ملے گی۔آج یہود ونصاریٰ کا دامن اس نعمت سے خالی ہے۔

آپ ان کے سامنے بیٹھ کر ان سے پوچھئے کہ اگر آج آپ کے معاشرے میں پیدا ہونے والا بچہ یہ چاہے کہ میں زندگی کا ہر کام اپنے پیغمبر کے طریقے کے مطابق کرنا چاہتا

ہوں تو کیا اس کی رہنمائی کے لئے تعلیمات موجود ہیں؟ تو وہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہمارے پاس ان کی کوئی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔

جب ان کے پاس کچھ نہیں ہے تو آیئے ہم آپ کو ایک ایسی ہستی کے بارے میں بتائیں کہ جن کی پیدائش مبارکہ سے لے کر دنیا سے پردہ فرمانے تک زندگی کی ایک ایک بات کو کتابوں کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثین نے وہ کمال کر دکھایا کہ جہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل بیان کرنے کا وقت آیا انہوں نے بیان کیا، رسولِ اکرم ﷺ کے ابرو مبارک کیسے تھے، رسولِ اکرم ﷺ کی مبارک پلکیں کیسی تھیں، آنکھیں کیسی تھیں، بینی مبارک کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ کی ریش مبارک کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ کا سینہ مبارک کیسا تھا، رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک کیسے تھے، رسولِ اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک کیسے تھے، رسولِ اکرم ﷺ جوتا مبارک کس طرح پہنتے تھے، لباس کس طرح پہنتے تھے، رسولِ اکرم ﷺ کا عمامہ مبارک کیسا تھا، آپ کی سواری کیسی تھی، ان سواریوں کے نام کیا تھے، جس بستر پر لیٹتے تھے اس کا تکیہ کیسا تھا، رسولِ اکرم ﷺ کا کمبل کیسا تھا، رسولِ اکرم ﷺ کی چادر مبارک کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ کی مسجد کی زندگی کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ میدان جہاد میں کھڑے ہیں تو وہاں کی تفصیلات کیا ہیں، رسولِ اکرم ﷺ کی انفرادی زندگی کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ کی اجتماعی زندگی کیسی تھی، غرض نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے جس پہلو کو بھی معلوم کرنا چاہیں وہ تمام معلومات ہمارے پاس موجود ہیں۔ چنانچہ آج کا بچہ اگر چاہے کہ بچوں کے بارے میں اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا تعلیمات دیں تو وہ بھی آپ کو ملیں گی، آج کا نوجوان اگر چاہے کہ جوانوں کے بارے میں اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا تعلیمات دیں تو بھی آپ کو ملیں گی، مزدور اگر چاہے تو اس کو بھی تعلیمات ملیں گی، اور اگر کارخانہ دار چاہے تو اسے بھی تعلیمات ملیں گی، غرض معاشرے کا کوئی فرد ایسا نہیں کہ جس کو نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تعلیمات نہ ملتی ہوں۔ جس ہستی سے قدم قدم پر رہنمائی مل رہی ہو ہم اس ہستی کی پیروی کیوں نہ کریں؟

جب ہم نے یہ بات بعض نصاریٰ سے پوچھی تو وہ کہنے لگے کہ جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمارے پاس یقیناً بائبل (انجیل) کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور ہم اپنے نبی کے بارے میں تفصیلات نہیں بتا سکتے۔ پھر ہم نے کہا کہ اگر آپ یہ پوچھنا چاہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندان مبارک کیسے تھے تو ہم وہ بھی بتا سکتے ہیں، اگر یہ پوچھنا چاہیں کہ ریش مبارک کے کتنے بال سفید تھے تو کتابوں میں ان کو بھی لکھ دیا گیا ہے، اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ مہر نبوت کیسی تھی تو یہ بھی لکھا جا چکا ہے، اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی اونٹنی کے کیا کیا نام تھے، تو محدثین نے ان کو بھی کتابوں میں محفوظ فرما دیا ہے۔ ایسی تاریخی زندگی آج تک کائنات میں کسی نے نہیں گزاری۔ بڑے بڑے جرنیل گزرے، بادشاہ گزرے، فلاسفر گزرے، لائیے کسی کو کہ جس کی زندگی کی اتنی معلومات کتب کے اندر موجود ہوں۔ فقط ہمارے پیغمبر رسولِ اکرم ﷺ کی وہ مبارک ذات ہے جن کی زندگی کی اتنی تفصیلات کتب میں محفوظ ہیں۔ لاکھوں احادیث رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کے کسی نہ کسی گوشے پر روشنی ڈالتی نظر آتی ہیں۔ لہٰذا یہ اصولی بات یاد رکھئے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں ایسے پیارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام عطا فرمائے ہیں۔ کہ جن کی زندگی کی تمام تعلیمات آج بھی محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گی۔

ہیٹی نامی ایک شخص فرانسیسی مصنف ہے، وہ نبی ﷺ کے بارے میں اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے: کہ رسولِ اکرم ﷺ تاریخ کی پوری روشنی کے اندر دنیا میں تشریف لائے۔ جب کفر نے خود تسلیم کر لیا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ذات کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہے کہ اب یہ کسی دوسری ہستی کو حاصل نہیں ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں مائیکل ہارٹ کا خراج تحسین

مائیکل ہارٹ ایک انگریز مصنف آپ ﷺ کی شان میں لکھتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ایسے لوگوں میں تشریف لائے جن کے پاس تعلیم نہیں تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے هُوَ الَّذِی

بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُولاً وہ ذات جس نے ان پڑھوں میں اپنے رسول کو بھیجا۔ اور رسول بھی وہ تشریف لائے جو زندگی میں کسی انسان کے سامنے شاگرد بن کر بھی نہیں بیٹھے۔ آپ نے پندرہ بیس سال پہلے ایک کتاب کا تذکرہ سنا ہوگا۔ وہ کتاب مائیکل ہارٹ نے لکھی۔ وہ عیسائی ہے۔ اس نے اپنے زعم میں تاریخ میں سے ۱۰۰ ایسی شخصیتوں کو گنا جنہوں نے تاریخ میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے۔ اس میں اس نے سائنس دانوں کے حالات زندگی لکھے، بعض انبیاء کا بھی تذکرہ کیا، کئی جرنیلوں کے بارے میں بھی لکھا۔ لیکن ان ۱۰۰ ہستیوں میں اس نے سب سے پہلے نبی آخر الزمان ﷺ مبارک کا تذکرہ کیا۔ اور اس پر تذکرہ کرتے ہوئے اس نے ایک فقرہ لکھا:

کہ میں نے ان سو آدمیوں کا تذکرہ کیا جنہوں نے تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا، ان میں سب سے پہلے رسولِ اکرم ﷺ کا تذکرہ کیا ہے تو اس سے بعض لوگ حیران ہوں گے۔ لیکن اس کی میرے پاس ایک ٹھوس دلیل موجود ہے کہ کائنات میں جتنی بھی ہستیاں آئیں اگر ان کے حالات زندگی پڑھتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے بچپن اور لڑکپن میں کسی نہ کسی استاد کے سامنے بیٹھے تعلیم پاتے نظر آتے ہیں، اپنے وقت کے بہترین تعلیمی اداروں کے اندر ہمیں ایک طالب علم بن کر جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام ہستیوں نے پہلے مروجہ تعلیم حاصل کی اور پھر اس کو بنیاد بنا کر انہوں نے اپنی زندگیوں میں کچھ اچھے کام کر دکھائے۔ لیکن دنیا میں فقط ایک ہستی ایسی نظر آتی ہے جس کی زندگی کی تفصیلات کو دیکھا جائے تو وہ پوری زندگی کس کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھی نظر نہیں آتی۔ وہ ہستی رسولِ اکرم ﷺ ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے دنیا سے علم نہیں پایا بلکہ دنیا کو ایسا علم دیا کہ اس جیسا علم نہ پہلے کسی نے دیا اور نہ بعد میں کوئی دے گا۔ لہٰذا اس بات پر میرے دل نے یہ چاہا کہ جس شخصیت نے ایسی علمی خدمات سرانجام دی ہوں، میں غیر مذہب کا آدمی ہونے کے باوجود ان کو تاریخ کی سب سے اعلیٰ شخصیات میں پہلا درجہ عطا کرتا ہوں۔ چنانچہ جب کافر اپنی زبان سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ

نے یقیناً انسانیت کے اوپر بڑا احسان فرمایا ہے۔

انگلش رائٹر ’’گبن‘‘ کا اعتراف

گبن نامی ایک رائٹر لکھتا ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے اس وقت عرب کے لوگ ہذیب وتمدن کے لحاظ سے بہت ہی گری ہوئی حالت میں تھے۔ گبن ایک انگلش مصنف ہے۔ وہ ان حالات کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس وقت عرب کے لوگ دنیا کی ایک ذلیل ترین قوم تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ایسے اَن پڑھوں میں اپنی مبارک زندگی گزاری۔ وہ ابوبکرؓ وعمرؓ، وہ عثمانؓ وعلیؓ، وہ طلحہ وزبیرؓ، وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، وہ سعد اور سعیدؓ وہی حضرات ہیں جو رسولِ اکرم ﷺ کے گرد دائرہ بنا کر بیٹھتے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ سے تعلیمات حاصل کرتے تھے۔ دینی تعلیمات حاصل کر کے ان لوگوں میں اتنی بلندی پیدا ہوئی، اتنا علم آیا، اتنی معرفت آئی، جہانگیری اور جہانبانی کے انہوں نے اتنے راز دیکھے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اسی رائٹر کو لکھنا پڑا کہ: آپ ﷺ پردہ فرمانے کے بعد عرب کی سرزمین تو ہیروں کی نرسری بن گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محسن انسانیت رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو ایسی تعلیمات دی تھیں جن پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی عظمت نصیب فرمادی تھی۔

رسولِ اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو علاقے کے اندر کسمپرسی کا حال تھا ظلم کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں رسولِ اکرم ﷺ کو مقبولیت حاصل کرنے کے لئے بڑے آسان طریقے حاصل تھے۔ مثال کے طور پر اگر اللہ کے محبوب ﷺ کھڑے ہو کر یہ نعرہ لگاتے کہ لوگو! ہم اقتصادی طور پر بہت پیچھے ہیں، نہ ہمیں کھانے کو ملتا ہے اور نہ ہمیں پہننے کو ملتا ہے، لہٰذا ہمارے معاشی حالات اچھے ہونے چاہئیں، آیئے میں آپ کو روٹی، کپڑے اور مکان کے حصول کا طریقہ بتاتا ہوں۔ یہ ایسا نعرہ تھا کہ ایک نعرے کے اوپر پورے کے پورے عرب کے لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ مگر رسولِ اکرم ﷺ نے یہ راستہ اختیار نہ

کیا۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ اس دھرتی کے اندر چاروں طرف ظلم نظر آتا ہے، لوگو! پرسکون زندگی حاصل کرنے کے لئے آؤ، میں تمہیں اس معاشرے کے اندر عدل وانصاف قائم کر کے دکھاتا ہوں، تو جو لوگ ظلم سے تنگ آ چکے تھے وہ حضرت خالد بن ولید کی زندگی کو کیوں نہیں دیکھتے۔ اتنے بڑے سپہ سالار آ کر مؤدبانہ بیٹھ جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اتنے بڑے جنگجو، جرأت منداور دلیر انسان کو اگر رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھنے کا شرف ملا ہے، تو فقط رسولِ اکرم ﷺ کے اخلاق کی وجہ سے ملا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسے بہادرااانسان تھے جو تلواروں سے ماننے والے نہیں تھے، وہ تو تلواروں کے دھنی تھے اور ٹکرایا جایا کرتے تھے، مگر محبوب ﷺ کا کردار جب سامنے آیا تو ان کی تلواریں بے کار ہو گئیں، انہوں نے تلواریں پیچھے رکھ دیں اور آ کر محبوب ﷺ کے دامن کو پکڑ لیا۔ سہیل بن عمر ودوسی اور ثمامہ بن عصال کو بھی میرے محبوب ﷺ کے اخلاق کی تلوار نے مسلمان کیا۔

دنیا میں کچھ ایسے علاقے بھی تھے جن میں کوئی مسلمان فوجی نہیں گیا مگر وہاں بھی اسلام کی شمع روشن ہو گئی۔ حیرہ کے اندر کوئی مسلمان فوجی نہ گیا، حبشہ، بحرین اور حیفہ کے اندر کوئی فوجی نہ گیا مگر وہاں کے لوگوں نے بھی اسلام کو قبول کر لیا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ جنگجو ابھی نہیں پہنچے تھے کہ اسلام پہلے پہنچ گیا۔ اسلام میں ایسی جاذبیت، ایسی کشش، اور ایسی مقناطیسیت تھی کہ اس نے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ سبحان اللہ، یہ کردار کی عظمت تھی کہ جس نے پوری دنیا کو مسخر کر لیا۔ (بحوالہ خطباتِ فقیر)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۷۸

رسولِ اکرم ﷺ کا خاندانی ونسبی فضل وشرف سب سے عظیم ہے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھتر نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کا خاندانی ونسبی فضل وشرف سب سے عظیم ہے'' الحمدللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ''ریاض الجنۃ'' میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی، یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرما آمین، بیشک ہمارے نبی ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی عظیم ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا خاندانی ونسبی فضل وشرف سب سے عظیم ہے، جبکہ دیگر انبیاءؑ کا خاندانی ونسبی فضل وشرف اول تو محفوظ نہیں اور اگر کسی کا محفوظ ہے تو ہمارے حضور ﷺ کی طرح ان کا خاندانی ونسبی فضل وشرف عظیم تر نہیں، گویا کہ ان کا فضل وشرف عظیم ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کا عظیم تر ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اس کی تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں گے، جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل وضاحت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح نبی اکرم ﷺ کے فضل وشرف کو ہم سب سے عظیم کہہ رہے ہیں، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کو پڑھ کر آپ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے اور حضور کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

اٹھترویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضرت **ابوھریرہ** رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مجھ کو یکے بعد دیگرے ہر قرن کے نبی آدم کے بہترین طبقوں میں منتقل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس موجودہ

قرن میں پیدا کیا گیا۔" (بخاریؒ)

تشریح......"بہترین طبقوں" سے مختلف زمانوں کا ہر وہ طبقہ مراد ہے جس میں رسولِ اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد تھے، اور جو اپنے اپنے عہد میں اپنی خاندانی نجابت و شرافت اور انسانی فضل و کمال کے اعتبار سے ممتاز و نمایاں اور قابلِ تکریم و احترام رہا ہے! جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد، ان کے بعد کے عہد میں کنانہ اور ان کی اولاد، ان کے بعد کے عہد میں ہاشم اور ان کی اولاد، پس اس ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہوا کہ میرا سلسلہ نسب شروع سے لے کر اب تک نسلِ انسانی کے نہایت مفتخر و معزز افراد پر مشتمل ہے، میرے آباؤ اجداد کہ جن کی پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا میں اس زمانہ میں پیدا ہوا ہوں، اپنے اپنے عہد و زمانہ کے وہ ممتاز و نمایاں افراد تھے جن کی ذات خاندانی نجابت و شرافت، سماجی عزت و شوکت، مجلسی تہذیب و متانت، قومی و وطنی مقبولیت و مرجعیت، ذاتی برگزیدگی و افضلیت اور انسانی خصائل و فضائل کا منبع رہی ہے۔

اور حضرت واثلہ ابن اسقعؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور اولاد کنانہ سے قریش کو چنا اور اولاد قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چنا۔ (مسلمؒ)
اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام میں اسمٰعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اولاد اسمٰعیل علیہ السلام میں، بنی کنانہ کو برگزیدہ کیا۔"

تشریح......رسولِ اکرم ﷺ کا نسلی و نسبی تعلق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان تھے، انہی عدنان کی اولاد بنی اسمٰعیل کے تمام مشہور قبائل پر مشتمل ہے، اسی لئے عرب مستعربہ بنی اسمٰعیل کو عدنانی یا آل عدنان کہا جاتا ہے، عدنان کے بیٹے معد اور معد کے بیٹے نزار تھے، نزار کے جو چار مشہور بیٹے بتائے جاتے ہیں، ان میں سے دو بیٹے ربیعہ اور مضر سب سے زیادہ نامور اور جزیرہ نما عرب کے بڑے قبائل کے مورث ہیں، مضر کی اولاد میں آگے چل کر ایک شخص کنانہ ہوئے اور ان

کی اولاد مضر کے قبائل میں سب سے زیادہ مشہور ومعروف قبیلہ پر مشتمل ہوئی، کنانہ کے بیٹے نضر اور نضر کے بیٹے مالک اور مالک کے بیٹے فہر تھے، یہی وہ فہر ہیں جن کا لقب قریش تھا، فہر کی اولاد میں بہت سے قبائل ہوئے اور سب "قریش" کہلاتے ہیں یہ تمام قبائل مختلف علاقوں اور گرہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان نہ باہمی ربط واتفاق تھا اور نہ کوئی اجتماعی نظام تھا۔ پھر ایک شخص قصی بن کلاب پیدا ہوئے، انہوں نے بڑی محنت اور جد وجہد کر کے تمام قریش کو منظم کیا، ان میں اجتماعیت اور بیداری کی روح پھونکی جس کی بدولت قریش نے نہ صرف مکہ معظمہ بلکہ تمام حجاز پر غلبہ واقتدار حاصل کرلیا۔ اسی وجہ سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں "قریش" اصل میں قصی بن کلاب کا لقب ہے، کیونکہ یہ لفظ (قریش) قرش سے نکلا ہے جس کے معنی جمع کرنے اور منظم کرنے کے ہیں۔ ویسے زیادہ مشہور یہ ہے کہ "قریش" ایک سمندری جانور کا نام ہے جو نہایت قوت اور زور رکھتا ہے، اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ قریش کا نام اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ قریش (قرش) ایک بڑی خطرناک مچھلی کا نام ہے جو سب مچھلیوں کو نگل لیتی ہے لیکن خود اس کو نہ کوئی مچھلی گزند پہنچاتی ہے نہ اس پر قابو پاتی ہے۔ یہی وجہ تسمیہ قاموس میں بھی مذکور ہے۔ ظہور اسلام کے وقت قریش کی شاخوں میں سے جو شاخ سب سے زیادہ مشہور باعزت اور غالب تھی وہ بنو ہاشم ہے رسولِ اکرم ﷺ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرک بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ عدنان سے پہلے کا نسب نامہ زیادہ وثوق کے ساتھ نہیں بتایا جاسکتا۔ (البتہ مکمل معلومات کے لئے ہم نے آپ ﷺ کے مکمل نسب نامے کو ایک الگ خصوصیت کے ذیل میں پوری تفصیل سے پیش کردیا ہے، اہل ذوق وہاں رجوع کرسکتے ہیں۔ (م، ھ، م)

اس تفصیل کی روشنی میں حدیث کا مفہوم واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل

علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کوسب سے زیادہ مفتخر کیا، پھر بنو کنانہ میں سب سے زیادہ قوت وغلبہ قریش کو حاصل ہوا، قریش میں سب سے زیادہ برگزیدگی بنو ہاشم کواور بنو ہاشم میں سب سے زیادہ برگزیدگی وعظمت رسولِ اکرم ﷺ کو حاصل ہوئی، پس رسولِ اکرم ﷺ کی ذات گرامی اپنے سلسلہ نسب کی تمام تر برگزیدگیوں اور عظمتوں کا نچوڑ ہے۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ایک دن) کفار کو رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے سنا تو افسوس اور غصہ میں بھرے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت آئے (اور بتایا کہ کفار یہ بکواس کررہے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو مکہ ہی کے کسی شخص کو اپنا نبی اور رسول بنانا تھا تو اس شہر کے بڑے بڑے صاحب دولت وثروت اور اونچے درجے کے سرداروں کو چھوڑ کر محمد ﷺ کا انتخاب کیوں کرتا) رسولِ اکرم ﷺ (نے یہ سنا تو واضح کرنے کے لئے) کہ نسلی ونسبی اور خاندانی عظمت وعزت کے اعتبار سے آپ ﷺ کی شان کیا ہے، اور مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے لئے دوسروں کے مقابلہ میں رسولِ اکرم ﷺ کی حیثیت واہمیت کیا ہے) منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو، میں کون ہوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا (ہاں میں اللہ کا رسول ہوں، لیکن میری نسلی ونسبی اور خاندانی عظمت کیا ہے، اس کو جاننے کے لئے سنو) میں عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں (اور عبدالمطلب وہ ہستی ہیں جو عرب میں نہایت بزرگ ومعزز، بڑے شریف وپاکباز اور انتہائی مشہور ومعروف تھے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق (جنات وانسان) کو پیدا کیا تو مجھے اس مخلوق میں سے بہترین مخلوق (نوعِ انسانی) میں پیدا کیا، پھر اس بہترین مخلوق (نوع انسانی) کے اللہ تعالیٰ نے دو طبقے کئے (ایک عرب دوسرا عجم) اور مجھے ان دونوں طبقوں میں سے بہترین طبقہ (عرب) میں پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بہترین طبقہ (عرب) کو قبائل در قبائل کیا (یعنی اس طبقہ کو مختلف قبیلوں اور قوموں میں تقسیم کیا) اور مجھے ان قبائل میں سے بہترین قبیلہ (قریش) میں پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بہترین قبیلہ (قریش) کے مختلف گھرانے بنائے اور مجھے ان

گھرانوں میں سے بہترین گھرانے (بنو ہاشم) میں پیدا کیا، پس میں ان (تمام نوعِ انسانی اور تمام اہلِ عرب) میں ذات وحسب کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر واعلیٰ ہوں اور خاندانی وگھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے اونچا ہوں۔"

تشریح......رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی نسلی، نسبی اور خاندانی عظمت وفضیلت کا اظہار کر کے گویا یہ واضح کیا کہ خدا کا آخری نبی بننے اور خدا کی آخری کتاب پانے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمت الٰہی اس کا لحاظ رکھتی تھی کہ مرتبۂ نبوت ورسالت پر فائز ہونے والی ہستی حسب اور خاندان کے اعتبار سے بلند درجہ اور عالی حیثیت ہو، لیکن انبیاء کی ذات کے لئے حسب ونسب کی عظمت وبرتری کا لازم ہونا کوئی بنیادی چیز نہیں ہے، اس کا تعلق محض ان لوگوں کے خلاف اتمام حجت سے ہے جو حسب ونسب کی بڑائی اور خاندانی وجاہت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، جیسا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت جاہل اور بیوقوف کفار کہا کرتے تھے کہ اگر خدا کی آخری کتاب قرآن کو نازل کیا جانا تھا اور نبوت ورسالت قائم کی جانی تھی تو اس کے لئے عرب کے بڑے سرداروں میں سے کسی کا انتخاب کیوں نہیں کیا گیا! ورنہ جہاں تک نفس نبوت کا تعلق ہے وہ خود اتنا بڑا شرف ہے جس کے سامنے کسی بھی طرح کی بڑی سے بڑی وجاہت اور عظمت بے حیثیت چیز ہے، اس کا حصول نہ حسب ونسب کی عظمت وبلندی پر موقوف ہے اور نہ کسی اور سبب وذریعہ پر، بلکہ محض خدا کا فضل ہے کہ اس نے جس کو چاہا اس شرف ومرتبہ کے لئے منتخب فرمایا، قرآن کریم میں ارشاد ہے: **اللہ اعلم حیث یجعلُ رسالته** اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کے لئے کس کو منتخب کرے ایک اور موقع پر فرمایا **واللہ یختص برحمتہٖ منُ یَّشاء واللہ ذو الفضل العظیم**۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے، مخصوص فرمالیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کرنے والے ہے، **وکان فضل اللہ عظیماً**۔ "اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم کو اپنی کتاب اور علم ونبوت عطا کر کے بڑے فضل سے نوازا۔

(بحوالہ مظاہر حق جلد پنجم)

خصوصیت نمبر ۷۹

رسولِ اکرم ﷺ کا تعارف خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اناسی نمبر خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کا تعارف خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا" بیشک ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کا تعارف خود اپنے کلام میں فرمایا، جبکہ دیگر انبیاءؑ کو بھی کتابیں ملی لیکن دیگر انبیاء کرامؑ کا تعارف اس قدر تفصیل سے آسمانی کتابوں میں نہیں ملتا، جتنا کہ ہمارے نبی ﷺ کے تعارف کی تفصیل اللہ کی آسمانی کتاب قرآن کریم میں ملتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ خصوصیت صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا خاصہ ہے، جیسا کہ تفصیل آپ آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے، جسکا مطالعہ انشاء اللہ آپ کے لئے ایمان میں اضافے کا سبب اور ذریعہ بنے گا کیونکہ یہ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری نجات اور فلاح صرف اور صرف اپنے نبی ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے، بے شک جس کے دل میں نبی ﷺ کی محبت ہوگی وہ کامیاب ہوگا اور جس کا دل نبی ﷺ کی محبت سے خالی ہوگا تو وہ دل سب سے ویران اور بنجر ہوگا، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور انکی تمام سنتوں پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

اناسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت کو سب سے زیادہ مستند انداز میں جس کتاب میں بیان کیا گیا ہے وہ قرآن حکیم ہے، "قرآن کریم کی یہ ہزاروں آیتیں

درحقیقت سیرتِ مقدسہ کے عملی اور تعارفی ابواب ہیں اور سیرت کے یہ ہزاروں گوشے آپ ﷺ کے علمی پہلو ہیں۔پس قرآن مجید میں جو چیز قال ہے وہی ذاتِ نبوی میں حال ہے اور جو قرآن کریم میں نقوش ودوال ہیں وہی ذاتِ اقدس میں سیرت واعمال ہیں۔اس لئے سیرت سے تو قرآن کی عملی صورتیں مشخّص ہوتی ہیں،اور قرآن سے سیرت کی علمی جہتیں کھلتی ہیں۔اس قرآن حکیم کے مختلف مضامین سے اپنی اپنی نوعیت اور مناسبت کے مطابق سیرت کے مختلف الانواع پہلو ثابت ہوتے ہیں۔قرآن میں ذات وصفات کی آیتیں رسولِ اکرم ﷺ کے اعمال،تکوین کی آیتیں آپ کا استدلال اور تشریع کی آیتیں آپ ﷺ کا حال ہیں، قصص وامثال کی آیتیں آپ ﷺ کی عبرت،تذکیر کی آیتیں آپ ﷺ کی موعظت،خدمتِ خلق کی آیتیں آپ ﷺ کی عبرت،حق کی کبریائی کی آیتیں آپ ﷺ کی ہیبت اور اخلاق کی آیتیں آپ ﷺ کا حسن معیشت ہیں،معاملات کی آیتیں آپ ﷺ کا حسن معاشرت،توجہ الی اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کی خلوت اور تربیتِ خلق اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کی معلومات ہیں ،قہر وغلبہ کی آیتیں آپ ﷺ کا جلال ہیں اور مہر رحمت کی آیتیں آپ ﷺ کا جمال ہیں،تجلّیاتِ حق کی آیتیں آپ ﷺ کا مشاہدہ ہیں،ابتغاء وجہ اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کا مراقبہ،ترکِ دنیا کی آیتیں آپ ﷺ کا مجاہدہ اور احوالِ محشر کی آیتیں آپ ﷺ کا محاسبہ ہیں،منفی غیر کی آیتیں آپ ﷺ کی فنائیت ہیں اور اثباتِ حق کی آیتیں آپ ﷺ کی بقائیت ہیں،اَنا اور أنتَ کی آیتیں آپ ﷺ کا شہود ہیں،اور ھُوَ کی آیتیں آپ ﷺ کی غیبت ہیں،نعیم جنت کی آیتیں آپ ﷺ کا شوق ہیں اور جہنم کی آیتیں آپ ﷺ کا ہم وغم ہیں،رحمت کی آیتیں آپ ﷺ کا رجاء ہیں،عذاب کی آیتیں آپ ﷺ کا خوف،انعام کی آیتیں آپ ﷺ کا سکون وانس ہیں اور انتقام کی آیتیں آپ ﷺ کا حزن،حدود وجہاد کی آیتیں آپ ﷺ کا بغض فی اللہ ہیں اور امن وترحم کی آیتیں آپ ﷺ کا حُب فی اللہ ہیں،نزولِ وحی کی آیتیں آپ ﷺ کا عروج ہیں اور تعلیم وتربیت کی آیتیں آپ ﷺ کا نزول،تنفیذِ اوامر کی آیتیں آپ ﷺ کی خلافت ہیں اور خطابت کی آیتیں آپ ﷺ کی عبادت وغیرہ وغیرہ۔

غرض کسی بھی نوع کی آیت ہو وہ آپ کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقام کی تعبیر ہے اور آپ ﷺ کی سیرت اس کی تفسیر، جس سے سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کے اس زرّیں قول کی معنویت اور صداقت سمجھ میں آتی ہے "وکانَ خُلقُهُ القرآن۔"

ہم میں جب قرآن سے آپ ﷺ کے نام مبارک کے بارے میں پوچھتے ہیں تو ہمیں تو ہمیں قرآن آپ کا نام محمد بتاتا ہے "محمدٌ رّسُول الله"، ہمیں قرآن آپ کا نام احمد بتاتا ہے "اسمُهٗ أحمد"، ہمیں قرآن آپ کے صفاتی نام شاهدٌ، مُبشّر، نذیر، داعی اِلی الله اور سراج منیر بتاتا ہے "یَآ یها النبی ا نّا أرسلْنٰکَ شاهداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیراً وداعِیاً اِلَی الله باِذْنه وسِراجاً مُّنیراً ." ہمیں قرآن آپ کا نام مُدّثّرٌ اور مُزَّمّلْ بتاتا ہے "یَآ یُّهَا المُزَّمّل .یَآ یُّهاَ المُدَّثّر". ہمیں قرآن آپ کا نام رحمةٌ العٰلَمِین بتاتا ہے، ہمیں قرآن آپ ﷺ کا نام خاتم النبیین بتاتا ہے، ہمیں قرآن آپ کا نام نُورٌ اور بُرهان بتاتا ہے۔

یوں تو قرآن مجید نے ہمارے حضور ﷺ کو مصطفیٰ بھی کہا ہے رسول بھی کہا، النبی والرسول بھی کہا لیکن عجیب بات ہے کہ جہاں جہاں رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت وفضیلت کو ظاہر کرنا مقصود تھا، اور جہاں رسولِ اکرم ﷺ کے مقام اور مرتبہ کی بلندی بتانا مقصود تھی وہاں رسولِ اکرم ﷺ کے "عبد" ہونے کو نمایاں کیا گیا مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے منکرین کو چیلنج دیا تو وہاں رسول یا نبی کے بجائے رسولِ اکرم ﷺ کی عبدیت ہی کو ذکر کیا گیا۔ وَاِنْ کُنتُم فی ریبٍ مّمّا نَزّلْنَا علٰی عبْدِنَا فأتُوا بِسُورَةٍ مّنْ مّثْلِه.

اسی طرح جب واقعۂ معراج کا تذکرہ کیا گیا جو کہ انسانی تاریخ کا انتہائی بے مثال اور عظیم الشان واقعہ ہے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے نہ رسولِ اکرم ﷺ کے رحمۃ العلمین ہونے کا ذکر کیا، نہ شفیع المذنبین ہونے کا ذکر کیا، نہ ہی سید الاولین والآخرین ہونے کا ذکر کیا، نہ ہی بشیر ونذیر اور سراج منیر ہونے کی صفت کا ذکر کیا بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کے عبد ہونے ہی کا ذکر فرمایا سُبحٰنَ الذی أسریٰ بِعَبْدِہٖ لیلاً مِّنَ المسْجِدِ الْحَرامِ اِلی الْمَسْجِدِ

الأقصٰی. (بنی اسرائیل ع ۱)

پھر جب سفرِ معراج میں رسولِ اکرم ﷺ کے خصوصی تقرب کو بیان فرمایا تو اس میں بھی عبد ہی سے موسوم کیا فأوحٰی اِلٰی عبْدہٖ ما أوحٰی (النجم ع ۱)

رسولِ اکرم ﷺ پر کتاب مقدس کے نزول کا ذکر فرمایا تو وصف عبدیت ہی کو ترجیح دی گئی۔ فرمایا اَلْحمدُ للهِ الَّذی أنزلَ علٰی عبْدِهِ الْکتابَ. (الکہف ع ۱)

نماز میں تشہد پڑھنے کا حکم دیا گیا تو اس میں بھی عَبْدُہٗ کا ذکر فرمایا أشهدُ أنَّ مُحمّداً عبدُهٗ ورَسُولُهٗ اس کی وجہ یہ ہے کہ یوں تو آپ مصطفیٰ بھی تھے، مجتبیٰ بھی تھے، طاہر بھی تھے، مطہر بھی تھے، مُزکِّی بھی تھے، مُزکّٰی بھی تھے، بشیر بھی تھے، نذیر بھی تھے طٰہٰ بھی تھے، یٰسین بھی تھے۔ سراجِ منیر بھی تھے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ کا سب سے بڑا کمال اور رسولِ اکرم ﷺ کی سب سے بڑی فضیلت یہ تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ ''عبدہ'' تھے، مالک حقیقی کا بندہ ہونا اور اس کی بندگی میں فنا ہونا انسان کی عظمت کا نمایاں سبب ہے اور پھر جسے خود اللہ کہہ دے کہ یہ میرا بندہ ہے اس کی عظمت وفضیلت کی کوئی انتہا نہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کے نام کے سلسلے میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ رب کریم نے یوں تو آپ کے نام محمدؐ کو قرآن حکیم میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے لیکن پورے قرآن میں ایک مرتبہ بھی آپ کو ''یا محمد'' کہہ کر مخاطب نہیں فرمایا حالانکہ دیگر انبیاء کو یاآدمُ کہہ کر، یانُوحُ کہہ کر، یاأبراهیمُ کہہ کر، یا مُوسیٰ کہہ کر، یاعیسیٰ کہہ کر یزکریَّا کہہ کر یایَحییٰ کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ مگر ہمارے حضور ﷺ کو یا محمد ﷺ کہہ کر خطاب نہیں کیا گیا حالانکہ مالکِ حقیقی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے کسی بھی بندے کو کسی بھی انداز میں خطاب فرمائے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا مگر کتنے تعجب کی بات ہے کہ آپ کے امتی اور آپ ﷺ کے عشق کے دعویدار چیخ چیخ کر رسولِ اکرم ﷺ کو یا محمد ﷺ کہہ کر پکارتے ہیں۔

اور ہم جب قرآن سے رسولِ اکرم ﷺ کے نسب کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو قرآن ہمیں سب سے پہلی بات تو یہ بتاتا ہے کہ آپ ﷺ یتیم تھے ''ألَم یجِدْکَ یتیماً

فـاوٰی " جو یتیم ہو جاتا ہے وہ عام طور پر تربیت سے محروم ہونے کے سبب بگڑ جاتا ہے لیکن فاوٰی کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اگر چہ رسولِ اکرم ﷺ یتیم تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کی تربیت و پرورش کے دوسرے انتظامات کر دیئے تھے، بلکہ حقیقت تو کچھ یوں نظر آتی ہے کہ ظاہری سہاروں سے آپ ﷺ کو عمداً محروم رکھا گیا، والد کے سہارے سے محروم کر دیا گیا، والدہ کا سایہ اٹھالیا گیا، دادا کی شفقت بھی کچھ زیادہ عرصہ رسولِ اکرم ﷺ کو حاصل نہ رہی علماء کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ عام طور پر لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ اولاد کے کمالات کو والدین اور بزرگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، تلامذہ کے کمالات کو اساتذہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر رب کریم کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے علمی، اخلاقی کمالات کو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف منسوب کیا جائے، بلکہ دنیا والے تسلیم کر لیں کہ یتیمِ مکہ کی تربیت نہ تو والد نے کی نہ والدہ کی، نہ دادا نے کی بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کی ذہنی اور فکری تربیت براہِ راست ربُّ العٰلمین نے کی آپ ﷺ نے کسی استاذ سے علوم نہیں سیکھے، بلکہ بلکہ آپ ﷺ کے سینے کو خود علّام الغیوب نے علوم سے منوّر کیا، حضور ﷺ کے نسب کے سلسلے میں قرآن دوسری بات ہمیں یہ بتاتا ہے کہ آپ کا نسبی تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تھا اور رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کی دعائیں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت کی تھیں۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ. رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِم. (البقرہ۔ع ۱۵)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہماری اولاد میں سے ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیری فرمانبردار ہو اور ہماری امت کے اندر انہی میں سے ایک پیغمبر بھی پیدا کر دے جو ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا رہے اور ان کو پاک کر دے۔

آپ کی بعثت کی دعائیں تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی

تھیں اور آپ ﷺ کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چھ سو سال پہلے سنادی تھی۔

اِذْقَالَ عیسَی ابنُ مریَمَ اِنّی رسُولُ اللہِ اِلَیْکُم مُصَدِّقاً لِّمَا بینَ یدَیَّ مِنَ التَّوْرَاۃِ ومُبَشِّراً بِرَسولٍ یأتِی مِنْ بَعْدِاسْمُہٗ أحمدُ. (الصف، ع ۱)

ترجمہ...... یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں، تصدیق کرنے والا تورات کی جو مجھ سے پیشتر ہے اور بشارت سنانے والا ہوں اس کی جو میرے بعد آنے والا ہے ں کا نام احمد ہوگا۔

بلکہ حضرت موسیٰ کی تورات میں بھی رسولِ اکرم ﷺ کا تذکرہ تھا

اَلَّذینَ یَتَّبِعُونَ الرَّسولَ النَّبیَّ الأمیَّ الَّذِی یَجِدُونہٗ مَکْتُوباً عِندَھُم فِی التَّوراۃِ والْاِنْجیل. (الاعراف، ع ۹)

ترجمہ...... جو لوگ اس امی نبی و رسول کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں۔

اور اسی طرح جب ہم قرآن سے رسولِ اکرم ﷺ کے وطن کے بارے میں پوچھتے ہیں تو قرآن بتاتا ہے کہ آپ ﷺ کا وطن وہ ہے جہاں آپ ﷺ کے جدّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جگر گوشہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بسایا تھا وہ جگہ اس وقت بے آباد تھی، پھر وہ پوری دنیا کی آبادی کا ذریعہ بن گئی، وہ جگہ اس وقت بے نور تھی لیکن پوری دنیا میں نور پھیلانے کا سبب بن گئی۔ وہاں اس وقت زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا، لیکن پھر سارے عالم کو زندگی کا سامان وہیں سے ملا، ہدایت ملی تو وہیں سے ملی، نور ملا تو وہیں سے ملا، محبت ملی تو وہیں سے ملی، انسانیت ملی تو وہیں سے ملی، کلام اللہ ملا تو وہیں سے ملا، سبیل اللہ ملا تو وہیں سے ملا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بے آب و گیاہ جنگل میں بیوی بچے کو چھوڑتے ہوئے بڑے الحاح اور آہ وزاری کے ساتھ دعا کی تھی۔

ربَّنَا اِنّی أسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِی بِوادٍ غیرِ ذِی زرعٍ عندَ بیتکَ المُحَرَّمِ ربَّنَا لِیُقِیمُوا الصَّلوٰۃَ فَاجْعَلْ أفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تھْوِیٓ اِلَیھِم وَارْزُقْھُم مِّنَ

الثَّمراتِ لَعَلَّهُم يَشكُرُونَ.

ترجمہ......اے ہمارے پروردگار میں نے بسایا ہے اپنی اولاد کو ایک بے فصل وادی میں تیرے محترم گھر کے قریب اے ہمارے پروردگار یہ اس لئے کہ وہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دے اور ان کو پھلوں کا رزق دے تا کہ وہ لوگ شکر گزار ہوں۔

غرض یہ کہ قرآن ہمیں ہمارے حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف ابواب سُناتا ہے، حضور ﷺ کے فضائل وخصائص بتاتا ہے، حضور ﷺ کے جان نثاروں کا پتہ دیتا ہے حضور ﷺ کے دشمنوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ حضور ﷺ کے معجزات بیان کرتا ہے، حضور ﷺ کی خانگی اور ازدواجی زندگی کے مدّ وجزر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ سیدہ عائشہؓ نے یونہی نہیں کہہ دیا تھا کان خُلقه القرآن بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن نے ہمارے آقا ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ہر گوشے کو بیان کیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسولِ اکرم ﷺ کو تنبیہ ہوئی تو قرآن نے اسے بھی ذکر کر دیا ہے، اور یہ قرآن کی حقانیت اور ہمارے آقا کی صداقت کی دلیل ہے اگر معاذ اللہ قرآن خود ساختہ کلام ہوتا تو اس میں وہ آیتیں نہ ہوتیں جن میں رسولِ اکرم ﷺ کو تنبیہ کی گئی ہے۔ چنانچہ اب ذیل میں ایسی ہی تنبیہات ذکر کی جا رہی ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو تنبیہ ہوئی مَا كانَ لِنَبيٍّ أنْ يَّكُونَ لَهُ أسرىٰ حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الأرض .تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنيا ،واللهُ يُرِيدُ الأٰخرةَ والله عزيزٌ حكيمٌ. (الانفال ع۵)

ترجمہ: نبی کے شان کے لائق نہیں کہ اس کے قیدی (باقی) رہیں جب تک وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کرلے، تم لوگ دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے) لئے آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست قوت وحکمت والا ہے۔

حضور ﷺ نے عبداللہ بن اُبی بن سلول کی نماز جنازہ پڑھ لی تو فرمایا گیا: اِستَغفِر لَهُم

أَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُم .اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُم سَبْعِينَ مرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُم . (التوبہ ع ۱۶)

ترجمہ: آپ ﷺ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستّر بار بھی استغفار کریں جب بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔

رسولِ اکرم ﷺ نے عبداللہ بن امّ مکتومؓ سے مصلحت کی خاطر تھوڑا سا اعراض کیا تو یہ آیات نازل ہوگئیں: عبسَ وتولّٰی .اَنْ جآءَ ہُ الأعمٰی .وَما يُدْرِيکَ لَعَلَّهُ يَزَّکّٰی أَوْ يَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکرٰی .أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی .فَاَنْتَ لَهُ تَصَدّٰی .وَما عَلَيکَ أَلَّا يَزَّکّٰی .وَأَمَّا مَنْ جآءَکَ يَسْعٰی .وهُوَ يَخْشٰی .فَاَنْتَ عَنْهُ تلهّٰی . (عبس۔ع ۱)

ترجمہ: چین بجبین ہوئے اور منہ پھیرلیا، اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا آیا، آپ کو کیا خبر شاید کہ وہ سنور ہی جاتا یا نصیحت قبول کرلیتا اور نصیحت کرنا اس کو فائدہ پہنچاتا، جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے آپ ﷺ ان کی تو فکر میں پڑجاتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہ سنورے۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے، اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے، تو آپ ﷺ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔

اور اسی طرح قرآن رسولِ اکرم ﷺ کے غزوات اور محاربات کا حال بھی بیان کرتا ہے رسولِ اکرم ﷺ بدر میں جاتے ہیں تو قرآن واضح کرتا ہے: فَلَمْ تَقْتُلُوهُم ولکنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُم وَمَا رَمَيتَ اِذْ رَمَيتَ ولکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (الانفال ع ۲) ترجمہ: (ان دشمنوں کو) آپ لوگوں نے نہیں مارا بلکہ اللہ نے مارا، آپ ﷺ نے پتھر نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔ رسولِ اکرم ﷺ اُحد تشریف لے جاتے ہیں تو قرآن یوں منظر کشی کرتا ہے: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِکَ تُبَوِّئُ الْمؤمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ واللّٰهُ سميعٌ عَليمٌ. (آل عمران: ع ۱۳)

ترجمہ: وہ وقت یاد کیجئے جب ایک صبح آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے پاس سے نکلے مسلمانوں کو قتال کے لئے مناسب مقام پر لے جاتے ہوئے اور اللہ بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔ غزوہ احد پیش ہوا تو قرآن نے اللہ کی غیبی مدد کا یوں ذکر کیا: يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيکُم اِذْ جآئَتْکُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيهِم رِيحاً وَّجُنُوداً

لَّمْ تَرَوْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيراً. (التوبۃ:ع۴)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب کئی کئی لشکر تمہارے اوپر آئے تھے پھر ہم نے ان پر آندھی اور ایسے لشکر بھیج دیئے جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے بیعتِ رضوان کی تو قرآن نے اس کا حال اپنے مقدس اوراق میں محفوظ کرلیا۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً. ترجمہ: اللہ راضی ہوگیا مومنوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اور انہیں قریب ہی وقت میں فتح عنایت کی۔

آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس پلٹتے ہیں تو آپ ﷺ کو فتح مکہ کی بشارت سنائی جاتی ہے: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً. قرآن نے غزوہ حنین کے متعلق فرمایا: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ. ترجمہ: اور اللہ نے یقیناً بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی

اور اسی طرح آپ ﷺ قرآن نے صرف آپ ﷺ اور آپ کے نسب، خاندان، وطن اور محاربات ہی کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ قرآن ہمیں آپ کے خصائل وشمائل اور عادت ومزاج کے بارے میں بھی بتاتا ہے، فرمایا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران ع۱۷) ترجمہ: اللہ ہی کی رحمت ہے، کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے حق میں نرم ہیں اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم ع۱)

ترجمہ...... اے پیغمبر آپ اخلاق کے عظیم پیمانے پر ہیں۔

قرآن بتلاتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو انسانیت کی تباہ حالی اور ضلالت وگمراہی پر اس قدر غم تھا ان کے ایمان نہ لانے پر شدتِ غم کی وجہ سے آپ ﷺ جان ہی دے دیں گے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ. (الشعراء:ع۱) ترجمہ: شاید کہ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے پر جان دے دیں گے۔ اسی طرح قرآن رسولِ اکرم ﷺ کے

آداب بھی بتاتا ہے: یٰٓاَ یُّھا الَّذِینَ اٰمنُوا لا تَرفَعُوا اَصوَاتکُم (حجرات:ع۱) ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو نہ اس طرح کھل کر جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہیں کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

فرمایا میرے نبی ﷺ کو پکارنا ہو تو ادب سے پکارو، بے ادبی کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ اِنَّ الَّذِینَ یُنَادُونکَ مِنْ وَّرَآءِ الحُجُراتِ اَکثَرُھُم لَا یَعقِلُونَ (الحجرات ع۱) ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔

یہ بھی بتادیا کہ ایسا کوئی لفظ استعمال نہ کرو جس سے میرے نبی کی بے ادبی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ یٰاَیُّھا الَّذِینَ اٰمنُوا لا تقُولُوا رَاعِنَا وقُولُوا انظُرنَا. (البقرہ ع۱۳)

اگرچہ راعِنَا کا ایک مفہوم اچھا بھی ہے مگر چونکہ اس میں بے ادبی کا بھی ایک پہلو تھا اس لئے اس لفظ کے بولنے سے ہی منع فرمادیا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایسی متعدد آیات ہیں جن میں آپ ﷺ کے دشمنوں کو جوابات دیئے گئے ہیں اور ان کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے۔ عبداللہ بن ابی نے جب غزوۂ مریسیع سے واپسی پر اپنے غیظ وغضب کے اظہار کے لئے حضور ﷺ کی پیٹھ پیچھے بعض صحابہؓ کے سامنے یہ کہا کہ مدینہ واپسی پر عزت والا (ابن ابی) ذلیل (معاذ اللہ رسولِ اکرم ﷺ مراد تھے) کو نکال دے گا، تو ربّ کریم نے فرمایا: وللہ العِزَّةُ ولِرَسُولہٖ ولِلمُؤمنینَ ولکنَّ المُنَافقینَ لا یَعلَمُونَ. (المنافقون:ع۱)

ترجمہ: عزت تو بس اللہ اور اس کے رسول اور اس کے مؤمنین کی ہے البتہ منافقین اس کو نہیں جانتے۔

آپ سے یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ رسولِ اکرم ﷺ کے صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور اس پر عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی معیط جیسے ازلی بدبختوں نے خوب بغلیں بجائی تھیں اور آپ ﷺ کو ابتر یعنی بے نسل ہونے کا طعنہ دیا تھا یعنی نہ آپ ﷺ کی

نسل آگے چلے گی نہ آپ ﷺ کا دین باقی رہے گا رب محمد ﷺ نے جواب میں فرمایا: اِنَّـــــا أَعْطَيْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۔ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَا لْأَبْتَرُ ۔ ترجمہ: ہم نے تجھ کو دی کوثر۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔ بے شک جو بیری تیرا وہی رہا پیچھا کٹا۔

اس سورۃ میں بتادیا گیا کہ آپ کے نام کو کوئی نہیں مٹا سکے گا آپ ﷺ کی روحانی اولاد دنیا کے ہر گوشے میں آباد ہوگی، آپ ﷺ کا نام ہر شہر اور ہر بستی میں بسایا جائے گا مگر آپ کے دشمنوں کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ ان کی طرف اپنی نسلی اور نسبی تعلق کا اظہار بھی کر سکے۔

اسی طرح جب بدبخت ابولہب نے کوہِ صفا کے دامن میں کھڑے ہوکر نفرت وحقارت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: (تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اس لئے بلایا تھا) تو اس موقعے پر آپ ﷺ خاموش رہے مگر ربّ محمد نے انتہائی جلالی انداز میں ابولہب کو ڈانٹ پلائی۔ فرمایا: تَبَّتْ یَدَآ أَبِی لَهَبٍ وَّتَبَّ ۔ مَآ أَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ ۔ سَيَصْلٰى نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَأَتُهٗ ۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۔ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۔ ترجمہ: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوا، اس کے مال نے اور جو کچھ اس نے کمایا اس کو نفع نہ دیا عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑے گا اور اس کی بیوی بھی لکڑیاں لاد کر لانے والی اس کی گردن میں ایک رسّی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔

حقیقت میں رب محمدؐ اپنے برگزیدہ نبی کے دفاع میں بڑا حسّاس ہے بعض اوقات تو دشمنان رسول کے ساتھ ایسا جلالی انداز اختیار فرمایا ہے کہ تعجب ہوتا ہے کہ وہ رحمٰن ورحیم آقا جو اپنے غضب پر اپنی رحمت کو غالب رکھتا ہے اس کا کلام حضور ﷺ کے دشمنوں اور گستاخوں کے بارے میں آتشیں ہو جاتا ہے۔

ولید بن مغیرہ نے جب حضور ﷺ کے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کیا تو جبّار وقہّار رب

نے نوسنگین دفعات اس پر قائم فرمائے ارشاد فرمایا: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ. هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ. مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ. عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ. أَنْ كَانَ ذَامَالٍ وَّبَنِينَ. إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ. سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُومِ. (القلم)

ترجمہ: آپ ایسے شخص کا کہانہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل ہے، طعنہ باز ہے، چلتا پھرتا چغل خور ہے، نیک کام سے روکنے والا ہے حد سے گزرنے والا ہے، سخت گنہگار ہے، سخت خُو۔ اس کے علاوہ بدنسب بھی ہے باوجود اس کے کہ وہ مال والا اولاد والا ہے جب ہمارے آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ پہلوں کی خرافات ہیں ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگادیں گے۔

اور تو اور جب حضور ﷺ کی حرم کے کردار پر انگشت نمائی کی گئی تو ان کی برأت اور کردار کی تطہیر کے لئے سترہ آیات نازل فرمادیں۔ اسی طرح اور ایسی آیات سے تو کلام اللہ بھرا پڑا ہے جن میں حضور ﷺ کی شان اور نعت بیان کی گئی ہے جن آیات میں آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہ نعت ہیں۔ جن آیات میں آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں۔ جن آیات میں آپ ﷺ کی رسالت عام کا ذکر ہے ان میں آپ ﷺ کی نعت ہے۔ جن آیات میں آپ ﷺ کو نور اور بُرہان قرار دیا ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں۔ جن آیات میں آپ ﷺ کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا گیا ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں جن آیات میں رسولِ اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں۔ سورۂ یٰسین میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ نون میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ مزمل میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ ضحیٰ میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ الانشراح میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ کوثر میں آپ ﷺ کی نعت ہے۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ قرآن، صاحب قرآن کے ذکر خیر سے بھرا پڑا ہے اگر قرآن کو سمجھنا ہے تو صاحب قرآن کو سمجھئے اور اگر صاحب قرآن کو سمجھنا ہے تو قرآن سمجھئے، اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں کو سمجھنے کی اور اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین

خصوصیت نمبر ۸۰

رسولِ اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کرآئے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے اسّی نمبر خصوصیت بعنوان ''رسولِ اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کرآئے'' شروع کی جارہی ہے، اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کوترتیب دیتے وقت بھی میں صاحب خصوصیت حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے مقدس اور قابل احترام روضہ مبارک کے سامنے بیٹھا ہوں اور روضہ رسول ﷺ کی مقدس جالیاں میرے سامنے ہیں، دل کانپ رہا ہے کہ کہیں کوئی گستاخی نہ ہو جائے لیکن حضور ﷺ کی محبت میں شوق وذوق کا تقاضا ہے کہ یہ کام کرنا ہی روضہ رسول ﷺ کے سامنے ہے، سوڈرتے ڈرتے، اللہ کی ذات سے معافی کی امید کرتے ہوئے حضور ﷺ کی اس خصوصیت کوترتیب دے رہاہوں اور اللہ کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے فضل وکرم سے اس نیک کام کرنے کی مزید توفیق دے گا انشاء اللہ۔

بہرحال محترم قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ جن کی رحمت اپنے پرائے سب کے لئے ہے اور تمام جہانوں کے لئے ہے جیسا کہ خود اللہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ''**وما ارسلنک الاّ رحمة للعٰلمین**'' کہ آپ کوتمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر تمام انبیاءؑ بھی رحمت والے نبی تھے، مگر ان انبیاء کرامؑ کی نبوت محدود تھی صرف اپنی امت تک یا صرف اپنے علاقے تک بلکہ صرف انسانوں تک جبکہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ نے جو رحمت عطا فرمائی وہ عام ہے تمام جہانوں کے لئے، تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف ہمارے رسولِ اکرم ﷺ ہیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے،

جس تفصیل کو ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں عام فہم انداز میں مکمل وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ کہ شاید اسی کاوش کے صدقے روز قیامت ہماری نجات ہو جائے، (آمین)

اسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

رحمۃ العالمین ﷺ کی شانِ رحمت پر ایک نظر

سورۂ توبہ میں ارشاد ہے **لَقَد جآءَ کُم رَسولٌ مِّن اَنفُسِکُم عَزیزٌ عَلَیهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیصٌ عَلیکُم بِالمُؤمِنِینَ رَءُ وفٌ رَّحِیم**. ''بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تم میں سے ہے تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کے لئے حریص ہے، مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے۔''

اور سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے: **وَمَا اَرسَلنَاکَ اِلاَّ رَحمَۃً للعٰلَمِین** ''اور ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر۔''

پہلی آیت میں اللہ جل شانہٗ نے رسولِ اکرم کا رؤف رحیم کے بلند لقب کے ساتھ ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ فرمایا: **انما انا رحمۃٌ مُھدَاۃٌ** یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: **ان اللّٰہ تعالیٰ بعثَنِی رَحمۃً لـلعالمینَ وھُدًی للعالمینَ وأمَرَنِی ربی بِمَحْقِ المعازِفِ والمَز امِیرِ والأوثانِ والصَّلبِ وأمرِ الجَاھِلِیَّۃِ**. ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹادوں اور بتوں کو اور صلیب کو جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں اور جاہلوں کے کاموں کو مٹادوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت عام ہے آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر

شرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا آپ تشریف لائے سوتوں کو جگایا حق کی طرف بلایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کروڑوں انسان اور جنّات جنت کے مستحق ہو چکے ہیں ساری دنیا کفر وشرک کی وجہ سے ہلاک اور بربادی کے دہانہ پر کھڑی تھی۔

حضور ﷺ کے تشریف لانے سے دنیا کی زندگی آگے بڑھی اور جب تک دنیا میں اہل ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم)

یہ اللہ کی یاد حضور ﷺ ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ طالب علم کے لئے آسمانوں کے زمین کے رہنے والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں اس کی وجہ بھی وہی ہے۔ کہ جب تک علومِ نبوت اور اس کے مطابق اعمال دنیا میں موجود ہیں اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، (مشکوٰۃ المصابیح)

لہٰذا آسمان کے درمیان کی چیزیں سمجھتی ہیں، کہ چونکہ ہماری بقا ان علوم واعمال کے وجود سے ہے اگر یہ نہ ہو تو قیامت آجائے اس لئے ہمیں دینی علوم کے طلباء کے لئے دعا کرنی چاہئے ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کہ کیا آج تیرے اوپر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو، اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گذرا تھا یہ جواب سن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے (ابن الجزری فی الحصن الحصین)

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گذرا اور دوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مومن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقا ہے۔

مجموعہ عالم میں آسمان زمین، چرند پرند، چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سب ہی ہیں قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہیں رہے گا سب کی بقا اہل ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت حضور ﷺ سے ملی ہے۔ اسی اعتبار سے حضور ﷺ کا رحمۃ اللعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی حضور ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ حضور

ﷺ نے ایمان اور اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے رحمت ہے۔جولوگ رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان نہیں لائے انہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا۔روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں وہ اس طرح کہ آپ ﷺ سے پہلے حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتیں تھی تو ان پر عذاب آجاتا تھا اور نبی ہی کی موجودگی میں ہلاک کردی جاتی تھیں ۔رسولِ اکرم ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا اس بات سے بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سب ہی منکرین اور کافرین ہلاک ہوجائیں ایسا نہیں ہے۔آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے جوعذاب ہوگا۔وہ آخرت سے متعلق ہے۔دنیا میں سارے ہی کفار ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہلاک ہوجائے ایسا نہیں ہوگا۔

دنیا میں آپ ﷺ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس کس طرگ ستایا گیا۔حضور ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ،آپ ﷺ نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا۔صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا:﴿اِنی لَم اُبعَثُ لَعَّانًا اِنَّمَا بُعِثتُ رَحمَۃً .''میں لعنت کرنے والا بنا کرنہیں بھیجا گیا،میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

حضور ﷺ طائف تشریف لے گئے وہاں دین حق کی دعوت دی، وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپ کے ساتھ بدخلقی کا بہت بُرا برتاؤ کیا، پہاڑوں پر مقرر فرشتہ نے خدمت عالی میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ ﷺ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کچل دوں، حضور ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں کرنا میں امید کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے۔ (مشکوۃ المصابیح)

سورۂ توبہ کی جو آیت اوپر ذکر کی گئی ہے، اس میں رسولِ اکرم ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ "یعنی امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ ﷺ کو شاق گزرتی ہے، اور آپ ﷺ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔" حَرِيصٌ عَلَيْكُم "حضور ﷺ امت کے نفع کے لئے حریص ہیں۔"

اہل ایمان کو اعمال صالحہ سے بھی متصف دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی حریص ہے کہ ان کے دنیاوی حالات درست ہو جائیں۔ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيم.

حضور ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ رافت اور رحمت کا تعلق ہے۔ حضور ﷺ کا تعلق صرف اتنا نہیں تھا کہ بات کر کے بے تعلق ہو جاتے، آپ ﷺ کا اپنی امت سے قلبی تعلق تھا۔ ظاہراً بھی آپ ﷺ ان کے ہمدرد تھے اور باطناً بھی، امت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ ﷺ بھی شریک ہوتے تھے، اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی آپ ﷺ کو بھی اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی اہل مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا، چند آدمی اس طرف روانہ ہوئے، دیکھا کہ حضور ﷺ پہلے ہی سے اس طرف روانہ ہو چکے تھے۔ یہ لوگ جا رہے تھے تو حضور ﷺ واپس آ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لم تراعو "ڈرو نہیں کوئی فکر کی بات نہیں۔" (صحیح بخاری)

حضرات صحابہؓ میں سے کسی کو کوئی تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے، عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، دوا بتاتے تھے مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچنے کے لئے ان امور سے بچنے کی تعلیم دیتے تھے جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا، اور جن سے انسان کو خود ہی بچنا چاہئے۔ لیکن رسولِ اکرم ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے۔ اسی لئے رسولِ اکرم ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوۃ المصابیح)

اور حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: "جو شخص ہاتھ دھوئے بغیر اس حالت میں سو گیا کہ

اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا تو وہ اپنی جان ہی کی ملامت کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے کیوں کہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس ہاتھ کہاں جاتا ہے؟ ممکن ہے اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گذر گیا ہو۔ (بخاری و مسلم)

جوتے پہننے کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیوں کہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو، جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑے مکوڑوں اور گندی چیزوں، کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے، ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی (رواہ مسلم)

نیز حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: جب چلتے چلتے کسی کے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے یہاں تک کہ دوسرے چپل کو درست کرلے پھر دونوں کو پہن کر چلے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ: ''ایک موزہ پہن کر نہ چلے۔'' (رواہ مسلم)

کیوں کہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ امت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جب تک قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو، نہ پشت کرو۔ اور آپ ﷺ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''لید اور ہڈی سے استنجا نہ کرو، اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ) اور رسولِ اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے، (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ)۔'' (مشکوٰۃ)

''نیز آپ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا، کیوں کہ اس میں جنّات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں۔''

اگر کتبِ حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی، جو سراسر شفقت پر مبنی ہیں۔ اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو یہ گوارہ نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب چاروں طرف روشنی ہوگئی، تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے، وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں۔

لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گرتے رہتے ہیں، اسی طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو، یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بنتے ہیں، اور حضور ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی جو خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔'' (رواہ البخاری)

سورۂ آلِ عمران میں حضور ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ. ''سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہو گئے، اور اگر آپ سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کرلیں تو اللہ توکل کیجئے بے شک اللہ توکل کرنے والا شخص اللہ کو محبوب ہیں۔

اللہ جل شانہ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنی رحمت سے ایسا نبی بھیجا جو رحم دل، نرم مزاج اور اخلاق عالیہ سے متصف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو شخص نرمی سے محروم

ہو گیا وہ خیر سے محروم ہو گیا۔" (رواہ مسلم)

آیات بالا میں جہاں حضور ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت وشفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو صحابہؓ جو حضور ﷺ کے پاس جمع ہیں، جو حضور ﷺ سے محبت کرتے ہیں، وہ حضور ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے۔ حضور پاک ﷺ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا جب کوئی شخص رسولِ اکرم ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ میں سے اپنے ہاتھ نہیں نکالتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتدا کرتا تھا اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رخ پھیر کر نا جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ "میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل وعیال سے شفقت کرنے میں آپ ﷺ سے بڑھ کر ہو۔" (رواہ مسلم)

حضرت انسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ: "میں نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی، مجھ سے کبھی نقصان ہو گیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی، اور اگر حضور ﷺ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ رہنے دو اگر کوئی چیز اللہ کے قضاوقدر میں ہے تو وہ ہو کر ہی رہے گی۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

حضور ﷺ رحمۃ للعالمین تھے دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا، ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔ (رواہ البخاری)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "مؤمنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہئے جیسے ایک ہی جسم ہو، جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے، تو سارا ہی جسم جاگتا رہتا ہے، اور سارے ہی جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

پھر صبر کرنے والوں کی تعریف فرمائی اور فرمایا: وَالصّٰبِرِينَ فِى الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِينَ الْبَأْسِ. اس میں سختی اور تکلیف کے زمانے میں صبر کرنے والوں کو نیکی اور

تقویٰ والا کام بتایا ہے اور جنگ کے وقت جب کافروں سے مقابلہ ہوا اس وقت جم کر ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شمار فرمایا ہے۔

سورۂ انفال میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "بے شک اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہیں جس میں سیسہ پلایا گیا ہو۔ آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. "کہ یہ حضرات (جن کی صفات اوپر مذکور ہیں) وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں۔ کیوں کہ ایمان قلبی کے ساتھ تقاضوں کو پورا بھی کرتے ہیں اور یہ لوگ تقویٰ والے ہیں کیوں کہ حرام سے بچتے ہیں، اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں (بحوالہ "سیرت سرورِ کونین" از حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہریؒ)

حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کا تفصیلی تعارف

حضرت قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ اپنی مایہ ناز کتاب "رحمۃ اللعالمین" میں رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت کو یوں متعارف کراتے ہیں جسے استفادہ عام کے لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے، وہ رقم طراز ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ "ہم نے جو تجھے بھیجا ہے عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

دنیا میں ہزاروں نامور اشخاص گزرے ہیں۔ جو آسمانِ شہرت پر روشن انجم ہو کر چمکے ان کے خطبات سے ان کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ کسی کا لقب مہاراجہ ادھیراج ہے۔ کوئی شہنشاہ کہلاتا ہے۔ تو کوئی مہادیو، کوئی تہمتن، کوئی رومین تلن، کوئی گئوپال، کوئی فرزند نور، کوئی یودھاز بمعنی بیدار، کوئی سولہ کلاں سپورن، کوئی چندر بنسی اور کوئی سورج بنسی وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اس جیسے دیگر خطبات اس شخص کی اپنی ذات واوصاف کے متعلق ایک نمایاں

خصوصیت کے مظہر ہیں، لیکن ایسے خطبات سے واضح نہیں ہوتا کہ دنیا بھر کی مخلوقات اس ہستی کو کیا نسب ہے۔

لیکن رحمۃ للعالمین ایسا خطاب ہے جو صرف اسی نسبت اور تعلق کا مظہر ہے جو ممدوح الوصف کو مخلوق کے ساتھ ہے۔

رحمت کے معنی پیار، ترس، ہمدردی، غمگساری، محبت اور خبر گیری ہیں۔ان الفاظ کے معنی اس لفظ کے اندر پائے جاتے ہیں۔کون شخص ہے؟ جو یہ کہ سکتا ہے کہ اسے مندرجہ بالا اخلاق کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ ان اوصاف کے فیوض سے مستغنی رہ سکتا ہے، غالباً کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلے گا۔

عالم علمیّت کی صفت سے بنا ہے، یعنی وہ ہر ایک شے جس میں نمودار ہونے، ظہور پکڑنے، اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے، وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اس لفظ کا استعمال انواع واصناف واجناس کے ممیّز کرنے میں اکثر کیا جاتا ہے۔عالم جمادات، عالم نباتات، عالمِ حیوانات، عالمِ علوی، عالمِ سلفی اور جذبات وذہانیات وکوائف کے لئے بھی استعارۃً اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔عالمِ شوق عالم اور شباب وغیرہ۔

الغرض لفظ عالم کا استعمال مخلوق مادی وذہنی تک وسیع ہے۔عالمین صیغہ جمع ہے، اور جملہ علوم پر اس کا احاطہ ہے، اب اندازہ کرو......اس مقصد ہستی کا، جس کا سب سے پیار ہے، جو سب پر ترس کھاتا ہے، جو ہر ایک کا ہمدرد وغمگسار ہے، جس کی محبت عام ہے، جو ہر ایک کی مقتضیات کو اپنی تعلیم سے پورا کر سکتا ہے، جو ہر ایک کو اپنے حقائق سے ہمدرد دوست بنا سکتا ہے اور جس کے فیوض سے مادیات وذہنیات تصورات وتصدیقات کو شادابی ودرستی صحت اور صداقت حاصل ہوتی ہے۔

رب العالمین نے حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین ﷺ بنا کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ جس طرح پروردگار عالم کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لاپرواہ نہیں رہ سکتی ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ کی تعلیمات اور تفہیمات سب کے لئے اور سب کے فائدے کے لئے ہیں اور کوئی شے بھی حضور ﷺ کی رحمت سے خود کو مستغنی ثابت نہیں کر سکتی۔

شاید کسی بے فکرے کو یہ کہہ دینا آسان ہو کہ اسے سورج کی روشنی اور گرمی کی احتیاج نہیں، ایک عالم اور صاحب دماغ کے لئے یہ کہنا دشوار ہے کہ اسے تعلیمات محمدیہ کی مطلقاً حاجت نہیں۔

دنیا اور دنیا کی قومیں غور کریں کہ نبوت محمدیہؐ کے بعد کیوں کر انہوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات کا اقتباس بالواسطہ یا بے واسطہ طریق سے کیا ہے اور کیا کیا بھیس بدل بدل کر اس تزین حیات سے خوشہ چینی کی ہے۔

حضور ﷺ کی سیرت پر غور کیجئے، اور حضور ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا مفہوم اس سیرت سے سمجھنے کی سعی کیجئے۔

۱......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے ۱۴، ۱۵ سال کی عمر میں حرب الفجار کو دیکھا اور اسی وقت سے ایک قوم کا دوسری قوم پر حملہ آور ہونا، اور انسان کا انسان کو شکار غضب و وحشت بنانا، ناپسند فرمایا۔

۲......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی فطرت سلیمہ اور طینت طیبہ نے حلف الفضول یعنی قبل از نبوت محمدیہؐ مکہ معظّمہ میں ایک انجمن قائم کی گئی تھی، جس کے ممبر قسم کھایا کرتے تھے کہ وہ مظلوموں کی امداد کریں گی، عورتوں اور یتامیٰ پر ظلم نہ ہونے دیں گے قتل و غارت گری کے روکنے کی سعی کیا کریں گے۔ اس انجمن میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے اس لئے اس انجمن کا نام ''حلف الفضول'' ہو گیا تھا۔ اس خلف الفضول کے عہد و پیمان کو مستحکم و استوار بنایا اور ایک شریف النفس کے لئے دادخواہی مظلوموں اور دستگیری مظلوماں، حفاظتِ مسافراں اور اعانت بے چارگاں کے اوصاف کا حاصل کرنا لازم ٹھہرایا۔

۳......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے دشمن کو بھی دوست بنا لینے کی تدبیر سکھائی۔

اِدفَعْ بِالَّتِی هِیَ اَحسَنُ فَاِذَ الَّذِی بَینَکَ وبَینَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیمٌ.

''برائی کی مدافعت خوبی و نیکی سے کرو، پھر تو تمہاری عداوت والا بھی تمہارا اگرم جوش دوست بن جائے گا۔

۴......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے عداوت کرنے والے دشمنوں، حقوق جائز سے محروم کرنے والے دشمنوں اور عبادت سے روکنے والے دشمنوں کیساتھ بھی ہر ایک انتقامی کاروائی کرنے سے اہل ایمان کو روکا، اس وقت جب کہ اہل ایمان میں انتقام لینے کی طاقت وقوت بھی موجود تھی۔ وَلا یَجرِ مَنَّکُم شَنَاٰنُ قومٍ اَنْ صَدُّ وکُم عَنِ المَسجِدِ الحَرَامِ اَنْ تَعتَدُوا ۔ ''اس قوم کا بغض جس نے تمہیں حرمت والی مسجد سے روک دیا تھا۔ اس امت کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان سے خلاف انصاف کرنے لگو۔

۵......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے کاہنوں کے ترہب کو، ہندوؤں کے جوگ اور سنیاس کو یہودیوں کے فرقہ لامساس کو، یونانیوں کے گروہ کلبیہ کو، عیسائیوں کے نن اور منک کو اور ان سب کے افسوس ناک اور عبرت خیز نتائج کو دیکھا، اور وَرَھبَانِیَّۃَ نِ ابتَدَعُوھَا مَاکتَبنٰھَا عَلَیھِم یعنی رہبانیت تو لوگوں کی خود ساختہ گھڑت ہے۔ اللہ نے تو اسے انسان کے لئے کبھی مفید نہیں فرمایا: کا فرمان سنایا، اور لا رھبانیۃ فی الاسلام ''اسلام میں رہبانیت نہیں'' کے ارشاد سے تمدن اور انسانیت کو تاج امتیاز فرمایا۔

۶......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو یہودیوں کی ایک خاص نسل ہی کے افراد کو اللہ کی برگزیدہ قوم کے لقب سے مخصوص نہیں کرتا۔ جو کاتھولیکوں کی طرح آسمانوں کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا، جو گنہگار اور بے ہو یا کے برہمنوں ہی کو نرگ اور سرگ میں آدم انسانی کے دھکیل دینے کی طاقت کا ٹھیکے دار نہیں بنتا۔ جو چین والوں کی طرح کسی خاص رقبہ میں پیدائش کی بنیاد پر ان کو فرزندان آسمانی کا خطاب عطا نہیں کرتا۔ جو زرتشتیوں اور لاماؤں کی طرح پیروان خاص کے سوا باقی سب پر رحمت وافضال سے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

۷......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی نگاہ میں رومی، یونانی، مصری وسوڈانی سب

مساوی ہیں۔ جس کے دربار میں مدعَم سوڈانی بلال حبشی، فیروز خراسانی، سلمان فارسی، صہیب رومی اثامہ نجدی اور عدی طائی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔

۸......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو یہود جیسی مخذول ومغضوب قوم کو جسے نہ صرف عیسائیوں نے بلکہ بت پرستوں نے بھی ذلیل وخوار ٹھہرایا تھا، مستقل قوم ہونے کا درجہ عطا فرماتا ہے، اور معاہدات میں ان کو مساویانہ حقوق کے عطیہ سے شادکام فرماتا ہے۔

۹......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو جملہ عیسائی اقوام کی اس وقت حفاظت فرماتا ہے جب کہ دوسری مذہبی کونسل پہلی مذہبی کونسل کو، اور تیسری مذہبی کونسل دوسری مذہبی کونسل کو کفر ولعنت کا تحفہ پیش کرنے کے بعد اپنی مذہبی کاروائی کیا کرتی تھی۔ وہ عیسائیوں کے جان ومال کو اس وقت محفوظ فرماتا ہے، جب کہ مسیحؑ کے جسم ایک روح یا دو روحوں کے ہونے کے مسئلے نے یروشلم اور روما اور مصر میں خون ریزی کو عام کر رکھا تھا۔

۱۰......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی تعلیم لوتھر کی رہنمائی کرتی ہے، اس کے مخالف اسے خفیہ مسلمان ہونے کا الزام بھی لگاتے ہیں، مگر رحمۃ للعالمین کے فیوض سے استفاضہ کرنے میں نہیں جھجکتا، اور بالآخر یورپ کو الوہیت سے انسانیت پر لے آتا ہے اور ظاہریت پرستی کو گرجاؤں سے دُور کر دیتا ہے۔

۱۱......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو جملہ اقوام وممالک عالم کو دین صحیح کی تعریف سے روشناس فرماتا ہے۔ **فِطرَ ۃَ اللہِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَیھَا لَا تَبدِیلَ لِخَلقِ اللہِ ذٰلِکَ الدِّینُ القَیِّمُ** ”اللہ کی پیدا کردہ فطرت جس پر انسانی سرشت بنائی گئی ہے۔ اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں، اسی کو دین قیم کہتے ہیں۔ اہل روما نے اپنی اپنی مقدس کتابوں سے اور فلسفی اپنے بہتر رہنماؤں کی تعلیمات میں سے نکال کر دکھائیں کہ دین صحیح کی یہ تعریف کبھی کسی اور جگہ بھی بتائی گئی ہے۔

دین صحیح کے متعلق ایک دوسرا اصول سکھایا گیا ہے:۔ **وَمَا جَعَلَ عَلَیکُم فِی الدِّینِ مِن حَرَجٍ.** ”دین کے متعلق ارادہ الٰہی یہ نہیں کہ وہ انسان کو تکلیف اور دشواری میں

رکھے۔"

تیسرا اصول، جس پر شریعت مصطفویہ کے احکام کا نفاذ ہوا ہے۔ وَلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعمَتَهٗ عَلَیْکُمْ "ہاں! شریعت سے ارادہ الٰہی کا مقصود یہ ہے کہ انسان کو پاک وصاف ٹھہرائے، اوران پر اتمام نعمت بھی فرمائے۔"

تعریف بالا اور اصول بالا کو مسلّم رکھتے ہوئے بھی یہ ارشاد ہے: لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الغَیِّ "دین کے بارے میں کسی پر زوراورزبردستی نہیں، ہدایت اور ضلالت کو کھلے طور پر واضح کر دیا ہے۔

۱۲...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی تعلیم اختلاف الوان اور تبلیل زبان اور تباین ملکی سے بہت بلند ہے۔ جس کی تعلیم میں حسب اورنسب کا خالی دعویٰ صداقت سے عاری ہے۔

۱۳...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے سب سے پہلے "ھو اللہ احد" کے دین واحد کی دعوت یکساں طور پر خویش و بیگانہ کو دی۔

جس نے سب سے پہلے احمر اسود، غربی وشرقی، مبتدین کو قوم واحد بنایا، ایک ہی کلمہ زبان پر ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی ارادہ دلوں میں قائم کر دیا۔

۱۴...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے ترہب اور تبدل میں تفریق کی، جس نے ایک گرہستی گرہست میں رہ کر سنیاسی بنایا اور جس نے مصائب دنیوی کے خوف سے قطع تعلق کرنے والے کو ناخوشنودی رحمٰن کا مورد بتلایا۔

۱۵...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے۔ جس نے قلب سلیم کی تعریف فرمائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

۱۶...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے دیکھا کہ کہیں تو عورت کو اناج، غلہ، روپیہ، پیسہ کی طرح دان میں دیا جاتا ہے۔ (ہندومت) اور کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا ہے۔ یا

کبھی عورت کو مجسم شیطان تعبیر کیا جاتا ہے۔ (سترہویں سے پہلے پہلے کی عیسویت) کہیں اسے صرف اغراض شہوانی کا آلہ قرار دیا گیا ہے۔ (یہودیت) اور کہیں بے جان زمین کی طرح اسے سب مردوں کا لکدکوب ہونا تجویز کیا ہے۔ (ایران کے مزدکیہ د مانویہ) اور ان جملہ حالات میں اس کی شخصیت وذہنیت اور حقوق کا ذرہ بھی پاس ولحاظ نہیں رکھا گیا۔ ان جملہ مصائب کو دور کرنے کے لئے یہ حکم سناتا ہے۔ ولھنَّ مِثلُ الذِی عَلَیھِنّ ''جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔'' علم نحو میں لام استحقاق وتخصیص وتملیک کے لئے آتا ہے، لہٰذا ''لھن'' کالا کام عورتوں کو بہت کچھ حقوق عطا کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا: النسآءُ شقائق الرجال ''عورتیں مردوں ہی کا ایک جز اور حصہ ہیں۔ یا عورتیں مردوں کے لئے گل وریحان ہیں۔'' اور ارشاد فرمایا: فاتقوا اللہ فی النسآء ''عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الٰہی سے کام لینا۔''

۱۷......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے رسوم کی زنجیروں اور اندھی تقلید کی بیڑیوں اور آبائی مراسم کی ہتھکڑیوں سے انسان کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کے ان کارناموں کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے:۔ ویضَعُ عَنھُم اِصرَ ھُم وَالأ غلالَ الَّتِی کَانَتْ عَلَیھِم ''بوجھ اتار دیئے اور زنجیروں اور طوق کو ان سے اتار کر دور پھینک دیا۔''

۱۸......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو قوموں کو قوموں کے ساتھ موالات کے اصول سکھاتا ہے۔ اور عدم موالات کی حدود کو بھی قائم کردیتا ہے۔ تاکہ موالات کی تعریف جامع ہو جائے۔ اور مانع بھی رسولِ اکرم ﷺ نے یہ فرمایا: وتَعَاوَنُوا عَلَی البِرّ و التَّقوٰی ولا تَعَاوَنُوا عَلَی الاِثمِ وَالعُدوَانِ جملہ اقسام نکوئی میں اور جملہ انواع خدا ترسی میں تم سب کے ساتھ تعاون کیا کرو۔ اور جملہ اصناف گناہ میں نیز جملہ اشکال عدوان میں کسی کی مدد نہ کیا کرو۔

۱۹......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کا کام خصائل رذیلہ اور اخلاق نکوہیدہ سے انسان کو پاک وصاف کردینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ویزکّیھِم۔ وہ ان کے میل کچیل کو دور

کر کے ان کو پاک وصاف بناتا ہے۔

۲۰......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو انسانیت کی درجہ رفیع کو نہ تو زر دولت کے لباس میں دیکھتا ہے، اور نہ فقر و تہی دستی کے وقت اس کی نفی فرماتا ہے۔ بلکہ انسانیت کا مدار اور ابن آدم کہلانے کا استحقاق وہ صرف ایمان اور علم پر مبنی کرتا ہے۔ لفظ ایمان فرائض الٰہیہ پر اور لفظ علم واجبات وجود پر پوری طرح سے حاوی ہے۔

فرمان ذیل پر غور کیجئے:۔ یرفَعِ اللّٰہُ الَّذِینَ اٰمنُوا مِنکُم وَالَّذِینَ اُوتُوا العِلمَ دَرَجَاتٍ ''اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے۔ ان کے جو تم میں سے ایمان لا چکے ہیں اور ان کے جن کو علم دیا گیا۔

فضیلت علمی کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کے لئے فرمایا: فضل العالِمِ علَی العابدِ کفَضلِی علٰی اَدنکم ''عالم کو عابد پر فضیلت اتنی ہے، جتنی نبی کو ادنیٰ امتی پر ہوتی ہے۔''

۲۱......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے "ابغض الحلالِ اِلَی اللہ الطَّلاقِ" کے راز سے دنیا کو واقف بنایا اور سمجھایا کہ طلاق کا وجود خاص خاص دشواریوں کے حل کرنے کے لئے ضروری ہے اور اس وقت طلاق کی ضرورت ایسی ہی ہوجاتی ہے، جس طرح ایک عضو میں سقم آجانے کی وجہ سے اس کا جسم انسانی سے بذریعہ قطع وبرید جدا کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اگرچہ قطع عضو بہر حال ناپسندیدہ سمجھا جائے۔ ہاں یہ حکم طلاق دینے والے کو سمجھایا جاتا ہے، کہ اب وہ ایسے خطرناک فعل کا اقتدام کرنے لگا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو صرف ناپسند ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بغض بھی ہے۔ لہٰذا جب تک کہ یہ مسلّم نہ ہوجائے، کہ یہی ایک صورت مرد کی بقاو صحت وحفاظت اور ایمان وعزت کے لئے رہ گئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہیئے۔

۲۲......رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے طلاق کے روکنے کے لئے ایسی تدبیر کو ضروری ٹھہرایا جس پر عمل کرنے سے ہر ایک جلد باز اور ہر ایک انجام سے بے پرواہ اور ہر

ایک مغلوب الغیظ کو طلاق کی برائی سے مغلوب فرمالیا ہے۔

الف......زوجین کے اختلاف وشقاق کے مٹانے کے لئے پہلی تدبیر یہ بتائی کہ دو ثالث مقرر کئے جائیں ایک مرد کے گھرانے کا، ایک عورت کے گھرانے کا، وہ دونوں ان زوجین کے حالات وشکایات کو سنیں اور فیصلہ کردیں۔

ب......اب بھی اگر اصلاح نہ ہو اور قصور کا بوجھ صرف عورت پر ہو تو مرد کو لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے ہم بستری ترک کردے، یہ تدبیر مؤثر ہے۔

ج......اب بھی کوئی درستگی نہ ہو تو تادیب کے طور پر ہلکی سی مار مارے، ہلکی سی مارے یہ کہ چہرے پر نہ مارے، ایسی ضرب نہ مارے جس سے جلد پر نشان نمایاں ہوجائیں، یہ تدبیر بھی پست درجہ کی سمجھ والیوں میں مؤثر ہوتی ہے۔

د......یہ تدبیر بھی ناکافی ثابت ہو، تب ایک طلاق دے سکتا ہے۔ اس ایک طلاق دینے کے لئے شوہر کو اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے، جب وہ ماہواری ایام سے پاک صاف ہوجائے، ان ایام کا یہ انتظار بھی پہلی طلاق کی روک کے لئے ہے۔

اس طلاق کے بعد ضروری ہے کہ خاوند بیوی ایک ہی گھر میں رہیں۔ ایک ہی جگہ خواب کریں۔ اس سکونت یک جائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو پھر اپنی خصلت وعادت اور فعل پر جس کی طفیل نوبت بحدے رسید ہوگئی ہے، غور کرنے اور اصلاح کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی طرح پر اگر وہ رل مل بیٹھے، ایک نے دوسرے کی ہم بستری کا موقع حاصل کرلیا تو وہ ایک طلاق ان کو خاوند بیوی کی معاشرت سے ذرا روک نہیں۔

ہ......ایک مہینہ گزر گیا، عورت کو دوسرے مہینے کے ایام بھی دیکھنے پڑے، ان کے بعد پھر مرد کو دوسری طلاق دینے کا اختیار ہے۔ لیکن اس دوسری طلاق کے بعد بھی زوجین کو ایک ہی جگہ رہنا، سہنا، سونا، بیٹھنا ہوگا۔

اب پھر ایک مہینہ کی لمبی میعاد ان کے درمیان ہے، جذبات انسانی، جھوٹے غصے، بیجا بدگمانیوں اور فضول شکایتوں کو جلد مغلوب ومعدوم کردیا کرتے ہیں۔ اگر ہوگیا تو پھر یہ

جوڑا میاں اور بیوی کا ہے اور دونوں طلاقوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔

و......اب تیسری طلاق کا موقع آجائے گا۔اس وقت جب عورت ماہواری مرض سے فارغ ہو،اب شریعت اسے بتاتی ہے کہ دیکھ، یہ ہما تیرے ہاتھ سے نکلنے والی ہے، پرند اُڑ جاتا ہے تو کف افسوس ہی ملنا پڑتا ہے۔سمجھ لے اور تیسری طلاق سے رک جا۔

ان ہدایات پر بھی اگر نفرت وشقاق کی بنیاد ایسی مضبوط ہے۔کہ مرد اب تک طلاق پر ہی تُلا ہوا ہے۔تب شریعت اسے مجبور نہیں کرتی ہے،اور معاہدہ شادی کو لعنت زندگی کا طوق نہیں بنادیتی۔

رحمۃ للعالمین کی تعلیم نہ تو یہ گوارا کرسکتی ہے کہ کسی وفادار بیوی کو محض کسی بیرونی جاہل کے طعن پر یکبارگی گھر سے نکال دے۔جیسا کہ سیتا جی کا معاملہ ہے،یا یہودیوں کی طرح جن کے نزدیک بیوی کا درجہ ایک ملازم کے برابر بھی نہیں۔بلاوجہ اور بے سبب شریک زندگی سے قطع تعلق کرلیا جائے۔

علیٰ ہذا یہ بھی گوارہ نہیں، کہ عورت پر تہمت زنا لگانے کے بغیر اس کی بدمزاجیوں، گستاخیوں یا امراض مخصوصہ کے بعد بھی اس سے گلوخلاصی نہ ہوسکے،جیسا کہ انجیل کی تعلیم کو سمجھ لیا گیا ہے۔ہاں حقوقِ زوجین کا از حد خیال رکھتے ہوئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے ایک ایسی سڑک تیار کردی ہے،جس میں نہ تو تفریط کی گھاٹیاں آتی ہیں،اور نہ ہی افراط کے پہاڑ راستے میں حائل ہوتے ہیں۔

۲۳......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔جس نے عرب کے اس رواج کو توڑا کہ میت کا ورثہ خاندان کے صرف ان لوگوں کو ملے گا جو تلوار و نیزہ اٹھا سکتے ہوں۔عورت اور معصوم بچے، بیٹی، بہن، کا کوئی حق نہیں۔بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائداد سے بوجہ بیٹی ہونے کے، بھائی کی جائداد سے بوجہ بہن ہونے کے،شوہر کی جائداد سے بوجہ زوجہ ہونے کے اور اولاد کی جائداد سے بوجہ والدہ ہونے کے متعدد حصے دلاتا ہے،اور حضور ﷺ کے تعلیم کردہ قانون توریت کو اصولاً بہت سے غیر مسلم قوموں نے بھی لے لیا ہے۔

۲۴...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے وقف علی الاولاد کے آئین سے اولاد کو فقر، تنگدستی سے اور جائداد کو تباہی سے، اور خاندان کو ہلاکت سے محفوظ بنایا۔ اس مسئلہ سے دنیا کلیۃً ناواقف تھی۔

۲۵...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے جوازِ جنگ کے لئے مظلوم ہونے، حقوق ملی وقومی سے بلاوجہ محرم کردیئے جانے، دین حقہ کی حفاظت کرنے والوں کی جان ومال کے غیر محفوظ ہوجانے یا امن عامہ کا قیام مفقود ہوجائے اور مذاہب عالم اور ان کے اماکن عبادت کے معرض تلف میں آجانے کو بہ طور شروط اولین قرار دیا۔

یہ حقیقت آیات ذیل سے آشکارا ہے: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْر . اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ. وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْراً. ''جنگ کرنے والوں کو اذن دیا گیا کیوں کہ وہ مظلوم تھے اور بے شک اللہ ان کی مدد کی ضرور قدر رکھتا ہے۔ یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے بلاسبب نکالے گئے۔ صرف اس بات پر کہ انہوں نے اللہ اپنا پروردگار مان لیا تھا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اگر کچھ لوگوں کی دوسرے اشخاص کے ذریعہ مدافعت نہ کرتا تب یہودیوں کے معبد، عیسائیوں کے گرجا، صابئین کی عبادت گاہیں نیز مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے۔ ضرور گرادی جاتیں۔

۲۶...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا، اور اسے ام الخبائث بتایا اور اس تھوڑی سی رعایت کا بھی (جو بالآخر انتہائی اجازت تک پہنچ جاتی ہے) جو پولوس نے مرعی رکھی تھی کہ تبدیل مزہ کے لئے پانی میں تھوڑی سی شراب ملا کر) سد باب کردیا۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ''شراب اور قمار کو شرک منہیہ کے برابر برابر بیان فرما کر اسے

شیطانی فعل بتایا اور پھر اس سے بچنے کا حکم محکم الفاظ میں صادر کیا۔ تا کہ تم خلاصی پاؤ۔

اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل کر دی: کُلُّ مَا اَسکَرَ کَثِیرُہٗ فقَلِیلُہٗ حرَامٌ ''جس کی بڑی مقدار میں نشہ ہو، اس کی ادنیٰ مقدار بھی حرام ہے۔''

۲۷......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے زنا کے جملہ اقسام کو جس کے عرب اور ہندوستان اور دیگر ممالک میں عجیب عجیب نام اس کی قباحتوں کو چھپانے کے لئے رکھ لئے گئے تھے۔ حرام ٹھہرایا اور اس کے حکم کو منبر و محراب میں خوب شائع کیا۔

وَالَّذِینَ ھُم لِفُرُوجِھِم حَافِظُونَ . اِلَّا عَلیٰٓ أز وَ اجِھِم أو مَا مَلَکَتْ أیمَـا نُھُم فَـاِنَّھُم غَیرُ مَلُومِینَ . فَمَنِ ابتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَـأُولٰئِکَ ھُمُ العَادُونَ. ''فلاح والے وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ بیویاں اور وہ جن کے مالک ان کے داہنے ہاتھ ہوئے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور ان کی بابت ان پر کوئی ملامت نہیں۔ مگر جو کوئی ان کے سوا اور عورت کی تلاش کرتا ہے۔ تو وہ لوگ اللہ کی حدود سے بڑھ جانے والے ہیں۔

۲۸......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے اسیرانِ جنگ کی جان بخشی و رحم فرمائی کے اصول واضح فرمائے تورات میں دشمنوں کی جان تو کیا، ان کے حیوانوں اور عورتوں کی جانوں کا بچانا بھی حرام اور موجب غضب الٰہی بتایا گیا تھا۔

فَـاِذَا لَـقِیتُمُ الذینَ کَفرُوا فَضَربَ الرِّقَابِ حَتّٰی اِذَآ أثْخَنتُمُوھُم فَشُدُّوا الـوَثَـاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعدُ وَاِمَّا فِدَآءً. ''جب کافروں سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو، اور جب ان کو چور چور کرو، تب مضبوط طریقہ سے ان کو باندھ لو۔ اور پھر بعد ازاں ان پر احسان کیا کرو، یا ان سے فدیہ لے لو۔''

حملہ آور دشمن پر مغلوب اور اسیر ہونے کے بعد احسان مائی یا فدیہ گیری کا اصول ایسا ہے، کہ دنیا بھر کی تمام اقوام اس سے نابلند رہی ہیں، اور عملاً کسی نے ایسے کارنامہ کی نظیر پیش نہیں کی ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے بدر و احد اور حنین کی فتوحات اور فتح مکہ سے، اور ہر موقع

پر اسیران جنگ اور دشمنانِ دین اور قاتلانِ مومنین اور محاربین رسول کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا۔

۲۹......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے بے پڑھی لکھی قوموں کے سامنے جو اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر کرتے اوران پڑھ ہونے کو نوزائیدہ امی بچہ کی معصومی کا چربہ سمجھا کرتے تھے۔علم سے روشناس کیا،علم کا درجہ ان کے دلوں میں قائم کیا،علم کا شائق بنایا۔ پھر ان کو معلم اورمقری کے منصب پر بلند فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الاُمِّیِّینَ رَسُولاً مِنهُم یَتلُوا عَلَیهِم اٰیَاتِهٖ وَیُزَکِّیهِم وَیُعَلِّمُهُمُ الکِتَابَ وَالحِکمَةَ وَاِن کَانُوا مِن قَبلُ لَفِی ضَلَالٍ مُّبِینٍ. وَیُعَلِّمُکُم مَالَم تَکُونُوا تَعلَمُون. ’’اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا عظیم الشان رسول ﷺ بھیجا جو انہی میں سے ہے وہ ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا اور پاک بناتا اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ لوگ تو اس رسولؐ سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ تم کو وہ وہ کچھ سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔

۳۰......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے امراض قلوب کو بیان کیا ہے۔ امراض کی علامت اور علاج کے طریقے بتائے۔ جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی ،اور قیامِ سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

۳۱......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے گناہگار انسان کو اسرار توبہ کی تعلیم دی۔ توبہ کے اجزاء بتائے ہر ایک جزو کی جداگانہ خاصیت اور ترکیبی ماہیت کو تفصیل سے سمجھایا۔

۳۲......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے تزکیہ نفس۔ تصفیہ باطن کو جداگانہ ابواب میں مرتب فرمایا جس نے اخلاق فاضلہ اور ابواب احسان کو الگ الگ کر کے بتایا۔

۳۳......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے تقویٰ اور خشیت من اللہ، انقطاع تمام اور انس کامل مدارجِ رجوع مراتبِ احسان، حقیقتِ ورع وتوکل اور روح اخلاص وصدق اور مقامات قرب ورضا کا عرفان عطا کیا۔

۳۴......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔جس نے عبد اور معبود کے درمیان ایک "حَبلُ اللّٰہ المُتین" کا نشان دیا۔اور چاہِ ضلالت میں گرے ہوؤں کو آسمانی ہدایت پر پہنچ جانے کی تدبیر بتائی۔

۳۵......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔کہ جس نے رہزنوں کو چوپانی اور بادشاہوں کو اخوانی سکھائی،اور جس نے غلاموں کو سلطانی دی،اور جس نے بساط کیانی پر اونٹ چرانے والوں کو بٹھلا دیا۔

۳۶......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔جس نے علوم مابعد الطبیعیہ کو آثار نفسی و آفاقی سے مبرہن کیا۔اور جس نے اعمال،اور اعمال کا روح سے تعلق بتایا،اور جس نے میزان اور حق و باطن کا توازن بتلایا ہے۔

۳۷......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔جس نے شمالی عرب کو روما کی غلامی سے اور جنوبی عرب کو ایران کی غلامی سے آزاد کیا۔جس نے طوائف الملو کی کا خاتمہ کر دیا۔جس نے قتل و غارت گری کو قتل و غارت کر دیا۔جس نے خون انسانی کی قدر و قیمت کو سارے جہاں کی قیمتی اشیاء سے بڑھ کر قیمتی بتایا،جس نے ایران کو فواحش سے،اور روما کو حیوانی تعیش سے نجات دی،جس نے تمام دنیا کی طرف امن کا ہاتھ بتلایا۔جس نے ایوان صلح کو مرتفع کیا جس نے:حتّٰی تَضَعَ الحَربُ أوزَارَهَا"یعنی یہاں تک کہ جنگ اپنے سلاحات کو رکھ دے۔" کے لئے جملہ مساعی کو ختم کر دیا۔

۳۸......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔جس نے غلامی کے نقائص دور کرنے کی تدابیر کیں، غلاموں کو برابر کا کھانا،برابر کا پہننا،ان کی استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا۔اور اس طرح غلاموں کو خاندان کا ایک جزو یا ممبر بنا دیا۔

۳۹......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔جس نے غلام کو حق مکاتبت بخشا،جس کا مطالبہ وہ عدالت میں کر سکتا ہے،اور آقا مجبور ہے کہ اسے مقرر قیمت پر آزاد کر دے۔

۴۰......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔جس نے مکاتب غلام کو چندہ دینے کا حکم سب کو دیا،

حتیٰ کہ وہ آقا بھی چندہ دے جس کی غلامی سے اسے آزاد ہونا ہے۔

۴۱...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے اسلامی سلطنت کی آمدنی صدقات میں سے ایک حصہ خزانہ غلامی کے مٹانے کے لئے خرچ فرمایا۔ ﴿و فِی الرِّ قَا بِ﴾ (سورۂ توبہ)

۴۲...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے قانون شریعت میں آزادی غلاماں کے لئے مواقع نکالے۔

۴۳...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے آقاؤں کو "عتاق مِّنَ النَّارِ" کا ذریعہ آزادی غلام بتایا۔

۴۴...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے آزاد کو آقا کے برابر حقوق عطا فرما کر آقا کو غلام کا مولیٰ اور غلام کو آقا کا مولیٰ ٹھہرایا۔

۴۵...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے آزادی غلام کے بعد بھی آقا و غلام میں ایک ایسی نسبت ایک ایسا علاقہ پیدا کر دیا، جو صرف خون کے رشتہ میں ہوتا ہے۔ یعنی آقا کے لاوارث ہونے پر غلام کو اور غلام کے لاوارث ہونے پر آقا کو اس کا وارث ٹھہرایا۔

۴۶...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے غلاموں پر حصولِ قرابت وصہریت اور اخذ امارت وحکومت اور نصب امامت وولایت اور اعداء کو عطائے صلح وامان کے حقوق سے مالا مال فرمایا ہے۔ اسلام سے پیشتر غلامی تو جملہ ممالک میں اور جملہ اقوام میں اور جملہ ادیان میں موجود تھی۔ کیا رحمۃ للعٰلمین سے پیشتر کسی نے غلامی کے محور زائل کرنے اور غلاموں کو ایسے بلند مناصب تک پہنچانے میں کوئی کاروائی کی۔

یہ ہندوستان ہے جہاں اچھوت اقوام کی تعداد آج تک برہمنوں، کھتریوں اور دیش قوموں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور اچھوت ہونے کی بیڑی اور طوق اس طرح ان کا لازمۂ جسم وروح ہو گیا ہے کہ سینکڑوں نسلوں اور ہزاروں لاکھوں سالوں کی امتداد ملّت بھی ان کو رہائی نہیں دلا سکی۔ اچھوت قومیں ہندولاء کے حکم سے معاشرت تمدّن علم اور مذہب کے جملہ حقوق سے قطعاً محروم رکھی گئی ہیں، برہمنوں کو شودروں کے مال کا مالک بنایا گیا ہے

اور کوئی برہمن کسی شور مقتول کے قتل میں مستوجب قصاص نہیں سمجھا گیا۔

اسلام میں کوئی انسان بھی اچھوت نہیں، سب کی جان و مال کو یکساں حرمت واحترام کے حقوق حاصل ہیں معاشرت اور تمدّن میں سب برابر ہیں۔ ہر ادنیٰ شخص سلطنت دنیوی یا امت دینی تک فائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا یہ مضمون طویل ہو رہا ہے اور کتاب ہذا کا موضوع یہ نہیں کہ ایک ہی مسئلہ کو پورے بسط سے تحریر کیا جائے۔ لہٰذا اس دلچسپ و دل ربا مضمون کو ہم اس جگہ ختم کرتے ہیں اور آپ سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صرف حضور ﷺ کی خصوصیت ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بطور اسم اور علم بھی مستعمل ہے۔

اور یہ نام کسی غیر کا تجویز کردہ نہیں۔ ماں باپ کا رکھا ہوا نہیں، کسی شاعر کے تخیل کا نتیجہ نہیں، کسی فدائی کا جوش محبت میں کہا ہوا نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کا انکشاف حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ایک صداقت کا گنجینہ ہے۔ اور اس گنجینہ کا نشان خود ہادی مطلق نے دیا ہے۔ یہ ایک بشارت ہے۔ جسے قدرت ربانی ہر ایک مخلوق کے کان تک پہنچانا چاہتی ہے۔ یہ ایک نوید ہے جو عالم عالمیاں کو شیفتہ احسانات الٰہیہ بناتی ہے۔

(بحوالہ چیدہ چیدہ رحمۃ اللعالمین جلد ۳، از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ)

آپ ﷺ کی شان رحمۃ اللعالمین کی چند جھلکیاں

بھول چوک اور غلطی کرنے والے کو خطا کار کہتے ہیں، اور درگزر کا مطلب ہے ''کسی کی خطا کو معاف کر دینا۔ اس سے کوئی تعرض نہ کرنا اور انتقام کو عفو میں تبدیل کر دینا۔'' یہ مقدس صفت حضور ﷺ کا جزو ایمان تھی۔ حضور ﷺ حسنِ سیرت میں اعلیٰ اور پاکیزگی جسم اور لباس میں اطہر تھے۔ ہر ایک بات میں علم، فضل، عقل، سخاوت، فصاحت، احسان، ایمان، اخلاق، عبادت، ریاضت، شفقت، اعانت، محبت، شرم اور تمام اخلاق حسنہ میں رسولِ اکرم ﷺ لاثانی تھے۔

بدی کا بدلہ بدی سے ہرگز نہ دیتے تھے، بلکہ حتی الوسع نیکی کرتے۔ جو کوئی آپ کو برا بھلا کہتا، رسولِ اکرم ﷺ اس کے حق میں دعائے خیر مانگتے۔ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے، گنہگار کی خطا پر پردہ ڈالتے اور بھول، چوک اور غلطی کرنے والے کے قصور کو معاف کردیتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کئی ناموں سے یاد کیا ہے، اور آپ ﷺ کی کئی صفات بیان کی ہیں۔ لیکن ان میں سے آپ ﷺ کی مقصد صفت رحمت سب سے ممتاز ہے، کیوں کہ اس کا ذکر رسالت کے ساتھ بلکہ اس کے مقصد وحید کے طور پر ہوا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِين. (سورۃ الأنبیاء)

"اے نبی ہم نے تم کو صرف اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ تم سے تمام دنیا کے لئے رحمت کا ظہور ہو۔

جب حضور ﷺ تولد ہوئے، اور حضور ﷺ کے آنے کی خوشخبری میں قرآن حکیم کے متذکرہ الفاظ ملائک قدسی نے تمام کائنات میں پکارے۔ تو لعین ازل ابلیس نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا:۔ کہ اے خدا! کیا تیرے اس محبوب کی رحمت میں میرا حصہ نہیں ہے؟

اسی وقت خداوند تعالیٰ نے ان فرشتوں کو جو ابلیس کو روزانہ عذاب دیتے تھے، روز جزا تک عذاب دینے سے منع کردیا۔

کیونکہ جس دن ابلیس لعین نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا تھا، اللہ تعالیٰ نے روزانہ دو فرشتوں کو عذاب دینے پر مامور کردیا تھا۔ مگر سبحان اللہ کہ ایسے مردود کو بھی رسولِ اکرم ﷺ کی آمد آمد کی خوشی میں عذاب سے رہا کردیا۔ یہ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمین ہونے کی درخشاں اور سعد مثال تھی۔

عفو اور منصفانہ انتقام کے بارے میں قرآن کریم سے پہلے کی دو آسمانی کتابوں میں بھی ذکر آیا ہے۔ توریت کا اصول منصفانہ انتقام پر مبنی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ جو انسان کو مار ڈالے گا، وہ مار ڈالا جائے گا۔ انجیل کی تعلیم بھی سراسر عفو ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ اگر کوئی تمارے دائیں رخسار پر تھپڑ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کی طرف

پھیر دینا اور پھر آخر میں قرآن کریم نے اس کو اور بھی اجاگر کر دیا۔ ارشاد ربانی ہے: ''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں میں برابری کے بدلے کا حکم ہوا ہے، آقا کے بدلے آقا، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔''

یہ منصفانہ قانون کی نقاب کشائی ہے۔ اور اخلاقی قانون کو یوں پیش کیا گیا ہے:
''اگر اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا، تو دستور کے مطابق اس کی پیروی کرنا اور نیکی کے ساتھ اس کو ادا کرنا، یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہوگی۔ اور جو کوئی اگر اس معافی یا خون بہا کے بعد پھر بھی زیاتی کرے گا، تو یاد رکھو۔ اس کے لئے بہت دکھ کی سزا ہوگی۔

اس آیت مقدسہ کی تشریح سے یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے عفو اور انتقام میں صرف ایک کو اختیار کرنے سے اس دنیا کا نظام کامل نہیں کہلا سکتا اور محض ایک کی پیروی کرنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دنیوی نظام کے اجزاء منتشر ہو جائیں گے اور امن وسلامتی جو نظام دنیا کے بقا کی مقدم ترجمان ہے، درہم برہم ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ جرم وسزا، اور بدلہ وانتقام کی باگ ڈور ارباب حکومت کے ہاتھ سونپی گئی، اور اس کے عملی پہلو کو جلا بخشنے کے لئے غریب امیر چھوٹے بڑے، اپنے پرائے اور کالے گورے کے طرہ امتیاز کو بالکل ہی معدوم کر دیا گیا۔ تاکہ ملت اسلامیہ کی سالمیت کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے، اور اس تصویر کے دوسرے پہلو کو درگزر اور عفو کی صورت میں پیش کر کے شخصیت کے بلند وبالا مقام کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

سورۂ انبیاء کی ایک سو ساتویں آیت اپنے مطالب میں اتنی جامع ہے کہ اس میں نبوت ورسالت اور تشریح عقائد کے بہت سے نکات سما گئے ہیں، اس میں رسالت اور رحمت کے بنیادی رشتے کا ذکر بھی ہے اور رحمت کی عالمگیریت کا بیان بھی۔

ڈاکٹر محمد خالد مسعود اپنے ایک مضمون میں رحمت کے دو پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں: ۔لغت میں رحمت کے بنیادی معنیٰ نرم دلی اور محبت کے بیان ہوئے ہیں۔

البتہ اس کے اضافی معنی بے شمار ہیں۔ بعض علمائے لغت نے اس کا لغوی رشتہ رحم (مادر) کے لفظ سے قائم کیا ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رحمت کا ایک معنیٰ صلہ رحمی یعنی رشتہ داری سے تعلق اور نیکی کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ اس طرح رحمت دراصل اس جذبہ اور احساس کا اظہار ہے، جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے۔ اس میں محبت کا جذبہ بے پایاں ہوتا ہے دوسرے کی تکلیف پر تڑپنے کا احساس ہوتا ہے۔ اس رعایت سے لغت عربی میں رحمت کا لفظ مجازی طور پر ایسے کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں یہ مفہوم پایا جاتا ہو۔

قرآن کریم میں رحمت مغفرت کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ اور لطف اور احسان کے معنوں میں بھی۔ اس کے علاوہ قرآن نے رزق، نبوت، ہدایت اور علم وغیرہ کو بھی رحمت کے نام سے ذکر کیا ہے، بادلوں کو رحمت من اللہ اور قرآن مجید کو شفا و رحمت کہا ہے۔

عربوں کے ہاں اسی رعایت سے مکہ مکرمہ کو ام الرحم اور مدینہ منورہ کو المرحومہ کہا جاتا ہے۔ رحمت کے مختلف معانی میں فرق واضح کرنے کے لئے ابن منظور نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ اگر رحمت کا ذکر انسان کے تعلق سے ہو، تو اس کے معنی رقت قلب فرم دلی اور محبت کے ہوں گے اور اگر اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ہو، تو اس کے معنی لطف واحسان اور رزق ومغفرت کے ہوں گے۔

امام راغب اصفہانی نے رحمت کی تعریف یوں کی ہے کہ رحمت سے مراد رقت قلب کا وہ جذبہ ہے، جو رحم کئے جانے والے شخص پر احسان کا تقاضا کرے۔ ان تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے اب زیر بحث قرآنی آیات پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں رحمت اپنے معانی کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ حضور ﷺ اللہ کی طرف سے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کے لطف واحسان کی صفات اپنے مکمل معانی کے ساتھ حضور ﷺ کی ذات میں جلوہ گر ہیں۔

اس کے ساتھ ہی چونکہ رحمت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی گئی ہے، اس لئے نرم دلی، محبت اور شفقت کی وہ تمام صفات بھی حضور ﷺ کی سیرت میں موجود ہیں۔ جو آپ ﷺ کے انسان کامل اور خلق عظیم کے حامل ہونے کا پتا دیتی ہیں۔

رحمت کو صلہ رحمی کے معنوں میں لیا جائے تو اس میں اخوت انسانی کا پیغام اور حضور ﷺ کی انسان دوستی کی صفت کا بھی اشارہ موجود ہے۔ اس آیت میں دوسرا کا خاص نقطہ یہ ہے کہ یہاں حضور ﷺ کی رسالت کا مقصد وحید آپ ﷺ کا تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رحمت کے مذکورہ بالا دونوں پہلو حضور ﷺ کی ذات میں جمع ہوئے، تو حضور ﷺ کی رحمت کی حدیں وسیع تر ہو گئیں۔ حضور ﷺ کی یہ رحمت تمام جہانوں کے لئے ہے۔ ''عربی لغت میں عالم کا لفظ جہانوں اور جہان میں بسنے والے دونوں کے لئے آتا ہے۔''

چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ان تمام کے لئے ہے۔ جو ان جہانوں میں بستے ہیں۔ وہ مومن ہوں یا کافر اس میں علاقوں، مذہبوں نسلوں اور رنگوں میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ علمائے تفسیر کے ہاں البتہ اس پر اختلاف رہا ہے۔ کہ مؤمنین اور کافروں کے لئے رحمت ہونے کا مفہوم کیا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ کی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہیں، اس کے لئے دنیا میں اور آخرت میں رحمت لکھ دی گئی ہے، البتہ جو اللہ پر اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے اس کو بھی وہ ذلت اور تحقیر کی سزا اور عذاب معاف کر دی گئی۔ جو گزشتہ قوموں پر مسلط کی جاتیں رہی تھی۔''

حضور ﷺ کی ذات رحمت ربانی کی وسعتوں اور پہنائیوں کی مظہر ہے، خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ایک ایسا نبیؐ بنا کر بھیجا، جس کا دل رحمت اور شفقت کا بحر بیکراں تھا رحمت وشفقت کا یہ سمندر اپنوں کے علاوہ بیگانوں کو بھی سیراب کرنے کے لئے بے چین رہا حضور ﷺ کی ذات اپنے بیگانے میں تفاوت کی قائل نہ تھی۔ مومن ہو کہ کافر، رسولِ اکرم ﷺ کسی کا دکھ

برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت کے اس پہلو کو قرآن حکیم کی سورۂ توبہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ ''تمہارے پاس اللہ کا رسول ﷺ آ گیا ہے، جو تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا رنج و تکلیف میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں کے لئے شفقت رکھنے والا اور رحمت والا ہے۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا۔ سوائے اس کے کہ اس نے خدا کے کسی حکم کو توڑا تو اس کو قانونی اعتبار سے سزا ملی ہو۔ ایک دن ایک صحابیؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کامل اسلام کس فرزند توحید کے قلب میں ہے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے عفو در گزر کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا: ''اس مسلمان کے قلب میں جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ ایک اور موقع پر صحابہؓ کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک مؤمن نہ بنو گے، جنت میں داخل نہ ہو سکو گے اور اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتے، جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے، اور ایک دوسرے کی غلطی اور بھول چوک معاف نہ کرو گے۔ مقصد کہنے کا یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی ساری حیات مقدسہ میں جو تعلیم و تلقین فرمائی، وہ عفو اور منصفانہ انتقام پر مبنی ہے اور اخلاق اور قانون دونوں کا مجموعہ ہے عدل قانون ہے اور احسان اخلاق ہے۔

ذیل کی چند مثالیں حضور ﷺ کی زندگی کے ان ہر دو پہلوؤں کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کو اپنے پیارے اور مقدس دین حنیف کی خاطر طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہونا پڑا۔ ایک دن آپ ﷺ تبلیغ حق میں مشغول تھے کہ ابولہب کی طرف سے گزر ہوا۔

آپ ﷺ نے ابولہب کو مخاطب کر کے ایمان لانے کی نسبت کہا تو وہ بگڑ کر بولا

تبا لک (یعنی ہلاکت ہو تجھ پر) یہ سن کر رسولِ اکرم ﷺ دیدہ گریاں و سینہ بریاں گھر تشریف لے آئے۔ لیکن اس کے باوجود رسولِ اکرم ﷺ نے اسے بدعا نہ دی۔ ابولہب اور اس کی بیوی رسولِ اکرم ﷺ کے راستے میں روز کانٹے بچھاتے تھے۔ مگر آپ ﷺ انہیں کبھی برا بھلا نہیں کہتے تھے۔

ابولہب بن عبدالمطلب کے علاوہ وہ ابوجہل بن ہشام، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص، اسود بن المطلب، ولید بن مغیر، عاص بن وائل، ابوقیس ونصیر بن الحارث صائب وعاص بن سعید، اسود بن عبد یغوث، عاص بن ہشام، اقیتہ بن حلف اور عدی بن حمراوغیرہ نے بھی آپ ﷺ کی مخالفت کی۔

یہ لوگ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتے، جس سے آپ ﷺ کے پاؤں مجروح ہو جاتے۔ مکانوں کی چھتوں پر سے کوڑا کرکٹ آپ ﷺ کے لباس اطہر پر ڈالتے تھے۔ مگر ان تمام تکالیف کے باوجود آپ ﷺ صبر و ہمت سے کام لیتے اور یہ دعا فرماتے کہ: ''یاالٰہی یہ جاہل ہیں، ان کو سیدھا راستہ دکھا۔''

جب آپ ﷺ وعظ فرماتے، تو یہی لوگ آپ ﷺ پر پتھر کا مینہ برساتے، حضور ﷺ کا بدن اکثر لہولہان ہو جاتا۔ قریش مکہ نے یہاں تک ہی اکتفا نہ کیا، بلکہ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو آپ ﷺ پر نجاست وغیرہ پھینک دیتے، مگر آپ ﷺ کے منہ سے سوائے نیک دعا کے اور کچھ نہ نکلتا۔

ایک دن رسولِ اکرم ﷺ بازار میں وعظ کر رہے تھے اور ابولہب جھولی میں پتھر وسنگریزے ڈالے ہوئے پیچھے سے مارتا جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے بدن سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔ اور اہل مکہ حضور ﷺ پر ہنس رہے تھے، اسی وقت ایک فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اگر آپ کہیں تو ابھی اہل مکہ کو نیست و نابود کر دوں۔'' مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''نہیں میں اس واسطے نہیں آیا ہوں کہ ان کو ہلاک کرادوں۔''

ایک دن آپ ﷺ کا گزر خانہ کعبہ سے ہوا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ کفار کا ایک گروہ آپ ﷺ ہی کے متعلق گفتگو کر رہا ہے آپ ﷺ اس گروہ کے پاس آئے اور فرمانے لگے: ''اے سرداران قریش خدا کے لئے باز آ جاؤ اور بد بخت بتوں کی پرستش سے منہ موڑ کر اس خداوند قادر و توانا کی عبادت کرو، جس سے تمہیں فائدہ پہنچے۔''

پھر رسولِ اکرم ﷺ نے بتوں کی تضحیک اور اللہ تعالیٰ کی تعریف شروع کر دی۔ عقبہ بن ابی معیط کو غصہ آ گیا۔ اس نے جرأت کر کے حضور ﷺ کی گردن مبارک میں ہاتھ ڈالے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا سانس بھی رک گیا۔

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لے آئے اور عقبہ بن ابی معیط کو اس جارحانہ اقدام سے روکا۔ یہ دیکھ کر سب کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو پکڑ لیا اور اس قدر زدوکوب کیا کہ جسم سے خون بہہ نکلا۔

اتنے میں قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی اور انہوں نے بات ختم کرا دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے التجا کی کہ ان کو بددعا دیں۔ حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی جانب نگاہ دوڑائی اور خدا سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: ''اے خدا! ان کے تاریک دلوں میں ایمان کی قندیل فروزاں کر دے کہ یہ تیرے دین اور تیرے رسول کو پہچان جائیں۔''

قریش مکہ کے ناروا سلوک سے تنگ آ کر حضور ﷺ نے جب ہجرت کی تو آپ ﷺ سب سے پہلے تین دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ غار ثور میں مقیم رہے اور چوتھے دن پھر سفر کا آغاز کیا۔

ادھر ابوجہل نے جب آپ ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو انعام مشتہر کیا کہ جو کوئی بھی محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو زندہ یا مردہ میرے پاس لائے گا، اسے سو اونٹ کے علاوہ بہت سا نقد و زر بھی انعام میں دیا جائے گا۔

چنانچہ کئی لوگ رسولِ اکرم ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، اتفاق سے ایک شخص سراقہ اس طرف آ نکلا جس طرف حضور ﷺ جا رہے تھے۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا

اور حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ابھی تیر کمان سے نکلنے بھی نہ پایا تھا، کہ خود گھوڑے سمیت زانوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اس حالت میں سراقہ نے عجز وانکساری سے رحم کی درخواست کی۔ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے، اس کا قصور معاف کر دیا اور خدا سے دعا کی تو سراقہ کو زمین سے نجات دلائی، سراقہ جنگ حنین کے بعد مشرف بہ اسلام ہوا۔

ایک دن آپ ﷺ تبلیغ حق کا درس دینے کے لئے مکہ معظمہ سے طائف کی جانب روانہ ہوئے، حضرت زیدؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، طائف میں ایک معبد تھا، جہاں لات اور منات کے مجسموں کی پرستش ہوتی تھی۔

حضور ﷺ نے سردارانِ طائف کو دعوت اسلام دی، طائف کے سب سے ذی اثر قبیلے کے سردار تین بھائی تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی پیغام حق دیا، مگر وہ تینوں امارت کے نشے میں چور تھے۔

ایک نے کہا کہ اگر آپ اللہ کے پیغمبر ہیں تو پیدل کیوں چلتے ہیں؟

دوسرے نے کہا کیا خدا کو کوئی اور پیغمبر بنانے کے لئے نہیں ملا؟

تیسرا بولا کہ اگر آپ ﷺ خدا کے سچے نبی ہیں تو آپ ﷺ سے بات کرنا خطرے کو دعوت دینا ہے۔ اور اگر سچے نہیں تو بات کرنا ہی مناسب نہیں ہے۔

یہ باتیں سن کر حضور ﷺ خاموش رہے اور اپنی منزل کی جانب دوبارہ گامزن ہو گئے۔ ان تینوں بھائیوں نے حضور ﷺ کا مزید تمسخر اڑانے کے لئے شرارتی بچوں اور اوباشوں کو حضور ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے، جن سے آپ ﷺ زخمی ہو گئے، اور آپ ﷺ کے جسد اقدس سے خون بہنے لگا۔

اس کے باوجود رسولِ اکرم ﷺ انہیں دعائیں دیتے جاتے، جب زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو اوباش لوگ آپ ﷺ کو بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے، جب آپ ﷺ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ برا بھلا بھی کہتے، اور تالیاں بجا بجا کر حضور ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے۔

تاریخ اسلام میں مرقوم ہے کہ تین میل تک یہ فتنہ پرواز لوگ آپ ﷺ کے پیچھے لگے رہے، اورانہوں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ کے جوتے خون سے لبریز ہو گئے تھے۔

ان کٹھن حالات اور روح فرسا واقعات کے باوجود حضور ﷺ نے عفو اور درگزر کو اپنا مسلک بنائے رکھا اور اسی شعار پر گامزن رہتے ہوئے طائف والوں کو بددعا نہ دی، بلکہ ان کی آئندہ نسلوں کی بہتری کی دعائیں بھی کرتے رہے۔

مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد کئی بار حق اور باطل کے درمیان معرکہ آرائیاں ہوئیں اور ان میں فرزندانِ توحید دھوم دھام اور شان وشوکت سے غالب آتے رہے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ نے ہر فتح کے بعد عفو اور درگزر کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ جنگ بدر کے بعد جب اسیران کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے سپرد کیا، تو رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں تاکید فرمائی کہ خبردار انہیں کوئی تکلیف نہ دینا۔

چنانچہ خود صحابہ اکرامؓ کھجور کھا کر گزارہ کر لیتے تھے اور اسیران بدر کو سیر ہو کر کھانا کھلاتے تھے۔ غزوہ حنین میں سات ہزار قیدی بنائے گئے، رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ انہیں کھانے پینے کو بھی بہت سا سامان دیا۔

جب عہد نامہ حدیبیہ منسوخ ہو گیا، تو فرزندانِ توحید دس ہزار کی تعداد میں فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔

اہل مکہ کو جب اس لشکر کی آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے تحقیق کے لئے تین آدمیوں کو بھیجا۔ جن میں ابوسفیان بھی تھا۔ خیمہ نبوی کی دربانی پر جو دستہ مقرر تھا اس نے ابوسفیان کو پکڑ لیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔

ابوسفیان کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ کے انتقامی جذبے نے جوش مارا۔ انہوں نے شمشیر بے نیام کر کے رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کی کہ یارسولِ اللہ ﷺ کفر کی بیخ کنی کا وقت آ گیا ہے۔ یہ بات سن کر ابوسفیان کے گزشتہ تمام کارنامے حضور ﷺ کی نگاہوں کے سامنے

پھرنے لگے۔

اسلام کی دشمنی، مدینے پر بار بار چڑھائی، عرب قبائل کو کئی بار لڑائی پر اکسانا، رسولِ اکرم ﷺ کے قتل کی خفیہ سازش، اور حضور ﷺ کو ناحق ایذائیں پہنچانا، الغرض ہر بات اس کے خون کی پیاسی ثابت ہوئی۔ لیکن ہادی برحق کا عفو و درگزر انتقام کے اس جذبہ سے کہیں زیادہ وزنی تھا، حضور ﷺ نے ابوسفیان کے سیاہ اعمالنامے کو نور اسلام کی کرنوں سے حصہ گیر، ہونے کی دعا فرمائی اور حضرت عمرؓ کو انتقامی جذبہ سے منع فرمادیا۔

پھر فتح مکہ کے بعد وہ مبارک گھڑی بھی آئی، جب جابر و قاہر قریش رسولِ اکرم ﷺ کے روبرو چشم ندامت جھکائے کھڑے تھے۔ جنہوں نے اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا تھا، جن کی نگاہیں شرارتیں، زبانیں گالیاں اور ہاتھ پتھر برساتے تھے، جن کی تیغوں نے رحمت عالم کے ساتھ گستاخیاں کی تھی، جنہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی راہوں میں خار بچھائے تھے، جنہوں نے آپ ﷺ کا تمسخر اڑایا تھا، جنہوں نے شمع رسالت کے پروانوں کو چلچلاتی دھوپ میں تپتی ریت پر ننگا گھسیٹا تھا۔

حضور ﷺ نے ان کی جانب نگاہ دوڑائی اور جلال و دبدبہ کے لہجے میں پوچھا کہ اے کفار مکہ کیا معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

یہ لوگ ظالم تھے، جابر تھے، شقی تھے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے گردنیں جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ ان کے دلوں میں یہ خیال تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ انہیں کڑی سے کڑی سزادیں گے۔ مگر حضور ﷺ کی رحمت جوش میں آئی او حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے، اور ارشاد فرمایا: ''تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آج سے آزاد ہو۔''

کفار مکہ تمام مہاجرین کے مکانوں پر قبضہ کر چکے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ اب وقت ہے کہ ہم ان سے اپنے مکانات حاصل کریں، لیکن حضور ﷺ نے اس معاملہ میں بھی عفو و درگزر کا طرز عمل اختیار کیا۔

یہ تھیں آپ ﷺ کی خطا کاروں کے ساتھ عفو و درگزر کی چند جھلکیاں، جو آپ ﷺ کا

مثالی کردار، روحانی پاکیزگی، اور اخلاقی بلندی کا نقطہ عروج افشا کرتی ہیں اور جو ہر دور اور ہر زمانے میں جابر و قاہر مخالفین کو بھی بندہ بے دام بنا دیتی ہیں۔

یہ حضور ﷺ کی اسی مثالی عفو کیشی کا نتیجہ ہے کہ دور حاضر کے مسلمانوں کے اتنے انحطاط اور عیسائیوں کے ظاہری عروج کے باوجود جب کوئی افریقہ کا حبشی اپنے فرسودہ خیالات کے گھنے سایوں سے تنگ آ کر تہذیب کے سورج کی روشنی میں آنا چاہتا ہے تو وہ بجائے عیسائیت کے مشرف بہ اسلام ہو جاتا ہے۔

ایسی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں اور ان میں حضور ﷺ کا مثالی کردار جھلکتا نظر آتا ہے اور ہر ایک کی زبان پر بے اختیار یہ لفظ آ جاتے ہیں کہ: ''حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔

حضور ﷺ بحیثیت رحمۃ للعٰلمین

اب ذیل میں ہم حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ کی تقریر سے کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ تقریر رسولِ اکرم ﷺ کی شان رحمت پر ایک اچھوتے انداز میں پیش کی گئی تھی، جو ہمیں خوب پسند آئی، لہٰذا موضوع کی مناسبت سے آپ بھی اس کے چند اقتباسات پڑھیئے:۔ حضرت فاروقی شہیدؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ: ''وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِين'' اے پیغمبر! ہم نے تجھے جہانوں کے لئے رحمت بنایا، ہم نے تجھے ایک علاقے کے لئے نہیں، ایک شہر کے لئے نہیں ایک ملک کے لئے نہیں، ایک قوم کے لئے نہیں، ایک دور کے لئے نہیں، بلکہ فرمایا۔ ''وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِين''

دنیا میں جتنے جہان ہیں، ہر جہان کے لئے تو نبی ہے، ہر جہان کے لئے تو رہبر و رہنما ہے، ہر جہان کا تو پیغمبر ہے، ہر جہان کے لئے تو ہدایت ہے، ہر جہان کی عظمت تیرے پاس ہے، ہر جہاں کا تقدس تیرے قدموں سے وابستہ ہے، ہر جہان کی کامیابی تیرے ساتھ وابستہ ہے، میرے پیغمبر کو اللہ نے فرمایا: ''وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً

لِلعَالَمِین“

اے پیغمبر! تو ایک جہان کا نہیں، عالم عقبیٰ کے لئے تو رحمت ہے، عالم دنیا کے لئے تو رحمت ہے، عالم حیوانات کے لئے تو رحمت ہے، عالم جمادات کے لئے تو رحمت ہے، عالم انسانیت کے لئے تو رحمت ہے، تحت الثریٰ کے لئے تو رحمت ہے، عرش معلیٰ کے لئے تو رحمت ہے، فرشتوں کے لئے تو رحمت ہے، جوانوں کے لئے تو رحمت ہے، عورتوں کے لئے تو رحمت ہے، لڑکیوں کے لئے تو رحمت ہے، جانوروں کے لئے تو رحمت ہے، مزدوروں کے لئے تو رحمت ہے، کسانوں کے لئے تو رحمت ہے، محنت کشوں کے لئے تو رحمت ہے، ساری کائنات کے ایک ایک ذرے کے لئے ، ایک ایک علاقے کے لئے ، ایک ایک بستی کے لئے اے پیغمبر! تو رحمت ہے، تو جہانوں کے لئے، کیوں؟ اس لئے کہ جو کتاب تجھے دی گئی، وہ بھی جہانوں کے لئے، جو نبی بنا کر تو بھیجا گیا، تو بھی جہانوں کے لئے، اور میں رب العالمین میں بھی جہانوں کے لئے ، اے پیغمبر! میں رب العالمین ہوں، قرآن ھدیً للعالمین ہے، اور تو رحمۃ للعالمین ہے، نہ کوئی تیری مثال ہے، نہ قرآن کی کوئی مثال ہے،، نہ پروردگار کی کوئی مثال ہے۔

میرے بھائیو! قرآن نے پیغمبر کو فرمایا: ”وَمَا أَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْن“ اے پیغمبر! ہم نے تجھے جہانوں کے لئے رحمت بنایا، دنیا میں جتنے بھی جہان ہیں، ہر جہان کے لئے تو رحمت ہے، سوال یہ کہ رحمت کا معنیٰ کیا ہے؟ ، رحمت کہتے کس کو ہیں؟ ، رحمت کی تھیوری کیا ہے؟ ، رحمت کی فلاسفی کیا ہے؟ ، رحمت کی حقیقت کیا ہے؟ ، رحمت کی اصلیت کیا ہے؟ یہ بات قابل غور ہے، عربی لغت میں جتنی بھی کتابیں آج تک چھپی ہیں، رحمت کا معنیٰ ایک ہے، رحمت کا معنیٰ راحت ہے، رحمت کا معنیٰ چین ہے، رحمت کا معنیٰ سکون ہے، رحمت کا معنیٰ دکھوں میں کسی کا علاج ہے، رحمت کا معنیٰ جہالت میں روشنی ہے، رحمت کا معنیٰ عظمت ہے، رحمت کا معنیٰ رفعت ہے، رحمت کا معنیٰ بلندی ہے، رحمت کا معنیٰ دکھوں میں اچھائی ہے، ساری کائنات شرک سے اٹ گئی تھی، کائنات میں شرک کا

اندھیرا تھا، اس میں جو روشنی پھیلی اسے رحمت کہا گیا، اور جس وقت گناہ ساری دنیا میں پھیل گیا، اور گناہ کے مقابلے میں نیکی کا پھیلنا رحمت ہے، ظلم ساری دنیا میں پھیل گیا، وہاں عدل کا آنا رحمت ہے، ساری کائنات میں برائی ہو، وہاں عدل کا آنا رحمت ہے، ساری کائنات اندھیروں میں ڈوب جائے، وہاں روشنی کا آنا رحمت ہے، اور مزدوروں کو حق نہ ملے، وہاں حق مل جائے یہ رحمت ہے، محنت کش بھوکا مر رہا ہو، اس کو روٹی مل جائے یہ رحمت ہے، ایک آدمی ننگا ہو، اس کو کپڑا مل جائے یہ رحمت ہے، ایک شخص مریض ہو، اس کا علاج ہو جائے یہ رحمت ہے، ایک شخص جاہل ہو، اسے تعلیم مل جائے یہ رحمت ہے، میرے بھائیو! یہ ساری چیزیں رحمت کیوں ہیں؟ اس لئے کہ ہر چیز کا علاج رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں سے وابستہ ہے، تعلیم رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، علاج رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، مزدوروں کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری کا ادا کرنا رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، شرک کو ختم کر کے توحید کا چراغ جلانا رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، رسالت کا عام کرنا رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، قرآن کو دنیا میں پھیلانا رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، دنیا میں ہر دکھ کا علاج میرے رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، ہر پریشانی کا علاج میرے رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، ہر بے چینی کا علاج رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، ہر کفر کا علاج میرے رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، شرک ہے تو مقابلے میں میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، کفر ہے تو مقابلے میں میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، دکھ ہے تو مقابلے میں میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، پریشانی ہے تو مقابلے میں میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، پوری کائنات میں جتنی برائیاں ہیں، ان کے مقابلے میں جو جو نیکی ہے، وہ سب کچھ میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، اندھیرا پھیل گیا ہو روشنی کی ضرورت ہو تو میں کہوں گا کہ یہ میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، تجھے یقین نہیں آتا، تو آ ایک ہندو شاعر جگر ناتھ کے دروازے سے پوچھ لے، کہ رحمت کی کیفیت کیا ہے؟ جگر ناتھ آزاد کہتا ہے

وہی یونان کہلاتا تھا جو تہذیب کی دنیا وہی روئے زمین پر آج تھا تخریب کی دنیا

یہ تحقیق و تجسّس کا جہاں تھا آج ویرانہ افلاطون کی خرد سقراط کی دانش تھی افسانہ
غرض دنیا میں چاروں سمت اندھیرا ہی اندھیرا تھا نشان نور گم تھا ظلمت کا بسیرا تھا
کہ دنیا کے افق پر دفعتاً سیلاب نور آیا جہانِ کفر و باطل میں صداقت کا ظہور آیا
حقیقت کی خبر دینے بشیر آیا نذیر آیا شہنشاہی نے جس کے قدم چومے وہ فقیر آیا
مبارک ہو اس زمانے کو کہ ختم المرسلین آیا صاحب رحم بن کر رحمت اللعالمین آیا

میرے بھائیو! میرا رسول ﷺ، میرا پیغمبر ﷺ، میرا مرشد ﷺ، کائنات کا محور حقیقی ﷺ، مرکز حقیقی ﷺ، مقصود کائنات ﷺ، رسولِ اکرم ﷺ جب دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے، عورت کی کیا کیفیت تھی؟ مزدوروں کی کیا حالت تھی؟ کسان کی کیا حالت تھی؟......عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا......عورت کے مخصوص ایام میں وہ گھر میں نہیں رہ سکتی تھی، عورت کو لوگ جنگل میں باندھ دیتے تھے، عرب کے اندر رواج تھا کہ بچی پیدا ہوتی، اس کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اور قیصر و کسریٰ کے اندر رواج تھا کہ لڑکی جوان ہوتی تو اسے دکانوں پر شوکیسوں میں کھڑا کر کے بری خواہشات کا نشانا بنایا جاتا، ایسے وقت میں کہ عورت بازار کی جنس رہ گئی تھی، ایسے وقت میں جب بچی پیدا ہوتی ہو، اسے دفن کر دیا جاتا ہو، ایسے وقت میں جب عورت کو وراثت کا کوئی قانون نہ ملتا ہو، عورت کی کوئی حیثیت متعین نہیں تھی، عورت ایک استعمال شدا کپڑے کی چیز تھی، عورت جنسی خواہشات کی علامت تھی، عورت خواہشات نفسانی کا ایک مرقد بن کر رہ گئی تھی، اور عورت سوائے دنیاوی ہوس کے اور اس کا کوئی کام نہیں تھا، آج پوری دنیا، آج یورپ، مستشرقین یورپ اور پوری کائنات کہتی ہے کہ اسلام نے عورت کو اندر بند کر کے رکھ دیا ہے۔

میرے بھائیو! آؤ میں تمہیں چودہ صدیوں پہلے بلکہ چودہ صدیوں سے بھی پہلے قیصر و کسریٰ کی کیفیت بتانا چاہتا ہوں، کہ عورت کو بازار میں کھڑا کر کے اس کی بولیاں لگتی تھیں، اس کے حسن کو لوگ دیکھ کے بری خواہشات کا نشانہ بنانا چاہتے تھے، اور بچی پیدا ہوتی تو عرب میں اس کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اندھیرا تھا عورت کے لئے کوئی زندگی نہیں تھی،

عورت کے لئے کوئی آسرا نہ تھا، عورت کے لئے کوئی دنیا میں سہارا نہ تھا، عورت کے لئے کوئی امید کی کرن نہ تھی، عورت کے سامنے کوئی روشنی نہ تھی، عورت کے لئے کوئی چیز بھی دنیا میں نہ تھی، میرے بھائیو! ایسے وقت میں دنیا کے سب سے بڑے سردار رسولِ اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے، اور میرے نبی ﷺ نے فرمایا: او دنیا کے لوگو! عورت کو عام سمجھنے والو! عورت کی چار حیثیتیں ہیں، عورت اگر تیری ''بیٹی'' ہے تو تیری عزت ہے، عورت اگر تیری بہن ہے تو تب بھی تیری آبرو ہے، عورت اگر تیری بیوی ہے تو اس کا خرچہ تیرے ذمہ واجب ہے، اور عورت اگر ماں ہے تو اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے، وہ جنت...... جس جنت کی تلاش میں ساری کائنات ماری ماری پھر رہی ہے، استی سال کی عبادت بزرگ کرتا ہے کہ مجھے جنت مل جائے، قطب عبادت کرتا ہے کہ مجھے جنت مل جائے، ابدال عبادت کرتا ہے کہ مجھے جنت مل جائے، لیکن چودہ سو سال پہلے اسی جنت کو ماں کے قدموں کے نیچے میرا نبی ﷺ قرار دے چکا ہے، کہ جو عورت خواہشات نفسانی کی چیز تھی، اسی عورت کے قدموں کے نیچے جنت بتانے والا وہ میرا نبی ﷺ ہے، جو عورت کے لئے بھی رحمت کا پیغامبر بن کر آیا۔

میرے بھائیو! عربوں میں رواج تھا کہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا مکّے میں بھی رواج تھا رسولِ اکرم ﷺ کی محفل میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ! کیا مجھے معافی مل سکتی ہے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو نے کیا کیا ہے؟......'' اس نے کہا میرا بہت بڑا گناہ ہے آسمانوں سے بھی بڑا گناہ، زمین سے بھی بڑا گناہ، اتنا بڑا گناہ میں نے کیا، کیا مجھے معافی مل سکتی ہے؟...... رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو نے زنا کیا ہے؟......'' اس نے کہا زنا سے بھی بڑا گناہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو نے شراب پی ہے؟......'' اس نے کہا شراب سے بھی بڑا گناہ، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے جوا کھیلا؟......'' اس نے کہا جوئے سے بھی بڑا گناہ، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون سا ایسا گناہ ہے؟...... جو آسمانوں سے بھی بڑا، ہے زمین سے بھی بڑا، کائنات سے بھی بڑا ہے'' تو اس نے کہا:۔ اے رسولِ اکرم ﷺ! میں ابوجہل کا پیروکار تھا، میں ابوجہل کا ماننے والا تھا، میرے علاقے میں بھی ابوجہل کا یہ دستور تھا، کہ بچی

پیدا ہو جاتی تو اسے زندہ دفن کر دیا جاتا، میرے گھر میں کوئی اولاد نہ تھی، چودہ سال بیت گئے ، چودہ سال کے بعد، ایک بچی پیدا ہوئی، تو میری بیوی نے کہا، یہ اولاد پہلی ہے، ہم اس کو زندہ دفن نہیں کریں گے، حالانکہ حکومت کا اعلان تھا، ابو جہل کا اعلان تھا کہ بچی کو دفن کر دیا جائے کہیں بڑی ہو کر اس کو کوئی لینے نہ آ جائے، کوئی ہمارا داماد نہ بن جائے، کوئی ہماری ناک کاٹنے والا نہ آ جائے تو میں نے فیصلہ کیا کہ بچی کو زندہ دفن نہیں کریں گے دو سال بیت گئے تین سال، چار سال بچی بھاگنے لگی بچی ہمیں بہت پیاری لگتی تھی، جب میں گھر جاتا تو بچی میرے سینے سے چمٹ جاتی تھی میری ساری تھکاوٹ دور ہو جاتی تھی۔ میرے مسلمان بھائیو! جن کے گھروں میں بچیاں ہوتی ہیں ان کو پتہ ہے کہ باپ کو بیٹیوں سے کتنی محبت ہوتی ہے اور بیٹیوں کو باپ سے کتنا پیار ہوتا ہے لیکن یہ چار پانچ سال کی بچی روزانہ باپ کے سینے سے چمٹ جاتی ہے لیکن ایک دن وہ کہتا ہے مکّہ کے چوک پر ابو جہل نے میرا گریبان پکڑ لیا اس نے کہا تیرے گھر میں بچی ہے اور تو اس کو دفن نہیں کرتا آج ہی میری پولیس آئے گی اور اس کو دفن کر دے گی، میں نے وعدہ کر لیا کہ میری کل کو کہیں ناک نہ کٹ جائے، میں گھر آیا میں نے نیت کر لی ارادہ کر لیا، کہ آج ہی بچی کو زندہ دفن کر ڈالوں گا آج ہی اس کو تہہ تیغ کر دوں گا آج میں اسے اپنی آنکھوں سے جدا کر دوں گا، میں نے فیصلہ کر لیا میں نے اس کی ماں کو نہیں بتایا صرف یہ کہا اس کو تیار کر دے اس کو اس کے ماموں کے پاس لے جاؤں گا، اس کو وہاں چھوڑ آؤں گا، کہیں ابو جہل کے جلاد آ کر اس کو ذبح نہ کر ڈالیں اس کی ماں نے تیار کر دیا، اس کو دوپٹہ پہنایا اس کے کپڑے بدلے، اس کو غسل کرایا، اس کی آنکھوں میں سرمہ لگایا، میں جب چلنے لگا تو اس بچی کو میں نے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور سینے پر رکھا، اٹھا کر لے جانے لگا، ایک کدال جو دروازے کے پاس تھی وہ بھی میں نے اٹھائی اس کی ماں کو پتا نہ چلا وہ سمجھتی رہی کہ میرے بھائی کے پاس یعنی اس کے ماموں کے پاس لے جا رہا ہے، لیکن کہتا ہے میرے دل میں برائی تھی میں بچی کو اٹھا کر جنگل میں لے گیا، پہاڑوں پر لے گیا، وہ بچی کہتی ہے ابا جان اس علاقے میں تو میرے ماموں کا گھر نہیں ہے وہ پریشان

ہوگئی میں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا وہ خاموش ہوگئی، پہاڑ کے دامن میں میں نے اس کی قبر کھودنا شروع کر دی، میں قبر کھودتا تھا وہ بچی کہتی تھی ابا جان! کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا خاموش ہو جا وہ خاموش ہوگئی، جب میں قبر کھودرہا تھا، اس کو نہیں پتہ تھا یہ گھڑا میرے لئے کھودا جارہا ہے، اس بچی نے دوپٹہ میں مٹی ڈالی اور میرے ساتھ گھڑا کھودنے میں مددگار ہوگئی تھوڑی دیر بعد اس کو اٹھا کر جب میں نے اس گڑھے میں رکھا تو وہ بچی رو پڑی اور رو کر کہنے لگی ابا جان! اگر اسی طرح مجھے زندہ دفن کرنا تھا مجھے گھر میں بتا دیتے میں اپنی ماں کو آخری سلام تو کر کے آجاتی، جب یہاں تک وہ پہنچا رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے سارے صحابہؓ رو پڑے کیوں روئے؟ میرے پیغمبر ﷺ کیوں روئے؟ اس لئے کہ: "**وما ارسلناک الا رحمة للعالمین**" میرے پیغمبر ﷺ تو رحمت کا پیغامبر تھے ان کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو بہہ رہے تھے، وہ آدمی کہتا جارہا تھا: اے رسولِ اکرم ﷺ! اس بچی کو اٹھا کر جب میں گڑھے میں رکھنے لگا بچی رو پڑی میں نے اس کی پکار کو نہیں دیکھا میں اس کو رکھنے لگا تو بالآخر وہ بچی کہتی ہے ابا جان! مجھے چھوڑ دے میں ساری زندگی تیرے گھر نہیں آتی میں ساری زندگی اس علاقے میں نہیں آتی میں جنگلوں میں وقت گزار کر اپنا گزارہ کرلوں گی میرا جرم تو کوئی نہیں، میرا قصور تو کوئی نہیں، میں نے تیرے حکم کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی وہ چیختی رہی، لیکن میرے دل میں ابو جہل کا ڈر تھا، میں نے بچی کو قبر میں ڈال دیا اور اس کے سینے پر ایک ریت کا تودہ رکھا اور اس کی آواز ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی، اے دنیا کے سردار ﷺ! اے رحمت دوعالم ﷺ! اے رسولِ اکرم ﷺ! آج میں تیرے دروازے پر آیا ہوں، کیا میرا یہ گناہ معاف ہوسکتا ہے؟ جس دن سے اس بچی کو میں نے گڑھے میں رکھا، اس دن کے بعد روزانہ خواب میں وہ بچی مجھے ملتی ہے اور میرے سامنے کہتی ہے، ابا جان! قیامت کا دن ہوگا رسولِ اکرم ﷺ کی عدالت ہوگی، میرا ہاتھ ہوگا تیرا گریبان ہوگا، اے اللہ کے نبی!...... آج چالیس دن ہوگئے، مجھے نیند نہیں آئی میں تیرے دروازے پر آیا ہوں، اس لئے کہ تم رحمت دوعالم ہو رحمۃ للعالمین ہو اتنے بڑے گناہ کی مجھے

معافی مل سکتی ہے؟

میرے بھائیو! میرے رسولِ اکرم ﷺ اس کی باتیں سن کر رو رہے ہیں، صحابہؓ رو رہے ہیں، رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو جھڑ رہے ہیں میرے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اونو جوان! تو نے بڑا ظلم کیا، تو نے عرش ہلا دیا، تو نے زمین ہلا دی، تو نے پہاڑ ہلا دیئے، تجھے ترس نہیں آیا، جب وہ بچی روتی تھی، تو نے ہاتھ کیوں نہیں روکا؟...... جب تو نے اسے قبر میں اتارا وہ رو رہی تھی، تو نے ہاتھ کیوں نہیں روکا؟...... جب تو نے اس کے سینے پر پتھر رکھا، تجھے ترس نہیں آیا؟...... وہ معصوم جان تڑپتی رہی تو ظلم کرتا رہا، لیکن یاد رکھ میں رحمۃ اللعالمین ہوں، اگر آج تو سچے دل سے توبہ کر کے میرا کلمہ پڑھے گا، میں اتنی بڑی رحمت لے کر آیا ہوں کہ وہ رحمت اس گناہ سے بہت بڑی ہے، اس زیادتی سے بہت بڑی ہے، اتنی بڑی رحمت لایا ہوں، سچے دل سے کلمہ پڑھے گا، تو میں اس گناہ پر معافی کی چادر پھیر دوں گا، اور یاد رکھ! آئندہ قیامت تک کے لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ میری امت میں جو شخص دو بچیوں کی تربیت کر کے جوان کر کے ان کی اچھی طرح شادیاں کرے گا، میں محمد ﷺ اس کی جنت کا اعلان کرتا ہوں، اس لئے کہ میں عورت کے لئے، بچیوں کے لئے، دکھی بچیوں کے لئے، جو بے گور کفن قبروں میں اتار دی گئیں میں محمد ﷺ ان کے لئے بھی رحمت کا پیغامبر بن کر آیا ہو۔ "وما ارسلناک الا رحمة للعالمین" کہ اے نبی ﷺ! ہم نے تجھے جہانوں کے لئے رحمت بنایا، ایک جہاں کے لئے نہیں، سارے جہانوں کے لئے، کہ حضور ﷺ کے دروازے پر ایک اونٹ نے آ کر سر رکھا، صحابہؓ نے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ کیا کہتا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ اونٹ اپنے مالک کی شکایت کر رہا ہے، یہ کہتا ہے، مجھے چارہ تھوڑا ڈالا جاتا ہے، کام زیادہ لیا جاتا ہے، تو حضور ﷺ نے مالک کو بلا کر کہا آئندہ تجھے چارہ تھوڑا ڈالنے کی اجازت نہیں ہے جتنا کام لو گے چارہ اتنا ہی ڈالو گے، اب تم بتاؤ کہ اس جانور کے لئے بھی حضور ﷺ رحمت بن کر آئے یا نہیں آئے؟ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت مزدوروں کے لئے کوئی قانون نہ تھا، لیکن آپ ﷺ جب دنیا میں آئے، آپ

ﷺ نے دنیا میں اپنا پیغام پہنچانا شروع کیا، تو آپ ﷺ نے مزدوروں کے بارے میں جو اعلان کیا، وہ بھی قابل غور ہے کہ آپ ﷺ کی عدالت میں لوگ مصافحہ کر رہے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے ایک شخص سے مصافحہ فرمایا، اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھوں میں نشانات ہیں، اس کے ہاتھ میں گٹھے پڑے ہوئے ہیں، رسولِ اکرم ﷺ نے اس کے ہاتھ کو پکڑلیا۔، اور ہاتھ پکڑ کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے نوجوان! تیرا نام کیا ہے؟'' اس شخص نے کہا میرا نام سعد انصاری ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تیرے ہاتھوں پہ نشانات کیسے ہیں؟'' تو اس نے کہا میں پتھروں پہ ہتھوڑا چلاتا ہوں، یعنی پتھر توڑ کر مزدوری کماتا ہوں اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کے لوگو! سب سے بہتر کمائی اس مزدور کی ہے'' اور یہ کہہ کر میرے پیغمبر ﷺ نے اس مزدور کا ہاتھ چوم لیا، مزدور کا ہاتھ چوما، میں نے چیلنج کیا، کہ آؤ لینن سے پوچھو، مارک سے پوچھو، انجلس سے پوچھو، برطانیہ کے چرچل سے پوچھو، شیکسپیئر سے پوچھو، روسو اور ویدرک سے پوچھو، کتنے بڑے بڑے فرمانروا، اور کتنے بڑے بڑے، مصلح و مربی ریفارمر دنیا میں آئے، لیکن ایسا بھی کوئی شخص آیا کہ جس نے اپنی امت کے ایک مزدور کا ہاتھ چوما ہو؟ وہ رسولِ اکرم ﷺ جو معراج کی رات عرش پر پہنچا، وہ رسولِ اکرم ﷺ جس کے دروازے پر ایک لڑکی قید کر کے لائی گئی، قیدی عورتیں آئیں، قیدی مرد آئے، اس کے دروازے پر، ایک لڑکی قید کر کے لائی گئی، تو حضور ﷺ نے فرمایا ''بلالؓ! یہ میری رحمت والی چادر اس لڑکی کے چہرے پر ڈال دو'' تو بلالؓ نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ! یہ تو کافر کی بیٹی ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: بلال! بیٹی بیٹی ہوتی ہے چاہے کافر کی ہو چاہے مسلمان کی ہو آج تو کافر کی بیٹی کے سر پہ کپڑا اڈالے گا...... قیامت کے دن خدا تیرے گناہوں پر پردہ ڈالے گا۔ آپ ﷺ کی رحمت کو دیکھو ایک مزدور کے ہاتھ کو آپ ﷺ نے چوما ہے اور یہ فرمایا مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدور کی مزدوری ادا کر دو یہ اعلان سب سے پہلے دنیا میں کرنے والا رحمۃ اللعالمین ہے، ہمارا نبی ﷺ عورتوں کے لئے بھی رحمت ہے، مزدوروں کے لئے بھی رحمت ہے، محنت کشوں کے لئے بھی رحمت ہے،

یتیموں کے لئے بھی رحمت ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ عید سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے جا رہے ہیں راستے میں دیکھا کہ کچھ بچے کھیل رہے تھے لیکن ایک بچہ کھیلتا نہیں تھا آپ ﷺ کھیلنے والوں کو چھوڑ کر اس بچے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس بچے سے سوال کیا بیٹا تو کیوں نہیں کھیلتا وہ رو پڑا اس نے رسولِ اکرم ﷺ کا چہرا دیکھا کہ پہلی مرتبہ کوئی آدمی مجھ سے پوچھتا ہے کہ تو کیوں نہیں کھیلتا اس نے کہا میں کیسے کھیلوں؟...... میرے تن پہ کپڑے نہیں، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ''ان سارے بچوں نے کپڑے پہنے ہیں تو نے کپڑا نہیں پہنا'' وہ رو پڑا اور رو کر کہنے گا میں تمہیں کیا بتاؤں میں یتیم ہوں میری ماں فوت ہو چکی ہے میرا باپ فوت ہو چکا ہے آپ ﷺ نے اس کی بات سنی کھیلنے والوں کو نہیں دیکھا آپ ﷺ نے اس بچے کو اپنے ہاتھوں سے اٹھایا سینے سے لگایا اور گھر لے گئے فرمایا عائشہ! یہ یتیم بچہ تیرے دروازے پہ لایا ہوں آج کے بعد محمد ﷺ اس کا باپ ہوں عائشہ تو اس کی ماں ہے، تو اس بچے کے لئے حضور ﷺ رحمت کا پیغامبر بن کر آئے۔ اسی لئے حفیظ تائب نے کہا۔

حضور آئے تو سر آفرینش پا گئی دنیا — اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ گئی دنیا
بجھے چہروں کا رنگ اترا ہنستے چہروں پہ نور آیا — حضور آئے تو انسانوں کو جینے کا شعور آیا
یتیموں اور ضعیفوں کو پناہیں مل گئیں آخر — حضور آئے تو ذروں کو نگاہیں مل گئیں آخر
حفیظ اس در سے گر نسبت نہ رکھے لوح پیشانی — تو کشکول گدائی ہے چہ درویشی و چہ سلطانی

حضور ﷺ جہانوں کے لئے رحمت ہیں، مزدوروں کے لئے رحمت ہیں محنت کش کے لئے رحمت ہیں، اور ان جبینوں کے لئے رحمت ہیں، جو جبینیں ہاتھ کی بنائی ہوئی مورتوں کے سامنے جھکتی تھیں ان کو اٹھا کر حضور ﷺ نے ایک خدا کے دروازے پر جھکا دیا، رسولِ اکرم ﷺ ان کے لئے بھی رحمت ہیں آپ ﷺ بچوں کے لئے رحمت ہیں، یتیم بچیوں کے لئے رحمت ہیں، بیوہ عورتوں کے لئے رحمت ہیں، مزدوروں کے لئے رحمت ہیں، محنت کشوں کے لئے رحمت ہیں، بے سہارا لوگوں کے لئے رحمت ہیں، اور کائنات کے ایک ایک

انسان کے لئے رحمت ہیں، ایک ایک حیوان کے لئے رحمت ہیں، ایک ایک جمادات کے لئے رسولِ اکرم ﷺ رحمت ہیں، جب کائنات کی ہر چیز کے لئے آپ ﷺ رحمت ہیں، اور یہ ساری روشنی آپ ﷺ کے قدموں کے صدقے ہے آج میرے پاس ایمان ہے تو یہ آپ ﷺ کی رحمت ہے، میں مسلمان ہوں تو یہ رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، آج تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیسے گزر رہی ہے؟، تو کہتا ہے سب کچھ رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، اگر چودہ سوسال کے بعد تیرا ایمان حضور ﷺ کی رحمت ہے، تیرا اسلام حضور ﷺ کی رحمت ہے، تیری خوشحالی حضور ﷺ کی رحمت ہے، تیرے ملک پر رحمت رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، سعودی عرب میں تیل نکل آیا، تو کہتا ہے، رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، اور تجھے گھر میں روٹی مل گئی تو کہتا ہے، رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، تو پھر مجھے کہنے دو صدیق ؓ کی صداقت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، عمر ؓ کی عدالت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، عثمان ؓ کی شرافت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، علی ؓ کی عدالت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، سلیمان فارسی ؓ کا تقویٰ بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، ابوذر غفاری ؓ کا زہد بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، ابن عباس ؓ کی تفسیر بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، ابن مسعود ؓ کی حدیث بھی رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، سارے صحابہ ؓ کی عظمت رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، بلال ؓ تپتی ریت پہ لٹایا جارہا ہے اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے، خباب ؓ کو آگ کے انگاروں پر لٹایا جارہا ہے، اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے، طارق ابن زید کو پھانسی کے تختے پہ چڑھایا جارہا ہے اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے، حذیفہ سہمی ؓ کو آگ کے انگاروں پہ ابلتی ہوئی دیگ میں ڈالا گیا اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے اور تخت وتاج قیصر وکسریٰ سے صحابہ ؓ ٹکرائے حضور ﷺ کی رحمت ہے، اندھیروں میں چراغ جلائے، حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہ ؓ نے چمکتی ہوئے تلواروں کے نیچے نبی کو نہیں چھوڑا، یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، بدوؤں نے قیصر وکسریٰ کے پرخچے اڑائے، یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، ساری کائنات کے بت پاش پاش کر کے پوری دنیا میں اسلام کا پرچم بلند کیا صحابہ ؓ نے، یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہ ؓ کی عظمت حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہ ؓ کا

علم حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کا تقویٰ حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کی شان حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کا تدبیر حضور ﷺ کی رحمت ہے، اور قرآن میں ساڑھے سات سو جگہ پہ، اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو جنتی کہا، یہ ان کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ سب کچھ حضور ﷺ کی رحمت ہے۔ میرے بھائیو! آج کائنات کی ہر اچھائی حضور ﷺ کی رحمت ہے، جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے، ایک شخص بھی مسلمان نہیں تھا اور پھر دنیا نے کیا دیکھا؟ کہ کعبہ جس میں تین سو ساٹھ بت تھے وہ بت گرادئے گئے یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے اور فاران کی چوٹی پر اسلام کا سورج طلوع ہوا یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، ایک آدمی بھی ساتھ نہ تھا لیکن جب جنازہ اٹھا حضور ﷺ کا تو ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہؓ حضور ﷺ کے قدموں میں تھے یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، قیصر و کسریٰ کے سارے بت پاش پاش ہوگئے یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے مجھے کہنے دو، کائنات کا ہر حسن حضور ﷺ کی رحمت ہے، ہر خوبصورتی حضور ﷺ کی رحمت ہے، کائنات کی ساری رعنائی حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ جمال حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ حسن وملاحت حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ گلوں کی خوشبو حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ سمندر کا خروش حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ بلبل کی چہک حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ کائنات کی ساری روشنی حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ آسمان کی وسعت حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ زمین کا فرش حضور ﷺ کی رحمت ہے۔ (بحوالہ صدائے فاروقؒ)

آیا نہ کوئی آپ ﷺ جیسا رحمت عالم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو دونوں جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے مٹی کے ذروں، پانی کے قطروں، امنڈتے بادلوں، چڑھتی گھٹاؤں، کوندتی بجلیوں، زمین کی پستیوں، پہاڑ کی بلندیوں، خشکیوں اور تریوں میں خدا کے جلوے انسان کو دکھائے حضور ﷺ نے دشمنوں پر اخلاق کے اسلحہ سے فتح پائی کردار کی حلاوت سے دل موہ لیا ہے۔

دوستوں کو اپنی دلفریب، تعلیم وتربیت سے اپنا جان نثار بنایا، انسانوں میں سے

مال، نسل اور رنگ کے بھید بھاؤ کو یکسر مٹا دیا، حسب و نسب کے بت کو پاش پاش کیا، اونچ نیچ کے فرق کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کیا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سارے انسان آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ جو آپس میں سب بھائی بھائی کی طرح ہیں۔ کسی کو کسی دوسرے پر عہدہ، مال اور وطنیت کی بناء پر کوئی بڑائی حاصل نہیں ہے۔ بڑائی کا معیار تو آدمی کا اپنا کردار ہوتا ہے۔ اس کی ظاہری دل فریبی کا نہیں ہوتا ہے۔

بڑا در حقیقت وہ ہے جو خدا کا فرمانبردار ہے، اور چھوٹا وہ شخص ہے جو خدا کا نافرمان ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے عملی زندگی میں یہ سب کچھ دکھایا ہے۔ وقت پر رسولِ اکرم ﷺ ساتھیوں کے ساتھ خندق کھودتے تھے، ٹوکری اٹھاتے تھے، لکڑیاں جمع کرتے تھے، اپنے جوتے کو خود مرمت کرتے تھے، خود دودھ دوھتے، بازار سے سودا سلف خود لے آتے اور پڑوسیوں کا کام اکثر کر دیا کرتے تھے۔

ایک سفر میں رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھیوں نے اپنے درمیان سب کام تقسیم کر لئے، رسولِ اکرم ﷺ نے لکڑیاں لانا اپنے ذمے لیا۔ صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا: ''اے رسولِ اکرم ﷺ ہماری موجودگی میں آپؐ زحمت فرمادیں۔ یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے۔'' رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پسند نہیں کہ میں ممتاز بن کر رہوں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا ہے، جو اپنے ساتھیوں میں ممتاز بن کر رہے۔

حضور ﷺ شفقت و مہربانی کا نمونہ تھے، حضرت انس بن مالکؓ آپ ﷺ کے خادم اص بیان کرتے ہیں کہ: ''میں دس سال تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا، لیکن حضور ﷺ نے میری نقصان کی بات میں اف تک نہیں فرمایا، نہ کبھی کسی کام کی بابت فرمایا کہ کیوں کیا، اور نہ کسی کام کے نہ کرنے کی وجہ دریافت فرمائی کہ یہ کام کیوں نہیں کیا۔ حضور ﷺ اخلاق اعلیٰ کے مقام پر تھے۔''

ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ: ''حضور ﷺ نے ایک بار خادمہ کو بلایا، اس نے آنے میں

دیر کردی، چہرۂ مبارک پر غصہ نمودار ہو گیا، ام سلمہؓ نے پردہ سے جا کر دیکھا تو خادمہ کھیل رہی تھی، اس وقت حضور ﷺ کے دست مبارک میں ایک مسواک تھی۔ مخاطب ہو کر فرمایا: "اگر قیامت کے دن مجھے بدلے کا ڈر نہ ہوتا تو اس مسواک سے تیری خبر لیتا۔"

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: "جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے درجات بلند ہوں، اس کو چاہیئے کہ اس آدمی کو معاف کر دے جس نے اس پر ظلم کیا ہو، اور اس کو دے جس نے اس کو نہ دیا ہو، اس کے ساتھ رشتہ جوڑے جس نے اس سے رشتہ توڑا ہو، اور اس کی بات برداشت کرے جس نے اس کو برا کہا ہو۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "وہ لوگ اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے، جن کے دلوں میں دوسرے آدمی کے لئے رحم نہیں ہے، اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے ہیں۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"

کرو مہربانی تم اہل زمین پر خدا تم سے خوش ہوگا عرش بریں پر

جنگ بدر کے موقع پر گرفتار قیدیوں میں حضور ﷺ کا ایک بدترین دشمن سہیل بن عمرو تھا جو شعلہ بیان مقرر تھا جو اپنی جادو بیانی سے مجمع کو مسحور کر لیتا اور تمام مجمعوں میں حضور ﷺ کے خلاف بیہودہ تقریریں کرتا تھا۔

اس کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ نے یہ رائے دی کہ اس کے نیچے کے دو دانت اکھڑوا دیئے جائیں تا کہ پھر آئندہ جوش تقریر ماند پڑ جائے، اور ہرزہ گوئی سے باز آ جائے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر میں نے ایسا کیا تو خدا قیامت کے دن میرا چہرہ بگاڑ دے گا اگرچہ میں خدا کا رسول ہوں"۔

آپ ﷺ کے جانی دشمن دعثور بن حارث نے ایک بار آپ ﷺ کو تنہا پا کر تلوار سونت لی، اس کا ناپاک خیال تھا کہ آج آپ ﷺ کا خاتمہ کر دیا جائے، وار کرنا ہی تھا کہ تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ آپ ﷺ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: "دعثور چلے جاؤ میں نے تمہیں

معاف کر دیا۔"

مشہور واقعہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں حضور ﷺ سفر میں تھے، تپتی گرمی سے بچنے کے لئے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرمانے لگے، صحابہ کرامؓ کچھ فاصلے پر لیٹے ہوئے تھے، دشمن تاک میں تھا، آ کر حضور ﷺ کو گستاخی کے ساتھ بیدار کیا اور کہا محمد بتاؤ! آج تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ حضور ﷺ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: "اللہ......" تسلی بھرے اس جواب سے دشمن گھبرا گیا چکرا کر گر پڑا، تلوار ہاتھ سے گر گئی، ظالم کا پنجہ کمزور ہو گیا۔ پھر حضور ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا: "اب بتا تجھے کون بچائے گا؟......" وہ کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "چلے جاؤ میں بدلہ نہیں لیتا، میں معاف کرتا ہوں۔

ہبار بن اسود ایک طرح سے حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل تھا، ہوا یہ کہ صاحبزادی محترمہ ہجرت کر کے مدینہ جارہی تھیں، ہبار نے اونٹ پر نیزہ مارا اس پر آپؓ سوار تھیں۔ اونٹ بدک کر دوڑا، حضرت زینبؓ اونٹ سے زمین پر گر پڑیں، آپؓ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہو گیا، جس کے اثر سے آخر عمر تک بیمار رہیں۔ یہ پر سوز واقعہ رسولِ اکرم ﷺ کے لئے اذیت ناک تھا۔

فتح مکہ کے بعد اس نے چاہا کہ میں ایران بھاگ جاؤں، کچھ سوچ کر وہ دربار رسالت پناہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے رسولِ اکرم ﷺ میں بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا، لیکن آپ ﷺ کا رحم وکرم یاد آیا، اب میں حاضر ہوں، میرے متعلق جس جرم کی خبر آپ ﷺ تک پہنچی ہے وہ سچ ہے۔ آپ ﷺ میری جہالت کو معاف کر دیجئے، اور میرا اسلام لانا قبول کر لیجئے۔ حضور ﷺ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ یہی وہ فراخدلی اور وسعت ظرفی تھی کہ جو کل تک حضور ﷺ کے جان لیوہ تھے، وہ آپ ﷺ کے جان نثار اور آپ ﷺ کی تحریک کے پاسبان اور متوالے ہو گئے۔

آئے بہت پاک ومکرّم بن کر آیا نہ کوئی آپؐ جیسا رحمت بن کر

بے شک رسولِ اکرم ﷺ نے انسانی زندگی کے ہر مسئلہ میں غریبی، امیری، جوانی،

بڑھاپا، رنج وراحت اور مسرت وغم کے موقع پر خدا کے بندوں کی رہبری فرمائی، اور اپنی تعلیمات سے دلوں کو پاک اور صاف اور روحوں کو روشن اور پرنور، طبیعتوں کو معاملہ فہم اور جسموں کو صاف وشفاف بنادیا۔

حضور ﷺ نے انسانوں کو ان کی بصیرت کی آنکھوں سے ان کے خدا کا جلوہ دکھادیا، بندوں اور خدا کے درمیان شعوری رشتہ اوران کا ان کے پالنہار (یعنی پالنے والا) سے رابطہ قائم کرایا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضری دی، اس نے دنیا اور آخرت کے بارے میں چند ضروری سوالات کئے، اس نے دریافت کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میری خواہش ہے کہ میں سب سے بڑا عالم بن جاؤں، میری رہنمائی فرمایئے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''خدا سے ڈرتے رہو سب سے بڑے عالم بن جاؤ گے، خدا کا ڈر اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے انسان پر علم وحکمت کے دروازے کھلتے ہیں۔'' عرض کیا: ''چاہتا ہوں سب سے بڑا انسان بن جاؤں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بڑا انسان وہ ہے، جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ تمہارے لئے بہتر ہے کہ سب کے لئے برابر نفع پہنچانے والے بنو۔ مزید فرمایا کہ وہی دوسروں کے لئے پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔'' اس نے کہا: ''میں خدا کا نزدیکی بننا چاہتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ خدا کو یاد کرو، خدا کے نزدیکی بن جاؤ گے۔'' اس نے معلوم کیا: ''میری خواہش ہے کہ میں نیک اور احسان کرنے والا بنوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''عبادت اس طرح کرو گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس طرح تو کرو کہ حق تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' اس نے سوال کیا: ''کوئی طریقہ بتادیں کہ خدا کا فرمانبردار بن جاؤں؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے فرائض ادا کرتے رہو گے تو تمہارا شمار فرمانبرداروں میں ہوتا رہے گا۔'' اظہار تمنا کیا کہ: ''میدان حشر میں نور کے ساتھ اٹھایا جاؤں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی پر ظلم نہیں کرو گے تو قیامت میں نور کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے۔'' پوچھا: ''چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم

وکرم کا معاملہ فرمائے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے آپ پر اور اللہ کے بندوں پر ترس کھاؤ، خدا تم پر رحم کرے گا۔'' سوال کیا: ''دلی آرزو ہے کہ سب لوگوں سے زیادہ بزرگ ہو جاؤں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''مصیبت کے اوقات میں خدا کی شکایت زبان پر نہ لاؤ سب سے زیادہ بزرگ بن جاؤ گے۔'' اس نے عرض کیا: ''میں اپنی روزی میں بڑھوتری چاہتا ہوں۔'' تو آپ ﷺ نے بتایا: ''ہمیشہ پاک وصاف رہو روزی میں برکت اور بڑھوتری حاصل ہو گی۔'' معلوم کیا: ''میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا دوست بننا چاہتا ہوں۔'' آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہوا: ''جن چیزوں کو خدا اور اس کے رسول ﷺ پسند کرتے ہوں، انہیں اپنے لئے اختیار کرو، اور جن چیزوں کو خدا اور اس کے رسول ﷺ ناپسند کرتے ہوں ان سے تم بھی نفرت کرو، تو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دوست بن جاؤ گے۔'' اظہارِ تمنا کیا کہ: ''خدا کے دربار میں جو دعائیں کروں ساری قبول ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'حرام چیزوں اور حرام باتوں سے پرہیز کیا کرو، تو تمہاری ہر دعا قبول ہو جایا کرے گی عرض کیا: ''خدا قیامت کے دن سب کے سامنے ذلیل ورسوا نہ کرے۔' آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہوا: ''تم اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو گے تو خدا تمہیں قیامت میں ذلیل اور رسوائی سے بچائے گا۔'' سوال کیا: ''میں خدا کے غضب اور غصہ سے بچنا چاہتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی پر بے جا غصہ نہ کرو گے تو خدا کی ناراضگی سے بچے رہو گے۔''

ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: ''اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کی جا سکتی ہے، لیکن ظالم کی مدد کیونکر کی جائے؟...... آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی مدد یہ ہے کہ تم اس کو ظلم سے روک دو۔'' دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ: میرے بندو! میں نے اپنے لئے اور تمہارے لئے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے، تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ مزید ارشاد ہوا کہ: ظلم سے بچو، ظلم قیامت کے دن ظلمات بن جائے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی چیز پر ظلم کیا تو اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے

پاک ہو لے، اس دن سے پہلے کہ اس کے پاس دینے کو نہ دینار ہو نہ درہم، ظلم کا بدلا ظلم کے برابر دینا ہوگا۔ مظلوم کو نیکیاں دلوائی جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم پر لادی جائیں گی۔'' پھر ارشاد ہوا: ''ظالم کو خدا مہلت دیتا ہے، اور جب اس کو گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر کبھی نہیں چھوڑتا۔''

آپ ﷺ ایک باغ کے پاس سے گزر رہے تھے، کہ ایک اونٹ زور سے بلبلا اٹھا، آپ ﷺ نے اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرا، اور پھر اس کے مالک کو بلا کر اس سے فرمایا: ''اس جانور کے بارے میں خدا سے ڈرو۔'' ایک بار ایک صحابیؓ ابو مسعود انصاری اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے اور رنجیدہ ہو کر فرمایا: ''ابو مسعود! اس غلام پر تمہیں جس قدر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ اختیار ہے۔'' ابو مسعودؓ یہ بات سن کر خوفزدہ ہو گئے اور غلام کو آزاد کر دیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص نرمی کی صفت سے محروم ہو گیا وہ سارے خیر سے محروم ہو گیا۔'' ارشاد ہے: ''قیامت کے دن ان لوگوں کو پکار کر ان کا اجر دیا جائے گا جو دنیا میں لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے تھے۔ مزید ارشاد فرمایا: ''مومن اپنے اخلاق سے زاہد شب زندہ دار و دائم الصوم کا درجہ حاصل کر لیا کرتا ہے''

حضور ﷺ نے فرمایا میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے:

(۱)...... کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈرتا رہوں۔

(۲)...... غصے میں ہوں یا خوشی میں ہر حال میں انصاف کی بات کروں

(۳)...... محتاجی اور امیری دونوں حالتوں میں اعتدال پر قائم رہوں۔

(۴)...... جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں۔

(۵)...... جو مجھے محروم کرے میں اسے دوں۔

(۶)...... جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کروں۔

(۷)...... میری خاموشی غور و فکر کی خاموشی ہو۔

(۸)......میرا بولنا یادالٰہی کا بولنا ہو۔

(۹)......میرا دیکھنا عبرت کا دیکھنا ہو۔

دین و دنیا کی بھلائی گر تجھے منظور ہے اس کا دامن تھام لے جس کا نام محمد ہے

رسول اکرم ﷺ رحمۃ اللعالمین بن کر مبعوث ہوئے

جن دنوں معاشرہ انسانی برائیوں کی آماجگاہ تھا، انسانیت خوف و [illegible] کی آتشِ خاموش میں جل رہی تھی، انسان مضطرب و بے قرار تھا، زندگی جمود و تعطل کا [illegible] چکی تھی، عدل و احسان کا فقدان تھا، ظلم و جہل کی گرم بازاری تھی، معاشرہ امن و سلامتی کو اور انسانیت طمانیت و سکون کو ترس رہی تھی۔

ایسے نازک اور سلگتے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو رحمت بنا کر مبعوث فرمایا، اور خطاب عظیم سے نوازا کہ: "اے محمد ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کو تمام افرادِ نسلِ انسانی کے لئے مژدہ دینے اور متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

حضور ﷺ کی جلوہ فرمائی سے لے کر حضور ﷺ کے وصال تک۔ جتنے بھی حالات اور جس قدر بھی واقعات ہیں۔ وہ بنی نوع انسان کے لئے نمونۂ عبرت اور مجسمۂ رحمت ہیں:۔ اگر آپ دولت مند ہیں تو مکہ کے تاجروں اور بحرین کے خزینہ داروں کی پیروی کریں۔ اگر آپ غریب ہیں تو ابی طالب کی قیدی اور مدینہ کے مہمان ﷺ کی کیفیت سنیں۔ اگر آپ بادشاہ ہیں تو سلطان عرب ﷺ کا حال پڑھیں۔ اگر آپ رعایا ہیں تو قریش کے محکوم ﷺ کو ایک نظر دیکھیں، اگر آپ فاتح ہیں تو بدر و حنین کے سپہ سالار ﷺ پر نظر کریں۔ اگر آپ نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کریں۔ اگر آپ استاد اور معلم ہیں تو درسگاہِ صفہ کے معلم قدس ﷺ کو دیکھیں۔ اگر شاگرد ہیں تو روح امین کے سامنے بیٹھنے والے کو دیکھیں۔ اگر آپ واعظ اور ناصح ہیں تو مسجد مدینہ کے ممبر پر کھڑے ہونے والے کی

باتیں سنیں۔ اگر آپ تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہیں تو مکہ کے بے یارومددگار نبی ﷺ کا اسوہ آپ کے لئے ہے۔ اگر آپ حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو اپنا بنانا چاہتے ہیں تو فاتح مکہ ﷺ کا نظارہ کریں۔ اگر آپ اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہیں تو نبی نضیر اور فدک کی زمینوں کے مالک ﷺ کے کاروبار کو دیکھیں۔ اگر آپ یتیم ہیں تو عبداللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ ﷺ کو نہ بھولیں۔ اگر آپ بچے ہیں تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے ﷺ کو دیکھیں۔ اگر آپ جوان ہیں تو مکہ کے چرواہے ﷺ کی سیرت پڑھیں۔ اگر آپ سفری کاروبار میں ہیں تو بصرہ کے سالارِ کارواں ﷺ کی مثالیں ڈھونڈیں۔ اگر آپ عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہیں تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث ﷺ کو دیکھیں۔ جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک کونہ میں کھڑا کررہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھیں جس کی نظر انصاف میں شاہ وگدا امیر وغریب برابر تھے۔ اگر آپ بیویوں کے شوہر ہیں تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر ﷺ کی حیات پاک کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر آپ اولاد والے ہیں تو فاطمہ کے باپ اور حسن وحسین کے نانا ﷺ کا حال پوچھیں۔

غرض اگر آپ کوئی بھی ہوں اور کسی حال میں بھی ہوں آپ کی زندگی کے لئے نمونہ، آپ کی سیرت کی درستی کے لئے سامان۔ آپ کے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور رسولِ اکرم ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے، اور طبقۂ انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے متلاشی کے لئے صرف رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرت پاک کا یہ تاریخی وتحقیقی تجزیہ کیا ہے:۔ حضور ﷺ کی سیرت پاک اور زندگی کی داستان عشق الٰہی اور محبت انسانی کی حسین ترین داستانِ رحمت ہے۔ حضور ﷺ کے دن محنت انسانی میں گزرتے تھے تو راتیں عشق الٰہی میں کٹتی تھیں۔

کبھی حضور ﷺ فلاحِ انسانی میں شہر کی گلیوں اور بازاروں میں تو کبھی شہر سے باہر مضافاتی بستیوں، کارخانوں، خانہ بدوش لوگوں سے ملتے جلتے اور انہیں راہ حق کی دعوت دیتے تھے، حضور ﷺ کبھی انہیں قرآن سناتے تو کبھی دینوی واخروی کامیابیوں کا مژدہ دیتے اور عقوبات وسزاؤں سے باخبر کرتے تھے، حضور ﷺ کی زندگی کا اہم پہلو یہ تھا کہ دوسروں کو زندگی عطا کرنے سے زندگی مل جاتی ہے، اور دوسروں کی زندگی چھیننے سے اپنی زندگی بھی چھن جاتی ہے۔

لہٰذا جسے اپنا امنِ زندگی کی مسرتوں سے بھرنا ہوا سے دوسروں کو مسرتیں دیتے رہنا چاہئے، کیوں کہ حضور ﷺ کی حیات مقدس صرف ایک طبقہ، ایک عہد کے لئے نہیں بلکہ ہر زمان ومکان کے انسان کے لئے رحمت ہے۔

اس لئے آپ ﷺ ایمان واعمال صالحہ، عدل واحسان، محنت ومشقت، ایثار وقربانی، عزم وہمت اور صبر واستقامت کے پیکر تھے۔ آپ ﷺ نے بنی نوعِ انسان سے محبت کرنا، ان کے لئے رحمت بن جانا، ان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی بھی دینے سے دریغ نہ کرنا، بے کسی وبے چارگی کے عالم میں بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا، شدائد وآلام میں صبر کرنا، تلواروں کے سائے میں ثابت قدم رہنا، حق وصداقت کی خاطر بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانا، اعلیٰ نصب العین کی خاطر امارت وحکومت، دولت وقوت سب کو ٹھکرا دینا اور حق وصداقت کی راہ پر گامزن رہ کر حقیقی منزل مقصود کی پر پہنچ جانا سکھایا ہے۔ حضور ﷺ از بس رحم دل، نرم خو، اور کریم تھے۔ حضور ﷺ نے کبھی کسی کے لئے زجر وتوبیخ روا نہ رکھا۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جس شخص کو نرمی وسعادت سے محروم کر دیا جاتا ہے، اسے نیکی اور بھلائی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایک بار کسی شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا: ''مجھے نصیحت فرمائیے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''لاتغضب یعنی غصہ نہ کر۔'' اس نے کئی مرتبہ یہ بات کہی اور ہر دفعہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا ''غصہ نہ کرو''۔

ایک دیہاتی حاضر خدمت ہوا۔ اس نے آپ ﷺ کی چادر مبارک زور سے کھینچی

جس کی وجہ سے حضور ﷺ کی گردن پر نشان پڑ گیا، پھر بولا محمد ﷺ! میرے یہ دو اونٹ ہیں، ان کی لاد کا سامان مجھے دے دو۔ کیوں کہ جو سامان تیرے پاس ہے، وہ نہ تو تیرا ہے اور نہ ہی تیرے باپ کا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مال تو اللہ کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔'' پھر دیہاتی سے دریافت فرمایا: ''جو برتاؤ تم نے مجھ سے کیا اس پر تم ڈرتے نہیں؟'' وہ بولا نہیں، رسولِ اکرم ﷺ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، یہ سن کر رسولِ اکرم ﷺ ہنس پڑے اور اس کی طلب پوری فرمانے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہودی علماء کی ایک جماعت آپ ﷺ کے پاس آئی اور السام علیکم (یعنی تباہی ہو تم پر) کہا۔

حضرت عائشہؓ یہ سن کر برداشت نہ کر سکیں، انہوں نے کہا بلکہ تم لوگ غارت ہو جاؤ، اور تم پر خدا کی لعنت ہو۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ کو اس قسم کے جواب سے منع فرمایا۔ اور ارشاد ہوا: ''خدا مہربان ہے اور ہر کام میں مہربانی پسند کرتا ہے۔'' آپ ﷺ کی حیات طیبہ اسی محور پر گردش کرتی رہی اور آپ ﷺ رحمت کے ابرِ نیساں بن کر دنیائے عالم پر نچھاور ہوتے رہے۔

حضور ﷺ کی شان رحیمی ملاحظہ کیجئے کہ نبوت کے تیئیس (۲۳) سال کے عرصے میں اپنے مخالفوں سے سینتیس (۳۷) بار جنگ کی، پینتیس (۳۵) مہموں میں انہیں کامیابی نصیب ہوئی، لیکن تاریخ کسی بڑے سے بڑے جرنیل کا ایسا عسکری ریکارڈ پیش کرنے سے قاصر ہے کہ وہ تیرہ سال تک مسلسل صف بندی کی حالت میں رہا۔ لیکن اس کے ہاتھ سے کوئی انسان بھی نہیں مارا گیا۔ نہ آپ ﷺ کی فوج نے کبھی کسی بوڑھے یا بچے یا عورت پر ہاتھ اٹھایا اور نہ کسی کھیت کو اجاڑا، نہ ہی کسی سبز درخت کو کاٹا۔

آپ نے دشمنوں سے پیار کی باتیں سنی ہونگی، اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہوگی تو آیئے مدینہ کی سرکار میں:۔

ہجرت کے وقت قریش کے رئیس یہ اختیار دیتے ہیں کہ جو محمدؐ کا سر قلم کر کے لائے گا، اس کو سو (۱۰۰) اونٹ دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہو کر رسولِ اکرم ﷺ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتا ہے اور۔ قریب پہنچ جاتا ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ گھبرا جاتے ہیں۔ اور آپ ﷺ دعا کرتے ہیں۔ تین دفعہ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں، سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتا ہے، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ اس کا پیچھا نہ کرو۔ وہ مرعوب ہو جاتا ہے، واپسی کا عزم کر لیتا ہے۔ حضور ﷺ کو آواز دیتا ہے اور حفظ وامان کی درخواست کرتا ہے کہ جب حضور ﷺ کو اللہ قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پرس نہ ہو، رسولِ اکرم ﷺ یہ خط لکھ کر ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد وہ ایمان لاتا ہے۔ تاہم رسولِ اکرم ﷺ اپنے قاتل سے یہ نہیں پوچھتے ''کہ سراقہ تمہارے جرم کی اب کیا سزا ہے؟......''

غزوۂ احد میں دشمن حملہ کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نرغۂ اعداء میں ہوتے ہیں، حضور ﷺ پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہوتے ہیں، دندانِ مبارک شہید ہوتا ہے، خود کی کڑیاں سر مبارک پر گڑ جاتی ہیں چہرۂ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے۔ اس حالت میں بھی رسولِ اکرم ﷺ رحمت کا نمونہ پیش کرتے ہیں: ''خدایا! میری قوم کو ہدایت عطا فرما کہ وہ نہیں جانتی۔''

حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، حضور ﷺ کی سنت حسنہ پر عمل کرنے کا مطلب ہے دوسروں کے لئے سراپہ رحمت بن جانا۔ یہی اسلام کی غایت بھی ہے۔ اور آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کا خلاصہ بھی۔ اور آپ کے تئیں امتی کا فرض منصبی بھی ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۸۱

رسولِ اکرم ﷺ اور شق القمر کی عظیم خصوصیت

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے اکاسی نمبر خصوصیت کی ابتدا کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ اور شق القمر کی عظیم خصوصیت" اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا سایہ نصیب فرمایا اور میں اپنے آقا ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے بارے میں اپنے گناہ گار ہاتھوں اور آبلہ پا قلم سے لکھ رہا ہوں اور جو لکھا گیا تھا اسے ترتیب دے رہا ہوں، صرف اور صرف اس امید پر کہ شاید یہ کاوش ہی میری نجات کا ذریعہ بن جائے، شاید اپنے حضور ﷺ کی شان میں میرا چلنے والا قلم ہی روزِ قیامت حضور ﷺ کی شفاعت کا سایہ نصیب فرمادے، بس دل کو یہی تسلی ہے اور اسی امید پر لکھتا چلا جارہا ہوں، زبان پر صلوٰۃ وسلام جاری ہے، لوگوں کا اژدھام ہے جس کی وجہ سے لکھتے وقت کافی نشیب وفراز کا سامنا ہے، لیکن دل میں مچلتی حضور ﷺ کی محبت مجبور کررہی ہے کہ کچھ بھی ہو موقع ہے آقا ﷺ کے روضے کے سامنے میں لکھتا چلا جاؤں کہ یہی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

بہر حال محترم قارئین! اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی سب سے منفرد اور بلند وبالا ہے کہ اللہ رب العالمین نے اپنے پیارے اور محبوب نبی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے فرمادیئے جبکہ تمام انبیاء کی سیرتوں میں کہیں ایسی بات نظر نہیں آتی تو معلوم ہوا کہ لاشک یہ خصوصیت بھی ہمارے رسولِ اکرم ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت سے متعلق ملاحظہ فرمائیں گے جسے ہم نے عین قرآن وحدیث کی روشنی میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر

مرتب کیا ہے امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کا مطالعہ بھی آپ کے ایمان میں اضافہ کرے گا اور دعا گو ہوں کہ یا خداوند قدوس میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما، آمین یارب العالمین۔

اکاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

شقّ القمر یعنی چاند کے پھٹ جانے کا تحیّر خیز واقعہ جمہور علماء اسلام کے نزدیک رسولِ اکرم ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے لیکن بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قرآن مجید اس واقعہ کو قربِ قیامت کی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے اور یہ اس اعتبار سے آپ ﷺ کی صداقت کا نمایاں ثبوت تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے قیامت کی آمد اور اس کی کیفیت کے بارے میں جو خبریں لوگوں کو دی تھیں۔

اس واقعہ نے ان کی تصدیق کردی تھی، بہر صورت اس کے وقوع پر سب کا اتفاق ہے، کیوں کہ یہ واقعہ قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ . وَاِن يَّرَوْا اٰيَةً يُّعرِضُوا وَيَقُولُوا سِحرٌ مُّستَمِرٌّ. (القمر) ''قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا ان لوگوں کا یہ حال ہے۔ کہ خواہ کوئی (بھی) نشانی دیکھ لیں، منہ موڑ جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو سب چلتا ہوا جادو ہے۔''

اس واقعہ کا ذکر بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، احمدؒ، ابوعوانہؒ، ابوداوٗد طیالسیؒ، ابن جریرؒ، طبرانیؒ، بیہقیؒ، عبدالرّزاقؒ، ابنِ مرۡدُویہ اور ابونعیمؒ سبھی نے معتبر سندوں کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے راویوں میں حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت جبیر بن مطعمؓ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت صحابہ شامل ہیں۔

یہ واقعہ ہجرت نبوی سے تقریباً پانچ سال پہلے ۸ ـھ بعد کے اواخریا ۹ ـھ بعد

بعثت کے آغاز میں پیش آیا اس وقت کفار کی طرف سے شعب ابی طالب کے محاصرے کو دو برس گزر چکے تھے۔ قمری مہینے کی چودھویں رات تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ شعب ابی طالب سے نکل کر منیٰ میں تشریف فرما تھے۔

اس وقت کفار کا ایک مجمع رسولِ اکرم ﷺ کے پاس موجود تھا۔ کچھ صحابہ بھی رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ (ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ بن یمان ؓ کے اسماء گرامی یقینی طور پر معلوم ہیں)۔ چاند ابھی ابھی طلوع ہوا تھا، یکا یک وہ پھٹا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا سامنے کی پہاڑی کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف نظر آیا۔ یہ کیفیت لمحہ بھر کے لئے رہی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ''دیکھو اور گواہ رہو۔''

اس کے ساتھ ہی دونوں ٹکڑے باہم جڑ گئے۔ مشرکین نے یہ تحیر خیز واقعہ دیکھ کر کہا، محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لئے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا۔ ان میں سے کچھ آدمیوں نے کہا کہ وہ ہم پر تو جادو کر سکتے تھے۔ جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں ان پر تو نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں چل کر باہر کے لوگوں سے پوچھنا چاہئیے کہ انہوں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا نہیں دیکھا؟

چنانچہ جب باہر سے وہ سب لوگ آئے اور ان سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا گیا، تو ان میں سے بعض نے شہادت دی کہ وہ بھی چودھویں کے چاند کو دو ٹکڑے ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ یہ تصدیق سن کر بھی مشرکین قریش دولت ایمان سے محروم ہی رہے اور ایمان نہ لائے۔

حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ کفار نے رسولِ اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ ﷺ سچے ہیں تو ہمیں کوئی بڑا نشان دکھائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ کفار نے مطالبہ کیا کہ ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں، ایک ٹکڑا جبل بوقبیس پر رہے اور دوسرا جبل قُعَیقِعَان پر۔ رسولِ اکرم ﷺ

نے اس معجزہ کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کی، فوراً ہی چاند کے دوٹکڑے ہوگئے نصف حصہ جبل بوقبیس پر اور نصف حصہ جبل قعیقعان پر چلا گیا۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے چاند کو دو حصوں میں پھٹنا دکھایا۔ ایک حرا کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف۔ (صحیحین۔ دلائل النبوۃ ابونعیمؒ)

دوسرے تمام صحابہ سے جو روایات اس واقعہ کے بارے میں ملتی ہیں ان میں کسی میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ معجزہ کفار کے مطالبے پر دکھایا گیا تھا۔ اس بات کے ایک راوی حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اس واقعہ کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ دوسرے راوی پونے تین سو میل دور یثرب کے رہنے والے تھے اور اس واقعہ کے وقت ان کی عمر تقریباً پانچ برس کی تھی گویا یہ حدیث دوسروں سے سن کر بیان کی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ واقعہ خواہ کفار کے مطالبہ پر وقوع پزیر ہوا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اسے قربِ قیامت کی نشانی اور رسولِ اکرم ﷺ کی صداقت کے طور پر دکھایا ہو، بہرصورت یہ حضور ﷺ ہی کے ذریعے وقوع میں آیا ہے۔ بالفاظ دیگر اس واقعہ کا جناب رسولِ اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اسے جناب رسولِ اکرم ﷺ کا معجزہ ہی کہا جائے گا۔

اب رہے اس واقعہ پر بعض لوگوں کے اعتراضات، تو مفسرین اور ارباب سیران اعتراضات کا جواب بڑی تفصیل سے دے چکے ہیں۔ ویسے بھی دوسرا کونسا معجزہ یا مافوق الفطرت واقعہ ہے جس پر مستشرقین، غیر مسلم لوگ اور تجدّد زدہ "مسلمان" اعتراض نہیں کرتے۔ یہ ایمان اور عقیدے کی بات ہے۔ جو بات قرآن پاک اور مستند احادیث کی رو سے ثابت ہو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اس سے انکار کرے۔ ہم اپنے موقف کے حق میں لاکھ نا قابل تردید دلائل پیش کر دیں، نہ ماننے والے انہیں کبھی بھی نہیں مانیں گے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ شق قمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، مسند احمد بن حنبل مستدرک حاکم مسند طیالسی، دلائل بیہقی اور دلائل ابونعیم میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت

عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت علیؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ، جیسے صحابہ کرام شامل ہیں۔ اس سلسلہ کی چند روایات درج ذیل ہیں۔

(۱) ''حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مکہ کے کافروں نے جمع ہو کر رسولِ اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر تم نبوت کے دعوے میں سچے ہو تو کوئی نشانی معجزہ دکھاؤ، چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیئے، یہاں تک کہ ان کافروں نے حراء پہاڑ کو چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں دیکھا۔'' (بخاری و مسلم)

(۲) ''اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ میں چاند درمیان سے شق ہو کر اس طرح دو ٹکڑے ہو گیا کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر کی جانب تھا اور دوسرا ٹکڑا نیچے کی جانب، رسولِ اکرم ﷺ نے کافروں کی طلب پر یہ معجزہ دکھا کر ان سے فرمایا میری نبوت یا میرے معجزے کی شہادت دو۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح...... ''شہادت دو۔'' کے ایک معنیٰ بعض حضرات نے یہ لکھے ہیں کہ ''آؤ اور اس معجزہ کو دیکھو۔'' اس معنے کی صورت میں "اشھدوا" کو شہادت سے مشتق کہا جائے گا، پہلے معنیٰ کی صورت میں (جو ترجمہ میں بیان ہوئے ہیں) "اشھدو" کو "شھود" سے مشتق مانا جائے گا۔

بے شک شق القمر کا معجزہ، یعنی حضور ﷺ کے دست مبارک کے اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، ایک حقیقی واقعہ ہے جس کی صداقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اس واقعہ سے متعلق روایت کو صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک بہت بڑی جماعت، نے بیان کیا ہے، اور ان کے واسطہ سے بے شمار محدثین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

علامہ ابن سبکیؒ نے شرح مختصر ابن حاجب میں لکھا کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شق قمر کی روایت متواتر اور اس کو بخاری و مسلم نیز دوسرے بہت سے ائمہ حدیث نے اتنے زیادہ طرق سے نقل کی ہے کہ اس میں کہیں سے بھی شک کا گزر نہیں ہے، علاوہ ازیں اس معجزہ کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت خود قرآن کریم ہے۔ چنانچہ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق

واجماع ہے کہ آیت کریمہ:۔ **اِقتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ القَمَر وَان يَّرَوا اٰيَةً يُّعرِضُوا وَيَـقُـو لُوا سِحرٌ مُّستَمِرٌّ.** ”قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور اگر یہ لوگ (کافر) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو روگردانی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔“

میں وہی شق القمر مراد ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کے معجزہ کے طور پر واقع ہوا، نہ کہ وہ انشقاق قمر مراد ہے جو قیامت کے دن واقع ہوگا، اس کی واضح دلیل خود آیت کے الفاظ ”**ان يَّرَوا اٰيَةً يُّعرِضُوا الخ**“ ہیں۔

بہت سے بے دینوں اور فلسفیوں نے اس کا انکار کیا ہے، ان کے انکار کی بنیاد اس اعتقاد پر ہے کہ فلکیات میں خرق والتیام ممکن نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی فلکیات کا خالق اور قادر مطلق ہے، تمام فلک اس کی قدرت کے مسخر اور اس کے تابع ہیں، اس کائنات میں جو کچھ ہے، خواہ زمین ہو یا آسمان، چاند ہوں یا سورج ان سب میں سے جس کو چاہے وہ توڑ پھوڑ کر ایک کر سکتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن وہ آسمان کو اس طرح سے لپیٹ دے گا، جس طرح کہ کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ فلکیات میں خرق والتیام کے محال کا نظریہ جو اس وقت بھی بہت سے فلاسفہ کے نزدیک محل نظر تھا، وہ تحقیق وتجربہ کے بعد اب بالکل باطل ہو چکا ہے۔ اس دور کے انسانوں نے چاند پر پہنچ کر شق القمر کے معجزہ کو زبردست قسم کی تائید پہنچائی ہے۔ لہٰذا خرق والتیام کی بحث اٹھا کر اس معجزہ کے خلاف دلیل قائم کرنا بالکل ہی بے معنیٰ بات ہوگئی ہے۔

منکرین صداقت ایک اور اعتراض کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ چاند میں اتنا زبردست تغیر ہو جانا کہ وہ ٹکڑوں میں بٹ گیا کوئی معمولی بات نہیں تھی اگر حقیقت میں ایسا تھا تو اس کا مشاہدہ صرف اہل مکہ تک محدود نہ رہتا بلکہ اس کرشمہ کو تمام اہل زمین دیکھتے اور بلا تفریق مذہب وملت تمام مورخین تواتر کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس معجزہ کا وقوع کچھ خاص لوگوں کے مطالبہ پر تھا اور

انہیں کو یہ کرشمہ دکھانا اور ان کو لاجواب کرنا مقصود تھا۔ علاوہ ازیں یہ رات کے وقت کا واقعہ ہے، جو ایک لمحہ کے لئے تھا، ظاہر ہے کہ ایسے میں جب کہ اکثر لوگ محوِ خواب ہوں گے اس لمحاتی کرشمہ کا عام مشاہدہ کیسے ممکن تھا۔

دوسرے یہ کہ اختلاف مطالع کی بنا پر یہ ممکن ہی نہیں ہوسکتا کہ چاند ایک ہی وقت میں ایک ہی مطلع پر دنیا کے تمام خطوں میں نظر آئے اس لئے معجزہ کے وقوع کے وقت کا چاند دنیا کے تمام خطوں میں سے کچھ کو نظر آیا اور کچھ کو نہیں، جیسا کہ جب چاند گرہن ہوتا ہے تو اس وقت کچھ خطوں میں نظر آتا ہے اور کچھ خطوں میں نظر نہیں آتا ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایتوں میں آتا ہے اس دن عرب کے باہر کے جو لوگ مکہ مکرمہ یا اس کے قریبی علاقوں میں آئے ہوئے تھے انہوں نے اپنے شہروں اور علاقے میں پہنچ کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔

جہاں تک تاریخ میں اس عجیب وغریب واقعہ (شق قمر) کے ذکر کا تعلق ہے، تو اسلامی تاریخ وسیر کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر تواتر کے ساتھ موجود ہی ہے، گو اسلام مخالف اور دین بیزار لوگ اسے انکار کریں۔ لیکن اسلامی تاریخ کے علاوہ بعض قوموں کے تذکرہ اور احوال میں بھی اس واقعہ کا ذکر ملتا ہے، جیسے ہندوستان کے علاقہ ملیبار یا مولوہ کے شہر وہار کے راجہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ تو صرف اس واقعہ کے مشاہدہ یا تصدیق کی وجہ ہی سے مشرف با اسلام ہو گئے تھے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

(۳) ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ ہیں ہم رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''گواہ رہو۔'' (جامع ترمذی)

(۴) ایک دوسری جگہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: اہل مکہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس پر یہ آیت اتری: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَر. قیامت آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

(۵) شق القمر کی جو روایت حضرت جبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ معجزہ شق القمر کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے، تو تمام آدمیوں پر تو وہ جادو نہیں کر سکتے ہیں۔ (مسند احمد حنبل)

واقعہ شق القمر کے بارے میں تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ قبل از ہجرت (۹ھ نبوت میں) حضور ﷺ ایک رات کی مکہ میں منیٰ کے مقام پر تھے کہ رؤسائے قریش ابو جہل ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ اگر تم سچے ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "اگر میں ایسا کر دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا ہاں ایمان لے آئیں گے۔ حضور ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ یہ بات ہو جائے، چنانچہ فوراً چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے وہاں پر موجود صحابہ کرام کو فرمایا کہ گواہ رہو۔ پھر حضور ﷺ نے باآواز بلند ایک مشرک کا نام لے کر فرمایا اے فلاں، اے فلاں، گواہ رہو۔

ان لوگوں نے بھی اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے، اور کوہِ حرا ان دونوں کے درمیان تھا کفار میں سے کچھ نے کہا کہ یہ محمد (ﷺ) کا جادو ہے۔ دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا گیا ہے تو دنیا میں اور لوگ بھی ہیں ان پر تو جادو نہیں کیا گیا۔ مسافروں کو دوسرے مقامات سے آنے دو ان سے پوچھو کہ انہیں بھی چاند کے دو ٹکڑے نظر آئے ہیں۔ جب باہر کے مقامات سے مسافر مکہ میں وارد ہوئے تو انہوں نے بھی شق قمر کی تصدیق کی، رؤسائے قریش کے دلوں پر تالے پڑ چکے تھے، وہ اس پر بھی دولت ایمان سے محروم رہے۔ اور ایمان نہ لائے۔

مخالفین اسلام معجزۂ شق القمر پر اعتراض کرتے ہیں کہ دنیا کے دوسرے ممالک کی تواریخ میں اس قدر اہم واقعہ کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ علمائے اسلام نے اس اعتراض کا مسکت جواب دیا ہے کہ ایک ملک کے واقعہ کا دوسرے ممالک کی تواریخ میں درج نہ ہونا، اس واقعہ کے سرے سے انکار کر دینے کے لئے محکم دلیل نہیں ہے۔ ہندوؤں کی رامائن اور

مہا بھارت کے قصوں کا ایک لفظ بھی کسی دوسرے ملک کی تاریخ میں نہیں پایا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے محیر العقول معجزات کا ذکر ان کے معاصر رومی مورخین نے مطلق نہیں کیا تو کیا ان سب کا سرے سے ہی انکار کر دیا جائے؟......

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ یہ معجزہ کافی رات گئے واقع ہوا تھا۔ اور تھوڑی دیر رہا ۔ دنیا کے تمام مقامات پر وقت یکساں نہیں ہوتا اور نہ ہی موسم ایک جیسا ہوتا ہے، کسی جگہ دن ہوتا ہے تو کسی جگہ رات ہوتی ہے، کہیں شام ہوتی ہے تو کہیں صبح، کسی جگہ چاندنی ہوتی ہے تو کسی جگہ گھپ اندھیرا، کہیں ابر ہوتا ہے تو کہیں آندھی ہوتی ہے، اور پھر ہر شخص کی نگاہ آسمانی پر نہیں ہوتی۔ اس لئے دوسرے ممالک کی تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے تو اس سے اس کا عدم وقوع کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔

شاہ رفیع محدّث دہلویؒ نے ایک رسالہ ''دفع اعتراضات معجزہ شق القمر'' لکھا ہے، اس میں نہایت محکم دلائل کے ساتھ منکرینِ شق القمر کے اعتراضات کا رد کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے سیرت نگاروں نے بھی نہایت ہی شرح وبسط کے ساتھ مخالفین کے شبہات کے جواب دیئے ہیں۔

اور علاوہ ازیں معجزۂ شق القمر سے متعلق علامہ شبلی نعمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ ''سیرت النبیؐ'' میں اپنے انداز میں اس واقعہ کو کچھ اس طرح سے تحریر کرتے ہیں۔ لیجئے آپ بھی پڑھیئے:۔

پیغمبر کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے، آسمان اور زمین، چاند اور سورج ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے، انجیل (متی ۲۔۲) میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور جب انہوں نے وفات پائی تو تین گھنٹے کے لئے تمام دنیا میں اندھیرا چھا گیا، (متی ۲۷۔۴۵) قربِ قیامت کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔

یہ نشانی جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے دستِ مبارک پر پوری اتری اور قرآن مجید نے

فرمایا ہے کہ: اِقتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ القَمَر . وَاِن یَّرَوا اٰیَةً یُّعرِ ضُوا وَیَقُو لُوا سِحرٌ مُّستَمِرٌّ. قیامت نزدیک آگئی ہے اور چاند شق ہو گیا ہے، اور اگر کافر کوئی سا بھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے۔ جو سدا سے ہوتا ہوا آیا ہے۔

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قربِ قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے رسولِ اکرم ﷺ کے عہد میں شقِ قمر کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے، لیکن اس حالت میں اول تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنیٰ میں لینا پڑے گا۔

دوسرے یہ کہ اگر قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ "یہ کافر اگر کوئی سی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور یہ کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو آیا ہے۔" قیامت سامنے آجانے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو مستمر جادو کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیونکر تردید کی جاسکتی ہے۔

اس شق القمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند ابن حنبل، مسند طیالسی، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی اور دلائل ابونعیم میں بہ تصریح تمام مذکور ہے کہ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالکؓ، جبیرؓ بن مطعم، علیؓ بن ابی طالب اور حذیفہؓ بن یمان وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ ان میں سب سے صحیح اور مستند تر حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے جو صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مروی ہے، وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے اور اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ انشق القمر ونحن مع النبی ﷺ بمنیٰ فقال اشھدوا وزھبت فرقة نحو الجبلی . (بخاری و مسلم و صحیح مسلم) ہم رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو

صحیحین میں اس کی دوسری روایت یہ ہے۔ انشق القمر علیٰ عھدِ رسولِ اللہ ﷺ فرقتیں فرقة فرق الجبل وفرقة دونه فقال رسول اللہ ﷺ اشھدو (صحیح بخاری و مسلم)

"رسولِ اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند کے دوٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اوپر رہااور دوسرا اس کے نیچے، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔"

حضرت انس بن مالک کی یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔ **اهل مكة سالوا رسول الله ﷺ يريهم آية فارا هم القمر شقتين حتى راؤا حرا بينهما.** "اہل مکہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں، رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو چاند کے (دو) ٹکڑے دکھائے، ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا دوسرا اس طرف۔"

صحیح مسلم میں ہے۔ **ان اهل مكة سا لوا النبى ﷺ ان يريهم اٰية فاراهم انشق القمر فرقتين** "اہل مکہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو رسولِ اکرم ﷺ نے چاند کے دوٹکڑے ہونے کو دکھایا۔"

جامع ترمذی میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ **سا ل اهل مكه البنى ﷺ آية فا نشق القمر بمكة فرقتين فنزلت: اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الۡقَمَر.** اہل مکہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دوٹکڑے ہوگیا اس پر یہ آیت اتری:۔ قیامت آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔

جامع ترمذی اور مسند ابن حنبل میں جبیر بن مطعم کی جو روایت ہے، اس میں ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے، دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام آدمیوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ مسند ابوداؤد طیالسی اور بیہقی میں ہے کہ انہوں (کافروں) نے کہا کہ محمد (ﷺ) تمام دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو، دیکھو وہ کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ جب ادھر ادھر کے مقامات سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔ بہر حال یہ معجزہ شق القمر رات کے وقت مکہ میں بمقام منیٰ میں واقع ہوا۔

عقلی حیثیت سے یہ معجزہ زمانۂ قدیم سے معرکۃ الآراء رہا ہے، علمائے متکلمین نے

فلسفہ قدیم کے اصول پر اس میں خوب خوب موشگافیاں کی ہیں، مثلاً فلاسفہ کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست وریخت محال ہے، اس لئے شق قمر ناممکن ہے۔ متکلمین نے ثابت کیا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست وریخت ممکن ہے۔ مگر اب جدید طبیعات وہیئیت نے ہماری معلومات کے آسمان وزمین کو بدل دیا ہے، یہ مباحث بے سود وبیکار ہیں۔ اب تو ہر روز نئے نئے ستاروں کے شکست وریخت اور تصادم کے حادثے سنے جارہے ہیں اور ہئیت جدید اور علم تکوین میں تو زمین، سورج اور ستاروں کے آغاز آفرینش کی داستان ہی اس باب سے شروع ہوتی ہے۔

اس سے دوسرے درجہ پر ایک اور قدیم اعتراض وجواب کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے۔ اور ہمارے مسیحی ناظرین نے اس کو نئے آب ورنگ سے شہرت دی ہے اور وہ یہ کہ اگر معجزہ شق القمر درحقیقت واقع ہوتا تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی، اور اس کی روییتیں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتیں، لیکن بجز مکہ کے اور ملکوں میں اس واقعہ (معجزہ شق القمر) کا چرچا نہیں ہوا اور تمام قدیم اہل نجوم اور ہئیت وتاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں۔

لوگوں نے اس شبہ کے یہ جوابات دیئے ہیں کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ (معجزہ شق القمر) دوسرے ملک کے لوگوں کو نظر نہیں آیا، تم اس کے ثبوت میں کہو گے کہ اگر نظر آتا تو اس ملک کے اہل تاریخ اس واقعہ (شق القمر) کا ذکر کرتے، حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ جو دوسرے ملک کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو، صرف اس کا یہ عدم ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہوسکتا ہے اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کے مہابھارت کا تم انکار کر سکتے ہو۔ حضرت مسیحؑ کے تمام معجزات بلکہ واقعات زندگی تک کا انکار کر سکتے ہو کہ شام ومصر کے معاصر رومی مورخوں نے ایسے عجیب وغریب واقعات کا ایک حرف بھی قلم بند نہیں کیا۔ اس کے برخلاف اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جاچکا ہے کہ

عرب وشام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انہوں چاند کے دوٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔

فلکی حیثیت سے جواعتراض کیا جاتا ہے اہل ہیئت جواجرام فلکی کے ایک ایک واقعہ کوقلم بند کرتے آئے ہیں، انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ تواس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھااوراس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب راحت میں مصروف تھا۔ جولوگ بیدار بھی ہوں گے، وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں گے۔

جنہوں نے دیکھا بھی ہوگا، ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہوگا جو اپنے مشاہدات کو تحریری صورت میں لانے پر قادر نہ تھے اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحابِ تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو یا تذکرہ کیا تو ان کی یاداشت مثل دوسری سینکڑوں علمی یاداشتوں کے ضائع ہوگئی ہو، آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے۔

لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراق ہیئت میں درج ہیں؟ اوران کا درج نہ ہونا ان کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادث فلکی کا ذکر ہے۔ لیکن علم ہیئت وفلک اس کے ذکر سے خاموش ہے، لیکن یہ خاموشی اس کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟

خودتمہاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک ستارہ نبوت طلوع ہوا جو کہ یورپ کے لوگوں نے دیکھا اور پھر انجیل میں بھی یہ مزکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کوسولی دی گئی تو تمام دنیا دفعتہً تاریک ہوگئی، لیکن کیا ہیئت وافلاک کی کتابوں میں ان انقلاب سماوی کا تذکرہ موجود ہے۔

حوادثِ فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے اور ہر جگہ کے مطالع ومغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں، بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے دوسری جگہ نکلتا

ہے ایک جگہ چاندنی ہے، دوسری جگہ اندھیرا ہوتا ہے، ایک جگہ چاند کو گرہن لگتا ہے اور دوسرے مقام کے لوگوں کو وہ نظر تک نہیں آتا، اس لئے اگر تمام دنیا نے اس معجزہ شق القمر کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفی دلیل نہیں ہے۔

چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادث فلکی کا ذکر کیا ہے، لیکن جس واقعہ کو ایک نے بڑے شدّ ومد سے بیان کیا ہے اس کی معاصر قوموں کی کتابیں اس کی شہادت سے قطعاً خالی ہیں۔ لیکن کیا یہ خاموشی اس کے عدم وقوع کی سند ہوسکتی ہے؟ علاوہ اوروجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک وجہ یہی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے اس لئے ایک جگہ نظر آتی ہے، دوسری جگہ نہیں آتی، بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہیں، لکھا ہے اور امام غزالیؒ کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا۔

چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ **ان اھل مکة سألوا النبی ﷺ ان یریھم اٰیة فارٰھم انشق القمر فرقتین.** (صحیح مسلم) "اہل مکہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے نشانی طلب کی تو رسولِ اکرم ﷺ نے چاند دو ٹکڑے دکھایا۔" ہم ان تمام پر پیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ شق القمر اہل مکہ کی طلب پر آیت الٰہی تھی، یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق ثبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی۔

احادیث میں ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے ہوں گے یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کردیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلافِ عادت تصرف سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کرسکتا ہے۔ پھر چونکہ اللہ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لئے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لئے یہ آئینہ ثبوت تھی، اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی۔

اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شق القمر مشاہدہ نہ ہوا تو حیرت اور تعجب کی بات نہیں، بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر

نہ آنا ہی مصلحت الٰہی ہے کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جاسکتا کہ یہ آسمان کے طبعی انقلاب میں سے کوئی تھا، جیسا کہ سینکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔

جیسا کہ فلکیات اور علم بدءِ خلق (کسموگریفی نیچر ہسٹری) میں مزکور ہیں۔لیکن جب اہل مکہ کے علاوہ جو شہر مکہ میں تھے، یا باہر قافلے میں تھے، صرف ان ہی کو نظر آیا تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا تھا۔"**وللہ الحمد**". (بحوالہ سیرت النبی ﷺ)

معجزہ شق القمر کے متعلق بے دینوں کے اعتراضات کا جواب

بے دینوں نے اس معجزے پر دو اعتراض کئے ہیں ایک یہ کہ آسمان اور ستاروں میں خرق والتیام محال ہے پھر چاند کیسے پھٹ گیا اور دوسرا یہ کہ اگر یہ امر واقع ہوتا تو اور اقالیم کے لوگ بھی دیکھتے اور اپنی تواریخ میں نقل کرتے سو یہ دونوں اعتراض بے ہودہ ہیں اعتراض اول کا یہ جواب ہے کہ:۔موافق ہل اسلام کے آسمان اور ستاروں میں خرق اور التیام ہرگز محال نہیں قیامت میں آسمان اور ستارے سب پاش پاش ہو جاویں گے چنانچہ نصوص قطعیہ آیات قرآنی واحادیث نبویؐ اس باب میں بے شمار وارد ہیں اور موافق قواعدہ حکومت کے بھی یہ بات باطل ہے حکمائے انگلستان نے جو فیثا غوث کی ہیئت کی کمال تشریح اور ترویج کی ہے صاف ثابت کیا ہے کہ سب ستارے کثیف مثل زمین کے ہیں اور سب قابل خون وفساد اور خرق والتیام کے ہیں اور حکمائے مشائین نے جن کا مذہب امتناع خرق والتیام فلکیات ہے۔

کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں کی کہ سب افلاک اور کواکب میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا بلکہ صرف فلک الفلاک کی امتناع خرق والتیام پر دلیل کہ ان کے اصول بے سروپا پر مبتنی ہے قائم کی ہے چنانچہ صدر شیرازی نے شرح ہدایت الحکمۃ میں دو جگہ یہ بات ذکر کی ہے، پس چاند کا امتناع خرق موافق مذہب مشائین کے بھی ثابت نہیں۔

اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے کہ اور اقالیم والوں نے نہیں دیکھا اور نقل نہیں کیا زمانۂ وقوع میں کافران قریش نے اہل اقالیم سے جو حال شق القمر کا دریافت کیا تو سبھی نے مشاہدہ اس کا بیان کیا۔ چنانچہ کتب معتبرہ احادیث میں مذکور اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ مکیبار کے ایک راجہ نے مسلمانوں کی زبانی قصہ شق القمر کو سنا اور اپنے برہمنوں سے ان سالوں کے حالات میں کہ جو زمانہ رسولِ اکرم ﷺ کا تھا اس قصے کو تلاش کرایا سو برہمنوں نے کتابوں میں دیکھ کر اس کی تصدیق کی اور راجہ مسلمان ہو گیا اور سوانح الحرمین میں لکھا ہے کہ شہر دھار کے متصل دریائے چنبل صوبہ مالوہ میں واقع ہے، وہاں کا راجہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا یکبارگی اس نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور پھر مل گیا۔

اس نے اپنے ہاں کے پنڈتوں سے استفسار کیا انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک پیغمبر پیدا ہوں گے ان کے ہاتھ پر معجزۂ شق القمر ظاہر ہو گا۔ چنانچہ راجہ نے ایک ایلچی رسولِ اکرم ﷺ کے حضور میں بھیجا اور ایمان لایا اور رسولِ اکرم ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور قبر اس راجہ کی اس شہر کے باہر اب تک زیارت گاہ ہے، اور مولانا رفیع الدینؒ صاحب نے اپنے رسالۂ ''شق القمر'' میں بھی اس قصے کو تاریخ فضلی سے نقل کیا ہے اور اس راجہ کا نام راجہ بھون لکھا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ بوقت شب بہت رات گئے واقع ہوا تھا اور تھوڑی دیر تک ٹھہرا تھا یہاں تک کہ حاضرین نے اسے بخوب وجہ مشاہدہ کر لیا کچھ پہر نہیں ٹھہرا تھا اور عادت لوگوں کی رات میں یہ کہ مسقف مکان میں بیٹھتے ہیں اور ہر شخص کی نگاہ آسمان پر نہیں ہوتی اور مانند خسوف اور کسوف کے پہلے سے اس امر کا انتظار بھی نہیں تھا کہ لوگ خیال رکھتے، اور دیکھا کرتے، اور بہت سی جگہ پر چاند اس وقت تک موافق قاعدہ ہیئت کے نکلا بھی نہیں ہو گا، یعنی اس وقت تک وہاں پر دن ہو گا، اور بہت سے شہروں میں اس وقت چاند ابر میں اور برف میں چھپا ہو گا۔ پس اگر اہل اقالیم کا اس معجزے کو نہ دیکھنا اور اپنی کتابوں میں نقل نہ کرنا موجب تکذیب اس معجزے کا نہیں ہو سکتا۔ تو رات میں لکھا ہے کہ حضرت یوشعؑ

کے لئے آفتاب ٹھہرایا گیا اس قصے کو بھی کسی اہل تواریخ نے نقل نہیں کیا حالانکہ وہ معاملہ دن کا تھا پس جس طرح اس کی نقل نہ کرنے سے اس کی تکذیب لازم نہیں آتی اسی طرح معجزہ شق القمر کو اگر اہل تواریخ نے نقل نہیں کیا تو اس سے تکذیب اس معجزے کی لازم نہیں آتی۔

شق قمر سے متعلق ایک سوال اور اسکا جواب

سوال...... ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب جو مسجد کے امام بھی ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شق قمر والا جو معجزہ نبی پاک ﷺ سے ظاہر ہوا تھا وہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ثبوت ہے براہ کرم اس کے متعلق صحیح احادیث لکھ دیں تا کہ ان کی تسلی ہو۔

جواب...... شق قمر کا معجزہ صحیح احادیث میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت حذیفہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ **انشق القمر علی رسول اللہ ﷺ فرقین فرقة فوق الجبل دونه فقال رسول اللہ ﷺ اشهدوا.** (صحیح بخاری ج:۲، صحیح مسلم ج:۲، ترمذی ج:۲) ترجمہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا، ایک ٹکڑا پہاڑ سے اوپر تھا اور ایک پہاڑ سے نیچے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: **انشق القمر فی زمان النبی ﷺ.** (صحیح بخاری ج:۲، صحیح مسلم ج:۲، ترمذی ج:۲) ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: **ان اهل مكة سالوا رسول اللہ ﷺ ان یرهم اٰیة فاراهم انشقاق القمر مرتین.** (صحیح بخاری ج:۲، صحیح مسلم ج:۲، ترمذی ج:۲)

ترجمہ:...... "اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ کوئی معجزہ دکھائیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ دکھایا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: **انفق القمر علی عهد رسول**

الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ اشهدوا. (صحیح مسلم ج:۲، ترمذی ج:۲) ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند دوٹکڑے ہوا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔''

انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ حتى صار فرقتين على هذا الجبل وعلى هذا الجبل، فقالوا سحرنا محمد، فقال بعضهم سحرنا فما يستطيع ان يسحر الناس كلهم. (ترمذی ج:۲) ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند دوٹکڑے ہوا، یہاں تک کہ ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا، اور ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر، مشرکین نے کہا کہ محمد (ﷺ)! نے ہم پر جادو کردیا، اس پر ان میں سے بعض نے کہا کہ اگر اس نے ہم پر جادو کردیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کرسکتا (اس لئے باہر کے لوگوں سے معلوم کیا جائے چنانچہ انہوں نے باہر سے آنے والوں سے تحقیق کی تو انہوں نے بھی تصدیق کی)۔''

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ (ج:۳ص:۱۱۹) میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی نقل کی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ج:۶ص:۶۳۲) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں: ''قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ چاند کا دوٹکڑے ہو جانا ہمارے نبی ﷺ کے اہم ترین معجزات میں سے ہے، اور اس کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، علاوہ ازیں آیت کریمہ: ﴿اقتربت الساعة وانشق القمر﴾ کا ظاہر وسیاق بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔'' ''زجاج کہتے ہیں کہ بعض اہل بدعت نے، جو مخالفین ملت کے مشابہ ہیں ان کا انکار کیا ہے، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو اندھا کردیا ہے، ورنہ عقل کو اس میں مجال انکار نہیں۔'' (نووی شرح مسلم ج:۲)

(بحوالہ آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد دہم)

فائدہ...... مولانا رفیع الدینؒ صاحب کا ایک رسالہ ہے دفع اعتراضات معجزۂ شق القمر اس میں بہت شرح وبسط سے شبہات منکرین کو دفع کیا ہے اور ہم نے جس قدر بیان کیا ہے یہ بھی کافی ہے۔

فائدہ...... یہ جو مشہور ہے کہ چاند کا ایک ٹکڑا زمین پر آیا اور رسولِ اکرم ﷺ کے گریبان میں گھس کر آستین میں ہو کر گیا یہ محض بے اصل ہے اکابرین محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بات کسی سند سے ثابت نہیں، صحیح اس قدر ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور دونوں ٹکڑے علیحدہ علیحدہ بہت فرق سے ہو گئے کہ ان کے درمیان میں جبل حرا نظر آتا تھا۔

(بحوالہ معجزاتِ رسولِ اکرم ﷺ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۸۲

رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کا حق دیا جائے گا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے بیاسی نمبر خصوصیت آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کا حق دیا جائے گا'' بحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس خصوصیت کو بھی میں نے عین آقا ﷺ کے روضہ اقدس کے تلے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے، بے شک یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ صاحب خصوصیت ﷺ میری نظروں کے سامنے موجود مقدس روضہ مبارک میں آرام فرما ہیں اور میں انکے قدموں کے کچھ ہی فاصلے پر بیٹھ کر لکھ رہا ہوں، اور اللہ کی وسیع رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ اگر روز قیامت میری کشتی میری خطاؤں کی بدولت ڈولنے لگی، تو میرے اللہ کے حکم سے میرے آقا ﷺ کی شفاعت ہی میری ڈولتی کشتی کو سہارا دینے کا سبب بنے گی انشاء اللہ۔

بہرحال محترم قارئین! ذیل میں رسولِ اکرم ﷺ کی جو عظیم خصوصیت پیش کی جارہی ہے اسے ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہمارے آقا ﷺ کی عظیم اور اعلیٰ خصوصیت ہے کہ قیامت کے دن جب نفسانفسی کا عالم ہوگا اور ہر انسان پریشان ہوگا، کوئی کسی کے کچھ کام نہ آسکے گا، حدیث شریف کے مطابق حتیٰ کہ انبیاء کرامؑ بھی کسی کے کچھ کام نہیں آسکیں گے یعنی لوگ مختلف انبیاء کرامؑ کے پاس جائیں گے لیکن ہر نبی یہی کہے گا کہ آج کے دن میں کچھ نہیں کرسکتا یہاں تک سب لوگ ملکر ہمارے حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے کہ کم از کم فلحال حساب وکتاب ہی شروع ہوجائے، چنانچہ پھر اللہ رب العالمین کی جانب سے صرف اور

صرف ہمارے نبی ﷺ کو ہی شفاعت کا حق دیا جائے گا، تو معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی اس عظیم خصوصیت میں بھی کوئی شریک نہیں جس کی تفصیل آپ آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا گو ہوں کہ یا خداوند قدوس اپنے فضل سے میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یارب العالمین۔

بیاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

شفاعت شفع سے ہے۔ شفع کے معنی ہیں ایک شے کو دوسرے شے کے ساتھ جو اسی کی جنس سے ہو، شامل کردینا، اکثر اوقات کسی اعلیٰ مرتبت شخص کا کسی ادنیٰ کے ساتھ مل کر کوئی کام سرانجام دینے کے معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

مسئلہ شفاعت کفار عرب میں بھی مسلم تھا اور یہود وعیسائیوں میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا، کفار اور عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ شفیع اپنی عزت ووقار اور ذاتی اقتدار واختیار سے جسے چاہے اسے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے، شفیع ان سب کو جو اسی کے ہو کر رہیں، نجاتِ اخروی ودنیوی عطا فرما سکتا ہے، ان عقیدہ والوں کو اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت کا انکار نہ تھا، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے، کہ الٰہی اقتدار ان اشخاص کو بھی حاصل ہے جو ان کے شفیع ہیں، لہذا شفیع کی عبادت کرنا اللہ کی عبادت سے مستغنی کردیتا ہے، شفیع کی رضامندی اللہ کی رضامندی سے مقدم تر ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضب ناک بھی ہو اور اس کا شفیع زبردست ہو تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچالے گا، لیکن اگر شفیع غضب ناک ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس شفیع کو بندہ پر مہربان نہ کرسکے گا، اسی عقیدہ کو کسی پنجابی شاعر نے اپنے شعر میں یوں کہا ہے ؎

ہر روٹھے تب تھوڑ ہے، گورو روٹھے تھوڑ ہر روٹھے گورو میل سی، گورو روٹھے ہر ناہ

خدا روٹھ جائے تب پناہ کی جگہ باقی رہتی ہے، مگر مرشد کے روٹھ جانے سے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی، خدا اگر روٹھ جائیگا تب مرشد ملادے گا، لیکن اگر مرشد روٹھ جائے تب خدا نہیں ملا سکتا۔ اللہ نے انہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے: وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ

مَالَایَضُرُّھُم وَلَا یَنفَعُھُم وَیقُولُونَ ھٰؤُلَاءِ شُفَعَاءُ نَا عِندَاللہ . یہ لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، نہ فائدہ کر سکتے ہیں یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تو ہماری شفاعت کرنے والے ہیں اللہ کے پاس۔ انہی لوگوں کے حق میں دوسرے مقام پر فرمایا: وَالَّذِینَ اتَّخَذُوا مِن دُونِہٖ اَولِیآءَ مَانَعبُدُھُم اِلَّا لِیُقَرِّبُونَا اِلَی اللہ زُلفٰی . جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اولیاء بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قرب میں لے جائیں گے۔

عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اپنا شفیع بناتے ہیں اور پھر اسی کو خداوند (مثل خدا) کہتے اسی کو دعا اور مناجاتوں میں پکارتے، اسی سے مرادیں مانگتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر اس کے دہنے ہاتھ جا بیٹھا ہے جو کوئی اسے پکارتا، اس سے مدد مانگتا، اسے اپنا کارساز جانتا ہے، اس کو مسیح خود ہی اپنے باپ خدا سے، بچالیتا اور بخشوالیتا ہے۔

قرآن مجید نے اول تو کافروں اور عیسائیوں وغیرہ کے اس عقیدہ کا بطلان فرمایا اور اس کے ردو بطلان کے لیے مختلف اسلوب کے ساتھ کلام الٰہی نازل ہوا اور پھر شفاعت کبریٰ کا اثبات فرمایا اور اس اثبات کو دو اصول پر منحصر کر رکھا ہے مَن ذَاالَّذِی یَشفَعُ عِندَہٗ اِلَّا بِاِذنِہٖ ”کون ہے وہ ایسا جو اللہ کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے۔“ فرمایا: یَومَ یَقُومُ الرُّوحُ وَالمَلآئِکَۃُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُونَ اِلَّا مَن اَذِنَ لَہُ الرَّحمٰنُ ”اس دن سب فرشتے اور جبریل صف باندھے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا، مگر وہی ایک جس کو اذن ملے گا۔“ اصول اولین سے ثابت ہوا کہ اذن الٰہی کا قبل از شفاعت حاصل ہونا ضروری ہے وقَالَ صَوَابًا ”اور وہ شفیع ٹھیک ٹھیک بات کہے گا۔“ یہ اصول دوم ہے کہ شفیع نہایت صادق، راست باز، پوری پوری بات کہنے والا ہوگا۔ آیت من اذن لہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ شفیع صرف ایک ہوگا۔

ہمارا ایمان ہے اور یہ ایمان قرآن وحدیث کے اخبار پر مبنی ہے کہ وہ شفیع سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں عسٰی اَن یَّبعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحمُودًا ”تیرا رب تجھے

مقام محمود پر ضرور کھڑا کرے گا۔'' واضح رہے کہ مقام محمود ہی مقام شفاعت ہے کہ جب نبی ﷺ اس مقام پر ایستادہ ہوں گے،تو جملہ اولین وآخرین حضور کی حمد کریں گے۔ (تفسیر خازن)

اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث صحیح موجود ہے جسے امام بخاری، وامام مسلمؒ نے اپنی اپنی تفسیر میں بروایت انسؓ درج فرمایا کہ کہ: ''جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا،تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لیے پیش کریں (تو خوب ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس جگہ سے نجات دے،تب لوگ آدمؑ کے پاس آئیں گے،اور کہیں گے کہ آدمؑ ابوالبشر ہیں،اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا،پھر جنت میں ٹھہرایا پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی تعلیم آپ کو دی،لہذا آپ ہماری شفاعت کریں،کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے۔وہ کہیں گے کہ نہیں میں نہیں کرسکتا پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ تم نوحؑ کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں،تب لوگ نوحؑ کے پاس جائیں گے،نوحؑ کہیں گے نہیں میں نہیں،وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے،تم ابراہیم کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے وہ کہیں گے نہیں،میں نہیں وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے،اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے،کہیں گے موسیٰ کے پاس جاؤ،جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کیا اور انہیں تورات بھی دی وہ کہیں گے نہیں نہیں میں نہیں،وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے،اور حیاء کا،پھر کہیں گے،کہ عیسیٰؑ کے پاس جاؤ لوگ عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے،وہ کہیں گے میں نہیں،تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کردیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تب لوگ میرے پاس آئیں گے،تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا،مجھے اذن دیا جائیگا،پھر جب میں اپنے رب کو دیکھونگا تو سجدہ میں گر پڑوں گا،پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھائے گا وہ جو کچھ چاہے گا،میری زبان سے کہلائے گا،

تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا یَامُحَمَّد ارفَعْ رَأسک قل تسمع سِلْ تُعط اِشفَع تُشفَع ''اے محمد سر اٹھاؤ بولو تمہاری سنی جائے گی، تم کو دیا جائے گا، شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔''

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤں گا، اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، وہ تحمید مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، پھر میرے لیے ایک حد مقرر کردی جائے گی، میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کردوں گا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دوں گا کہ اے رب اب تو آگ میں وہی رہ گیا ہے جس کو قرآن نے روک رکھا ہے، یعنی وہی جس پر خلود واجب ہے، بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پھر یہ آیت عسٰی اَن یَّبعثکَ ربُّکَ مَقاماً مَّحمُودا'' پڑھی اور فرمایا کہ مقام محمود جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے نبی سے کیا ہے وہ یہی مقام ہے۔

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ منصب شفاعت بالتخصیص نبی ﷺ ہی کو عطا ہوا ہے، آدمؑ و نوحؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ بھی شفاعت کی جرأت نہ کریں گے اور بالآخر سب کے نزدیک حضورؐ ہی اس منصب علیا اور شفاعت کبریٰ کے اہل ثابت ہوں گے۔ لوگوں کا حضور ﷺ سے پہلے دیگر انبیائے اولوالعزم کی خدمت میں جانے سے یہ نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ کسی شخص کو یہ شبہ باقی نہ رہے کہ اگر ہم محمد ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے پاس جاتے تو ممکن تھا کہ وہ بھی شفاعت کر ہی دیتے، اب جب ہر جگہ سے صاف جواب مل جائے گا، تو سب کو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ منصب شفاعت میں کوئی نبی، کوئی مرسل کوئی اولوالعزم بھی حضور کا سہیم و سہیم و شریک نہیں اور یہی امر حضور ﷺ کی خصوصیت خاصہ کا مظہر ہے۔

شفاعت کے متعلق احادیث میں تشریح

محشر میں پیش آنے والے جن واقعات کی اطلاع احادیث میں صراحت کے ساتھ

دی گئی ہے اور جن پر ایک مؤمن کو یقین دلانا ضروری ہے، ان میں ایک رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت بھی ہے، شفاعت کے متعلق حدیثیں اتنی کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ سب ملا کر تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہیں۔

پھر شفاعت کی ان حدیثوں کے مجموعہ سے سمجھ کر شارحین نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت کئی قسم کی ہوگی، اور بار بار ہوگی، سب سے پہلے جب کہ سارے اہل محشر اللہ کے جلال سے سراسیمہ اور خوف زدہ ہوں گے اور کسی کو لب ہلانے کی جرأت نہیں ہوگی، اور آدم سے لے کر عیسیٰ تک تمام اولوالعزم پیغمبر بھی ''نفسی نفسی'' کے عالم میں ہونگے اور کسی کے لئے شفاعت کی جرأت نہ کرسکیں گے۔

تو اس وقت اہل محشر کی درخواست پر، اور ان کی تکلیف سے متاثر ہوکر رسولِ اکرم ﷺ نیازمندی اور حسن ادب کے ساتھ (جو رسولِ اکرم ﷺ کے شایان شان ہے) بارگاہِ رب العزت میں اہل محشر کے لئے سفارش کریں گے، کہ ان کو انکی فکر اور بے چینی کی حالت سے نجات دی جائے، اور ان کا حساب کتاب اور فیصلہ فرمادیا جائے۔

بارگاہ جلالت میں اس دن یہ سب سے پہلی شفاعت ہوگی، اور یہ شفاعت صرف جناب رسولِ اکرم ﷺ ہی فرمائیں گے۔ اس کے بعد ہی حساب اور فیصلہ کا کام شروع ہوجائے گا، یہ شفاعت جیسا کہ عرض کیا گیا عام اہلِ محشر کے لئے ہوگی، اسی لئے اس کو ''شفاعتِ عظمیٰ'' بھی کہتے ہیں۔

اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ اپنی امت کے مختلف درجہ کے گناہ گاروں کے میں بارے میں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے سزاوار ہوں گے، یا جو جہنم میں ڈالے جاچکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ان کو معاف کردیا جائے، اور ان کو جہنم سے نکالنے کی اجازت دے دی جائے۔

جناب رسولِ اکرم ﷺ کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی، اور اس کی وجہ سے خطا کار امتیوں کی بہت تعداد جہنم سے نکالی جائے گی، اس کے علاوہ کچھ صالحین امت۔ کے لئے

رسولِ اکرم ﷺ اس کی بھی شفاعت کریں گے کہ ان کے لئے بغیر حساب کے داخلۂ جنت کا حکم دے دیا جائے۔ اسی طرح اپنے بہت سے امتیوں کے حق میں رسولِ اکرم ﷺ ترقی درجات کی بھی اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں گے۔ حدیثوں میں شفاعت کے ان تمام اقسام اور واقعات کی تفصیل وارد ہوئی ہے۔

پھر احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل جانے کے بعد انبیاء علیہم السلام، ملائکہ عظام، اور اللہ کے دوسرے صالح اور مقرب بندے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل ایمان کے حق میں سفارشیں کریں گے، یہاں تک کہ کم عمر میں فوت ہونے والے اہل ایمان کے کے معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کے لئے سفارش کریں گے، اور یہ سفارشیں بھی قبول فرمائی جائیں گی، اور بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن کی نجات اور بخشش ان ہی سفارشوں کے بہانے ہوگی۔

شفاعت کے معنی

''شفاعت'' کا مطلب ہے...... ''گناہوں کی معافی کی سفارش کرنا۔''

چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں گناہ گار اور مجرم بندوں کے گناہوں اور جرموں کے معاف کئے جانے کے درخواست پیش کریں کے اس لئے عام طور پر ''شفاعت'' کا لفظ اسی مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ویسے ''شفاعت'' کا لفظ شفع سے نکلا ہے، جس کے اصل معنی جوڑا (جفت) کرنے کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ ملانے کے ہیں، وتر (بمعنی طاق) کے مقابلے پر شفع (بمعنی جفت) کا جو لفظ آتا ہے وہ اس معنی کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح زمین یا مکان میں ہمسائیگی کی وجہ سے جو حق خرید حاصل ہوتا ہے اس کو بھی ''شفعہ'' اسی معنی کی مناسبت سے کہا جاتا ہے پس ''شفاعت'' میں بھی یہ معنی اسی اعتبار سے موجود ہیں کہ ''شفاعت'' کرنے والا جرم وگناہ کرنے والے کی معافی کی درخواست

پیش کرتا گویا خودکواس مجرم وگناہ گار کے ساتھ ملاتا ہے۔

شفاعت کی قسمیں

جن لوگوں نے اس دنیا میں کبیرہ اور صغیرہ گناہ کئے ہوں گے ان کے حق میں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت کا قبول ہونا، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ واضح رہے کہ ''شفاعت'' کی مختلف نوعیتیں ہوں گی۔ اور وہ تمام نوعیتیں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات کے لئے ثابت ہیں۔

چنانچہ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو صرف رسولِ اکرم ﷺ کی ذات سے مخصوص ہوں، گی اور بعض ایسی ہیں جن میں دوسروں کے ساتھ مشارکت ہوگی لیکن شفاعت کا دروازہ چونکہ سب سے پہلے حضور ﷺ ہی کھولیں کے اس لئے حقیقت میں تمام شفاعتیں لوٹ کر حضور ﷺ ہی کی طرف منسوب ہوں گی اور علی الاطلاق تمام شفاعتوں کے والی حضور ﷺ ہی ہیں۔

شفاعت کی پہلی قسم

''شفاعت'' کی سب سے پہلی قسم ''شفاعت عظمیٰ'' ہے اور یہ وہ شفاعت ہے جو تمام مخلوق میں ہوگی، اور یہ ''شفاعت'' کرنے کا شرف صرف ہمارے رسولِ اکرم ﷺ کو حاصل ہوگا۔ انبیاء کرام صلواۃ اللہ علیہم اجمعین سے کسی کو اس ''شفاعت'' کی مجال وجرأت نہیں ہوگی۔ اور اس ''شفاعت عظمیٰ'' سے مراد ہے تمام میدان حشر کے لوگوں کو راحت دینے، وقوف کی طوالت وشدت کو ختم کرنے، حساب کتاب اور پروردگار کے آخری فیصلے کو ظاہر کرنے اور تمام لوگوں کو محشر کی ہولنا کیوں، شدتوں اور سختیوں سے چھٹکارا دینے کی سفارش کرنا اس کی تفصیل احادیث سے معلوم ہوگی۔

شفاعت کی دوسری قسم

''شفاعت'' کی دوسری قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ایک طبقہ کو حساب کتاب کے بغیر

جنت میں پہچانا مقصود ہوگا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات کے لئے اس شفاعت کا ثواب بھی منقول ہے، بلکہ بعض حضرات کے نزدیک یہ شفاعت بھی جنابِ رسولِ اکرم ﷺ ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔

شفاعت کی تیسری قسم

''شفاعت'' کی تیسری قسم وہ ہے جس کی مدد سے ان لوگوں کو جنت میں پہنچانا مقصود ہوگا جن کے نامہ اعمال میں ثواب اور گناہ مساوی طور پر ہوں گے۔

شفاعت کی چوتھی قسم

''شفاعت'' کی چوتھی قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ان لوگوں کو جنت میں پہنچانا مقصود ہوگا، جو اپنے گناہ اور جرائم کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ کے مستوجب قرار پائیں گے۔ چنانچہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ ان لوگوں کے حق میں ''شفاعت'' کریں گے، اور ان کو جنت میں داخل کرائیں گے۔

شفاعت کی پانچویں قسم

''شفاعت'' کی پانچویں قسم وہ ہے جس کے ذریعہ کچھ لوگوں کے درجات، ومراتب اور ان کے اعزاز واکرام میں ترقی اور اضافہ کرنا مقصود ہوگا۔

شفاعت کی چھٹی قسم

''شفاعت'' کی چھٹی قسم وہ ہے جو ان گناہ گاروں کے حق میں ہوگی، جنہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا، اور وہ اس ''شفاعت'' کے بعد وہاں سے نکال کر جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ اس شفاعت کا حق مشترکہ ہوگا یعنی رسولِ اکرم ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء، ملائکہ، علماء اور شہدا بھی اپنے اپنے طور پر اور اپنے اپنے لوگوں کے لئے یہ شفاعت کریں گے۔

شفاعت کی ساتویں قسم

''شفاعت'' کی ساتویں قسم وہ ہے جس کے ذریعے ان لوگوں کے عذاب میں

تخفیف کرنا مقصود ہوگا، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب دوزخ کے مستوجب قرار دیئے جاچکے ہوں گے۔

شفاعت کی آٹھویں قسم

''شفاعت'' کی آٹھویں قسم وہ ہے جو صرف اہل مدینہ کے حق میں ہوگی۔

شفاعت کی نویں قسم

''شفاعت'' کی نویں قسم وہ ہے جو امتیاز واختصاص کے طور پر صرف ان لوگوں کے حق میں کی جائے گی۔ جنہوں نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہوگا۔

شفاعت کے مواقع ومحل

علماء نے کہا ہے کہ شفاعت کے متعدد مواقع ہوں گے، شفاعت کا سب سے پہلا موقع تو وہ ہوگا جب لوگوں کو درگاہ رب العزت میں پیش کرنے کے لئے میدان محشر میں لاکر کھڑا کردیا جائے گا۔ اس وقت لوگ خوف وخجالت کے پسینے میں غرق ہوں گے، ہرایک پر ہیبت ودہشت چھائی ہوئی ہوگی ہر شخص مواخذہ عذاب کے خوف سے کانپ رہا ہوگا اس وقت رسولِ اکرم ﷺ شفاعت کریں گے۔

تا کہ لوگوں کو کچھ اطمینان وراحت مل جائے اور وہ بیٹھ کر دم لیں سکیں پھر جب درگاہ رب العزت سے حکم ہوگا کہ ان سب کو لے جایا جائے اور حساب لیا جائے تو اس موقع پر بھی رسولِ اکرم ﷺ درخواست کریں گے کہ ان کو حساب سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اور یوں ہی معاف فرمادیا جائے، اور اگر سب کا حساب ضروری لیا جاتا ہو تو سرسری حساب پر اکتفا کرلیا جائے، حساب میں سختی وشدت اور باز پرس نہ کی جائے۔ کیونکہ جو بھی سخت حساب سے دوچار ہوگا، اس کا عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔ پھر حساب کے بعد جو لوگ مستوجب عذاب قرار پائیں گے، ان کو دوزخ میں بھیجا جائے گا تو یہ موقع بھی شفاعت کا ہوگا تا آنکہ ان کو

دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تو رسولِ اکرم ﷺ شفاعت کریں گے، اور ان کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں پہنچوائیں گے۔ غرضیکہ ان ہولناک مواقع پر شروع سے لے کر آخر تک رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت اور غفار و کریم پروردگار کی رحمت و عنایت سے عفو و کرم کی کچھ امید رکھنی چاہئے۔ ویسے کچھ بھی فیصلہ صادر ہو۔

مگر لحاظ رہے کہ یہ سب شفاعتیں اللہ کے اذن سے اور اس کی مرضی سے اور اجازت سے ہوں گی، ورنہ کسی نبی اور کسی فرشتہ کی بھی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی ایک آدمی کو بھی دوزخ سے نکال سکے، یا اس کا اذن اور ایما پائے بغیر کسی کے حق میں سفارش کے لئے زبان کھول سکے۔ قرآن پاک میں ہے: مَن ذَا الَّذِی یَشفَعُ عِندَهُ اِلَّا بِاِذنِہٖ (بقرہ) ”کون ہے جو اس کی بارگاہ میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کی سفارش کر سکے۔“ دوسرے موقع پر فرمایا: وَلا یَشفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارتَضٰی (انبیاء) ”اور وہ نہیں سفارش کر سکیں مگر صرف اس کے جس کے لئے اس کی رضا ہو۔“

بلکہ علماء اکرام نے جیسا کہ فرمایا ہے، شفاعت دراصل شفاعت کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے لئے اور ان کے اکرام و اعزاز کے واسطے ہوگی، ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں اور اسکے فیصلوں میں دخل دینے کی کسے مجال ہے؟۔ ”یَفعَلُ مَایَشَآءُ وَیَحکُم مَایُرِید“ اس کی شان ہے۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں باب ”شفاعت“ کی کچھ احادیث پیش کی جارہی ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

قیامت کے دن انبیاءؑ کا شفاعت سے انکار اور آپ ﷺ کی شفاعت کا قبول ہونا

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میدان حشر میں مؤمنین کو روک دیا جائے گا۔ یعنی سب کو کسی ایک جگہ اس طرح محصور کر دیا جائے گا کہ کوئی شخص بھی کسی طرح کی نقل و حرکت نہیں کر سکے گا اور ہر شخص سکتے کی سی کیفیت میں ٹھہرا رہے گا۔ یہاں تک کہ سارے لوگ اس محصور ہونے کی وجہ سے سخت فکر و تردد میں پڑ جائیں

گے، پھر وہ آپس میں تزکرہ کریں گے، کہ کاش ہمیں کوئی ایسا شخص مل جاتا جو ہمارے پروردگار سے شفاعت کرتا اور ہمیں اس سختی و پریشانی سے چھٹکارا دلاتا اور پھر کچھ لوگ سب کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت آدمؑ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ: ''اے ابو البشر! آپ ہی وہ شخص ہیں، جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے، فرشتوں سے سجدہ کروایا ہے، جنت میں سکونت عطا فرمائی ہے، اور آپ ہی وہ شخص ہی جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو شانیں دی ہیں تو ہماری سفارش کر دیجئے۔ تا کہ باری تعالیٰ ہمیں ان مصائب سے نجات نصیب فرمائے۔'' آدمؑ فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اس قدر غضب میں ہیں کہ ایسا کبھی بھی نہ تھا اور نہ آئندہ ایسے غضب ناک ہوں گے۔ چونکہ مجھ سے ایک زبردست غلطی ہوئی ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ولا تقربا هٰذه الشجرة فتكونا من الظّالمين. فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنها ''باوجود روکنے کے میں نے گندم کا دانا کھا لیا تھا۔ تو میں بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتا ہوں۔'' سچی بات تو یہ ہے کہ مجھ میں ''شفاعت'' کی طاقت نہیں ہے۔ تو میرا مشورہ یہ ہے کہ تم حضرت نوحؑ کے پاس جاؤ، اس لئے کہ وہ پہلے پیغمبر ہیں جنہیں سارے انسانوں کے طوفان نوح میں غرق ہونے کے بعد سب سے پہلے انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔

لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور نوح علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ: ''اے نوحؑ! آپؑ ہی وہ پیغمبر ہیں، جنہیں سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا اور آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ''انه كان عبدًا شكورًا'' فرما کر اپنا شکر گزار بندہ ہونے کا لقب عطا فرمایا ہے۔ آپؑ ہماری حالت زار کو دیکھ کر ہماری ''شفاعت'' فرما دیجئے۔'' حضرت نوحؑ فرمائیں گے کہ: ''آج اللہ تعالیٰ اتنے غصے میں ہیں کہ ایسا کبھی نہ تھا اور مجھ سے تو ایک غلطی ہوگئی ہے کہ میں نے ادب کا لحاظ نہ رکھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے نافرمان بیٹے کی سفارش کر دی کہ وہ غرق نہ ہو۔ میرا منہ نہیں ہے کہ میں شفارش کر سکوں۔

سیدنا نوحؑ نے اپنے بیٹے کی کی سفارش کی تھی، قرآن کریم نے اسے اس انداز میں بیان کیا ہے: وَنَادٰی نُوحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِی مِنْ اَهْلِی وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ (سورۃ ھود) اس مشکل گھڑی میں نوحؑ نے اپنے خدا کو پکارا کہ میرا بیٹا بھی تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ جو میرے اہل کو طوفان سے بچانے کی نسبت ہے سچا ہے اور اس کا فیصلہ تو بہتر کر سکتا ہے۔'' خدا نے نوحؑ کو جواب دیا کہ'' وہ تیرے اہل میں سے ہرگز نہیں ہے وہ برے افعال کر چکا ہے۔ تو مجھ سے ایسی بات کا سوال نہ کرنا جس کا تجھے علم نہیں ہے، میں تجھے اس لئے سمجھاتا ہوں کہ جاہل لوگوں کی طرح سے رشتہ کی محبت میں آ کر کہیں تو خدا سے دور نہ جا پڑے۔'' یعنی خدا کو تیری نیکی کے سوا اور کسی رشتے کی پرواہ نہیں ہے۔ یہ عذر کر کے حضرت نوحؑ سب لوگوں کو حضرات ابراہیمؑ کے پاس جانے کا مشورہ دیں گے۔ چناچہ وہ فرمائیں گے کہ تم سیدنا حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنایا ہے۔ سورۂ نساء میں ہے: واتخذ اللّٰه ابراهیم خلیلاً

پس لوگ آپؑ کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے:۔ اے ابراہیم خدا تعالیٰ نے آپؑ کو خلیل کا خطاب عطا فرمایا ہے اور آگ کو آپؑ کے واسطے ٹھنڈی اور سلامتی والا کر دیا۔ فرمایا: ﴿قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِی بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ.﴾ (سورۃ انبیآء)

اور پیغمبروں کا امام بنایا آپؑ ہمارے لئے سفارش کر دیجئے، تاکہ ان تکلیفوں سے رہائی مل جائے۔ حضرت ابراہیمؑ فرمائیں گے: پہلی بات یہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ نہایت غصے میں ہیں اور اتنا پر جلال کبھی نہیں دیکھا گیا اور نہ کبھی ایسا ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں تین مرتبہ ایسی باتیں کر چکا ہوں کہ جس میں جھوٹ کا وہم ہو سکتا ہے۔ تو میں اس کی پکڑ سے ڈر رہا ہوں۔ اس لئے مجھ میں ''شفاعت'' کی ہمت نہیں ہے۔

وہ باتیں جن کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ ان کے بارے میں مجھے ڈر لگتا ہے کہیں میری پکڑ نہ ہو جائے۔ وہ آگے آ رہی ہیں اس حدیث کو منکرین حدیث نے اپنا نشانہ بنا کر حدیث مبارکہ کے تمام ذخائر کو غیر معتبر قرار دیا ہے حالانکہ ان

واقعات میں سے دو کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور منکرین حدیث قرآن کو ماننے کا اقرار کرتے ہیں تو جو تاویل ان دونوں آیتوں میں کرتے ہیں وہی اس واقعے میں ہوگی جس کا ذکر حدیث میں ہے اس کے علاوہ عرب لفظ کذب سے سے جھوٹ مراد نہیں لیتے بلکہ بظاہر خلافِ واقعہ بات پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ معلومات کے لئے ان واقعات کی ہم وضاحت کرتے ہیں، لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا واقعہ...... ایک مرتبہ ابراہیمؑ کی قوم نے عید والے دن عمدہ عمدہ کھانے پکائے اور اپنے بتوں کے سامنے رکھ دیئے۔ پھر بت خانے کے دروازوں کو بند کر کے بڑی شان وشوکت سے عید منانے کے لئے میدان میں چلے گئے۔ جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی کہہ دیا کہ ہمارے ساتھ چلیے ۔آپؑ نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا: ''میری طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے۔'' یہ اول کلام ہے جس سے انہیں جھوٹ کا وہم ہوگا۔قرآن کریم میں اس واقعہ کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے: **فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ اِنِّي سَقِيم.** ''تو انہوں نے ستاروں کی طرف دیکھا اور فرمایا میں بیمار ہوں۔''

شبہ کا جواب...... حضرت ابراہیمؑ نے اپنی شان نبوت کے پیش نظر اسے خلاف واقعہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ جھوٹ یہ بھی نہیں ہے کیونکہ ابراہیمؑ ان کی نظر میں بیمار ہی تھے کہ بت پرستی نہ کرنے والے کو وہ روحانی بیمار سمجھتے تھے۔

دوسرا واقعہ...... دوم یہ کہ جب قوم میدان مذکور میں چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑا ہاتھ میں لے کر بت خانے کا تالا کھولا ،اور اندر داخل ہو کر بتوں سے کہنے لگا کہ یہ لذیز نعمتیں کیوں نہیں کھاتے ،جب انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تو فرمانے لگے :''مجھ سے کیوں نہیں بولتے ؟ **فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُون مَالَكُم لَاتَنطِقُون** .جب اس پر بھی وہ خاموش رہے،تو آپؑ نے تمام بتوں کو توڑ ڈالا مگر بڑے بت کو صرف ناک کان سے محروم کیا اور کلہاڑا اس کے کاندھے پر رکھ دیا اور دروازے کو بدستور تالا لگا کر گھر تشریف لے آئے۔ کفار جب میدان سے واپس آئے تو اس ماجرے کو دیکھ کر آگ بگولا ہو گئے اور اپنے

معبودوں کے ساتھ اس سلوک کو روا رکھنے والے شخص کے اس کام کو سرانجام دینے والے کی تلاش شروع کردی۔ قَالُوا مَن فَعَلَ هٰذا بِاٰلِهَتِنَا اِنَّهٗ لَمِنَ الظَّالِمِين. (سورہ انبیاء)

ان میں سے بعض نے کہ۔ سمعنا فتی یذکرهم یقال له ابراهیم. (سورہ انبیاء)

''ہم نے ایک نوجوان کو اس کا ذکر کرتے سنا ہے، اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔

ان کے سردار کہنے لگے فاتُوا بِهٖ علٰی اَعیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُم يَشهَدُون (سورہ انبیاء)

''تو اسے سارے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیں۔

جب سیدنا ابراہیمؑ سب لوگوں کے سامنے تشریف لے آئے تو انہوں نے کہا: ءَ أنتَ فَعَلتَ هٰذا بِاٰلِهَتِنا يَا اِبراهيم اے ابراہیمؑ! کیا بتوں کو توڑنے کا کام تونے کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيرُهُم هٰذا فَاسئَلُوهُم اِن كَانُوا يَنطِقُون (سورہ انبیاء) ''نہیں بلکہ ان کے بڑے نے ہی ایسا کیا ہے۔ اگر یہ بات کرسکتے ہیں، تو ان ہی سے پوچھ لیجئے؟'' ''ذرا دیکھو تو سہی! اسی کے کاندھے پر تو کلہاڑا ہے، اس کو غصہ آیا اور اس نے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا۔ (اس واقعہ پر جھوٹ کا شبہ پایا جاتا ہے)

شبہ کا جواب...... شان نبوت کے لائق یہی تھا لیکن درحقیقت یہ جھوٹ نہ تھا الزامی جواب تھا کہ دوسرے سے ایسی بات کرنا کہ وہ لاجواب ہوجائے، چنانچہ کافروں نے لاجواب ہوکر کہہ دیا کہ ہمارے یہ بت بول نہیں سکتے اور پھر حضرت ابراہیمؑ نے سچ ہی تو کہا تھا ''بل فعله کبیرهم'' کہ ان سے بڑے نے کیا ہے۔ تو آپؑ بھی تو ان سے بڑے تھے۔

تیسرا واقعہ...... سیدنا ابراہیمؑ اپنے چچا کے پاس ''حران'' تشریف لے گئے۔ چچا کی بیٹی سیدہ سارہ سے نکاح ہوا۔ حسب معمول دین ابراہیمی کی دعوت دی۔ بتوں کی مخالفت سسرال کو برداشت نہ ہوئی تو ابراہیمؑ کے مخالف ہوگئے۔ ادھر آپؑ نے اللہ کے حکم سے مصر کا ارادہ فرمالیا۔ مصر کے پاس سے گزرے معلوم ہوا کہ یہاں ایک ظالم بادشاہ ہے، جو ہر خوبصورت عورت کو چھین لیتا ہے اس کے شوہر کو قتل کردیتا ہے، کوئی اور وارث ہو تو اسے دولت وغیرہ دے کر عورت کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ

بادشاہ کے کارندے وہاں آ پہنچے اور سیدنا ابراہیمؑ سے سوالات کرنے لگے۔ سپاہیوں نے کہا: ''یہ عورت تیری کیا لگتی ہے؟'' سیدنا ابراہیمؑ نے جرأت سے جواب دیا: ''یہ میری بہن ہے۔'' کیوں کہ سارہؓ آپؑ کے چچا کی طرف سے آپؑ کی بہن تھیں۔ ادھر حفظ ماتقدم کے طور پر انہیں بھی سمجھا دیا کہ کوئی پوچھے تو میرے متعلق یہی کہنا ہے کہ ''یہ میرا بھائی ہے۔'' (یہاں پر جھوٹ کا شبہ بنالیا جاتا ہے)

شبہ کا جواب...... قرآنی اصول کے مطابق سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جھوٹ نہیں بولا تھا۔ کیوں کہ قرآن حکیم میں ہے: **انما المؤمنون اخوۃٌ** ''سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

بہر حال سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اس قول پر بھی خلاف واقعہ ہونے کا شبہ تھا۔ مکمل واقعہ اس طرح ہے کہ ظالم بادشاہ کے سپاہی حضرت سارہؓ کو لے کر محل سراء کی طرف چلے اور بادشاہ کے محل میں جا بٹھایا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیلؑ کی تسلی کا سامان یہ کیا کہ ان کے اور سارہؓ کے درمیان جتنے پردے تھے وہ ہٹتے جا رہے تھے، ان کی آنکھوں سے ایک لحہ بھی سارہؓ اوجھل نہ ہوئی۔ چنانچہ بادشاہ محل میں آیا، تین مرتبہ ہاتھ بڑھایا، ہر مرتبہ ہاتھ ناکارہ گیا، آخر سیدہ سارہؓ سے معافی اور دعا کی درخواست کی اور اللہ کے قہر سے نجات پائی، اپنی خفت مٹانے کے لئے سپاہوں سے کہا ''اسے بحفاظت اسی مرد کے پاس چھوڑ آؤ، یہ عورت جادوگر معلوم ہوتی ہے۔'' خلیل اللہؑ اس واقعہ کی وجہ سے اس شہر سے دل برداشت ہو چکے تھے، سارہؓ کو لے کے شام روانہ ہو گئے اور وہیں رہنے لگے۔ (یہ تین واقعات جن کی طرف ابراہیمؑ نسبت کریں گے، اور سفارش سے معذرت کریں گے۔)

حضرت ابراہیمؑ کے کہنے پر سب لوگ سیدنا موسیٰؑ کی خدمت میں حاضری دیں گے اور عرض کریں گے: ''اے موسیٰؑ! آپؑ ہی وہ عظیم شخصیت ہیں جن سے اللہ نے بغیر واسطہ کے کلام فرمایا ہے اور آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے توراۃ لکھ کر دی ہے، ہو سکے تو آج ہماری سفارش کر دیجئے۔ حضرت موسیٰؑ سب کو مخاطب ہو کر فرمائیں گے: ''آج

اللہ تعالیٰ بڑے غصہ میں ہیں کہ شاید کبھی اتنے غضبناک نہ ہوئے ہوں۔ میرے ہاتھ سے ایک قبطی شخص قتل ہو چکا ہے مجھے ڈر ہے، کہ کہیں میرا اللہ مجھے اس کی پاداش میں نہ پکڑ لے۔ یہ واقعہ بیسویں پارے میں آیت "وَدَخَلَ المدِینَةَ" سے "فوکزَہٗ مُوسیٰ" تک ہے۔ اور وہ مشورہ دیں گے کہ تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے جو خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ سراسر روحانی ہیں۔ کہ جسمانی مادہ کے بغیر محض خدا کی قدرت سے پیدا ہوئے تھے اور دوسروں کی جسمانی حیات کا سبب بنے تھے بایں طور کہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں کہ ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "وہ لوگ یہ سن کر حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور ان سے شفاعت کے لئے کہیں گے۔ حضرت عیسیٰ جواب دیں گے: میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں، البتہ تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خدا کے ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ خدا نے بخش دیئے ہیں یقیناً وہی تم لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تب لوگ شفاعت کی درخواست لے کر میرے پاس آئیں گے اور میں ان کی "شفاعت" کے لئے تیار ہو جاونگا، اور اس مقصد کی خاطر درِ رب العزت پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے اپنی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ میں جب اس کے حضور میں پہنچ کر دیکھوں گا تو اس کی ہیبت وخوف کے مارے اور اس کی تعظیم کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جتنا عرصہ مناسب سمجھیں گے اتنے عرصے کے لئے مجھے سجدہ میں پڑے رہنے دیں گے۔" پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: "محمدؐ! سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، تم جس کے حق میں چاہو، شفاعت کرو، تمہاری "شفاعت" قبول کی جائے گی، اور جو چاہتے ہو مانگو، میں تمہیں دوں گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ سن کر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائیں گے اس کی حمد وثنا بیان کروں گا، پھر میں "شفاعت" کروں گا اور

میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کردی جائے گی، اس کے بعد میں درگاہ رب العزت سے باہر آجاؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کراؤں گا پھر دوسری جماعت کے حق میں "شفاعت" کرنے کے لئے میں دربار رب العزت پر حاضر ہوکر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں اسکے حضور میں پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے مجھے سجدہ میں پڑے رہنے دیں گے۔" پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، "شفاعت" کرو میں قبول کروں گا، اور مانگو، میں دوں گا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "(یہ سن کر) میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد وتعریف بیان کروں گا، پھر میں "شفاعت" کروں گا اور میرے لئے "شفاعت" کی ایک حد مقرر کردی جائے گی، اس کے بعد میں (درگاہ رب العزت سے (باہر آؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کرواؤں گا، اور پھر تیسری مرتبہ بارگاہ رب العزت پر حاضر ہوکر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں پروردگار کے حضور پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا، اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دیں گے۔" پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، "شفاعت" کرو میں قبول کروں گا، اور مانگو، میں دوں گا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ سن کر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائیں گے اس کی حمد وتعریف بیان کروں گا، پھر میں "شفاعت" کروں گا اور میرے لئے "شفاعت" کی ایک حد مقرر کردی جائے، اس کے بعد میں درگاہ رب العزت سے باہر آؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل

کرواؤں گا، یہاں تک کہ اس کے علاوہ اور باقی نہیں رہ جائے گا جن کو قرآن نے روکا ہوگا۔یعنی اس آخری ''شفاعت'' کے بعد دوزخ میں وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے بارے میں قرآن نے خبر دی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

چنانچہ حدیث کے اس جملے کی وضاحت حضرت انسؓ کے نیچے کے راوی حضرت قتادہؒ نے جو جلیل القدر تابعی ہیں ان الفاظ میں کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بس وہ لوگ دوزخ میں باقی رہیں گے جو قرآن حکیم کے بموجب ہمیشہ کے لئے عذاب دوزخ کے مستوجب قرار پا چکے ہیں اور کفار ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے یا حضرت انسؓ یا حضرت قتادہؒ نے اس بات کو مستند کرنے کے لئے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. امید ہے کہ حضور ﷺ کا رب حضور ﷺ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔اور پھر حضور ﷺ نے یا حضرت انسؓ نے یا حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا وعدہ خدا نے حضور ﷺ سے کیا ہے۔ (بخاریؒ، مسلمؒ)

اس حدیث کی بہترین تشریح صاحب مظاہر حق علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلویؒ نے اپنی کتاب میں کی ہے، چونکہ یہ تشریح انتہائی جامع اور مانع ہے اس لئے مناسب ہے کہ نقل کر دیا جائے۔ لیجئے ملاحظہ فرمائیے:۔

حدیث کی تشریح

حدیث بالا میں میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ وہ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا، چنانچہ اس عبارت کے سلسلہ میں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تین نبی حضرت آدمؑ حضرت شیثؑ اور حضرت ادریسؑ دنیا میں آچکے تھے۔ تو حضرت نوحؑ دنیا والوں کی طرف پہلے نبی کیوں ہوئے؟ اس کا واضح جواب یہ ہے کہ پہلے تینوں نبی جب دنیا میں آئے تو تمام روئے زمین صرف اہل کفر کی آماجگاہ نہیں تھی بلکہ اس دنیا میں اہل ایمان بھی موجود تھے۔ اور گویا ان تینوں

نبیوں کے مخاطب اہل ایمان اور اہل کفر دونوں تھے۔

ان کے برخلاف جب حضرت نوحؑ دنیا میں آئے تو تمام روئے زمین پر صرف کافر تھے اہل ایمان کا وجود نہیں تھا، اس اعتبار سے حضرت نوحؑ دنیا میں آنے والے پہلے نبی تھے جن کا واسطہ صرف کافروں سے تھا، اس اشکال کے کچھ اور جواب بھی علما نے لکھے ہیں، لیکن وہ زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ اس مقام پر ایک خاص نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے، کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ جب تمام لوگ ابتدائی اور سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اور پھر یکے بعد دیگر ایک ایک نبی کے پاس جائیں گے یہاں تک کہ آخر میں ہمارے نبی جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کریں گے اور رسولِ اکرم ﷺ ان کی درخواست کو قبول کر لیں گے۔ تو سوال یہ ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا کہ وہی ان کے دلوں میں کسی ''شفاعت'' کرنے والے کے پاس جانے کا خیال ڈالے گا اور پہلا خیال حضرت آدمؑ کے بارے میں ہوگا کہ وہی ان لوگوں کے دلوں میں رسولِ اکرم ﷺ کا خیال ڈال دے اور ایک ایک نبیوں کے پاس جانے کے بجائے صرف جنابِ رسولِ اکرم ﷺ ہی کی خدمت میں پہنچ جائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طولِ عمل میں اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی حکمت پوشیدہ ہوگی اور وہ یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سب سے افضل و برتر ہونا تمام مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے، اگر یہ نہ ہو تو لوگ ابتدائی مرحلہ ہی میں رسولِ اکرم ﷺ کے پاس پہنچ کر ''شفاعت'' کی بات کریں اور رسولِ اکرم ﷺ ان کی ''شفاعت'' کر دیں تو یہ احتمال باقی رہے گا کہ دوسرے بھی ''شفاعت'' کی جرأت رکھتے ہوں گے اور اگر کسی اور نبی سے بھی ''شفاعت'' کی درخواست کی جاتی تو وہ بھی شفاعت کر دیتا۔ لیکن جب وہ لوگ ایک ایک نبی کے پاس جا کر ان سے ''شفاعت'' کی درخواست کریں گے اور ہر ایک ''شفاعت'' سے انکار کر دے گا اور پھر آخر میں آپ ﷺ سے درخواست کی جائے گی جس کو آپ ﷺ قبول کر کے ان کا مقصد پورا کر دیں گے تو رسولِ اکرم ﷺ کا سب سے عالی مرتبہ ہونا اور بارگاہ کبریائی میں کمال قرب رکھنا واضح

طور پر ثابت ہو جائے گا، اور ہر ایک پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے مرتبہ اور درجہ کا کوئی اور نبی نہیں ہے۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارے نبی رسولِ اکرم ﷺ تمام مخلوق حتیٰ کہ انسانوں فرشتوں اور تمام انبیاء تک پر فضیلت رکھتے ہیں کیوں کہ ''شفاعت'' جو اتنا بڑا درجہ اور اتنا اہم کام ہے کہ کوئی بھی، خواہ وہ فرشتہ یا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس کی جرأت وحوصلہ نہیں کرے گا جو صرف اور صرف رسولِ اکرم ﷺ کریں گے۔

حضرت نوحؑ نے اپنی لغزش کا ذکر کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نوح کو مسلسل جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی سزا میں دنیا والوں پر پانی کا عذاب ہوا اور تمام روئے زمین پر ہلاکت خیز پانی ہی پانی پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نوحؑ اپنے گھر والوں اور اپنے ماننے والوں کی ایک مختصر تعداد کو لے کر ایک کشتی میں بیٹھ گئے تا کہ وہ سب طوفانی سیلاب کی ہلاکت خیزی سے محفوظ رہیں۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو کافروں کے ساتھ تھا، بلایا اور کہا کہ تم کافروں کا ساتھ چھوڑ دو اب بھی ایمان لے آؤ اور میرے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ، مگر ان کا وہ بیٹا نہ مانا اور آخر کار دوسرے تمام لوگوں کے ساتھ وہ بھی غرق ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت نوحؑ نے اپنے اس بیٹے کے حق میں غرقابی سے نجات کی دعا مانگی تھی اور بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا تھا کہ: رَبِّ اِنَّ ابْنِی مِن اَھْلِی وَ اِنَّ وَعدَکَ الحَقُّ وَاَنتَ اَحکَمُ الحَاکِمِین . ''اے میرے پروردگار! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اس کو نجات دے دے بیشک آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔'' اللہ تعالیٰ سے حضرت نوحؑ کی یہ درخواست چوں کہ ایک ایسا امر تھا جس کو انہوں نے جانے بوجھے بغیر ظاہر کیا تھا اور اس بات کی تحقیق نہیں کی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا مانگی چاہیے یا نہیں؟ اس لئے ان پر بارگاہ خداوندی سے عتاب نازل ہوا کہ نوح ہم سے وہ چیز نہ مانگو جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں ہے اور جس کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ وہ چیز مانگنی چاہیے یا نہیں۔

اور حضرت ابراہیمؑ دنیا میں تین مرتبہ جھوٹ بولنے کا ذکر کریں گے۔ حضرت

ابراہیمؑ اپنی جن تین باتوں کو ''جھوٹ'' سے تعبیر کریں گے حقیقت میں ان پر جھوٹ کا اطلاق نہیں ہوسکتا، گو ظاہری حیثیت کے اعتبار سے وہ جھوٹ کی صورت رکھتی ہوں، لیکن انبیاء جس عالی مرتبہ کے ہوتے ہیں اوران کا جو سب سے اونچا مقام ہوتا ہے اس کے پیش نظر ان کی اس طرح کی باتوں کو بھی جو ان کے مقام سے فروتر ہوں، بارگاہ رب العزت میں نظر انداز نہیں کیا جاتا، اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ: **حسنات الا برا سئیات المقربین**. بعض باتیں نیکوں کے حق میں تو نیکیاں ہوتی ہیں لیکن مقربین کے حق میں برائیاں ہوتی ہیں۔ رہی بات یہ کہ وہ تین باتیں کیا تھیں جن کو حضرت ابراہیمؑ ''جھوٹ'' کے طور پر اپنی لغزش بتائیں گے، تو ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم کی قوم اپنے کسی میلہ میں تماشہ دیکھنے آبادی سے باہر جانے لگی تو ابراہیمؑ نے ارادہ کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا اور جب یہ سب لوگ چلے جائیں گے تو ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ان کے بت توڑ دوں گا۔ جن کو یہ پوجتے ہیں اور میری بار بار کی تنبیہ کے باوجود بت برستی سے باز نہیں آتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگوں کو جانا ہو تو جاؤ میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا، کیوں کہ میں بیمار ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ دیکھنے میں ظاہری طور پر بیمار نہیں تھے، اور ان کا یہ کہنا کہ ''میں بیمار ہوں۔'' بظاہر جھوٹ سمجھا جاسکتا ہے، لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کی یہ بات ''جھوٹ'' میں شمار نہیں ہوسکتی کیونکہ جب انہوں نے یہ بات کہی تھی تو یہ مراد رکھ کر کہی تھی کہ تمہارے کفر شرک اور تمہاری غلط حرکتوں نے میرے دل کو دکھی کر دیا ہے اور میں تمہارے غم میں اندرونی طور پر بیمار ہوں۔ دوسری بات یہ کہ قوم کے لوگوں کے میلے میں چلے جانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا، اور جب ان لوگوں نے واپس آکر دیکھا کہ آپؑ نے بتوں کو توڑ دیا ہے۔ تو انہوں نے جو جواب دیا تو ان کا یہ جواب بھی اپنی ظاہری حیثیت میں ایک جھوٹ نظر آتا ہے، لیکن یہاں بھی یہی صورت حال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات اس مراد کے ساتھ کہی تھی کہ یہ جو بڑا بت ہے یہ تمہاری عبادت وتعظیم کے لئے ایک ممتاز ومنفرد حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کا وجود اس بات کا

باعث بنا کہ میں دوسرے چھوٹے بتوں کو توڑ دوں یا اس بات سے حضرت ابراہیمؑ کا اس سے مقصد ان لوگوں کا مذاق اڑانا اور ان کو شرمندہ کرنا تھا کہ جس بت کو تم سب سے بڑا مانتے ہو اور سب سے زیادہ اس کی عبادت کرتے ہو۔ اس کی لاچاری اور بے وقعتی کا یہ عالم ہے، کہ اس کے ساتھی بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا گیا، مگر وہ کسی بت کو بچا نہ سکا ایسی صورت میں کیا یہ بت تمہاری پرستش کا مستحق ہوسکتا ہے؟ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص تو بہت زیادہ خوشخط ہو اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص بہت زیادہ بدخط ہو، اور وہ بدخط شخص خوشخط شخص کی کسی لکھی ہوئی تحریر کو دیکھ کر کہے کہ کیا یہ تحریر تم نے لکھی ہے اور خوشخط شخص اس کے جواب میں کہے کہ جی نہیں، یہ تو تم نے لکھی ہے، کہ اس جواب کے ذریعہ وہ یہی واضح کرتا ہے کہ تم تو اتنی اچھی تحریر نہیں لکھ سکتے، پھر یہاں میرے علاوہ اور کون لکھنے والا ہوسکتا ہے؟ تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی یعنی حضرت سارہؑ کو ایک۔ بدکار کافر کے ہاتھ سے بچانے کے لئے کہا تھا کہ یہ عورت میری بہن ہے یہ بات بھی بظاہر ''جھوٹ'' کے دائرہ میں آتی ہے، لیکن اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ ایک مؤمن کی مؤمنہ بیوی بہر حال اس کی دینی بہن ہوتی ہے، اور یہ بات کہنے سے حضرت ابراہیمؑ کی مراد بھی یہی تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے، تو اس میں جھوٹ کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے، ویسے یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سارہؑ حضرت ابراہیمؑ کی چچازاد بہن تھی، اس اعتبار سے بھی ان کا حضرت سارہؑ کو بہن کہہ دینا کوئی ''جھوٹ'' نہیں تھا۔

اب لوگ حضرت عیسیٰؑ کی طرف آئے، دوسرے انبیاء کے برخلاف حضرت عیسیٰؑ ''شفاعت'' کی درخواست لے کر آنے والوں کے سامنے اپنے کسی عذر کو بیان نہیں کریں گے، اور نہ اپنی کسی لغزش کا ذکر کریں گے، اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت اپنا عذر بیان کرنے میں توقف شاید اس لئے کریں گے کہ وہ اس تہمت کی وجہ سے جو عیسائیوں کی طرف سے ان کو اللہ کا بیٹا کہے جانے کی صورت میں ان پر تھوپی گئی ہے، اس درجہ شرمندہ ہوں گے کہ وہ اپنی خاموشی ہی کو زبان حال سے عذر بنالیں گے۔ ویسے بعض

روایتوں میں ان کے کچھ عذر نقل بھی کیے گئے ہیں۔

بہرحال اصل بات یہ ہے کہ "شفاعت" کا درجہ صرف ہمارے نبی رسولِ اکرم ﷺ کو حاصل ہوگا جو سید المرسلین اور امام النبیین ہیں، آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء اور رسولؑ "شفاعت" کے مقام پر کھڑا ہونے اور بارگاہ رب العزت میں "شفاعت" کرنے سے عاجز وقاصر ہیں، ان کو یہ بلند بالا مرتبہ عطا ہی نہیں ہوا ہے، لہٰذا "شفاعت" کی درخواست لے کر آنے والوں کے سامنے انہیں کوئی عذر بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی، اور وہ سب یا ان میں سے کچھ انبیاءؑ کوئی عذر بیان بھی کریں گے تو اس کا تعلق صرف ظاہری طور پر اپنی صوابدید سے ہوگا، اسی لئے دوسری حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ سارے انبیاءؑ کوئی عذر بیان کیے بغیر صرف یہی کہیں گے کہ ہم عظیم الشان امر کے اہل نہیں ہیں۔

"جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں۔" اس جملہ کے سلسلہ میں واضح رہے، کہ تمام ہی انبیاء **"معصوم عن الخطا"** یعنی گناہوں سے محفوظ ہیں چہ جائیکہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات گرامی۔ کہ آپ ﷺ تو بدرجہ اولیٰ اس سے پاک ومنزہ ہیں، کہ کسی گناہ کی نسبت بھی آپ ﷺ کی طرف ہو، پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں یہ کہنا کہ "ان کے اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دئے ہیں۔" کیا معنیٰ رکھتا ہے؟......

اس بارے میں علماء نے مختلف باتیں کہی ہیں اور اس جملہ کی متعدد تاویلیں منقول ہیں، لیکن زیادہ واضح تاویل یہ ہے کہ یہ جملہ دراصل بارگاہ رب العزت کی جانب سے رسولِ اکرم ﷺ کے عظیم اعزاز اور رسولِ اکرم ﷺ کی برتر فضیلت کے اظہار کا ذریعہ ہے قطع نظر اس امر کے کہ رسولِ اکرم ﷺ سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور اس کی بخشش کی جائے۔ اس کو مثال طور پر یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ: "جب کوئی امر مطلق اور بادشاہ اپنے کسی خاص مصاحب کو ہر حالت میں اپنا مطیع وفرمابردار پرکھ لیتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے تو اپنے دوسرے مصاحبوں اور رعایا کے لوگوں کے درمیان اس خاص مصاحب کی امتیازی اور مخصوص

حیثیت کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں معاف کیا خواہ تم نے کچھ ہی کیا ہو اور آئندہ تم جو کرو وہ بھی معاف، تم پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں۔

''اور میں دررِب العزت پر پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا۔'' یہ جملہ حدیث کی اس عبارت کا آزاد ترجمہ ہے اگر اس عبارت کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو یوں ہوگا کہ پس میں اپنے پروردگار کے پاس اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا۔ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ ''اس کے مکان'' سے مراد اس کی طرف سے عطا ہونے والے اجر و ثواب کی جگہ یعنی جنت ہے۔ لیکن یہ مراد گنجلک ہے، زیادہ واضح تاویل وہ ہے جو تورپشتیؒ نے بیان کی ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ:۔ ''پروردگار کے پاس اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے'' سے مراد یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ اجازت مانگیں گے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کو اس مقام میں داخل ہونے کی اجازت عطا کرے۔ جہاں کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے جہاں پہنچ کر جو بھی عرض و دعا کی جائے، اس کا مقبول و منظور ہونا یقینی ہے اور جہاں پہنچ کر کھڑے ہونے والے اور پروردگار کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہے، اور یہ وہ مقام ہے جس کو ''مقامِ محمود'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اسی کو ''مقام شفاع'' بھی کہتے ہیں۔ رہی بات یہ کہ پروردگار تو مکان ولامکان کی قید سے پاک ہے، اس کو جہاں بھی پکارا جائے اور جس جگہ بھی اس سے عرض و دعا کی جائے، وہ وہیں موجود ہے اور وہیں سنتا اور دیکھتا ہے۔ تو پھر اس کی کیا ضرورت ہوگی کہ رسولِ اکرم ﷺ میدان حشر میں جس جگہ لوگوں کی شفاعت کی درخواست قبول کریں گے وہاں سے چل کر اس مقام خاص پر بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کریں گے، اور پھر عرض و معروض کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موقف یعنی میدان حشر کہ جہاں لوگ ٹھہرے ہوں گے دراصل ایک ایسے ملکی نظام کی طرح ہوگا جو کسی باقاعدہ اور مہذب حکومت کے تحت ہو، جہاں ہر شخص کے مرتبہ و درجہ کے مطابق طریق کار اور نظم عمل کا اصول کارفرما ہو۔

چنانچہ اس وقت رسولِ اکرم ﷺ "شافع" کی حیثیت رکھتے ہوں گے اور "شافع" کا حق یہ ہے کہ وہ اعزاز و اکرام کی جگہ آ کر کھڑا ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ رسولِ اکرم ﷺ کے دل میں یہ بات ڈالے گا کہ وہ اس جگہ سے چل کر جو خوف و ہولناکی اور وحشت و گھبراہٹ سے گھری ہوگی، اس جگہ آئیں گے جو آپ ﷺ کے اعزاز و اکرام کا مقام ہے، تاکہ وہاں اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ عرض و معروض کر سکیں۔

اور اس حمد و تعریف کے ساتھ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا...... الخ سے آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اس وقت میں جن الفاظ، جس اسلوب اور جس انداز میں اللہ رب العزت کی تعریف و توصیف بیان کروں گا وہ کیا ہوگا۔ اس وقت اس کا علم مجھے بھی نہیں ہے، وہ سب کچھ مجھے اسی وقت سکھایا اور بتایا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اس موقع اور اس مقام کی مناسبت سے جس قدر وسعت و گہرائی رکھتی ہے اس کا ادراک یہاں کیا ہی نہیں جاسکتا۔ اسی اعتبار سے اس مقام کو "مقام حمد" اور "مقام محمود" کہتے ہیں۔ حدیث کے اس جزو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص کسی سے سفارش کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اس سفارش قبول کرنے والے کی تعریف و توصیف کرے تاکہ اس کا قرب اور اس کی توجہ حاصل کر سکے اور قبول سفارش سے نوازہ جائے۔

"پھر میں شفاعت کروں گا" کے ضمن میں قاضیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خوب خوب حمد بیان کریں گے اور پھر اس حمد و ثناء کے بعد شفاعت کی اجازت پا کر امتی امتی کہنا شروع کریں گے۔

اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی......" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے یہ متعین فرما دے گا کہ ایسے ایسے گناہ گاروں کی شفاعت کرو، مثلاً وہ فرمائے گا کہ اپنی امت کے ان لوگوں کی شفاعت کرو جو زنا کار تھے، یا جو بے نمازی تھے، اور یا جو شراب نوش تھے۔ چنانچہ میں اسی تعیّن کے ساتھ شفاعت کروں گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں

گے کہ میں نے زانیوں کے حق میں تمہاری سفارش قبول کی، پھر فرمائے گا کہ میں نے بے نمازیوں کے حق میں تمہاری شفاعت کی۔ اسی پر دوسرے طبقوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ "اس جماعت کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کراؤں گا......" اس جگہ پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث کے شروع میں تو یہ مذکور ہے کہ شفاعت کی درخواست کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کو میدان حشر میں محصور کیا گیا ہوگا اور وہاں کی تنگی اور کرب وہولنا کی سے تنگ آ کر رسولِ اکرم ﷺ کی سفارش چاہیں گے تاکہ آپ ﷺ انہیں اس جگہ کی پریشانیوں اور ہولنا کیوں سے نجات دلائیں۔

لیکن یہاں حدیث کے ایک جزو میں جب بارگاہ خداوندی میں رسولِ اکرم ﷺ کی سفارش کرنے اور رسولِ اکرم ﷺ کی سفارش قبول ہونے کا ذکر آیا، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "میں اس جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا"

تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سے "شفاعت" کی درخواست کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جنہیں دوزخ میں بھیجا جا چکا ہوگا؟...... اس کے جواب دو ہیں ایک تو یہ کہ شاید اہل ایمان کے دو طبقے ہونگے ایک طبقہ کو تو جو اپنے گناہوں کے سبب سزا کا مستوجب ہوگا میدان حشر میں محصور کیے بغیر دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اور یہی طبقہ رسولِ اکرم ﷺ سے "شفاعت" کی درخواست کرے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ "شفاعت" کے ذریعے اس طبقہ کو اس بدترین حالت سے کہ جس میں وہ گرفتار ہوگا، نجات دلا کر جنت میں پہنچوائیں گے اور پھر اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ اس طبقہ کے حق میں جماعت در جماعت کر کے "شفاعت" فرمائیں گے، جو دوزخ میں ڈالے جا چکے ہوں گے، اور حضور ﷺ متعدد دفعوں میں ان کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کروائیں گے۔

اس کا حاصل جواب یہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں یہاں صرف اسی ایک طبقہ کا ذکر فرمایا ہے اور اختصار کلام کے طور پر دوسرے طبقہ کے ذکر کو حذف فرما دیا ہے کیوں کہ اس ایک طبقہ کو نجات دلانے کے ذکر سے دوسرے طبقہ کو نجات دلانا بطریق اولیٰ

مفہوم ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہاں نار یعنی آگ کا لفظ منقول ہے جس کا ترجمہ "دوزخ" کیا گیا ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ نار یعنی آگ سے مراد "دوزخ" نہ ہو بلکہ وہ سخت حبس، تپش اور گرمی مراد ہو جو میدان حشر میں سورج کے بہت قریب آجانے کی وجہ سے وہاں محسوس کی جائے گی اور "نکلوانے" سے اس حدیث کی مراد اس تپش اور گرمی سے لوگوں کو چھٹکارا دلانا ہو۔ اس صورت میں حدیث کی اس عبارت "**فاخرجهم من النار وادخلهم الجنة**" کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں شفاعت قبول ہونے کے بعد درگاہ رب العزت سے باہر آؤں گا اور لوگوں کو سخت ترین تپش اور گرمی سے چھٹکارا دلا کر جنت تک پہنچواؤں گا یہ جواب اگرچہ ایک ایسی وضاحت ہے جس پر مجازی اسلوب کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی جواب حقیقت امر کے بہت قریب ہے اور حدیث کے اصل موضوع کے نہایت مناسب، کیوں کہ اس ارشاد گرامی میں جس "شفاعت" کا ذکر ہو رہا ہے اس سے "شفاعت عظمیٰ" مراد ہے، جس کو رسولِ اکرم ﷺ نے ایک ارشاد "**ادم ومن دونه تحت لوائی یوم القیامة**" کے بموجب مقام محور اور لوائے ممدود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس "شفاعت عظمیٰ" کا اصل مقصد تمام مخلوق کو میدان حشر کی پریشانیوں اور ہولناکیوں سے چھٹکارا دلانا ہے، جہاں وہ حساب وکتاب کے انتظار میں کھڑے ہوں گے اور ان کا حساب وکتاب جلد کرنا ہوگا۔ نیز یہی وہ "شفاعت" ہے جو صرف رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔

اور حدیث بالا میں آنے والے ارشاد کے مطابق کہ یہی وہ مقام محمود ہے......الخ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں رسولِ اکرم ﷺ کے لئے جس "مقام محمود" کا وعدہ کیا ہے وہ اسی "شفاعت عظمیٰ" کا مقام ہے جو آپ ﷺ کے سوا کسی اور کو عطا نہیں ہوگا۔ واضح رہے کہ اس مقام کی صفت لفظ "محمود" کے ساتھ یا تو اس اعتبار سے ہے کہ اس مقام پر کھڑا ہونے والا اس کی تعریف کرے گا اور اس کو پہچانے گا، یا اس اعتبار سے ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اس مقام پر کھڑے ہو کر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کریں گے اور یا

اس اعتبار سے کہ وہ مقام عطا ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف تمام اولین وآخرین مخلوق کی زبان پر ہوگی۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

حدیث بالا کی مزید تشریح

اور صاحب معارف الحدیث حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے اچھوتے انداز میں تشریح کرتے ہیں کہ۔ مسند کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ وہاں ایک ہفتہ تک سجدہ میں پڑے رہیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو فرمایا جائے گا کہ: ''اے محمدؐ! سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائے گی، اور جوں مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری مانی جائے گی۔'' پس میں کہوں گا: ''اے پروردگار! میری امت میری امت! یعنی میری امت پر آج رحم فرمایا جائے اور اس کو بخش دیا جائے۔ پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا یعنی جس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، اس کو نکال لاؤں گا۔ اور پھر اللہ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر انہی الہامی محامد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔'' پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا: ''اے محمدؐ! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔'' پس میں عرض کروں گا: ''اے پروردگار! میری امت میری امت! پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں ایک ذرہ یعنی رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا یعنی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، اس کو نکال لاؤں گا۔ اور پھر اللہ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر انہی الہامی محامد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔'' پس اللہ

تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا: ''اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔'' پس میں عرض کروں گا: ''میرے رب! میری امت میری امت! پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں ایک رائی کے دانے سے کم سے کمتر بھی ایمان ہو، اس کو بھی نکال لو، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا یعنی جس کے دل میں رائی کے دانے سے کم سے کمتر بھی ایمان نور کا ہوگا، ان کو نکال لاؤں گا۔ اور اس کے بعد چوتھی دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹ آؤں گا اور پھر انہی الہامی محامد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔'' پس مجھ سے فرمایا جائے گا: ''اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔'' پس میں عرض کروں گا: ''اے پروردگار مجھے اجازت دے دیجئے ان سب کے حق میں کہ جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا ہو۔'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''یہ کام تمہارا نہیں ہے، لیکن میری عزت وجلال اور میری عظمت و کبریائی کی قسم، میں خود دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لوں گا، کہ جنہوں نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کہا ہوگا۔'' (بخاری ومسلم)

تشریح...... اس حدیث میں چند باتیں تشریح طلب ہیں۔

(۱)...... حدیث میں جَو کے برابر، رائی کے دانہ کے برابر اور رائی کے دانہ سے کم سے کمتر، دل میں ایمان ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے مراد نورِ ایمان کے خاص خاص درجے ہیں۔ جن کا ادراک ہم کو تو نہیں ہوتا، لیکن حضور ﷺ کی بصیرت اس وقت اس کا ادراک کر لے گی، اور حضور ﷺ ان درجوں والوں کو اللہ کے حکم سے نکال لائیں گے۔

(۲)...... حدیث کے آخری حصے میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت کے لئے تین دفعہ ''شفاعت'' فرمانے کے بعد چوتھی دفعہ حق تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں اجازت دی جائے جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا ہو۔

اس کا مطلب بظاہر یہ ہے جن لوگوں نے حضور ﷺ کی دعوتِ توحید کو تو قبول کرلیا، اور ایمان لے آئے، لیکن دوزخ سے نجات پانے اور جنت میں جانے کے لئے جو اوراعمال کرنے چاہئے تھے، وہ انہوں نے بالکل نہیں کئے، تو مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ آخر میں ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنے کی اجازت چاہیں گے جس کے پاس کسی درجہ کا خالی ایمان اور توحید کا اعتقاد تو ہوگا لیکن عمل توحید سے وہ بالکل خالی ہوں گے۔ بخاری و مسلم ہی کی ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں غالباً اسی گروہ کے حق میں "**لم یعملوا خیرًا قطّ**" کے الفاظ آئے ہیں، جن کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "لیس ذالک لک"، یعنی ان مسکینوں کی جہنم سے نکالنے کا کام میں نے آپؐ کے لئے نہیں رکھا، یا یہ مطلب ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے لئے یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ کام میری عزت وجلال اور میری عظمت و کبریائی اور شان "فعال لما یرید" کے لئے ہی سزاوار ہے، اس لئے اس کو میں خود ہی کروں گا۔ اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لاکر احکام کی تعمیل بالکل نہیں کی، ایسوں کو دوزخ سے نکالنا پیغمبر کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اس درجہ کا عفوودرگزر اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳)...... معلوم ہوتا ہے اس روایت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں آدم علیہ السلام کے بعد اور ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اہل محشر کے نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر ہے جو اس میں نہیں ہے۔ نیز اس میں صرف اپنی امت کے حق میں رسولِ اکرم ﷺ کی "شفاعت" کا ذکر ہے، حالانکہ قرین قیاس یہ ہے کہ پہلے رسولِ اکرم ﷺ عام اہل محشر کے لئے حساب اور فیصلہ کی شفاعت فرمائیں گے، جس کو "شفاعت کبریٰ" کہتے ہیں، پھر جب حساب کے نتیجہ میں بہت سے آپ کے امتی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف بھیج دیئے جائیں گے تو رسولِ اکرم ﷺ ان کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرانے کے

لئے ''شفاعت'' فرمائیں گے۔ واللہ اعلم۔

(۴)......اہلِ محشر کے جو نمائندے کسی شفیع کی تلاش میں نکلیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ڈالیں گے کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر ان کی رہنمائی اور مشورہ سے نوح علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر اسی طرح ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہوں یہ سب منجانب اللہ اس دن اس لئے ہوگا کہ عملی طور پر سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اس ''شفاعت'' کا منصب اور ''مقامِ محمود'' اللہ تعالیٰ کے آخری نبی رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ بہر حال اس دن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت اور رفعتِ مقام کے بر سرِ محشر اظہار کے لئے ہو۔ (بحوالہ معارف الحدیث)

آپ ﷺ کی ''شفاعت'' سے متعلق ایک اور حدیث

آپ ﷺ کی شفاعت سے متعلق ایک اور حدیث بخاری و مسلم سے پیش خدمت ہے چنانچہ حضرت انس کہتے ہی کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو میدان حشر میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ عجب اضطرب اور افراتفری کے عالم میں ہوں گے یعنی وہاں کی سختی و تنگی اور ہولنا کی سے بیتاب ہو کر ادھر ادھر بھاگے پھریں گے اور آپس میں صلاح و مشورہ کریں گے کہ اس ہولنالی سے چھٹکارے کی کیا راہ نکالی جائے؟)۔

چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ اپنے پروردگار سے ''شفاعت'' کر دیجئے۔ کہ وہ ہمارے حساب و کتاب کا حکم جاری فرما دے اور ہمیں اجر و ثواب یا عذاب دے کر ہمارا معاملہ ایک طرف کرے۔ حضرت آدمؑ جواب دیں گے کہ: ''میں ''شفاعت'' کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔'' وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے اور ابراہیمؑ جواب دیں گے: میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے کلیم ہیں۔ اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ حضرت

موسیٰ کے پاس آئیں گے، اور حضرت موسیٰ بھی یہی جواب دیں گے کہ: میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم لوگوں کو حضرت عیسیٰ کے پاس جانا چاہئے جو اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور حضرت عیسیٰ بھی یہی جواب دیں گے کہ: میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں تمہیں محمد ﷺ پاس جانا چاہئے، وہی تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:۔ تب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ اور مجھ سے شفاعت کی درخواست کریں گے میں ان سے کہوں گا کہ ہاں بے شک میں ''شفاعت'' کا اہل ہوں کہ یہ کام میں کر سکتا ہوں کسی اور کے بس میں نہیں ہے۔ پھر میں بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، مجھے پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ میرے دل میں اپنی حمد وثنا کے الفاظ ڈالے گا جس کے ذریعہ اس وقت میں اللہ کی حمد وثناء کروں گا۔ اور حمد وثناء کن الفاظ اور کن اسلوب میں ہوگی اس وقت مجھے معلوم نہیں ہے، بہر حال جب میں اس کی بارگاہ میں پیش ہوں گا اور اس کو دیکھوں گا تو میں سجدہ میں گر پڑوں گا، اور میں اللہ تعالیٰ کی وہی حمد وثناء بیان کروں گا۔ پس مجھ سے کہا جائے گا: ''اے محمدؐ! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔'' پس میں سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد عرض کروں گا: ''میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے، میری امت پر رحم فرمایئے، یا یہ مطلب ہے کہ اے میرے پروردگار! میں اپنی امت کے بارے میں آپ سے ''شفاعت'' طلب کرتا ہوں۔ پس مجھ سے کہا جائے گا: ''جاؤ اور اس کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں ایک جَو برابر بھی ایمان ہو۔'' پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور اس کے بعد پھر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور پھر میں انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا۔'' پس مجھ سے کہا جائے گا: ''اے محمدؐ! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، میں تمہاری شفاعت قبول

کروں گا۔" میں عرض کروں گا: "میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجیے، میری امت پر رحم فرمائیے۔ مجھ سے کہا جائے گا: "جاؤ اور اس کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں ذرہ برابر یا رائی کے برابر بھی ایمان ہو۔" پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور اس کے بعد پھر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور پھر میں انہیں الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا۔" پھر مجھ سے کہا جائے گا: "اے محمدؐ! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، میں تمہاری شفاعت قبول کروں گا۔ میں عرض کروں گا: میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجیے، میری امت پر رحم فرمائیے۔ پس مجھ سے کہا جائے گا: جاؤ اور ہر اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں رائی کے ادنی سے ادنی دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور اس کے بعد پھر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور پھر میں انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر مجھ سے پوچھا جائے گا: "اے محمدؐ! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، میں تمہاری شفاعت قبول کروں گا۔" میں عرض کروں گا: "اے پروردگار! اب مجھے اجازت دے دیجیے ان سب کے حق میں کہ جنہوں نے "لا الٰہ الا اللّٰہ" کہا ہو۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "نہیں بلکہ اپنی عزت وجلال اور میری عظمت وکبریائی کی قسم، میں خود دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لوں گا، کہ جنہوں نے "لا الٰہ الا اللّٰہ" کہا ہوگا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح...... حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ "جس کے دل میں جَو برابر بھی ایمان ہو واضح رہے کہ اس طرح کے جملوں، یعنی جس کے دل میں جو برابر یا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر اور جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہو۔ کی توضیح وتاویل میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اور یہ اختلافات اقوال پر مبنی ہے جو اصل ایمان کی بحث کے سلسلہ میں ان کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہ ایک لمبی چوڑی بحث ہے اس موقع پر صرف اتنا بتا دینا ضروری

ہے کہ مذکورہ جملوں میں جس چیز کو جَو یا رائی کے برابر فرمایا گیا ہے اس سے حقیقی ایمان مراد نہیں ہے بلکہ از قسم خود خیر و بھلائی وہ چیز مراد ہے جو ایمان کے ثمرات و نتائج، ایقان کی روشنی اور دعرفان کے نور سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس چیز پر حقیقت ایمان کا اطلاق اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ اصل ایمان جو تصدیق قلبی یعنی خاص دل سے ماننے اور ایسے ہی اقرار لسانی زبان سے سچا اقرار کرنے کا نام ہے، ایک ایسا جوہر ہے جس کو اجزاء اور حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس پر کمی وزیاتی کا اجراء ہوسکتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل ایمان یعنی نفس تصدیق قلبی اور یقین دلی، نہ تو گھٹتا بڑھتا ہے اور نہ اس کو کسی مقدار یا حصہ میں بانٹا جاسکتا ہے۔ پس جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور اس پر کمی دبیشی اطلاق ہوسکتا ہے اگر ان کے اس قول کو اچھے اور برے اعمال کے اعتبار سے ایمان کے ثمرات و درجات میں کمی وزیاتی پر محمول کیا جائے تو اس صورت میں معلوم ہوگا کہ مذکورہ مسئلہ سے متعلق علماء کے درمیان درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ ان کے اختلافی اقوال محض لفظی اختلاف اور صوری نزاع ہے۔

”جس کے دل میں رائی کے ادنی سے ادنی دانہ کے برابر بھی ایمان ہے، یہ دراصل حق تعالیٰ کی طرف سے انتہائی فضل و کرم کا اظہار ہوگا کہ اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جو ادنی سے ادنی درجہ کا مؤمن ہے۔

”جس نے ”لا الہ الا اللہ“ کہا کا مطلب یہ ہے کہ میں ان لوگوں کی بھی شفاعت چاہتا ہوں جن کے نامۂ اعمال میں اس کلمہ طیبہ کے علاوہ اور کوئی بھی نیکی نہیں ہے، اور ملا علی قاری کی وضاحت کے مطابق اگر چہ انہوں نے اپنے ایمان کی حالت میں یا ایمان لانے کے بعد اپنی پوری زندگی میں کلمہ طیبہ بھی صرف ایک ہی مرتبہ کیوں نہ زبان سے ادا کیا ہو۔

حاصل یہ کہ حضور ﷺ آخری مرتبہ جن لوگوں کی شفاعت کریں گے وہ اس درجہ کے مؤمن ہوں گے کہ ان کے نامہ اعمال میں کوئی بھی نیکی اور کوئی بھی اچھا کام نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کبھار اپنی زبان سے کلمہ طیبہ ادا کیا ہوگا بلکہ بعض تو

ایسے بھی ہوں گے جن کی زبان پر پوری عمر میں صرف ایک ہی مرتبہ کلمہ طیبہ آیا ہوگا اور ان کے بارے میں یہ شفاعت بھی اس امید پر کرنا چاہے گے کہ زبان سے "لا الہ الا اللہ کہنا بھی بہر حال ایک نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی بھی نیکی خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی اور کتنے ہی کم درجہ کی کیوں نہ ہو، ضائع نہیں جانے دیں گے، بلکہ اول یا آخر اس کا اجر ضرور دیں گے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ "یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں جائے گا۔"

طیبیؒ نے یہ کہا ہے کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس حدیث میں "جو اور روئی وغیرہ کی مقداد کے برابر" کے ذریعہ جس چیز کا اشارہ کیا گیا ہے اس سے وہ اصل ایمان مراد نہیں ہے۔ جس کو تصدیق قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے بلکہ اس ایمان کے علاوہ کچھ اور مراد ہے اور وہ کچھ اور از قسم کی نیکی و بھلائی وہ چیز ہے جو ایمان کے ثمرہ کے طور پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور حدیث بالا میں فرمایا گیا کہ نہیں اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے الخ کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ جس شخص کے نامہ اعمال میں "لا الہ الا اللہ" کہنے کے علاوہ اور کوئی بھی نیکی نہیں ہے اس کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کا حق بھی گو آپ ﷺ کو حاصل ہے، اور آپ ﷺ شوق سے ایسے شخص کی شفاعت بھی کیجئے ہم اس کو قبول کریں گے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کو دوزخ سے نکلوانا حضور ﷺ کے ذمہ نہیں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم اس شخص کو بھی دوزخ سے نکالیں گے مگر ایسا ہم آپ کی شفاعت کی وجہ سے نہیں کریں گے بلکہ اس وجہ سے کریں گے کہ اپنے فضل و کرم کو ظاہر کرنے کے لئے ہم خود اس کو دوزخ سے نکالنا پسند کرتے ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس مؤمن کے دوزخ سے نکالے جانے کا معاملہ کہ جس نے اپنی پوری عمر میں کوئی بھی نیکی و بھلائی نہیں کی ہے، شفاعت کے دائرہ سے باہر ہوگا بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوگا۔

رسولِ اکرم ﷺ کی "شفاعت" قبول کرنے کا وعدہ خداوندی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن عاص روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے اپنی

مجلس میں لوگوں کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہ بیان کرنے کے لئے کہ وہ قیامت کے دن اپنی امت کے متعلق بارگاہ رب ذوالجلال میں کیا کیا عرض کریں گے یہ آیت پڑھی: رَبِّ اِنَّھُنَّ اَضلَلنَ کَثِیرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَن تَبِعَنِی فَاِنَّہٗ مِنِّی اورآیت کا بقیہ حصہ یہ ہے: وَمَن عَصَانِی فَاِنَّکَ غَفُورٌ رَّحِیم اور پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے کہ: ''میرے پروردگار یہ بت بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے ہیں، پس ان لوگوں میں سے جنہوں نے میری اطاعت قبول کی ہے، یعنی توحید، اخلاص اور توکل کو اختیار کیا وہ میرے اپنے اور میرے تابعدار ہیں اور جنہوں نے میری نافرمانی کی ہے تو، تو معاف کرنے والا رحیم ہے۔'' پھر رسولِ اکرم ﷺ نے اسی سلسلے میں حضرت عیسیٰؑ کے تعلق سے یہ آیت پڑھی جس میں یہ بیان ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنی امت کے حق میں پروردگار سے کیا عرض کریں گے؟: اِن تُعَذِّبھُم فَاِنَّھُم عِبَادُکَ اورآیت کا بقیہ حصہ یہ ہے: وَاِن تَغفِر لَھُم فَاِنَّکَ اَنتَ العَزِیزُ الحَکِیم. اور پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے: ''اگر تو ان کو عذاب میں مبتلا کرے تو بہر حال وہ تیرے ہی بندے ہیں۔'' یعنی تو ان کا مطلق مالک ہے وہ تیرے حکم کے خلاف کر ہی کیا سکتے ہیں اور ان کو عذاب میں مبتلا کرنے سے تجھ کو کون روک سکتا ہے؟ اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔ یعنی تجھ پر کوئی غالب نہیں ہے، تو جو چاہے حکم کرسکتا ہے، کوئی بھی تیرے حکم کو پست پست ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا، پھر یہ تیری حکمت ودانائی میں بھی ذرہ برابر شبہ نہیں، تو ہر ایک کے بارے میں وہی حکم کرتا ہے، جس کا وہ مستوجب ہوتا ہے اور وہی جگہ دیتا ہے، جہاں کا وہ سزاوار ہے۔

اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ: ''پروردگار! میری امت کو بخش دے، میری امت پر رحم فرما۔'' اور یہ دعا کرتے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ رونے لگے۔ فوراً اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو حکم دیا کہ محمد یعنی رسولِ اکرم ﷺ کے پاس جاؤ، اور حالانکہ اے جبرائیل تمہارا رب خوب جانتا ہے اس کو کچھ مطلق دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر رسولِ اکرم ﷺ کی دلجوئی اور پروردگار کی عنایت وتوجہ کے اظہار کی خاطر ان سے

پوچھو کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ یہ حکم سنتے ہی حضرت جبرائیل رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آئے اور رسولِ اکرم ﷺ سے رونے کا سبب پوچھا، رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں اپنے الفاظ میں بتایا کہ اپنی امت کے بارے میں خوف خداوندی نے مجھ پر رقت طاری کردی ہے پھر حضرت جبرائیلؑ بارگاہ کبریائی میں واپس گئے اور صورت حال عرض کی اور تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور کہو کہ جب وقت آئے گا تو ہم یقیناً آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کردیں گے اور آپ کو ہرگز رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (مسلمؒ)

تشریح...... "یہ دعا کرتے وقت حضور ﷺ رونے لگے یعنی حضور ﷺ نے اپنی امت کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی "شفاعت" کو یاد کیا تو پھر فوراً حضور ﷺ کو اپنی امت کا خیال آگیا، اور اس خوف سے حضور ﷺ پر رقت طاری ہوگئی کہ نامعلوم امت کے لوگوں کا کیا حشر ہوگا؟ کہیں ان کو تو عذاب خداوندی میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں اپنی امت کی بخشش کی دعا فرمائی۔"

آپ ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں راضی وخوش کردیں گے......" اور آپ ﷺ راضی اور خوش کس صورت میں ہوں گے؟ اس کے متعلق بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں اس وقت تک راضی وخوش نہیں ہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ میری امت کے ایک ایک فرد کو بخش نہیں دے گا۔" "سبحان اللہ" اس امت کے لئے اس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ ضرورت صرف یہ ہے کہ حقیقی معنی میں جناب رسولِ اکرم ﷺ کا امتی بنا جائے، جناب رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ ایمان کے عقیدے کو ہر حال میں درست رکھا جائے، مشکل جو ہے صرف یہی ہے اور کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث میں کئی اہم باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی امت سے کس قدر تعلق ہے اور حضور ﷺ اپنی امت پر کتنے زیادہ شفیق ومہربان ہیں۔ نیز حضور ﷺ اپنی امت کے لوگوں کی صلاح وفلاح کی طرف کس طرح ہر وقت متوجہ رہتے تھے۔ دوسری اور سب سے بڑی بات اس امت مرحومہ کے لئے بشارت ہے اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ

سے وعدہ فرمایا کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی وخوش کر دیں گے،۔ تیسری بات رسولِ اکرم ﷺ کا عظیم المرتبت ظاہر ہونا ہے۔

آپ ﷺ کی ''شفاعت سے متعلق ایک اور حدیث

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں پکا ہوا گوشت لایا گیا اس میں سے ہاتھ کا گوشت آپ ﷺ کو پیش کیا گیا جو آپ ﷺ کو بہت پسند ومرغوب تھا، آپ ﷺ نے اس میں سے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا، اور پھر فرمانے لگے کہ: ''میں قیامت کے دن جب کہ لوگ دو جہان کے پروردگار کا فیصلہ سننے کے انتظار میں کھڑے ہوں گے، تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اس دن سورج لوگوں کے سروں کے بہت قریب ہوگا اور لوگوں کی حالت مسلسل کھڑا رہنے، گرمی کی تپش وسختی اور وہاں کے ہولناک ماحول کے اثر سے اس قدر کربناک اور غم وفکر سے بوجھل ہوگی کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں گے، یعنی صبر واستقامت پر قادر نہیں ہوں گے۔ اور نہایت حیرانی وپریشانی کے عالم میں ایک دوسرے سے کہتے پھریں گے، کہ آخر تم کسی ایسے شخص کی تلاش کیوں نہیں کرتے جو تمہارے پروردگار سے تمہاری سفارش کر دے۔ اور جو تمہیں اس کرب واذیت، کی حالت سے نجات عطا کر دے، چنانچہ لوگ حضرت آدمؑ کے پاس آئیں گے۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے یا خود رسولِ اکرم ﷺ نے شفاعت کے سلسلے میں حدیث کے وہی اجزاء بیان کئے جو پہلے ایک حدیث میں بیان کئے جا چکے ہیں، کہ لوگ یکے بعد دیگر تمام انبیاء کے پاس جا کر شفاعت کی درخواست کریں گے اور وہ سب جواب دیں گے کہ ہم اس کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اور پھر وہ لوگ شفاعت کی درخواست لے کر میرے پاس آئیں گے یہ ذکر کرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: پس میں لوگوں کے پاس سے روانہ ہوں گا اور عرش کے نیچے آؤں گا اور وہاں بارگاہ رب العزت میں اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد اور بہترین ثنا کے وہ الفاظ واسلوب منکشف کر دیں گے جو مجھ سے

پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی پر منکشف نہیں کیئے ہوں گے۔ یعنی اس موقع کے لئے میرے دل میں اپنی حمد وثنا کے الفاظ اور وآداب حضوری کے وہ طریقے القاء فرمائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی اور کو القاء نہیں کیئے ہوں گے بلکہ وقت سے پہلے مجھ کو بھی ان کا کوئی علم نہیں ہوگا۔ جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں اس کا بیان کیا جا چکا ہے، کہ پھر پروردگار فرمائیں گے کہ: محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ، جو چاہتے ہو مانگو میں دوں گا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو میں قبول کروں گا۔' یہ سن کر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: ''میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے۔'' تب کہا جائے گا کہ: ''اے محمدؐ! آپ اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن سے حساب نہیں لیا جائے گا اور جو حساب کے بغیر جنت کے مستحق ہیں جنت کے دائیں طرف کے دروازہ سے جنت میں داخل کر دیجئے، اور وہ لوگ اس دروازے کے علاوہ دوسرے اطراف کے دروازوں کے استعمال کے حق میں بھی لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس کے بعد جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، جنت کے دروازوں میں ہر ایک دروازے کے دونوں کواڑوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا کہ مکہ اور ہجر کے درمیان ہے۔ (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح...... حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا کہ میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اس میں لوگوں کا اطلاق پوری نوع انسانی پر ہے جس میں انبیاء بھی شامل ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے: یعنی قیامت کے دن میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔ اور یہ بات حضور ﷺ نے اس اعتبار سے ارشاد فرمائی کہ اس توقیر وعزت کی بنا پر کہ جو جناب رسولِ اکرم ﷺ کو بارگاہ خداوندی میں سب سے زیادہ قرب ومحبوبیت کی وجہ سے حاصل ہوگی۔ اس دن ہر ایک آپ ﷺ کی شفاعت کا محتاج ہوگا، جب سب لوگ نہایت مضطرب ہوں گے تو آخر میں رسولِ اکرم ﷺ ہی کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر آئیں گے اور صرف آپ ﷺ ہی ان کی شفاعت کا حوصلہ کریں گے۔ اور حدیث میں فرمایا کہ عرش الٰہی کے نیچے آؤں گا یہ جملہ حضرت انسؓ

سے نقل کی جانے والی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں اپنی پروردگار کے گھر میں آنے کے الفاظ ہیں، پس ان دونوں کے درمیان تطبیق یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا گھر جنت ہے اور جنت عرش الٰہی کے نیچے ہی ہے، لہٰذا دونوں حدیثوں کے الفاظ میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

''میرے پروردگار میری امت کو بخش دیجئے۔ان الفاظ کو تین بار کہنا یا تو عرض کو زیادہ سے زیادہ اہم اور قابل توجہ بنا کر پیش کرنے کے لئے ہوگا جیسا کہ جب کوئی شخص اپنے حاکم و آقا سے کسی اہم مقصد کی بارآوری چاہتا ہے، تو وہ اپنی عرض کو اس کے سامنے بار بار دہراتا ہے، یا ان الفاظ کو بار بار دہرانے سے گناہ گاروں کے طبقوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوگا، جیسا کہ پیچھے گزرنے والی حدیث میں بیان ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ایک دفع کی شفاعت کسی ایک طبقہ کے ساتھ مختص ہوگی اور پھر دوسری مرتبہ کی شفاعت کسی دوسرے طبقہ کے ساتھ، اور اسی طرح متعدد دفعوں میں سب کی شفاعت پوری ہوگی۔

اور حدیث میں فرمایا کہ جنت کے دائیں طرف کے دروازے سے الخ یعنی ان لوگوں کے اعزاز وتکریم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے از راہ عنایت جنت کے دائیں طرف کا دروازہ انہی لوگوں کے لئے مخصوص ہوگا۔اس کے علاوہ کسی اور کو اس دوازے سے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی، اس دروازے کے علاوہ باقی اور جو تمام دروازے ہوں گے وہ دوسرے لوگوں کے لئے مشترک ہوں گے اور مذکورہ لوگ بھی ان دروازوں کو استعمال کرنے کا حق رکھیں گے۔

''ہجر'' ایک جگہ ہے جو جزیرہ نما عرب کے مشرقی ساحل پر سعودی عرب کے اس علاقہ میں واقعہ ہے جس کو اب ''احساء'' کہا جاتا ہے، اور پہلے زمانے میں ''بحرین'' اسی علاقہ کو کہتے تھے۔ بہر حال اس جملہ کا مقصد جنت کے دروازوں کی چوڑائی اور وسعت کو بیان کرنا ہے کہ جنت کے ہر دروازے کی چوڑائی اس فاصلہ کے بقدر ہے جو'' مکہ'' اور ''ہجر'' کے درمیان ہے۔لیکن اس سے مراد تحدید وتعیین ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ تخمیناً فرمایا گیا ہے۔تا کہ

دروازے کی چوڑائی اور وسعت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اور ہاں جہاں تک حقیقت حال کا تعلق ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق)

قیامت کے دن شفاعت وغیرہ سے متعلق کچھ اور باتیں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن مجلس نبویؐ میں کچھ لوگوں نے کہا کہ یا رسولِ اللہ ﷺ کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں دیکھو گے۔'' پھر رسولِ اکرم ﷺ نے دیدار الٰہی کی ثبوت کو واضح کرنے کے لئے سوال کیا کہ: کیا تم لوگ دوپہر کے وقت جب کہ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو، سورج کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ یا کوئی تکلیف محسوس کرتے ہو؟ اور کیا تم لوگ شفاف چودہویں رات میں، جب کہ آسمان پر بادل کا کوئی ایک ٹکڑا بھی نہ ہو، چاند کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ اور تکلیف محسوس کرتے ہو؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ ''ہرگز نہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی کوئی رکاوٹ وتکلیف محسوس نہیں کرو گے۔ ہاں جیسا کہ تم ان دونوں یعنی سورج و چاند میں سے کسی کو دیکھنے میں رکاوٹ وتکلیف محسوس کرتے ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن برپا ہوگا، اور تمام مخلوق میدان محشر میں جمع ہوگی۔ تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ جو طبقہ دنیا میں جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اسی کے پیچھے رہے۔ چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں اور انصاب کو پوجتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں بچے گا اور سب کے سب دوزخ میں جا گریں گے۔ کیوں کہ انصاب اور بت کہ جن کی پوجا ہوتی تھی، دوزخ میں پھینکے جائیں گے۔ لہٰذا ان کے ساتھ ان کی پوجا کرنے والے بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب ان لوگوں کے سوا کوئی موجود نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے وہ خواہ نیک ہوں یا بد تمام جہانوں کا پروردگار ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا کہ تم کس کے منتظر ہو؟ ہر طبقہ اس چیز کے پیچھے چلا جا رہا ہے جس کی وہ عبادت کرتا تھا، تو تم

پھر یہاں کیوں کھڑے ہو تم بھی کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ:۔

ہمارے پروردگار! ہم نے دنیا میں ان لوگوں سے جو دنیا میں غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اب اپنے معبودوں کے پیچھے پیچھے دوزخ میں چلے جائیں گے پوری طرح جدائی اختیار کر رکھی تھی، حالانکہ ہم اپنی دنیوی ضرورتوں میں ان لوگوں کی مدد و اعانت کے ضرورت مند تھے لیکن ہم نے کبھی ان کی صحبت و ہمنشینی کو گوارہ نہیں کیا۔ اور نہ کبھی ان کی اتباع کی بلکہ ہمیشہ ان کے مدمقابل رہے اور صرف تیری رضا کی خاطر ان سے جنگ و جدل کرتے ہے۔ پس اب جب کہ ہم ان کے کسی طرح سے ضرورت مند بھی نہیں ہیں اور ان سب کی منزل بھی دوزخ ہے تو ہم ان کے ساتھ کیسے چلے جاتے؟۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہاں یوں نقل کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ کہیں گے کہ: ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے کہ جب تک ہمارا پروردگار ہمارے پاس نہیں آئے گا، یعنی جب تک وہ ہم پر اس طرح تجلی نہ پرفرمائے گا کہ جس کے سبب ہم اس کو پہچان لیں گے کہ یہی ہمارا پروردگار ہے اور جب ہمارا پروردگار اپنی تجلی وصفات کے اظہار کی صورت میں جس کے سبب ہم اس کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں ہمارے پاس آئیں گے تو ہم اس کو اچھی طرح پہچان لیں گے۔

اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا: کیا تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان کوئی نشانی ہے جس کے ذریعے تم اس کو پہچان لو گے؟ وہ کہیں گے کہ: ہاں نشانی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھولی جائے گی اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جو دنیا میں کسی کو دکھانے سنانے اور کسی خوف اور لالچ کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنے نفس کے تقاضے یعنی اخلاص و عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا۔ اور ہر وہ شخص کہ جو دنیا میں کسی خوف یا لوگوں کو دکھانے یا سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کی کمر کو پورا تختہ بنا دے گا۔ یعنی اس کی پیٹھ و کمر کی ہڈیوں کے جوڑ بالکل ختم کر دئے جائیں گے۔ اور اس کی پوری پیٹھ ایک تختہ بن جائے گی تا کہ وہ جھک نہ

سکے اور نہ سجدہ کر سکے۔ چنانچہ وہ سجدہ میں جانے کے لئے جھکنا چاہے گا۔ تو چت گر پڑے گا۔ پھر دوزخ کے اوپر اس کے بیچوں بیچ پل صراط رکھ دیا جائے گا، اور شفاعت کی اجازت عطا کی جائے گی۔

چنانچہ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کے حق میں طلب استقامت وسلامتی کے لئے یہ دعا کریں گے کہ: اے اللہ! ان کو پل صراط کے اوپر سے سلامتی سے گزار دے، ان کو دوزخ میں گرنے سے محفوظ رکھ۔ پس مسلمان لوگ پل صراط کے اوپر سے اس طرح گزریں گے کہ بعض تو پل جھپکتے گزر جائیں گے، بعض کوندے کی طرح نکل جائیں گے، بعض ہوا کے جھونکے کی مانند، بعض پرندوں کی اڑان کی مانند گزریں گے۔ پس ان میں سے کچھ مسلمان تو وہ ہوں گے جو دوزخ کی آگ سے بالکل سلامتی اور نجات پائے ہوئے ہوں گے۔ یعنی پل صراط سے گزرنے کے وقت ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ اور کچھ مسلمان ایسے ہوں گے جو زخم کھا کر نکلیں گے، اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے۔ نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کئے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دئے جائیں گے۔

یہاں تک کہ جب مؤمن دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے، تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی شخص ظاہر ثابت شدہ کے حصول میں اتنی شدید جدوجہد اور سختی نہیں کرتا جتنی شدید جدوجہد مؤمن قیامت کے دن اپنے بھائیوں کی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کریں گے جو دوزخ میں ہوں گے۔ وہ مؤمن کہیں گے کہ: ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ حج کرتے تھے یعنی ان کی نماز ہماری نمازوں کی طرح ہوتی اور ان کا حج ہمارے ہی حج کے طریقہ سے ہوتا تھا پس تو ان کو بھی دوزخ سے نجات دیدے۔ ان سے کہا جائے گا کہ: جاؤ اور جن لوگوں کو تم اپنی مذکورہ شہادت کی روشنی میں پہچانتے ہو انہیں دوزخ سے نکال لو، پس دوزخ کی آگ پر ان کی صورتوں کو حرام کردیا جائے گا۔ چنانچہ وہ مؤمن بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ پھر کہیں گے کہ: ہمارے پروردگار! جن لوگوں

کوتو نے دوزخ سے نکالنے کا حکم دیا تھا یعنی اہل نماز، اہل زکوۃ اور اہل حج وغیرہ ان سب میں سے اب دوزخ میں کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ: اچھا پھر جاؤ اور ہر اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں تم دینار برابر بھی نیکی پاؤ۔ پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دزخ سے نکال لائیں گے اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے: اب ہر اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر بھی نیکی پاؤ۔ پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ: جاؤ اور اب اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں تم از قسم نیکی ذرہ برابر بھی کوئی چیز پاؤ پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے اور کہیں گے کہ: پروردگار! ہم نے دوزخ میں بھلائی کو باقی نہیں رہنے دیا ہے یعنی دوزخ میں اب کوئی ایسا شخص باقی نہیں بچا ہے جس کے دل میں اصل ایمان کے علاوہ ادنی سے ادنی درجہ کی اور ذرہ برابر بھی بلکہ ذرہ سے بھی کمتر کوئی نیکی ہو خواہ اس نیکی کا تعلق اعمال سے ہو یا افعال قلب سے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ:۔ فرشتوں نے شفاعت کر لی اور پیغمبروں نے بھی شفاعت کر لی اور مؤمنوں نے بھی شفاعت کر لی) اوران سب کی شفاعت کا تعلق ان لوگوں سے تھا جن کا نامہ اعمال میں کوئی نہ کوئی نیکی ضرور تھی خواہ وہ نیکی ذرہ برابر یا اس سے کمتر درجہ ہی کی کیوں نہ ہو اور اس طرح، اب ایسی کوئی ذات باقی نہیں رہ گئی ہے۔ جو خود بھلائی پہنچانے یا بھلائی پہنچانے والے سے سفارش کے ذریعہ کسی کے ساتھ رحم ومروت اور عنایت وہمدردی کا معاملہ کرے۔ لیکن ابھی ارحم الرحمین کی ذات باقی ہے۔ جس کی رحمت جس کا کرم اور جس کی عنایت ہر ایک پر سایہ فگن ہے اور اس کی رحمت وعنایت کے اثرات کے مقابلہ پر ہر ایک کی رحمت وعنایت ہیچ ہے اور یہ فرما کر اللہ تعالیٰ دوزخ میں سے اپنی مٹھی بھر کر ان لوگوں کو نکال لے گا جنہوں نے کبھی بھی کوئی چھوٹی یا بڑی نیکی کی ہی نہیں ہوگی، یہ لوگ دوزخ میں جلتے رہنے کی وجہ سے کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ چنانچہ ان لوگوں کو اس نہر میں ڈالا جائے گا جو جنت کے دروازوں کے سامنے ہے

اور جس کو نہر حیات کہا جائے گا اور پھر یہ لوگ اس نہر سے اس طرح تر و تازہ نکلیں گے جیسے دانہ سیلاب کے کوڑے کچرے میں اگتا ہے، یعنی جس طرح سیلابی کوڑے کچرے میں پڑا ہوا دانہ بہت جلد اگ آتا اور خوب ہرا ابھرا معلوم ہوتا ہے، اس طرح یہ لوگ بھی اس نہر میں غوطہ دلائے جانے کے بعد نہایت تیزی کے ساتھ بہتر جسمانی حالت میں واپس آجائیں گے اور خوب تر و تازہ اور توانا معلوم ہوں گے۔

نیز یہ لوگ اس نہر سے موتی کی مانند پاک وصاف باہر آئیں گے، ان کی گردنوں میں مہریں لٹکی ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ جب اہل جنت ان لوگوں کو ان کی امتیازی علامتوں کے ساتھ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو خود خدائے رحمان کے آزاد کئے ہوئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم کے تحت، اس امر کے باوجود جنت میں داخل کیا ہے کہ نہ انہوں نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا اور نہ انہوں نے کم سے کم افعال قلب ہی کی صورت میں، کوئی نیکی کر کے آگے بھیجی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان نو آزاد لوگوں سے کہا جائے گا کہ: بلکہ جنت میں تم جو کچھ دیکھ رہے ہو یعنی تمہاری حد نظر تک تمہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں نظر آرہی ہے نہ صرف یہ بلکہ ان ہی جیسی اور بہت سی نعمتیں بھی، یہ سب تمہارے لئے ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح...... حدیث بالا میں ارشاد فرمایا کہ "ہاں دیکھوں گے۔" سیوطیؒ نے اپنی تالیفات میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن موقف میں یعنی میدان حشر میں کہ جہاں ساری مخلوق کھڑی ہوگی مرد و عورت ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، یہاں تک کہ بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ تو دیدار منافقوں اور کافروں کو بھی حاصل ہوگا۔

لیکن پھر فوراً ان کو محجوب کر دیا جائے گا تا کہ وہ ہمیشہ اس دیدار کی حسرت اور اپنی محرومی کے غم میں مبتلا رہیں، تاہم منافقوں اور کافروں کو دیدار حاصل ہونے کی یہ بات زیادہ واضح نہیں ہے، بلکہ اس میں کلام ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ آیا ہے کہ: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ "یعنی ہر گز نہیں، یقیناً کفار اس دن اپنے رب کے دیدار سے

محروم ہوں گے۔"

اور جہاں تک جنت میں حق تعالیٰ کے دیدار کا سوال ہے، تو اس بارے میں علامہ سیوطیؒ نے کہا ہے، کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے، کہ وہاں حق تعالیٰ کا دیدار ہر امت کے نبیوں، رسولوں، صدیقوں اور اس امت محمدی (ﷺ) کے افراد میں سے تمام مؤمن مردوں کو حاصل ہوا کرے گا۔ امت محمدی کی عورتوں کے سلسلے میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ ان کو وہاں دیدار نصیب نہیں ہوگا، دوسرا یہ کہ ان کو بھی وہاں دیدار نصیب نہیں ہوگا مگر تمام دنوں میں نہیں بلکہ چند مخصوص دنوں میں مثلاً عید وغیرہ کے دونوں میں فرشتوں کے بارے میں بھی دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ: وہ اپنے رب کو نہیں دیکھیں گے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ: وہ بھی اپنے رب کا دیدار کیا کریں گے، اسی طرح جنات کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں۔

کیا تم لوگ دوپہر کے وقت الخ اس سوال کے ذریعہ جناب رسولِ اکرم ﷺ نے اس امر کا اشارہ فرمایا کہ جو چیز عام طور پر مشکل نظر آتی ہے اور لوگ اس کے دیدار کے تمنائی ہوتے ہیں، اس کو دیکھتے ہیں تو دھکا پیل اور مشقت وضرر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جس طرح آفتاب وماہتاب کو دیکھنے میں کسی قسم کی مشقت وضرر اور تکلیف ورکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت کسی طرح کے دھکا پیل اور مشقت وضرر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ہاں جیسا کہ تم لوگ ان دونوں میں سے کسی کو دیکھنے میں رکاوٹ وتکلیف محسوس کرتے ہو۔

دراصل یہ جملہ تعلق بالمحال کے طور پر پچھلے جملے کو زیادہ سے زیادہ زوردار بنانے کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم سورج وچاند کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ تکلیف محسوس کرتے ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی رکاوٹ تکلیف محسوس کرو گے۔ لیکن جب یہ بات طے ہے کہ ان دونوں چاند وسورج میں سے کسی کو بھی دیکھنے میں کسی ادنی سے ادنی رکاوٹ وتکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تو جان لو کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں کوئی ادنی سی

رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ ضمنی طور پر یہ بات کر دینا ضروری ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ یہاں جس دیدار الٰہی کے بارے میں ذکر ہے وہ اس دیدار الٰہی کے علاوہ ہے جو جنت میں اہل ایمان کو بطور اعزاز واجر نصیب ہوگا۔ یہ دیدار تو محض امتحان وآزمائش کے طور پر ہوگا تاکہ دنیا میں جن لوگوں نے اللہ کی عبادت کی تھی، اور جن لوگوں نے غیر اللہ کو اپنا معبود بنایا۔ ان دونوں کے درمیان فرق وامتیاز ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں بھی بندوں کو امتحان آزمائش میں مبتلا کرنے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ حساب وکتاب کے بعد ہر ایک کے حق میں آخری فیصلہ نہ ہو جائے گا کہ کون اجر وجزا کا سزاوار ہے اور کون عذاب کا مستوجب ہے۔

پس آخرت اگرچہ دار جزا (بدلہ کا گھر) ہے، لیکن کبھی کبھی وہاں امتحان وآزمائش کا مرحلہ بھی پیش آئے گا جس طرح کہ یہ دنیا اگرچہ امتحان وآزمائش کا گھر ہے۔ لیکن یہاں کبھی کبھی اجر وبدلہ بھی ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ . اور تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ دراصل تمہاری شامت اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔

''جو لوگ۔ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں اور انصاب کو پوجتے تھے'' اس جملہ میں انصاب دراصل ''نصب'' کی جمع ہے، اور نصب اس پتھر کو کہتے ہیں جو کسی خاص جگہ پر خاص مقصد کے لئے گاڑا اور نصب کیا جائے کہ اس کی پوجا ہو، اس کو ڈنڈوت کیا جائے اور اس کے سامنے قربت ونیکی جیسے منت اور چڑھاوے کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے، پس ہر چیز کہ جو اس مقصد کے لئے نصب کی جائے اور اس کی پرستش وتنظیم کا عقیدہ رکھا جائے خواہ وہ پتھر ہو یا لکڑی اور یا کوئی دوسری چیز، وہ ''نصب'' ہی کہلائے گی۔

حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''تو تمام جہانوں کا پروردگار ان کے پاس آئے گا'' یعنی اپنے کمال اقرب کے ساتھ ان پر تجلی ڈالے گا یہ تو اس جملہ کی سیدھی سی تاویل ہے۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ ''آنا'' پروردگار کی صفات میں سے ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے

کلام پاک میں اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے اور حدیث مقدسہ میں بھی اس کا اسی طرح اس کی ذات کی طرف منسوب ہونا ذکر ہے۔ نیز ہم اس کی حقیقت و کیفیت جانے بغیر جوں کے توں اس پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کی ذات پاک اس کی نقل وحرکت سے منزہ ہے جو ''آنے'' میں ہوتی ہے۔

پس یہ بات متشابہات میں سے ہے اور ہم پر ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں زیادہ نہ الجھیں بلکہ حقیقت حال کا علم بس اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، اس جملہ کی کچھ اور تاویلیں کی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ ''آنے'' سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ آئے گا۔ یا یہ کہ ان لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا۔ جیسا کہ اگلے جملہ سے اشارۃً یہ بات مفہوم بھی ہوتی ہے۔ ''تب اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھولی جائے گی کے بارے میں بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ''پنڈلی کے کھلنے'' سے مراد خوف ودہشت اور گھبراہٹ وہول کا جاتا رہنا ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ''پنڈلی کھلنے'' سے مراد ایک عظیم نور کا ظاہر ہونا ہے یا یہ کہ فرشتوں کی جماعت کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ لیکن سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس بارہ میں بھی توقف ہی کیا جائے اور اس جملہ کی کوئی تاویل کرنے کے بجائے اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر دیا جائے۔

حدیث میں جہاں اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھلنے، لوگوں کو سجدہ کا حکم ملنے، اور پھر کچھ لوگوں کے سجدہ کرنے اور کچھ لوگوں کے سجدہ پر قدرت نہ ہونے کا حکم ہے وہاں پر علامہ نوویؒ نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے، کہ حدیث کے اس جزو سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ آخرت میں منافقین بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گمان کوئی بنیاد نہیں رکھتا، کیونکہ حدیث کے مذکورہ الفاظ میں یہ صراحت نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے منافقین بھی مشرف ہوں گے، بلکہ اس موقع پر صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے کہ جن میں مخلص مؤمن بھی ہوں گے اور منافق بھی اپنا حجاب مٹا دے گا اور پھر امتحان وآزمائش کے لئے سب کو سجدہ کا حکم ملے گا۔ پس جو شخص مخلص ہوگا، وہ سجدہ کرے گا، اور جو

شخص منافق ہوگا، وہ سجدہ نہیں کر سکے گا۔ اس بات سے یہ بات ہرگز لازم نہیں آتی ہے کہ منافق بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔

حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ ''پس مسلمان لوگ گزریں گے'' یعنی اس پل صراط کے اوپر سے تمام لوگ اس طرح گزریں گے کہ دنیا میں جو شخص عقیدہ وایمان عمل وکردار اور دین وشرف پر استقامت کے اعتبار سے جس درجہ کا رہا ہوگا اس کے مطابق آسانی کے ساتھ یا دشواری کے ساتھ اس مرحلہ کو پار کرے گا جس کی طرف حدیث کے اگلے جملہ میں اشارہ ہے۔ پس وہ پل صراط گویا دین وشریعت کے صراط مستقیم کی طرح ہے جو معنوی طور پر تلوار کی دھار سے زیادہ باریک ہے اور جس پر چلنا دشوار ہے۔ لیکن ساتھ ہی صراط مستقیم اس قدر روشن اور واضح ہے کہ جو صدق نیت اور اخلاص قلب کے ساتھ چلنا چاہے اس کے لئے کوئی دشواری نہیں ہے۔

''اور کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو زخم کھا کر نکلیں گے اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے......'' کا مطلب ایک تو یہ ہے جو مسلمان گناہ گار ہوں گے وہ اس پل صراط پر سے گزرنے میں سخت دشواری اور تکلیف واذیت کا شکار ہوں گے۔ مثلاً پل صراط کے دونوں طرف جو فولادی آنکڑے ہوں گے وہ ان کو زخمی کریں گے ان کا راستہ روکیں گے ان کے جسم کو چھیلیں گے لیکن وہ مسلمان زخمی ہو کر اور چل چلا کر کسی نہ کسی طرح پل صراط کو پار کر ہی لیں گے اور جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اس طرح وہ لوگ دوزخ میں نہیں گریں گے، بلکہ پل صراط کے اوپر ہی تکلیف اور مشقت اٹھا کر نجات پاسکیں گے۔ یہ مطلب ظاہر حدیث کے اسلوب کے زیادہ مطابق ہے اور ترجمہ میں اسی کا لحاظ کھا گیا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ پہلے تو پل صراط پر اس کے آنکڑوں سے زخمی ہوں گے سخت پریشانیوں سے دوچار ہوں گے اور پھر دوزخ میں گرائے جائیں گے جہاں وہ اپنے گناہوں کے بقدر سزا پانے کے لئے ایک مدت تک رہیں گے اور پھر ان کو دوزخ کی آگ سے نجات دے کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

''نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کر دیئے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں گے۔'' یہ ان گناہ گار مسلمانوں کا ذکر ہے جن کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے بہر حال دوزخ کے سپرد کیا جائے گا۔

چنانچہ یہ لوگ نہ صرف پل صراط پر گزرتے وقت سخت زخمی، تباہ حال اور مصیبت زدہ ہوں گے بلکہ ان کو دوزخ میں بھی گرا دیا جائے گا تا کہ وہ وہاں اس وقت تک عذاب پاتے رہیں جب تک ان کا خدا چاہے۔

''یہاں تک کہ جب مؤمن دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے الخ'' اس جملہ میں لفظ ''حتیٰ'' (یہاں تک کہ) اس مرحلہ کے ذکر کی غایت ہے جس میں تمام مؤمن پل صراط پر سے گزریں گے، اور پھر ان میں سے کچھ لوگ تو پل کو پار کر جائیں گے اور کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ لیکن علامہ طیبیؒ یہ کہتے ہیں کہ لفظ ''حتیٰ'' دراصل ''مکدوش فی نار جھنم'' (وہ لوگ جو پارہ پارہ ہو کر جہنم میں گر جائیں گے۔) کی غایت ہے۔ اس صورت میں پوری عبارت کا ترجمہ کچھ یوں ہوگا کہ: ''نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کئے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دئے جائیں گے اور پھر آخر کار ان کو بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد یا کسی کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دوزخ سے نجات مل جائے گی۔

پس قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے الخ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گار مؤمن ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہیں رہیں گے، اور نہ صرف یہ کہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد آخر کار دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ بلکہ وہ جنت میں پہنچنے کے بعد ان دوسرے مؤمنوں کی بھی ''شفاعت'' کریں گے اور بارگاہ رب العزت میں ان لوگوں کو عذاب سے چھٹکارا دلانے کی سخت ترین جدوجہد کریں گے جو لوگ اپنے گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے اس وقت تک دوزخ سے چھٹکارہ نہیں پا سکے ہوں گے۔ جیسا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے ارشاد ''پس قسم

ہے اس ذات کی الخ'' کے ذریعہ واضح فرمایا۔

اس حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ ''تم میں سے کوئی بھی شخص ظاہر و ثابت شدہ حق کے اصول میں الخ'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر تمہارا کوئی حق بالکل ظاہری دلائل وشواہد کے ذریعہ واجب ہوتا ہے اور تم اس حق کو پانے کا بہر صورت استحقاق رکھتے ہو تو اس شخص سے اپنا وہ حق حاصل کرنے کے لئے تم جتنا شدید مطالبہ وتقاضا کرتے ہو اور اس کے حصول کی جدوجہد میں جس طرح سعی وکوشش کی آخری سے آخری حد تک چلے جاتے ہو، اس سے بھی شدید تمہارا مطالبہ اس دن بارگاہ رب العزت میں اپنے ان مسلمان بھائیوں کی نجات کے لئے ہوگا جو دوزخ میں پڑے ہونگے اور تم ان کو وہاں سے نکلوانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے عرض ومعروض اور درخواست وشفاعت میں سعی وکوشش کی آخری سے آخری حد تک چلے جاؤ گے۔

''پس دوزخ کی آگ پر ان صورتوں کو حرام کردیا جائے گا'' کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کو اس بات سے منع کردیا جائے گا کہ وہ ان اہل ایمان کو اس طرح جلائے یا نقصان پہنچائے کہ ان کے چہرے مسخ ہوجائیں اور وہ پہچان میں نہ آسکیں۔ حاصل یہ کہ اس وقت تک جو اہل ایمان دوزخ میں ہونگے ان کے چہرے نہ تو جلیں گے اور نہ سیاہ ہونگے، لہٰذا ان کی شفاعت کرنے والے مؤمن اس علامت کے ذریعہ ان کو آسانی کے ساتھ پہچان لیں گے اور دوزخ سے نکلوالیں گے۔

''جس کے دل میں تم دینار کے برابر بھی نیکی پاؤ'' یہاں اور اسی طرح آگے کے جملہ میں ''نیکی'' سے مراد وہ چیز ہے جو اصل ایمان سے زائد ہوگی، کیونکہ اصل ایمان کہ جس کو تصدیق کہتے ہیں ایک ایسا جوہر ہے جو اجزاء اور حصوں میں ناقابل تقسیم ہے اور اس پر کمی بیشی وغیرہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جس نیکی کو اجزا اور حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یا جس پر کمی بیشی کا اطلاق ہوتا ہے وہ اصل ایمان سے زائد اور ایمان کے نتیجہ وثمرہ کے طور پر ایک الگ شے ہوتی ہے پس دل میں دینار برابر یا آدھے دینار برابر نیکی ہونے کا'' مطلب یہ ہے کہ

جن کے پاس معمولی درجہ کا بھی ایسا عمل صالح ہو کہ جس کے فعل کا تعلق دل سے ہے جیسے ذکر خفی (دل میں اللہ کو یاد کرنا) یا کسی غریب و مسکین پر شفقت کرنا یا خوف الٰہی اور نیت صادقہ وغیرہ تو ان کو دوزخ سے نکلوالو۔

جنہوں نے کبھی کوئی نیکی کی ہی نہیں ہوگی، یہاں بھی (نیکی) سے مراد وہ چیز ہے جو اصل ایمان سے زیادہ ہو، پس یہ لوگ کہ جن کو ارحم الراحمین محض اپنی خصوصی رحمت کے تحت دوزخ سے نکالے گا اپنے پاس افعال قلب میں سے بھی کوئی چھوٹی یا بڑی نیکی نہیں رکھتے ہوں گے البتہ اصل ایمان (یعنی تصدیق) کے حامل ضرور ہونگے اور ان لوگوں کی شفاعت کی اجازت کسی کو حاصل نہیں ہوگی۔

''ان کی گردنوں میں مہریں لٹکی ہوئی ہوں گی'' اس جملہ میں ''مہر'' سے مراد سونے وغیرہ کا زیور ہے جو گلے میں لٹکایا جاتا ہے، حاصل یہ کہ علامت کے طور پر ان کے گلوں میں کچھ مخصوص قسم کے ہار پڑے ہونگے جن کے ذریعہ وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز نظر آئیں گے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی شفاعت کی مزید وضاحت

اب ذیل میں ہم حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی مایہ ناز کتاب سیرت النبیؐ سے کچھ اقتباس نقل کر رہے ہیں، جن میں حضور ﷺ کی شفاعت کو ان حضرات نے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے، انشاء اللہ ان اقتباسات کے مطالعے سے بھی فائدہ ہوگا لیجئے ملاحظہ فرمایئے۔

عرصہ دار و گیر محشر میں جب جلالِ الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا اور گناہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا، اس وقت سب سے پہلے فخرِ موجودات، باعثِ خلق کائنات، سید اولاد آدمؑ، خاتم الانبیاء و رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر اور سرِ مبارک پر تاجِ شفاعت رکھ کر گناہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔

لفظ ''شفاعت'' اصل لغت میں شفع سے نکلا ہے، جس کے معنی جوڑا بننے، ایک کیساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں، چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہے کہ ''کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گزار کے ہم آہنگ ہو کر کسی بڑے کے سامنے اُس کی عرض و درخواست کو قبول کر لینے کی خواہش کا اظہار کرنا''۔ آپ ﷺ کی شفاعت بھی یہی ہوگی کہ آپؐ گناہگاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوندِ ذوالجلال کے اذن سے اُس کے سامنے اُن کی بخشائش و مغفرت کی درخواست پیش کریں گے۔ سورۂ اسرا میں ہے۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. ''قریب ہے کہ خدا تجھے مقام محمود میں اٹھائے''۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ کبارؓ سے منقول ہے کہ مقامِ محمود سے مراد رتبہ شفاعت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کر کے یہ آیت بالا تلاوت کی، پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا ''یہی وہ مقامِ محمود ہے، جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ فرمایا گیا ہے''۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بصرہ کے کچھ خوارج جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی سمجھتے ہیں، یعنی اُن کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں، مدینہ منورہ آئے، یہاں مسجد نبویؐ میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ صحابی قیامت کے واقعات بیان کر رہے تھے، اُن میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا ''اے رسول اللہ ﷺ کے صحابی! آپ کیا فرما رہے ہیں؟ خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہے''۔ یہ کہہ کر قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی، جس کا یہ مطلب ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں ڈال دیئے جائیں گے۔ کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یُّخْرِجُوْا مِنْھَآ اُعِیْدُوْا فِیْھَا. حضرت جابرؓ نے پوچھا تم نے قرآن پڑھا ہے۔ اُس نے جواب دیا ہاں، فرمایا تم نے اس مقامِ محمود کا حال سنا ہے، جس میں خدا تعالیٰ تمہارے پیغمبر کو مبعوث کریگا، اُس نے کہا ہاں سنا ہے۔ فرمایا تو یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ محمود ہے، جس کے ذریعہ سے خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہے گا نکالے گا۔ یہ سن کر ایک کے سوا باقی سب اپنے اپنے عقیدۂ باطل سے تائب ہو گئے اور بولے کہ کیا یہ بوڑھا صحابی رسول پر جھوٹ بولے گا۔

بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی اور کہے گی کہ اے رسولِ خدا! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گا، یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقامِ محمود میں اٹھائے گا۔ جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے کہ اے خدا جو پوری دعا اور کھڑی ہونیوالی نماز کا مالک ہے، محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور وہ مقامِ محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا تو قیامت کے دن اسکے لئے میری شفاعت اترے گی۔ پھر فرمایا ہے کہ مجھ کو دیگر انبیاء پر چند فضیلتیں عطا ہوئیں، ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ (یعنی شفاعت اوّلین) مئوطا امام مالک اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے متعدد تابعیوں نے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایک مقبول دعا مانگنے کا موقع دیا گیا تو انہوں نے وہ دعا مانگ لی اور وہ قبول کرلی گئی، لیکن میں نے اپنی دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کیلئے چھپا رکھا ہے اور وہ اپنی امت کی شفاعت ہے۔ فرمایا کہ میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کی جائیگی۔ اور فرمایا کہ "میں پہلا ہوں گا جو جنت کی شفاعت کرے گا۔ اُس دن جب دنیا کی گناہ گاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی اور آدم کی اولاد ترساں ولرزاں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی، کبھی آدمؑ کا سہارا ڈھونڈے گی، کبھی نوحؑ اور ابراہیمؑ کو یاد کریگی، کبھی موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بے تابانہ لپکے گی، مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی، بالآخر شفیع المذنبین سید الاولین والآخرین آگے بڑھیں گے اور تسکین کا پیام سنائیں گے۔

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری میں اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انس بن مالکؓ حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی مجلس میں بیان فرمایا کہ قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی، لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی

طرف پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، خدانے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کرنے کا حکم دیا، آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے۔ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں، میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی، آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہوگا، نفسی !نفسی (اے میری جان! اے میری جان) لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدانے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے، آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے! وہ کہیں گے، ہمارا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا، مجھ کو ایک مستجاب دُعا کا موقع عنایت ہوا تھا وہ اپنی قوم کی تباہی کیلئے مانگ چکا۔ نفسی !نفسی !تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔ مخلوق ان کے پاس جائے گی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے، اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے۔ وہ بھی کہیں گے، میرا یہ رتبہ نہیں آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا، نفسی !نفسی !تم موسیٰ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے موسیٰؑ ! آپ خدا کے پیغمبر ہیں، خدانے اپنے پیام وکلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے، اپنے خدا سے ہمارے لئے سفارش کیجئے، کیا آپ ہماری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے''؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، نفسی !نفسی !تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰ کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ اے عیسیٰؑ ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گہوارہ میں کلام کیا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے، وہ بھی کہیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا۔ نفسی نفسی !تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ مخلوق آپ ﷺ کے پاس آئے گی اور کہے گی اے محمد ﷺ! آپ خدا کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہیں، آپ ﷺ اپنے

پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے۔آپ ﷺ اٹھ کر عرش کے پاس جائیں گے اور اذن طلب کریں گے، اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے، آپ ﷺ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائیگا جو کسی اور کیلئے نہیں کھولا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ ﷺ کے دل میں القا فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القا نہ ہوئے۔ آپؐ دیر تک سربسجود رہیں گے، پھر آواز آئے گی ''اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو! سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوند! میری امت میری امت! حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے۔ آپ ﷺ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد ثناء کر کے عرض گزار ہونگے اور سجدے میں گر پڑیں گے، پھر صدائے غیب آئے گی ے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو! سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوند! میری امت میری امت! حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو بھی دوزخ سے نکالوں گا۔ آپ ﷺ پھر جا کر واپس آئیں گے اور گزارش کریں گے اور حمد وثناء کر کے سجدے میں گر پڑیں گے۔ پھر ندا آئے گی اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو! سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو۔ صدا آئے گی اس کا اختیار تم کو نہیں۔ لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے، میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا، من قال لا الہ الا اللہ۔ کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیام محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کس نے سنایا، یقیناً یہ صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے۔ (بحوالہ سیرت النبیؐ ج ۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۸۳

رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے تراسی نمبر خصوصیت آپ کے سامنے ہے جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے۔ اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے حضور ﷺ کے مقدس روضہ مبارک کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا بیشک اسے میں اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ صاحب خصوصیت ﷺ میرے سامنے آرام فرما ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے روضے کے سامنے بیٹھ کر ان کی خصوصیت پر لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، البتہ اپنے اللہ سے یہ دعا ضرور کرتا رہوں گا کہ یارب قدوس جس طرح آپ نے اپنے محبوب ﷺ کے قدموں میں بٹھا کر محبوب ﷺ سے متعلق لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اسی طرح اپنے محبوب ﷺ کے دین پر عمل کرنے اور دین کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے اپنی جان، مال، وقت قربان کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے، اگر چہ دیگر انبیاء کرامؑ نے بھی اپنے اپنے دور میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں لیکن جب ہمارے نبی ﷺ کے کارناموں کی بات آتی ہے، تو بے شک یہ کارنامے تمام کارناموں سے اونچے نظر آتے ہیں، جس کی گواہی خدا کا قرآن خود جابجا دیتا نظر آتا ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل سے ان کارناموں کو ملاحظہ فرمائیں گے جو کہ ہمارے حضور ﷺ

کی خصوصیات کا عظیم مظہر ہیں، اور انشاء اللہ حضور ﷺ کے ان کارناموں کو پڑھ کر ضرور ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا اور ہمارے عشقِ رسول کو جلا ملے گی انشاء اللہ۔ اور دعا گو بھی ہوں کہ یا خداوند قدوس مجھے بھی اور تمام امت کو بھی اپنے محبوب ﷺ کی سیرت وصورت اپنانے کی توفیق عطا فرما، آمین یارب العالمین۔

تراسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اس عنوان کے ذیل میں ہم سب سے پہلے مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک تقریر پیش کررہے ہیں اسکے بعد کچھ دوسرے مضامین پیش کریں گے انشاء اللہ، چنانچہ علامہ ندویؒ کاروانِ مدینہ میں رقم طراز ہیں کہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی ونبوت کے ذریعہ اپنے پیغمبروں کوانسانوں کی اصلاح وتکمیل پر مامور فرمایااوران حضرات نے اپنی دعوت ومحنت کا موضوع انسان کو بنایا۔ انبیاء علیہم السلام کی بصیرت پر اللہ تعالیٰ نے یہ نکتہ فاش کیا کہ اس دنیا کی قسمت اوراس کی آبادی وویرانی کا فیصلہ انسان پر معلّق ہے، اگر حقیقی انسان موجود ہے تو یہ اپنی سب ویرانیوں اور بے سروسامانیوں کے ساتھ آبادو معمور ہے اور اگر حقیقی انسان موجود نہیں تو یہ دنیا اپنی ساری رونقوں اوراپنے سازوسامان کے ساتھ ایک ویرانہ اورخرابہ سے بہتر نہیں۔ اس دنیا کی بدقسمتی آلات ووسائل کی کمی اور فقدان سے نہیں، بلکہ ان کے غلط استعمال سے ہے۔ دنیا کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس کوانسان کی غلط اندیشی اور بے راہ روی نے تباہ کیا، آلات ووسائل نے اس تباہ اور ہلاکت خیزی میں صرف اضافہ کیا۔

پھر انسان اپنی عظمت، اپنی وسعت، اپنی مرکزیت اوراپنی حکیمانہ صفت کے اعتبار سے کہیں زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے سعی ومحنت اور توجہ وخدمت کا موضوع بنایا جائے۔ یہ کائنات پُر اسرار، بڑی پراز عجائبات، بڑی حسین وجمیل، بڑی عریض وطویل ہے، انسان کی فطرت کے اسرار وعجائبات اس کے مخفی خزانوں اور دفینوں اس کے قلب کی

وسعتوں، اس کے دماغ کی بلند پروازیوں، اس کی روح کی بیتابیوں اور گرم جوشیوں، اس کی غیر مختتم تمناؤں اور نا آسودہ حوصلوں اور اس کی غیر محدود صلاحیتوں کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہیں، ایسی کئی دنیائیں اس کے قلب کی وسعتوں میں، اور یہ سارے سمندر اس کے دل کی گہرائیوں میں گم ہو جائیں، پہاڑ اس کے یقین کا، آگ اس کی محبت کے سوز کا، سمندر اس کے قطرۂ اشک کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کی حسنِ سیرت کے سامنے دنیا کا ہر حُسن ماند ہے۔ اس کے عزم و ارادہ کے آگے ہر طاقت سرنگوں ہے، اس انسان میں صحیح یقین، صحیح خواہش اور صحیح ملکات اور اخلاق کا پیدا کرنا اور اس سے خلافتِ الٰہی کا کام لینا نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔ ہر نبوت نے اپنے دور میں یہ کارنامہ انجام دیا اور ایسے افراد تیار کیے جنہوں نے اس دنیا کو نئی زندگی بخشی اور زندگی کو جو انسان کی خود فراموشی اور غلط اندیشی سے بے معنی ہو گئی تھی با معنی بنایا' نبوت کے ان کارناموں جو میں زندگی کی پیشانی پر درخشاں و تاباں ہیں سب سے روشن کارنامہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ ہے جس کی سب سے زیادہ تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مردم سازی و آدم گری کے اس کام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کامیابی عطا فرمائی وہ آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے جس سطح سے تعمیر انسانیت کا کام شروع کیا اس سطح سے کسی پیغمبر اور کسی مصلح اور کسی مربی کو شروع کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی تھی' یہ وہ سطح تھی جہاں حیوانیت کی سطح ختم ہوتی تھی اور انسانیت کی سرحد شروع ہوتی تھی اور جس سطح پر آپؐ نے اس کام کو پہنچایا اس سطح تک بھی کبھی تعمیر انسانیت کا کام نہیں پہنچا تھا' جس طرح آپ ﷺ نے انسانیت کی انتہائی پستی سے کام شروع کیا، اسطرح انسانیت کی آخری بلندی تک اس کام کو پہنچایا۔ آپ کے تیار کئے ہوئے افراد میں سے ایک ایک نبوت کا شاہکار ہے اور نوعِ انسانی کے شرف و افتخار کا باعث، انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین و جمیل، اس سے زیادہ دلکش و دل آویز تصویر نہیں ملتی جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے' ان کا پختہ یقین' ان کا گہرا علم' ان کا سچا دل' ان کی بے تکلیف زندگی، ان کی بے نفسی و خداترسی، ان کی

پاکبازی و پاکیزگی، ان کی شفقت ورافت اوران کی شجاعت وجلادت، ان کا ذوق عبادت اوران کا شوق شہادت، ان کی شہسواری اوران کی شب زندہ داری، ان کی سیم وزر سے بے پرواہی اوران کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل اوران کا حسن انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انسانی افراد تیار کئے، ان میں سے ایک ایک فردایسا تھا جو اگر تاریخ شہادت پیش نہ کرتی اور دنیا اس کی تصدیق نہ کرتی تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا لیکن وہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے، وہ ایک ایسا انسانی وجود تھا جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد اوصاف وکمالات پیدا کر دیئے تھے۔

خاکی ونوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات　　ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اسکی امیدیں قلیل اسکے مقاصد جلیل　　اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو ، گرم دمِ جستجو　　رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب　　عہد کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل
ساقیٔ اربابِ ذوق فارسِ میدان شوق　　بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل

یہ فرد جب تیار ہو گیا تو یہ بندگی اور زندگی کے ہر محاذ پر کارآمد مستعد اور قیمتی ثابت ہوااور جو خدمت اس کے سپرد کی گئی اس نے اپنی اہلیت اور صلاحیت اور اپنی فرض شناسی اور احساس ذمہ داری اور اپنے ذوق عمل اور جذبۂ خدمت کا ثبوت دیا، اس کو اگر فیصلہ اور ثالثی کا کام سپرد کیا گیا تو وہ بہترین قاضی اور لائق ترین جج ثابت ہوا، جس نے ترازو کے تول فیصلہ کیا، وہ اگر فوجوں کا سپہ سالار اور قائد مقرر ہوا تو اس نے اپنی جنگی قابلیت، بیدار مغزی اور شجاعت اور مرحمت کا ثبوت دیا۔ اگر فوجوں کی کمان اس کے حوالے کر دی گئی تو ایک مستعد اور کارگزار اور ایک جری اور جانباز سپاہی ثابت ہوا۔ اگر اس کو فوجوں کی قیادت کے منصف سے معزول کر دیا گیا تو اس کی پیشانی پر ناراضگی کی ایک شکن اور اس کی زبان پر شکایت کا ایک حرف نہیں آیا اور لوگوں نے اس کی مستعدی اور جوش ونشاط میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا ، اگر وہ نوکروں کا آقا اور محکمے کا افسر تھا تو ایک فراغ دِل اور شفیق آقا اور ایک خیر خواہ اور محبت

کرنے والا بزرگ خاندان، اور اگر وہ مزدور واجیر تھا تو وہ ایک فرض شناس و مستعد مزدور تھا جس کو اپنی مزدوری کے اضافہ سے زیادہ کام کے اضافہ کی فکر تھی۔ وہ فرد اگر فقیر تھا تو فقیر صابر وقانع اور اگر غنی تھا تو غنی شاکر اور محسن، وہ اگر عالم تھا تو علم کو عام کرنے اور لوگوں کو خدا کا راستہ بتلانے کا حریص اور اپنے علم کی تقسیم میں فیاض اور اگر طالبعلم تھا تو علم صحیح کے حصول کا شائق اور اس کو اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھ کر اس کی طلب میں منہمک اور اس کے لیے بڑی سے بڑی محنت اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے والا تھا، اور اگر وہ کسی شہر کا حاکم تھا تو راتوں کو پہرہ دینے والا اور دِن کو انصاف کرنے والا تھا، غرض یہ فردانسانی معاشرہ کے جس مقام اور جس محاذ پر تھا نگینہ کی طرح جڑا ہوا تھا۔

دنیا کی سب سے زیادہ نازک اور خطرناک ذمہ داری (حکومت) جب اس کے سپرد ہوئی تو اس نے زہد و فقر اور ایثار و قربانی اور جفاکشی و سادگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کے دنیا محوِ حیرت رہ گی اور ابھی تک اس کے تحیر میں کوئی کمی نہیں آئی، آیئے ہمارے ساتھ خلافت راشدہ کے ان واقعات کو پڑھ لیجیے۔ عہد صدیقی کا مورّخ لکھتا ہے:۔

ایک روز حضرت ابوبکرؓ کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی۔ جواب دیا کے میرے پاس کچھ نہیں انہوں نے کہا کہ اجازت ہوتو میں روزمرہ میں سے کچھ دام بچا کر جمع کرلوں ،فرمایا جمع کرو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو دیئے کہ شیرینی لادو، پیسے لے کر کہا معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضرورت سے زیادہ ہے لہٰذا بیت المال کا حق ہے، چنانچہ وہ پیسے خزانے میں جمع کردیئے اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کردیا۔''

آپ نے بہت سی مملکتوں کے بادشاہوں اور بہت سی جمہوریتوں کے سربراہوں کے سرکاری دوروں کی روداد سنی ہوگی اور ان کے شاہانہ واحتشام اور کروفر کا تماشا دیکھا ہوگا۔ ساتویں صدی مسیحی کے سب سے بڑے طاقتور فرمانروا حضرت عمرؓ کے سرکاری دورہ (سفر شام) کی روداد مورخ کی زبان سے سنیئے۔ مولانا شبلی اپنی شہرہ آفاق تصنیف الفاروق میں ۱۶ھ کے سفر بیتُ المقدس کا حال بیان کرتے ہوئے مستند عربی تاریخوں کے حوالے سے

لکھتے ہیں:۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سروسامان سے ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ ونوبت خدم چشم، لاؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا' سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین وانصار تھے۔ تاہم جہاں ہی آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اُتر پڑے' لوگوں نے تُرکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا، گھوڑا شوخ اور چالاک تھا، حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو اُلیل کرنے لگا، فرمایا کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی؟ یہ کہہ کر اُتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت عبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دِل میں کیا کہیں گے، چنانچہ لوگوں نے تُرکی گھوڑا اور عمدہ پوشاک حاضر کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا ''خُدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے''

اسی طرح دوسرے سفرِ شام کا بھی مطالعہ کیجئے مؤرخ رقمطراز ہے کہ حضرت عمرؓ نے شام کا قصد کیا، حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے، یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے ایلہ کے قریب پہنچے۔ کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اُونٹ پر سوار ہوئے، راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے کہ امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے، اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا، گزی کا کُرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا، مرمت کے لیے ایلہ کے

پادری کے حوالے کیا، اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کُرتہ پیش کیا، حضرت عمر نے اپنا کُرتہ پہن لیا اور کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔

خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی سیرت کے مختلف پہلو اور ان کے محاسنِ اخلاق کتابوں میں متفرق و منتشر موجود ہیں ان سب کو جمع کر کے آپ اپنے ذہن میں ایک فرد کی مکمل زندگی اور پوری تصویر تیار کر سکتے ہیں۔ لیکن خوش قسمتی سے ان میں سے ایک (سیدنا علی بن طالب) کا پورا اخلاقی سراپا اور ان کی زندگی کی تصویر ہمارے لٹریچر میں موجود ہے۔ اس کو پڑھیئے اور دیکھیئے کہ ایک انسان کی سیرت و اخلاق کی اس سے زیادہ حسین و دلکش تصویر اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور نبوت نے اپنی تعلیم و تربیت اور اپنی مردم سازی و کیمیا گری کے کیسے یاد گار نمونے چھوڑے ہیں' ان کی خدمت میں شب و روز رہنے والے ایک رفیق ضرار بن ضمرہ اس طرح ان کی تصویر کھینچتے ہیں:۔

''بڑے بلند نظر، بڑے عالی ہمت، بڑے طاقتور، جچی تلی گفتگو فرماتے۔ حق وانصاف کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ زبان و دہن سے علم کا سرچشمہ اُبلتا ہر ہر ادا سے حکمت ٹپکتی، دنیا اور بہار دنیا سے وحشت تھی، رات اور رات کی تاریکی میں خوش رہتے، آنکھیں پُر آب، ہر وقت فکر و غم میں ڈوبے ہوئے، رفتار زمانہ پر متعجب' نفس سے ہر وقت مخاطب، کپڑا وہ مرغوب جو موٹا چھوٹا ہو، غذا وہ مرغوب جو غریبانہ اور سادہ ہو، کوئی امتیازی شان پسند نہیں کرتے تھے۔ جماعت کے ایک فرد معلوم ہوتے تھے، ہم سوال کرتے تو یہ جواب دیتے، ہم حاضر خدمت ہوتے تو سلام و مزاج پرسی میں پہل کرتے، ہم مدعو کرتے تو دعوت قبول فرماتے لیکن اس قرب و مساوات کے باوجود رعب کا یہ عالم تھا کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی سلسلۂ سخن کا آغاز کرنا مشکل ہوتا، اگر کبھی مسکراتے تو دانت موتی کی لڑی معلوم ہوتے، دینداروں کی عزت اور مساکین سے محبت کرتے۔ لیکن اس تواضع و مسکنت کے باوجود کسی طاقتور اور دولت مند کی مجال نہ تھی کہ ان سے کوئی غلط فیصلہ کروالے یا ان سے کوئی رعایت حاصل کر لے اور کمزور کو ہر وقت ان کے عدل وانصاف کا بھروسہ تھا۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان کو ایک ایسی حالت میں دیکھا کہ رات نے اپنی ظلمت کے پردے ڈال دیئے تھے اور ستارے ڈھل چلے تھے۔ آپ اپنی مسجد کے محراب میں کھڑے تھے، داڑھی مٹھی میں تھی، اس طرح تڑپ رہے تھے جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو، اس طرح رو رہے تھے، جیسے دل پر چوٹ لگی ہو اس وقت میرے کانوں میں ان کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں۔ ''اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے کی ہمت کی ہے، مایوس ہو جا، اور کسی کو فریب دے، میں نے تو تجھے ایسی تین طلاقیں دی ہیں جن کے بعد رجعت کا کوئی سوال نہیں، تیری عمر کوتاہ، تیرا عیش بے حقیقت، تیرا خطرہ زبردست، ہائے زادِراہ کس قدر کم ہے، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشت ناک ہے''

نبوت کا یہ کارنامہ زمانہ بعثت اور پہلی صدی ہجری کے صاتھ مخصوص نہیں، آپ کی تعلیمات نے اور آپ کے صحابہ کرام نے زندگی کے جو نمونے چھوڑے تھے وہ مسلمانوں کی بعد کی نسلوں اور وسیع عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں میں ہر شعبۂ زندگی اور صنف کمال میں عظیم انسان پیدا کرتے رہے جن کی انسانی بلندی شک وشبہ اور اختلافات سے بالاتر ہے، اس لازوال مدرسۂ نبوت کے فضلاء اور تربیت یافتہ (جنھوں نے صرف اسی مدرسہ سے انسانیت واخلاق اور خداشناسی اور انسان دوست کا سبق لیا تھا) اپنے اپنے زمانہ کی زیب و زینت اور انسانیت کے شرف وعزت کا باعث ہیں، کسی مورخ اور کسی بڑے سے بڑے مُصنِّف اور محقق کی یہ طاقت نہیں کہ ان لاکھوں اہلِ یقین اور اہلِ معرفت کے ناموں کی صرف فہرست بھی پیش کر سکے جو اس تعلیم کے اثر سے مختلف زمانوں اور مختلف مقامات میں پیدا ہوتے رہے، پھر ان کے مکارم اخلاق' ان کی بلند انسانیت، ان کے روحانی کمالات کا احاطہ تو کسی طرح ممکن نہیں، ان کے حالات کو (جو کچھ بھی تاریخ محفوظ کر سکی ہے) پڑھ کر عقل حیران ہوتی ہے کہ یہ خاکی انسان روحانی ترقی نفس کی پاکیزگی، حوصلہ کی بلندی، انسان کی ہمدردی، طبیعت کی فیاضی، ایثار و قربانی، دولتِ دنیا سے بے نیازی، سلاطین وقت سے بے خوفی، خداشناسی و خدادانی اور غیبی حقیقتوں پر ایمان و یقین کے ان حدود اور بلندیوں تک بھی پہنچ سکتا

ہے؟ ان کے یقین نے لاکھوں انسانوں کے دلوں کو یقین سے بھر دیا، ان کے عشق نے لاکھوں انسانوں کے سینوں کو عشق کی حرارت اور سوز سے گرم و روشن کر دیا، ان کے اخلاق نے خونخوار دشمنوں کو جاں نثار اور لاکھوں حیوان صفت انسانوں کو حقیقی انسان بنا دیا۔ ان کی صحبت اور ان کے فیض و تاثیر نے خدا طلبی اور خدا ترسی اور انسان دوست کا عام ذوق پیدا کر دیا، پاک و ہند اس بارے میں بڑے خوش نصیب ہیں کہ وہ اپنے آغوش میں بکثرت ایسے مردانِ خدا کو لیئے ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے عہد میں انسانیت کو بلند اور انسان کا نام روشن کیا تھا۔ بادشاہوں کی صف میں بھی جو کشورستانی اور ملک گیری اور عیش کوشی کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے اس تعلیم نے ایسے درویش صفت اور زاہد سیرت بادشاہ پیدا کئے جنھوں نے زہد و ایثار کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر تارک الدنیا درویشوں اور گوشہ نشین فقیروں کے یہاں بھی مشکل ہے، تاریخ اسلام کے ہر دور اور عالمِ اسلام کے ہر گوشہ میں ایسی شخصیتیں ملتی ہیں کہ بقول اقبال ؎

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب　　سلطنتِ اہل دیں فقر ہے شاہی نہیں

"مدرسۂ نبوت" کے ان فیض یافتہ سلاطین میں جن کی فہرست طویل ہے آپ صرف سلطان صلاح الدین ایوبی کا حال پڑھیں، چھٹی صدی ہجری میں مشرقِ وسطیٰ کے اس بڑے حکمران (جو کردستان کے پہاڑوں سے لے کر صحرائے نوبہ تک حکومت کرتا تھا) کے متعلق اس کا سیکریٹری قاضی ابن شداد شہادت دیتا ہے:۔

"زکوٰۃ فرض ہونے کی ساری عمر نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ انھوں نے کبھی اتنا پس انداز ہی نہیں کیا، جس پر زکوٰۃ فرض ہو،ان کی ساری دولت صدقات و خیرات میں خرچ ہوئی۔ صرف سینتالیس درہم ناصری اور ایک سونے کا سکّہ چھوڑا، باقی کوئی جائیداد وملکیت کوئی مکان، باغ، گاؤں، زراعت نہیں چھوڑی، ان کی تجہیز و تدفین میں ایک پیسہ بھی ان کی میراث سے صرف نہیں ہوا، سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک کہ قبر کے لئے گھاس کے پولے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام ان کے وزیر و کاتب قاضی فاضل نے کسی جائز و

حلال ذریعہ سے کیا۔"

انسانی بلندی، شرافت نفس، عالی حوصلگی کے اعتبار سے بھی سلطان تاریخ کے عظیم ترین انسانوں میں شمار ہونے کے قابل ہے، بیت المقدس کے فتح کے موقع پر عیسائی فاتحین کے برخلاف جنھوں نے ظلم وسفا کی کی ایک نظیر قائم کردی تھی۔ سلطان نے جس شفقت و مرحمت اور جس احسان وفیاضی کا مظاہرہ کیا، اس کا ذکر کرتے ہوئے ان کا مغربی سوانح نگار اسٹنلی لین پول لکھتا ہے:۔

"اگر سلطان صلاحِ الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت وشہامت میں یکتا اور بے مثل شخص تھا۔" (بحوالہ سلطان صلاح الدینؒ)

آپ نے جہاں مشرقِ وسطیٰ کے ایک عظیم انسان حکمراں کے احسان و فیاضی کا واقعہ ملاحظہ ہو خود اپنے قریبی ملک کے ایک مسلمان بادشاہ کا واقعہ بھی سنتے چلیئے جو خلوص و فیاضی، ایثار اور بلند حوصلگی کا ایک اور نمونہ ہے۔ یہ دسویں صدیں ہجری کے ایک طاقتور فرمانروا مظفر حلیم سلطان گجرات کا واقعہ ہے کہ جس نے محمود شاہ خلجی کی مدد کے لئے (جو غاصبوں کے ہاتھوں تخت وتاج سے محروم ہو گیا تھا اور اس کی سلطنت پر اس کے نمک خواروں نے قبضہ کرلیا تھا) مانڈو پر حملہ کیا تھا اور اس کو فتح کرلیا تھا، واقعہ مورخِ گجرات کی زبان سے سنیئے:

تسخیرِ قلعہ کے بعد جس وقت مظفر حلیم اندر داخل ہوا اور امرائے ہمرکاب نے شاہانِ مالوہ کے سامانِ تجمل اور خزائن ودفائن کو ملاحظہ کیا اور اس ملک کی سرسبزی اور شادابی پر اطلاع پائی تو انہوں نے جسارت کرکے مظفر شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جنگ میں تقریباً دو ہزار سوار جرار درجۂ شہادت کو پہنچ چکے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ اس قدر نقصان اٹھانے کے بعد پھر ملک کو اسی بادشاہ کے حوالے کردیا جائے جس کی سوءِ تدبیری سے مندلی رائے

نے اس پر قابو پالیا تھا۔ بادشاہ نے یہ سنتے ہی سیر موقوف کی اور قلعہ سے باہر نکل کر محمود شاہ کو ہدایت فرمائی کہ اس کے ہمرکاب لوگوں میں سے کسی کو اندر نہ جانے دے، محمود نے باصرار تمام اس بات کی التجا کی کہ بادشاہ چندروز قلعہ کے اندر آرام فرمائیں، مگر مظفر شاہ نے اس التجا کو قبول نہ فرمایا اور بعد کو خود ظاہر کیا کہ میں نے یہ جہاد محض خداوند برحق کی رضامندی حاصل کرنے کو کیا تھا، مجھ کو امراء کی تقریر سے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ مبادا کوئی خطرہ فاسد میرے دل میں پیدا ہو اور میرا خلوصِ نیت برباد ہو جائے۔ میں نے محمود پر کچھ احسان نہیں کیا، بلکہ خود محمود کا مجھ پر احسان ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔"

ہم یہ نہیں کہتے کہ سارے سلاطین، وفرمانروا جو اسلامی عہد میں گزرے وہ نور الدین وصلاح الدین ناصر الدین محمود اور سلطان مظفر حلیم کا نمونہ تھے، لیکن آپ کو جن فرمانرواؤں میں انسانی بلندی، خداترسی، فقر وزہد، ایثار وقربانی اور شفقت ومرحمت کی یہ شان نظر آتی ہے اور ان میں سے جو اپنے زمانہ کی سطح سے بلند، بادشاہوں کی روایات سے الگ اور زمانے سے نرالے دیکھائی دیتے ہیں، وہ صرف نبوت کے فیض اور دینی جذبہ کا نتیجہ ہیں، آپ اگر ان کی زندگی اور سوانح حیات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو سُراغ لگانے کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ ان سب کا تعلق واتصال (تعلیم وتربیت، تعلق ومحبت اتباع واطاعت کے ذریعہ سے) اسی ایک سرچشمۂ ہدایت سے تھا جس نے ہر دور میں عظیم انسان پیدا کیے خواہ ان کا زمانہ کتنا ہی دور ہو، دراصل یہ سب اسی درسگاہ نبوت کے فیض یافتہ ہیں جس نے تعمیرِ انسانیت کا کام سب سے وسیع پیمانہ پر اور سب سے اعلیٰ سطح پر انجام دیا اور جس کا فیض اب بھی انسانیت کے چراغ کو روشن کئے ہوئے ہے اور جہاں کہیں روشنی ہے اسی ایک چراغ کا پرتو ہے۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

ہماری جدید تہذیب اور موجودہ فکری قیادت معاشرۂ انسانی کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے افراد تیار کرنے اور انسان کی سیرت سازی میں بُری طرح ناکام رہی ہے، وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرسکتی ہے وہ خلا میں سفر کرنے کے لیے محفوظ وسریع الیسر آلات

تیار کر سکتی ہے، وہ انسان کو چاند اور سیّاروں پر پہنچا سکتی ہے، وہ ذراتی طاقت سے بڑے بڑے کام لے سکتی ہے، وہ ملک سے غریبی دور کر سکتی ہے، وہ علم و ہنر کو آخری نقطۂ عروج پر پہنچا سکتی ہے، وہ پوری کی پوری قوم اور ایک ملک کی آبادی کو خواندہ اور تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے،اس کی ان کامیابیوں اور فتوحات سے کسی انکار کی گنجائش نہیں، لیکن وہ صالح اور صاحب یقین افراد پیدا کرنے سے بالکل عاجز ہےاور یہی اس کی سب سے بڑی ناکامی اور بدقسمتی ہےاور اسی وجہ سے صدیوں کی محنتیں ضائع و برباد ہو رہی ہیں اور ساری دنیا مایوسی اور انتشار کا شکار ہےاور اب اس کا سائنس اور علم پر سے بھی اعتقاد اٹھ رہا ہے، اندیشہ ہے کہ دنیا میں ایک شدید ردِعمل کی تحریک اور علم وتمدن کے خلاف بغاوت کے دور کا آغاز نہ ہو جائے، فاسد افراد نے معصوم اور صالح وسائل و ذرائع کو بھی فاسد بلکہ آلۂ فساد وتخریب بنا دیا ہے، فاسد و کمزور تختوں سے کوئی صالح اور مضبوط سفینہ تیار نہیں ہوسکتا، یہ بالکل مغالطہ اور خام خیالی ہے کہ فاسد تختے علیحدہ علیحدہ فاسد کمزور اور ناقابلِ اعتماد ہیں لیکن جب ان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے اور ان سے کوئی سفینہ تیار کیا جائے تو ان کی قلبِ ماہیت ہو جاتی ہےاور وہ صالح بن جاتے ہیں، رہزن اور چور علیحدہ علیحدہ تو رہزن اور چور ہیں لیکن جب وہ اپنی جماعت بنالیں تو وہ پاسبانوں اور ذمہ دار انسانوں کی ایک مقدس جماعت ہے، نئی فکری قیادت نے جو افراد دنیا کو عطا کئے ہیں وہ ایمان و یقین سے خالی، ضمیر انسانی سے محروم، حاسۂ اخلاقی سے تہی دست، محبت و خلوص کے مفہوم سے ناآشنا، انسانیت کے شرف و احترام سے غافل ہیں، وہ تو لذّت وعزت کے فلسفہ سے واقف ہیں یا صرف قوم پرستی اور وطن دوستی کے مفہوم سے آشنا ہیں۔ اس نوعیت اور صلاحیت کے افراد خواہ جمہوری نظام کے سربراہ ہوں یا اشتراکی نظام کے ذمہ دار کبھی کوئی صالح معاشرہ، پرامن ماحول اور خدا ترس و پاکباز سوسائٹی قائم نہیں کر سکتے اور ان پر خدا کی مخلوق اور انسانی کنبہ کی قسمت کے بارے میں کبھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اس دنیا میں صالح ترین افراد اور صالح ترین معاشرہ صرف نبوت نے تیار کیا ہے

اوراسی کے پس قلب کو بدلنے اور گرمانے، نفس کو جھکانے اور جمانے، نیکی و پاسبازی کی محبت اور گناہ اور ابدی سے نفرت پیدا کرنے، مال وزر، ملک وسلطنت، عزت وجاہت اور ریاست و تفوق کی سحر انگیز ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرنے کی صلاحیت ہے اور وہی افراد جوان صلاحیتوں کے مالک ہوں دنیا کو ہلاکت سے اور تہذیب کو تباہی سے بچا سکتے ہیں۔

نبوت نے دنیا کو سائنس نہیں دی، ایجادیں نہیں عطا کیں، اس کو نہ اس کا دعویٰ ہے نہ ایسا نہ کرنے پر شرمندگی اور معذرت، اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس دنیا کو افراد عطا کئے جو خود صحیح راستہ پر چل سکتے ہیں اور دنیا کو چلا سکتے ہیں اور ہر اچھی چیز سے خود نفع اٹھا سکتے ہیں اور دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں اور جو ہر قوت اور نعمت کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں، جو اپنی زندگی کے مقصد سے واقف اور اپنے پیدا کرنے والے سے نا آشنا ہیں اور اس کی ذات سے استفادہ کرنے اور اس سے مزید نعمتیں حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، انھیں کا وجود انسانیت کا اصل سرمایہ اور انھیں کی تربیت نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔ (بحوالہ کاروان مدینہ)

آپ ﷺ نے انسانیت کا سر اونچا کر دیا

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ایک اور مضمون میں اس عنوان سے متعلق کچھ اس طرح سے لکھتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں کثرت سے افراد اور جماعتیں گزری ہیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت کی ہے اور دنیا کی تعمیر و ترقی میں حصّہ لیا ہے۔ اس موقعہ پر وہ سب تاریخ کی سطح سے ابھر آتے ہیں اور اپنے کو انسانیت کا معمار و خدمت گزار کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور وہ امیدوار ہوتے ہیں کہ ان کو بھی اس معیار سے جانچا اور پرکھا جائے گا، یہ ٹھیک ہے ان کو بھی موقع دینا چاہئے اور ان کی خدمات و احسانات کا موازنہ کرنا چاہئے کہ کون اس معیار پر پورا اُترتا ہے۔ سب سے پہلے ہمارے سامنے ایک سنجیدہ اور باوقار گروہ آتا ہے، یہ حکما و فلاسفہ کی جماعت ہے، ان میں یونان کے بڑے بڑے فلسفی بھی ہیں اور ہندوستان کے بلند پایۂ حکیم بھی۔ ہمارا ذہن حکمت فلسفہ سے شروع سے مرعوب رہا ہے، ہم

ان کو دیکھ کر کہہ اٹھے ہیں کہ انہوں نے انسانیت کا سر اونچا کیا ہے اور اس کا دامن موتیوں سے بھر دیا ہے لیکن تعصّبات اور عقیدت مندی سے ذرا آزاد ہو کر غور کیجئے کہ کیا ان کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے اور کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ انسانیت کے حق میں رحمت ثابت ہوئے ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ انسانیت نے ان سے کیا پایا، اس کی کونسی پیاس بجھی، انہوں نے اس کے کس درد کا مداوا کیا؟ غور کرنے پر ہم کو مایوسی ہوتی ہے! ذرا آپ فلسفہ کا مطالعہ کیجئے اور فلاسفہ کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ صاف معلوم ہوگا کہ فلسفہ زندگی کے کس سمندر میں ایک مختصر سا جزیرہ تھا، ایک محفوظ جگہ تھی، ایک محدود دائرہ تھا۔ یہ حکماء و فلاسفہ اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں، خُدا کی دی ہوئی طاقتیں اس محدود دائرے کے اندر صرف کر رہے تھے۔ انسانیت کے وہ مسائل جن کو ذرا دیر کے لیے بھی ٹالا نہیں جا سکتا اور جو فوری حل کے محتاج ہیں، جن کے بغیر انسانیت کی گاڑی ایک قدم بھی نہیں چل سکتی، ان حکماء نے نہ ان مسائل کو چھیڑا نہ ان سے بحث کی اور نہ ان مسائل میں انسانیت کی کوئی مدد کی، وہ اپنے اس علمی جزیرے کے اندر عافیت کی زندگی گزارتے رہے، لیکن انسانیت تو ان چھوٹے چھوٹے جزیروں میں بند نہیں تھی، یونان جہاں فلاسفہ بہت گزرے ہیں، اس یونان میں بھی سارے کے سارے فلسفی تو نہیں تھے۔ ان فلسفیوں نے کواکب اور سیارات سے تو بحث کی اور فلکیات پر موشگافیاں کیں، مگر زندگی کے لیے کیا ہدایت دیں اور علمی طبقہ کو چھوڑ کر دوسرے طبقات کی کیا رہنمائی کی؟ اور زندگی میں رہتے ہوئے بھی زندگی سے بے تعلق تھے، انہوں نے اپنے گرد علم و حکمت کا ایک حصار کھینچ لیا تھا اور صرف چند علمی مسائل سے تعلق رکھا تھا۔ یہ ایک سیاسی دور ہے اور ہمارا ملک اب آزاد ہے، شاید آپ اس مثال سے فلاسفہ کی صحیح پوزیشن سمجھ سکیں۔ دیکھئے آپ کے ملک میں مختلف بیرونی ممالک کے سفارت خانے ہیں، کوئی امریکی سفارت خانہ ہے، کوئی روسی سفارت خانہ ہے، کوئی مصر کا ہے، کوئی ایران کا۔ ان سفارت خانوں کے اندر بھی زندگی اور حرکت ہے، ان کے اندر بھی بہت سے لوگ لکھتے پڑھتے رہتے ہیں، بڑے بڑے فاضل اور سیاسی مبصر بھی ہیں لیکن ان کو ہمارے اندرونی مسائل سے کوئی

دلچسپی نہیں ہمارے آپس کے تعلقات اور باہمی کشاکش سے کوئی واسطہ نہیں، یہاں کی غریبی، امیری، اخلاقی ترقی اور انحطاط سے ان کو بحث نہیں، ان کا محدود و مخصوص کام ہے اور وہ صرف وہ ہی کام انجام دیتے ہیں، اس لیے وہ یہاں ہو کر بھی ایسے ہیں گویا وہ یہاں نہیں ہیں ۔بس اسی طرح حکمت وفلسفہ ایک غیر مُلکی سفارت خانے کی طرح قائم تھا اور یہ حُکماء اور فلاسفہ ان سفارت خانوں کی چار دیواری کے اندر علم وحکمت کی نمائندگی کر رہے تھے، اور زندگی کے مسائل سے بے تعلق تھے۔

دوسری جماعت جو اس سلسلے میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ ادباء وشعراء کی جماعت ہے ہم کو اور آپ کو ادب وشاعری کا ذوق ہے اور ہم ادب وشعر کی تحقیر نہیں کرتے ،لیکن بے ادبی معاف! کہ ادباء وشعراء نے بھی انسانیت کے دُکھ کا علاج نہیں کیا۔انہوں نے ہمارے لئے تفریح کا سامان باہم پہنچایا، ہمارے ادب وزبان کو مالا مال کیا لیکن انسانیت کی اصلاح کا دردسر مول نہیں لیا اور نہ یہ ان کے بس کی بات تھی ،زندگی بنتی اور بگڑتی رہی، انسانیت گرتی اور سنبھلتی رہی اور یہ اپنے میٹھے میٹھے بول سُناتے رہے، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ لوگ اپنی اپنی مُصیبتوں میں مُبتلا ہوں، کہیں لڑائی جھگڑا ہو رہا ہو، کہیں زندگی کے مسائل درپیش ہوں اور کوئی بانسری بجانے والا بڑی سُریلی آواز میں بانسری بجاتا گزر جائے۔آپ تھوڑی دیر کے لئے اس کا لُطف لے سکتے ہیں، آپ اس کیطرف متوجہ ہو سکتے ہیں، مگر اس ترنم سے آپ زندگی کے مسائل تو حل نہیں کر سکتے اور نہ اس سے کوئی پیغام حاصل کر سکتے ہیں، شعر وادب ہماری زندگی کے لیے کتنا ہی ضروری سہی اور اس سے ہماری روح کی بالیدگی اور ہمارے دماغ کو کیسی ہی تازگی حاصل ہو، لیکن یہ ہمارے مسائل کا حل اور ہمارے درد کی دوا تو نہیں، پھر ان ادباء وشعراء کو کسی چیز پر اصرار بھی نہیں تھا۔وہ کسی مقصد کے لیے جدوجہد بھی نہیں کرتے تھے اور نہ اس کے لیے قربانیاں کرنا ان کے بس کی بات تھی اور اصلاح وانقلاب اس کے بغیر ہوا نہیں کرتا،

تیسرا گروہ جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ فاتحین کا ہے جنہوں نے ملکوں کو فتح کیا اور

اپنے زورِ شمشیر سے قوموں کو تسخیر کیا اس گروہ سے بھی ہم اچھے خاصے مرعوب ہیں، ان کی تلواروں کی جھنکار ابھی تک ہمارے کانوں میں آرہی ہے، بظاہر ان کے شور سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے انسانیت کی بڑی خدمت کی مگر ان کے نام کیساتھ کون سی تاریخ وابستہ ہے ؟ کیا عدل وانصاف کی یا درندگی وسفا کی؟ سکندر کا نام آتا ہے تو اس کے مظالم کی داستان تازہ ہو جاتی ہے، کیا وہ انسانیت کا محسن تھا، اس نے یونان سے ہندوستان تک تمام ملکوں کو زیر و زبر کر دیا، ملک کے ملک اس کی وجہ سے امن وامان اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے اس کے چلے جانے کے بعد بھی سینکڑوں برس تک یہ ملک سنبھل نہ سکے۔ یہی حال سیزر، چینگیز خان اور دوسرے بڑے بڑے فاتحین کا ہے، فاتح چاہے اپنے ملک کا محسن ہو یا اپنی قوم کے لئے رحمت ہو مگر دوسری قوموں کے لیے عذاب اور مصیبت ہے۔

چوتھا گروہ ان لوگوں کا آتا ہے جو ملک کے آزاد کرانے والے ہیں اور قومی لیڈر ہیں ۔اس گروہ کا جب نام آتا ہے تو احترام سے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ حقیقتاً انہوں نے اپنے ملک کے لیے بڑا کام کیا مگر اس ملک کے باہر بسنے والے انسانوں کے لیے کیا کیا آپ ابراہیم لنکن کے نام سے واقف ہوں گے وہ جدید امریکہ کا معمار تھا، مگر بتائیے کہ ہندوستان، مصر وعراق اور ان جیسے اور ملکوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچا؟ نتائج پر نظر کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اس نے ایک امپیریلسٹ طاقت پیدا کر دی اور دنیا کی غلامی کی زنجیر میں ایک اور کڑی کا اضافہ کر دیا۔ سعد زاغلول کون تھا؟ مصر کا محسن اور وہاں کی تحریک آزادی کا سب سے مشہور رہنما، مگر مصر سے باہر اس نے کیا کیا اور اس کا ہم پر کیا احسان ہے؟ یہ قوم پرستی تو دراصل دوسرے ملکوں اور قوموں کے لیے مصیبت ہے اس لیے اس کی بنیاد ہی اپنی قوم کی برتری اور دوسری قوموں کی تحقیر پر ہے اور اکثر اس کو اپنی قوم کا پایہ بلند کرنے کے لیے دوسری قوموں کو غلام بنانا پڑتا ہے۔

پانچواں گروہ وہ ہے جو سائنٹسٹ کہلاتا ہے جس نے نئی نئی ایجادیں کیں اور بہت سی کارآمد چیزیں بنائیں۔ بلاشبہ اس گروہ نے انسانوں کی بڑی خدمت کی۔ یہ تمام ایجادیں

جو ہمارے کام آتی ہیں جیسے بجلی، ہوائی جہاز، ریل اور ریڈیو انھیں سائنٹسٹ حضرات کی مرہونِ منت ہے، اس کے لیے انہوں نے بڑی محنتیں کیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ انسانوں کے بڑے کام آ رہی ہیں مگر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ یہ ایجادیں تنہا کافی نہیں، ان ایجادوں کیساتھ اگر نیک ارادے نہ ہوں، صبر وضبط نہ ہو، خدمتِ خلق کا جذبہ نہ ہو، اس سے اگر انسانیت کے ضروری مسائل حل نہ ہوں تو بتائیے کہ یہ ایجادیں انسان کے لیے رحمت ہیں یا زحمت؟ انہوں نے یہ ایجادیں تو انسان کو دے دیں مگر ان کے استعمال کا صحیح جذبہ نہیں دیا، وہ ذہن وضمیر پیدا نہیں کیا جو ان سے فائدہ اُٹھائے اور ان کو ٹھکانے لگائے۔ اور ان سے غلط کام لینے سے پرہیز کرے۔ گزشتہ دو جنگوں کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اخلاقی تربیت اور خدا ترسی کے بغیر یہ ایجادیں اور یہ وسائل انسانیت کے حق میں قہر وعذاب ہیں، رحمت وراحت نہیں، میں ان سائنس دانوں کی تحقیر نہیں کرتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ یہ ایجاد کا کارنامہ نیک مقاصد، اخلاقی طاقت اور دماغی توازن کے بغیر مکمل نہیں ادھورا ہے، جب تک انسان کے دل میں نیک خواہش نہ ہو اور خود اس کے اندر نیک کام کرنے کی تحریک اور تقاضا نہ پیدا ہو اس کو وسائل وآلات، مواقع وامکانات اور سہولتیں اور آسانیاں نیک نہیں بنا سکتیں، فرض کیجیے میرے پاس دینے کو روپیہ بھی ہے لینے کو بہت سے محتاج بھی ہیں، میرا کوئی ہاتھ نہیں پکڑتا، مگر میرے اندر فیاضی کا جذبہ اور مدد کرنے کی خواہش نہیں تو مجھے کون دینے پر آمادہ کر سکتا ہے؟

اب ایک دوسرا گروہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ پیغمبروں کا گروہ ہے۔ یہ گروہ ایجادات واکتشافات کا دعویٰ نہیں کرتا نہ وہ علوم میں مہارت کا مدعی ہے نہ اس کو ادب و شاعری پر ناز ہے۔ وہ اپنے متعلق مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے نہ بے ضرورت خاکساری سے، وہ بڑی صفائی اور سادگی سے کہتے ہیں کہ دنیا کو وہ تین چیزیں عطا کرتے ہیں (۱) صحیح علم (۲) اس علم پر یقین (۳) اس علم پر عمل کرنے اور اس یقین کے مطابق زندگی گزارنے کا جذبہ اور خواہش، یہ ہے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کی تعلیم

کا نچوڑ۔ اب میں بتاتا ہوں وہ صحیح علم کیا ہے جو پیغمبر انسانوں کو دیتے ہیں، وہ علم اس کا کہ دنیا کو کس نے بنایا؟ پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا؟ اس کے معلوم کئے بغیر ہمارا ہر قدم غلط ہے، ہم کو اس دنیا کے کسی چیز سے فائدہ اُٹھانے کا کوئی حق نہیں، اس لیے اس زندگی میں جو کچھ ہو رہا ہے چلنا پھرنا، کھانا پینا، وہ سب اس عظیم کُل کا ایک حقیر جُز ہے، جب تک کہ ہم کو اس کائنات کا مرکز معلوم نہیں اور ہم اس کے مقصدِ کلی سے اتفاق نہیں رکھتے کہ ہم کو اس کے اجزاء سے فائدہ اُٹھانے کا کیا حق ہے؟ اس کے بغیر تو روٹی کا ایک ٹکڑا توڑنا حرام ہے، ہم بھی اس کائنات کا ایک حقیر جُز ہیں اور غلّہ کا جو دانہ ہم استعمال کرتے ہیں وہ بھی اس مجموعہ کی ایک بہت حقیر کسر اور ایک ادنیٰ ذرہ ہے۔ بلکہ ہم جس سیارہ (زمین) پر بس رہے ہیں وہ بھی اس کائنات کا حقیر ذرہ ہے۔ ہماری اس زمین کی اس نظامِ فلکی میں کیا حیثیت ہے؟ اگر آپ کو وہ نسبت معلوم ہو جائے جو آپ کی اس سر زمین اور سورج کے درمیان ہے یا دوسروں سیّاروں اور ثوابت سے ہے تو آپ کو اپنے وجود سے بھی شرم آنے لگے گی اور اپنے عظیم الشان وطن سے بھی۔ آپ کے اور اس کائنات کے دوسرے اجزاء کے درمیان کس نے ربط پیدا کیا؟ اسی خالق کائنات نے اور اسی مقصد کلی نے! اگر آپ اس خالق کائنات کو نہیں جانتے یا نہیں مانتے اور اس مقصدِ کلی سے آپ کو اتفاق نہیں ہے تو آپ کو اس کائنات کے کسی ذرے یا دوسرے جز سے فائدہ اُٹھانے کا کیا حق ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ اگر روٹی کا وہ ٹکڑا جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ سے سوال کرے کہ میں نے تو اپنے خالق کو پہچان لیا اور اس کے حکم کے مطابق میں نے اپنے مخدوم (انسان) کے لیے اپنے وجود کو قربان کر دیا۔ لیکن اے انسان! تو نے نہ اپنے خالق کو جانا نہ اس کی بندگی کی، تجھے مجھ سے فائدہ اُٹھانے کا کیا حق ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟! اسی طرح اس دنیا کی کسی چیز کا استعمال غلط ہے جب تک یہ جان نہ لیا جائے کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ مگر یہ عجب ٹریجڈی ہے کہ آج دنیا میں تمام کام ہو رہے ہیں، بازار میں چہل پہل ہے، تعلقات قائم ہو رہے ہیں، سواریاں چل

رہی ہیں، بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں مگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں کہ جس دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ جب پیغمبر دنیا میں تشریف لائے انسانیت کی گاڑی بے مقصد جارہی تھی۔ فلاسفہ، علماء، ادباء، شعراء، فاتحین حکمرانوں، کاشتکاروں اور تاجروں کو اپنے کاموں سے فرصت نہ تھی، حاکم بھی تھے اور محکوم بھی تھے، ظالم بھی تھے اور مظلوم بھی تھے مگر سب اصل مقصد سے غافل اور اپنے پیدا کرنے والے سے ناواقف، ان چھوٹے چھوٹے بالشتیوں جیسے انسانوں میں ایک بلند قامت انسان آتا ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں انسانیت کی باگ دوڑ تھی، ان سے سوال کرتا ہے کہ جواب دو کہ تم نے انسانوں پر یہ کیا ظلم کیا ہے کہ ان کو اپنے مالک اور اس دنیا کے بادشاہ سے ہٹا کر اپنا غلام بنالیا ہے؟ تم کو کیا حق تھا کہ نابالغ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر تم نے اس کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے؟ اے ظالم ڈرائیور تو نے مسافروں سے پوچھے بغیر زندگی کی گاڑی کس طرف چلانی شروع کر دی؟ وہ زندگی کے قلب وضمیر میں کھڑے ہو کر انسانیت کو خطاب کرتا ہے اور اس کو پکارتا ہے، اس کے سوال کو ٹالا نہیں جا سکتا، اس کی دعوت اور اس کی پکار پر دو گروہ ہو جاتے ہیں: ایک اس کی بات مانتا ہے، ایک انکار کرتا ہے، دنیا کو ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

پیغمبر کبھی نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے رازہائے سربستہ کا انکشاف کرنے آئے ہیں، ہم طبعی طاقتوں کو مسخر کرنے آئے ہیں، ہم کچھ نئی ایجادیں کریں گے، وہ جغرافیہ ومعدنیات میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا کے بنانے والے اور اس کی ذات وصفات کا صحیح علم عطا کرتے ہیں جو ہم کو اس دنیا کے مالک نے اور انسان کے خالق نے عطا کیا ہے اور اب ہمارے ہی ذریعہ سے دوسروں کو مل سکتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا کا بنانے والا ایک ہے اور اسی کی مرضی وحکمت سے یہ دنیا چل رہی ہے، وہ بلاشرکتِ غیرے اس کو چلا رہا ہے، یہ دنیا بے مقصد پیدا نہیں کی گئی اور نہ بے مقصد چل رہی ہے۔ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہوگی جس میں اس پہلی زندگی کا حساب دینا ہوگا، وہاں اچھے اعمال کا

انعام ملے گا برُے اعمال کی سزا ملے گے، قانون لانے والے اور خدا کا منشا بتلانے والے پیغمبر ہیں جو ہر ملک اور ہر قوم میں آئے اور خدا کا پیغام لائے، خدا کا راستہ ان کے بغیر طے نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن پر تمام پیغمبر متفق ہیں ان میں کسی کا اختلاف نہیں، فلاسفہ و حکماء میں سخت اختلاف ہے، ان میں سے دو بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں لیکن یہاں کسی ایک بات پر بھی دو پیغمبروں میں اختلاف نہیں۔

لیکن تنہا علم کے لیے یقین ضروری نہیں، آج ہماری معلومات کتنی زیادہ ہیں مگر ہمارا یقین کتنا کم ہے، علم ہمیشہ یقین پیدا نہیں کرتا، قدیم زمانہ کے فلاسفہ میں سے بہت سے یقین سے محروم تھے اور شک کے مریض۔ آج بھی ان کا علم یقین پیدا کرنے کے بجائے الٹا شک پیدا کرتا ہے، آج بھی بڑے بڑے صاحب علم یقین کو ترستے ہیں، انبیاء علیہم السلام تنہا صحیح علم نہیں دیتے تھے اس پر یقین بھی عطا کرتے تھے، علم بڑی دولت ہے، مگر اس پر یقین اس سے بڑی دولت ہے، علم بغیر یقین کے زبان کی ورزش ہے، دماغ کا تعیش اور دل کا نفاق، پیغمبروں نے اپنے ماننے والوں کو صحیح علم عطا کیا اور مضبوط یقین، انھوں نے جو کچھ جانا اس کو مانا پھر اپنے کو اس پر قربان کر دیا، ان کے دماغ اس علم سے روشن ہوئے اور ان کے دل اس یقین سے طاقتور ان کے یقین کے قصے تاریخ میں پڑھیئے، ان کے یقین کے نتائج اپنی گرد و پیش کی دینا میں دیکھئے، آج اگر یقین ہوتا تو بداخلاقی کیوں ہوتی؟ ظلم کیوں پھیلتا؟ رشوت کا بازار کیوں گرم ہوتا؟ کیا یہ تمام خرابیاں اس لیے ہیں کہ علم نہیں، لوگوں کو معلوم نہیں کہ چوری جرم ہے؟ رشوت حرام ہے، گرہ کٹی بداخلاقی ہے یہ کون کہہ سکتا ہے؟ ہم تو دیکھتے ہیں جہاں علم زیادہ ہے وہاں خرابیاں بھی زیادہ ہیں، جو لوگ رشوت کی برُائی پر کتاب لکھ سکتے ہیں اور اس کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں، وہ زیادہ رشوت لیتے ہیں، جو چوری کی خرابی سے اور اس کے انجام سے زیادہ واقف ہیں وہ چوری زیادہ کرتے ہیں، گرہ کٹوں کو دیکھئے ان میں بہت سے ایسے ملیں گے جو گرہ کٹی کے الزام میں کئی کئی بار سزا بھگتے ہوئے ہوتے ہیں، کیا ان سے زیادہ کوئی گرہ کٹی کے انجام اور سزا سے واقف ہوگا، اگر صرف علم کافی ہوتا تو چوری کی سزا کے بعد

چوری چھٹ جاتی اور ایک بار جرم کرنے اور سزا بھگتنے کے بعد کوئی چوری نہ کرتا لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے،

معلوم ہوا علم تنہا کافی نہیں۔ پھر علم ضروری اور یقین ضروری، مگر اس کی کیا ضمانت کہ عمل کا تقاضا بھی پیدا ہوگا۔ بہت سے لوگ جانتے ہیں اور یقین بھی رکھتے ہیں کہ شراب بُری چیز ہے اور اس کے نقصات کا تجربہ بھی ہے، یقین بھی، مگر پیتے ہیں، آپ کے شہر میں بہت سے ڈاکٹر حکیم ہوں گے جو بد پرہیزی کرتے ہیں، ان کو یقین ہوتا ہے کہ بد پرہیزی خطرناک ہے، مگر وہ بد پرہیزی کر گزرتے ہیں، بات یہ ہے کہ عمل کا تقاضا نہیں ہوتا اور ان کے اندر پرہیز کی خواہش اور بد پرہیزی سے نفرت نہیں ہوتی، بلکہ بد پرہیزی کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس خواہش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

انبیاء کرام علم ویقین کے ساتھ یہ تیسری طاقت بھی عطا کرتے ہیں، یعنی اپنے علم و یقین پر عمل کرنے کی رغبت اور اپنی غلط خواہشات کا مقابلہ کرنے کی طاقت، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم ویقین سے پورا پورا فائدا اُٹھاتے ہیں اور ان کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، ان کا ضمیر ان کی نگرانی کرتا ہے اور غلط کام کرنے کے وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ ہر پیغمبر نے یہ تینوں دولتیں اپنے اپنے زمانہ والوں اور اپنی اپنی امتوں کو عطا کیں اور ان کی بدولت لاکھوں انسانوں کی زندگی بن گئی اور زندگی کی چول اپنی جگہ پر آ گئی۔ انسانیت پر حقیقی احسان انھیں پیغمبروں کا ہے، اللہ کا درود وسلام ہو ان پر کہ انہوں نے انسانیت کی دستگیری کی اور اس کو عین وقت ہلاکت سے بچالیا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ دولتیں دنیا سے ناپید ہونے لگیں، علم صحیح گم ہو گیا، یقین کا چراغ بجھ گیا، نیک عمل کی خواہش مردہ ہو گئی، چھٹی صدی مسیحی آئی تو یہ تینوں دولتیں اتنی نایاب ہو چکی تھیں کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا، پورے پورے ملک اور پورے پورے براعظم میں بھی ڈھونڈنے سے ایک اللہ کا بندہ نہ ملتا جو علم صحیح اور ایمان قوی کی دولت سے مالا مال ہو، انبیاء کا لایا ہوا دین اور پھیلایا ہوا یقین سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ بن گیا تھا۔ شک و بے عملی کی ظلمتوں میں علم ویقین کا یہ نور اس طرح کہیں کہیں چمکتا تھا جیسے برسات کی

اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں، اہلِ یقین کا ایسا قحط تھا کہ ایران کا ایک نوجوان سلمان فارسی یقین اور حسنِ عمل کی تلاش میں نکلتا ہے تو ایران سے شام اور وہاں سے حجاز پہنچ جاتا ہے اور ان تین ملکوں میں اس کو صرف چار صاحبِ یقین ملتے ہیں۔

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے اور اس عالمگیر ظلمت میں خدا کا آخری پیغمبر آتا ہے وہ ان تینوں دولتوں کو اتنا عام کر دیتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی عام نہیں ہوئی تھیں، جو دولت کسی کسی سینہ اور کسی کسی سفینہ میں تھی جو گھروں سے نکل کر محلّوں میں بھی اور محلّوں سے نکل کر شہروں میں بھی نہیں پھیلتی تھی وہ گھر گھر عام ہو جاتی ہے اور مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتی ہے:

ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی

وہ ان تینوں حقیقتوں کی تلقین ہی نہیں کرتا، ان کا صور پھونک دیتا ہے دنیا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی کان والا ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ اس نے اس صور کی آواز نہیں سُنی اور جس نے نہیں سنی اس کے کان کا قصور ہے، اس کے اعلان کا قصور نہیں، آج دنیا کا کون سا گوشہ ہے جہاں **اشھد ان لا الہ اللہ** اور **اشھد ان محمد رسول اللہ** کا ترانہ سننے میں نہیں آتا، جب دنیا کی تمام آوازیں تھک کر سو جاتی ہیں، جب جیتے جاگتے شہر پر موت کی سی نیند طاری ہو جاتی ہے، جب زبانوں پر قفل پڑ جاتے ہیں، اس وقت بھی کانوں میں یہی صدا آتی ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں۔!

آج ریڈیو کے ذریعے دنیا کے کونہ کونہ میں آواز پہنچتی ہے اور گھر گھر پیغام پہنچ جاتا ہے لیکن کیا کسی ریڈیو نے، خواہ وہ امریکہ کا ہو یا برطانیہ کا، کسی حقیقت کو کسی علم کو اس طرح دنیا میں عام کیا ہے، جس طرح یہ علم عام ہوا ہے، جس کی صدا نبی اُمی نے کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر لگائی تھی؟ انسان کبھی ترنگ میں آتا ہے اور طفلانہ معصومیت کے ساتھ کچھ کہنے لگتا ہے۔ ایسی ہی ترنگ میں اقبال نے انسانوں کی طرف سے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیا تھا:

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

اگر آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ غلام عرض کرے تو کیا بیجا ہے کہ خدایا تیری خدائی برحق! تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالق اور اس ساری دنیا کا خالق و مالک اور ہر شے پر قادر ہے! لیکن کیا تیرے بندوں اور تیری مخلوقات میں سے کسی نے تیرا نام اس طرح پھیلایا اور دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچایا جس طرح تیرے بندے اور پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ یہ کوئی بے ادبی اور سرکشی نہیں، اس میں بھی تعریف اسی خدا کی ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیغمبر بھیجا اور ان کو اپنا نام پھیلانے اور اپنا دین چمکانے کی یہ طاقت اور توفیق عطا فرمائی!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے میدان میں جب اپنی ۱۴۔۱۵ سال کی کمائی اللہ کے دین کی مدد کے سامنے رکھ دی اور ۳۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا تو زمین پر سر رکھ کر اپنے مالک سے یہی کہا تھا کہ "اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دینے کا فیصلہ فرماتا ہے تو قیامت تک تیری عبادت نہ ہو سکے گی۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی جو صدا لگائی تھی اس سے دنیا کا کوئی مذہب، کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا، جب سے دنیا نے سنا کہ انسان کے لیے خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا ذلت اور عار ہے، خدا نے فرشتوں کو آدمؑ کے سامنے اس لیے جھکایا کہ سب سجدے اس کی اولاد پر حرام ہو جائیں، وہ سمجھ لے کہ اس کارخانۂ قدرت کے بندے ہمارے سامنے جھکا دیئے گئے تو ہم کو اس دنیا کی کسی چیز کے سامنے جھکنا کب زیب دیتا ہے، جب سے دنیا نے توحید کی حقیقت اور انسان نے اپنی یہ حیثیت سنی اس وقت شرک خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا۔ اس کو احساسِ کمتری نے گھیر لیا۔ آپ کو بعثتِ نبوی کے بعد اس کے لب ولہجہ میں فرق محسوس ہو گا۔ اب وہ اپنے عمل پر نازاں نہیں، وہ اس کی تاویل اور فلسفیانہ تعبیر کرتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید کی آواز نے دل میں گھر کر لیا ہے۔

پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم ویقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دیکھا دی جس میں ہزار پولیس، سینکڑوں عدالتوں اور بیسیوں حکومتوں سے زیادہ طاقت

یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رغبت، گناہ سے نفرت اور نفس کا خود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جن سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے وہ بے تاب ہو جاتے ہیں۔ ضمیر چٹکیاں لینے لگتا ہے اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: حضور ﷺ! مجھ کو پاک کر دیجئے، آپ رُخِ انور پھیر لیتے ہیں وہ اسی طرف کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں، وہ اس طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، آپ تحقیق کرواتے ہیں کہ ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں؟ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں تو آپ ان کو سزا دلواتے ہیں۔ کس چیز نے ان کو سزا پر آمادہ کیا اور کون سی چیز ان کو کھینچ کر لائی؟

آگے چلیئے غامدیہ ایک ان پڑھ عورت تھیں کسی دیہات کی رہنے والی وہ ایک گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں، نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا مگر ان کے دل میں ایک تڑپ تھی جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی، ان کو کھانے پینے میں مزا نہ آتا تھا، وہ کھانا کھاتی تو دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، ناپاک کا کیا کھانا پینا؟ تمہیں پہلے پاک ہونا چاہیئے، اس گُناہ کی سزا کے بغیر ممکن نہیں، وہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ان کو پاک کر دیا جائے اور اس پر اصرار کرتیں ہیں، یہ معلوم کر کے کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس بچے کا کیا قصور، اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے؟ جب ولادت ہو جائے تو آنا، خیال کیجئے ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہو گا، کیا انہوں نے کھایا پیا نہ ہو گا کیا زندگی نے خود ان سے تقاضہ نہ کیا ہو گا، کیا خود کھانے پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہو گی اور ان کو یہ نہ سمجھایا ہو گا کہ اب وہ حضور ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ فسخ کر دیں مگر وہ اللہ کی بندی پکی رہی اور کچھ عرصے کے بعد بچے کو لے کر آئی اور عرض کیا کہ حضور ﷺ میں اس سے فارغ ہو گئی، اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو؟ فرمایا نہیں نہیں! ابھی اس کو دودھ پلاؤ جب دودھ چھوٹے تب آنا، آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس تو ضرور لگے ہوں گے، یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولیس تھی، نہ نگرانی تھی، نہ مچلکہ، نہ ضمانت، کتنے خیال اس کو آئے ہوں

گے۔ بچہ کی معصوم صورت اس کو جینے کی دعوت دیتی ہوگی، اس کی مسکراہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہوگی اور بچہ اپنی زبان بے زبانی سے کہتا ہوگا کہ اماں میں تو تیری ہی گود میں پلوں گا اور تیری اُنگلی پکڑ کر چلوں گا! مگر اس کا ضمیر کہتا تھا نہیں، تیری ماں ناپاک ہے، اس کو سب سے پہلے پاک ہونا ہے، دل کا یقین کہتا تھا کہ احکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے، وہاں کی سزا سخت ہے، وہ پھر حاضر ہوئی روٹی کا ٹکڑا بچہ کے منہ میں ہے اور کہتی ہے یارسول اللہ! دیکھیے اس بچہ کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہوگیا۔ اب میری پاکی میں کیا دیر ہے؟ آخر خُدا کی اس سچی اور پکی بندی کو سزا دی جاتی ہے اور حضور ﷺ خوشنودی کا پروانہ عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس اکیلی توبہ کو اگر سارے مدینہ میں تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لیے کافی ہو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔

میں پوچھتا ہوں کہ وہ کیا چیز تھی جو بغیر ہتکڑی بیڑی کے، بغیر مچلکہ وضمانت کے، بغیر پولیس کہ اس کو کھینچ کر لاتی ہے اور سزا کے لیے اصرار کرواتی ہے؟ آج ہزار ہا پڑھے لکھے، قابل فاضل مرد اور عورتیں ہیں جن کا علم اور نقصانات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو یہی تینوں انمول موتی عطا کئے، علم صحیح، یقین کامل اور نیکی کا تقاضہ قلبی، دنیا کو نہ اس سے قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپ سے بڑھ کر احسان کیا۔

دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہیئے کہ ہماری نوع انسانی میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اُونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپ ﷺ نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا اور ہم انسانیت کی شرافت اور عظمت کے لیے کس کو پیش کرتے؟ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر انسان کے ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ سے اس دنیا کی رونق اور نوع انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی ملک نہیں، ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں، وہ پوری انسانیت کا سرمایہ فکر ہیں، کیوں آج کسی

ملک کا انسان فخر و مسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے جس میں محمد رسول ﷺ جیسا انسان کامل پیدا ہوا؟

آج انسانوں کا کون سا طبقہ ہے جس پر آپ ﷺ کا براہ راست یا بالواسطہ احسان نہیں، مردوں پر آپ ﷺ کا احسان نہیں؟ کہ آپ ﷺ نے ان کو مردانگی اور آدمیت کی تعلیم دی، کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ ﷺ نے ان کے حقوق بتلائے اور ان کے لیے ہدایتیں اور وصیت فرمائی۔ آپ نے فرمایا ''جنت ماؤں کے قدموں نیچے ہے'' کیا کمزوروں پر آپ ﷺ کا احسان نہیں؟ کہ آپ ﷺ نے ان کی حمایت کی اور فرمایا کہ ''مظلوم کی بدعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں خدا کہتا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں'' کیا طاقتوروں اور حکمرانوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ نے ان کے حقوق وفرائض بھی بتلائے اور حدود بھی بتلائے اور انصاف کرنے والوں اور خدا سے ڈرنے والوں کو بشارت سنادی کہ بادشاہ منصف رحمت کے سایہ میں ہوگا، کیا تاجروں پر آپ کا احسان نہیں؟ کیا آپ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشے کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کر کے اس پیشے کی عزت بڑھائی، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اور راست گفتار اور دیانتدار تاجر جنت میں قریب ہوں گے، کیا آپ کا مزدوروں پر احسان نہیں، کہ آپ نے تاکید فرمائی، کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو، کیا جانوروں تک پر آپ کا احسان نہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ مخلوق جو جگر رکھتی ہے اور جس میں احساس و زندگی ہے اس کو آرام پہنچانا اور کھانا کھلانا بھی صدقہ ہے۔ کیا ساری انسانی برادری پر آپ کا احسان نہیں، کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر آپ شہادت دیتے تھے کہ خدایا تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں، کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں، کہ سب سے پہلے دنیا نے آپ ہی کی زبان سے سنا کہ خدا کسی قوم، نسل و برادری کا نہیں سارے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے۔ جس دنیا میں آریوں کا خدا، یہودیوں کا خدا، مصریوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا کہا جاتا تھا وہاں ''الحمدللہ رب العالمین'' کی حقیقت کا اعلان ہوا اور اس کو نماز کا جز بنا دیا گیا۔

ہماری آپ کی دنیا میں حکماء و فلاسفہ بھی آئے، ادباء و شعراء بھی، فاتح و کشور کشا بھی، سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجدین و مکتشفین (سائنٹسٹ) بھی مگر کس کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے؟ پھر سب سے آخر سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے آئی، کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں وہ رحمتیں نوعِ انسانی کے لیے وہ دولتیں اور انسانیت کے لیے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے؟ (بحوالہ کاروانِ مدینہ از علامہ ابوالحسن ندویؒ)

فرائضِ رسالت میں آنحضرت ﷺ کی کامیابی تمام انبیاءؑ پر فائق ہے

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اپنی کتاب پیغمبر امن وسلامت میں لکھتے ہیں کہ ہمارے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سید المرسل اور امام الانبیاء قرار دینے کی بڑی وجہ بھی اصلاح خلق کے بارہ میں آپ کی وہ حیرت انگیز کامیابی ہے جو تمام انبیاء سابقین کے مقابلہ میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ میدانِ حشر میں حسبِ تصریحات حدیثِ نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام انبیاء سابقین کی امتوں سے زیادہ بھی ہوگی اور فائق بھی۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معبوث ہونے کا زمانہ وہ انتہائی ظلمت و گمراہی کا زمانہ تھا جس میں تقریباً پورا عالمِ انسانیت مشرق سے لے کر مغرب تک خدا سے اپنا رشتہ یکسر توڑ چکا تھا۔ انسان خدا و آخرت کو بھلا کر دنیا کے عام جانوروں کی طرح صرف پیٹ بھرنے اور چند روزہ راحت و لذت حاصل کر لینے کو ہی اپنی معراج کمال سمجھ بیٹھا تھا۔ قرآن کریم نے ان کے اسی حال کو بیان فرمایا، فَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِالدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا یعنی یہ لوگ صرف دنیا کی زندگی پر مگن ہو گئے اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے۔ اور حقیقت شناس اہلِ بصیرت کے نزدیک ان کی مثال اس وقت اس بچے کی سی تھی، جو ایک کروڑ روپے کے چیک کو پھینک کر ایک جھنجھنے پر راضی ہو جائے۔ حقیقت شناس لوگوں کی نظر میں صرف دنیا پر مٹنے والے لوگ سب کے سب نابالغ بچے ہیں جو حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ علامہ رومیؒ نے خوب

فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ دنیا کی رنگینیوں میں مست ہو کر خدا و آخرت کو بھلا دینے والا رنگین پردوں کو اپنا محبوب سمجھ بیٹھا ہے یہاں ضرورت ہوتی ہے کسی حقیقت شناس صاحبِ بصیرت کی جو اس کی نگا کو ان پردوں سے آگے بڑھا کر مقصودِ اصلی تک پہنچائے۔ مولانا جامیؒ نے فرمایا کہ! اور جب کوئی ان رنگین پردوں کا فریب خوردہ حقیقت سے روشناس ہو جاتا ہے تو بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے۔

جزاک اللہ چشمم باز کردی ۔۔۔۔ مرابا جانِ جاں ہمراز کردی

اُس وقت اس کو محسوس ہو جاتا ہے کہ میں نے جس چیز کو اپنا محبوب بنایا ہوا تھا وہ ایک فریب تھا محبوب اس سے وراء الوراء تھا۔

کچھ بھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے ۔۔۔۔ تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

غرض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ بعثت وہ زمانہ ہے جب تقریباً ساری دنیا خدا، آخرت اور معاد کا سبق قطعاً بھلا کر صرف معاش کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ انسان اپنی اصلی حیثیت کو بھلا کر زیادہ سے زیادہ ایک ہوشیار جانور بن کر رہ گیا تھا جو اپنی ہوشیاری سے دوسرے جانوروں پر حکومت کرتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ نے آئینہ حقیقت نما دکھلا کران کو ان کی اصلی صورت و شکل اور اس کے تقاضوں سے آگاہ کیا جس کا حاصل خداشناسی اور خدا پرستی ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تصور معاد کے بغیر معاش بھی کبھی ہموار نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ان کے معاش میں بھی طرح طرح کی ناہمواریاں ظلم و جور، چوری ڈاکہ، بدمعاشی، عیاشی، بے حیائی بری طرح چھا گئی تھی۔

یہ وہ سنگلاخ زمیں اور ظلم و ظلمت سے لبریز فضا تھی جو سید المرسل فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کے لیے عطا ہوئی۔ پھر اس وقت کی دنیا اگر چہ خدا اور آخرت کو ساری ہی بھلا چکی تھی۔ مگر انسانی معاشرت، تہذیب اور تعلیم کے اعتبار سے اس کے خطوں میں خاصا تفاوت تھا۔ مصر و شام، ہند و چین معاشی علوم و فنون میں اور اس کے ساتھ میں انبیاء سابقین کی لائی ہوئی تہذیب کے مٹے ہوئے آثار میں دوسرے ملکوں اور خطوں سے ممتاز

تھے۔ خصوصاً ملک شام میں انبیاء بنی اسرائیل اس کثرت سے مبعوث ہوئے تھے کہ مٹتے مٹتے بھی ان کی تعلیم کے بعض آثار وہاں قائم تھے۔

مگر رب العزت نے اپنے آخری رسول ﷺ کی پیدائش اور بعثت کے لیے ان سب مذہب اور تعلیم یافتہ ممالک سے ہٹ کر اس خطے کا انتخاب فرمایا جو نہ زراعتی ملک ہے نہ تجارتی، نہ صنعتی اور تعلیمی بلکہ اس ملک کے باشندوں کا امتیاز ہی یہ تھا کہ امین (یعنی اَن پڑھ) کہلاتے تھے۔ انہیں میں آپ ﷺ پیدا ہوئے انہیں میں جوان ہوئے انہیں میں مبعوث ہوئے۔ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (۶۲:۲) اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کے اسی کمال کو واضح فرمایا ہے کیوں کہ کسی ماہر بڑے ڈاکٹر کا کمال اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب اس کو کسی سسکتے ہوئے قریب المرگ مریض کا علاج کرنا پڑے اور وہ اس میں کامیاب ہو۔ اہلِ عرب عموماً جاہل تھے۔ بجز ان چند افراد کے جو ملک شام وغیرہ میں جا کر کچھ تعلیم حاصل کر آئے تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بھی کہیں موقع نہیں ملا کہ کسی تعلیمی جگہ میں چندروز قیام کر کے وہیں سے کچھ سیکھ لیں۔

اس لیے آنحضرت ﷺ کا بھی اعلیٰ وصف اُمّی ہونا تھا۔ یہ یاد رہے کہ اُمّی کے معنی اَن پڑھ کے ہیں یعنی جس نے کسی انسان سے پڑھا نہ ہو۔ اس کے لیے لازم نہیں کہ وہ بے علم ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت اِقْرَاْ میں یہ بتلا دیا ہے کہ علم حاصل ہونے کی جیسے ایک صورت معروف و مشہور یہ ہے کہ استاد اور قلم کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔ اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بدون ان واسطوں کے براہِ راست علم عطا فرما دے۔ اسی لئے سورۃ مذکورہ میں۔ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ کے بعد۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۔ فرما کر اس دوسری قسم کی طرف اشارہ فرما دیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اُمّی تھے آپ نے کسی معلّم یا استاد سے کچھ نہیں سیکھا مگر حق تعالیٰ نے آپ کی تعلیم کا خود تکفّل فرمایا اور آپ کو تمام علوم اولین و آخرین کے خزانے عطا فرما دیئے۔

اُمّی لوح خوانِ مَا اَوْحیٰ نقد یثرب سلالہ بطحا

آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر علم وحکمت کے وہ راز کھلے جن کو سن کر دنیا کے عقلاء فلاسفر حیران رہ گئے آپ کی ہدایات اور تعلیمات خود ہی معجزہ اور بہت بڑا معجزہ بن کر لوگوں کے سامنے آئیں کہ ان کو سننے والا یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تصنیف نہیں بلکہ علیم وخبیر کی دی ہوئی ہدایات ہیں۔

آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کی حیرت انگیز خصوصیات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف علم کے خزانے عطا فرمائے گئے بلکہ تعلیم و تربیت کے وہ انداز بھی آپ کو سکھلا دیئے گئے جن سے کام لے کر آپ ﷺ نے ان جاہل، ناسمجھ، خود رائے، مغلوب الغضب، جنگجو لوگوں کو انسان کامل کا پیکر بنا دیا۔ اور یہ قریب الموت بیمار نہ صرف شفایاب ہوئے بلکہ دنیا کے لیے مسیحا ثابت ہوئے۔ دنیا کے انصاف پسند غیر مسلم بھی آج تک ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سیاست اور عدل وانصاف کا لوہا ماننے پر مجبور ہیں۔ مسٹر گاندھی کا وہ ہدایات نامہ ابھی تک بہت لوگوں کو یاد ہوگا جو انہوں نے اپنے کانگریسی وزراء کو لکھا تھا جس میں یہ ہدایات درج تھی کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ جیسی حکومت کرو۔ اور جب اس پر ان کے ہم مذہب بعض ہندوؤں نے غیرت عصبیت کی بنا پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے ہندو مصلحین میں سے کسی کا نام کیوں نہ لیا تو مسٹر گاندھی نے اس کا جواب بھی اپنی انصاف پسندی سے یہ دیا کہ ہندو مصلحین کی حکایات زمانۂ قبل از تاریخ کی کہانیاں ہو کر رہ گئی ہیں زمانۂ تاریخ میں مجھے ابوبکرؓ وعمرؓ سے بہتر حکومت کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

یہ ابوبکرؓ وعمرؓ بھی اسی قوم امیین کے افراد تھے۔ یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ ان کے یہ علمی اور عملی اخلاقی کمالات کہاں سے آئے یہ نہ کسی تعلیم گاہ کے فاضل تھے نہ کسی آکسفورڈ یونیورسٹی کے سند یافتہ۔ انہوں نے صرف نبی الانبیاء حکیم الحکماء کی چندروزہ صحبت پائی تھی جو کچھ سیکھا وہیں سے سیکھا۔

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں　　　　وہ چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم اور عثمان غنی اور علی مرتضٰی رضی اللہ عنہم تو خلافت راشدہ کے اعضاء ہیں اس کی وجہ سے تمام دنیا کی نظریں ان پر پڑتی ہیں لیکن جن لوگوں نے عرب کے حالات قبل از اسلام اور بعد از اسلام کا کبھی موازنہ کیا ہو وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک صحابی آپ کا مستقل معجزہ ہے ان کی علمی عملی اخلاقی کایاپلٹ بلاشبہ معجزہ ہی ہو سکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی عمر شریف کے چالیس سال تو ایسی خاموشی اور یکسوئی میں گزرے کہ مکّے کے باشندے آپ کی ثقاہت و امانت اور شرافت ونفس کے تو ایسے قائل تھے کہ پورے مکے میں آپ کا لقب امین مشہور تھا۔ مگر کسی بازار کسی جلسے کسی ہنگامے میں کبھی شرکت نہ فرمائی۔

شعروشاعری عرب کی فطری چیز تھی ہر مرد و عورت شعر کہتا اور اس کو اپنے قومی جلسوں میں سناتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان امتیاز کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ظاہری وجہ شہرت سے بھی الگ رکھا اور قرآن میں فرمادیا۔ **فَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ** ''یعنی ہم نے ان کو شعر نہیں سکھلایا اور شعر گوئی آپ ﷺ کے لیے شایانِ شان بھی نہ تھی۔'' غرض چالیس سال تو بالکل خاموشی اور یکسوئی میں گزرے اس کے بعد جب آپ کو عہد نبوت و رسالت عطا ہوا۔ وحی الٰہی کا فیضان ہوا تو تاریخ شاہد ہے کہ زمانۂ نزول وحی کے ابتدائی تیرہ سال جو مکہ میں گزرے ہیں وہ آپ کے اور آپ کے رفقاء مسلمانوں کے لیے انتہائی سخت اور صبر آزما تھے۔

جہاں بلند آواز سے اذان دینے پر قدرت نہ تھی، جہاں دوستی کے جواب میں دشمنی، خیر خواہی کے جواب میں پتھراؤ، کلمۂ حق کے جواب میں گالیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان حالات میں کوئی اصلاحی اسکیم کتنے قدم چل سکتی اور بڑے سے بڑا مصلح اعظم کیا کر سکتا تھا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد صلاحیت اور حکمت و دانشمندی اور خلقِ خدا کی ہمدردی و خیرخواہی کے جذبہ کے ساتھ انتھک کوشش اور مایوس کن حالات سے مایوس نہ ہونا

ایسے اوصاف تھے جو بالآخر میدان جیت کر رہے۔

مکی دور زندگی انہیں حالات میں گزرا مدینہ طیبہ کی ہجرت کے بعد کا دس سالہ دور ایسا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے سکون واطمینان کا اور تعمیری پروگراموں کو بروئے کار لانے کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہی دس سالہ دور ہے جس میں بدر واحد، خندق وخیبر، فتح مکہ وحنین کے عظیم الشان معرکے اور اسی طرح کے ستائیس غزوات ہوئے جن میں خود سرورِ کائنات بہ نفس نفیس شریک ہوئے اور سینتالیس وہ معرکے ہیں جن میں خود تشریف نہیں لے گئے صحابہ کرامؓ کو بھیجا گیا جن کو سرایا کہا جاتا ہے ستائیس غزوات اور سینتالیس سرایا کل چوہتر معرکے ہیں جو ان دس سال میں سر کرنے پڑے۔ اس میں دوسری قوموں سے معاہدات اور ان کی طرف سے عہد شکنی کے واقعات بھی سامنے آئے۔ اگر دنیا اور اقوام دنیا کے حالات سے موازنہ کیا جائے تو کیا کسی کو کوئی تصور ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے نرغوں میں گھری ہوئی کوئی حکومت اپنے اس دس سالہ دور میں بھی کوئی تعمیری پروگرام بروئے کار لا سکتی ہے۔ لیکن دنیا کی آنکھوں نے دیکھا کہ اسی دس سالہ عہد نبوی ﷺ میں پورا جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگین آ گیا تھا اس کی ہر بستی اذان اور تلاوت قرآن کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ اور اس کے ہر صوبے اور ہر خطے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال بڑے آب وتاب سے اسلامی قانون جاری کر رہے تھے۔

پورے قلمرو اسلامی میں عدل وانصاف مفت اور فوری اور جبری تھا۔ امن وامان کا یہ عالم کہ جس خطے میں صدیوں سے کسی کو آزادانہ سفر ممکن نہ تھا۔ ایک کمزور بڑھیا اس میں بڑی آزادی کے ساتھ سفر کرتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی آپ ہی کے عہد میں پوری ہو گئی تھی کہ ایک وقت آنے والا ہے جب کہ ایک آدمی صنعاء یمن سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا۔ اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ جس ملک میں کسی کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہ تھی وہاں غیر محرم کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ لوگ جن کا پیشہ رہزنی تھا وہ عام لوگوں کے اموال کے نگران اور محافظ بن گئے تھے۔ خلیج فارس سے لے کر

حدودِ شام تک تو یہ امن وسلامتی اور سکون واطمینان خود عہد نبوی میں پہنچ چکا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پچیس سال گزرنے نہ پائے کہ یہ اسلامی نظریہ اور نظام آپ کے صحابہ کرام کے ہاتھوں اپنی برقی رفتار سے بڑھکر پورے عالم میں پھیل چکا تھا۔

اسلام کی اس حیرت انگیز ترقی سے تو موافق ومخالف ساری دنیا ہی حیرت زدہ ہے یورپین مورخین کی کتابیں اس پر اظہار حیرت سے پُر ہیں۔ کچھ متعصب لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ان کو کچھ سمجھ میں نہ آیا تو یہی کہنے لگے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے اور یہ ایسا جھوٹ ہے کہ شاید اس آسمان کے سائے میں ایسا بڑا جھوٹ کوئی نہ بولا گیا ہوگا۔ ساری باتوں سے قطع نظر کر کے کوئی پوچھے کہ جن لوگوں کو تلوار کی جھنکار اور تیروں کی بوچھاڑ کے سائے میں اسلام کا حلقہ بگوش بنالیا گیا ہو کیا ان کی یہی شان ہوتی ہے جو قرنِ اول کے عام مسلمانوں میں مشاہد کی جاتی تھی کہ اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کے ایسے فدائی ہیں کہ اس کے مقابلہ میں نہ مال و دولت کی پرواہ ہے، نہ بیوی بچوں کی، نہ اپنے تن من کی، اور کوئی پوچھے کہ تلوار کا کام تو اسلام کے بالکل آخری دس سالوں میں ہوا ہے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جو اسلام کی اشاعت اور اس میں داخل ہونے والوں کی کثرت نے قریش مکہ کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت کونسی تلوار چل رہی تھی ہاں اسلام سے روکنے کے لیے ہر تلوار اور ہر طاغوتی قوت پوری سرگرمی سے میدان میں آئی ہوئی تھی بلال حبشیؓ کے سینہ پر پتھر رکھ کر اس کو خدا کہنے سے روکا جاتا تھا۔ سلمان فارسیؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوچھنے پر طمانچے لگائے جاتے تھے صہیبؓ رومی پر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔ ہر مسلمان ہونے والے پر کوئی ستم نہ تھا جو نہ توڑا جاتا ہو۔ مگر اللہ کے بندے تھے جو ان طاغوتی قوتوں کے زیر سائے موت سے کھلایاں کرتے ہوئے مسلمان ہو رہے تھے۔ ہاں یہ بھی سوچیے کہ تلوار تو جبھی چلی ہوگی جب تلوار چلانے والوں کا کوئی جتھہ کوئی قوت پیدا ہوگئی ہوگی تو کوئی پوچھے کہ ان تلوار چلانے والوں کو کس تلوار نے اسلام کا ایسا فدائی بنا دیا تھا کہ سر کو کفن باندھ کر ہر میدان میں سربکف کھڑے نظر آتے تھے حقیقت یہ ہے کہ اس سفید جھوٹ کی تردید کرنا بھی

سچ کی توہین ہے۔

ہاں اسلام کی حیرت انگیز ترقی کو ممکن ہے کہ کچھ ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ سراسر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اسباب وتدبیر کا اس میں کچھ دخل نہیں لیکن غور کیا جائے تو یہ صحیح نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار اور اپنی جگہ یقینی ہیں اور ان فتوحات میں بھی ان کا ظہور کھلا ہوا ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ایک معجزہ اور خرقِ عادت تھا جو ہو چکا اب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نظریہ اور نظام درجۂ اسباب میں بھی ایسی چیزیں ہیں کہ جب ان کو پورا پورا عمل میں لایا جائے تو اس کے یہی آثار وبرکات ہر زمانے اور ہر ملک میں رونما ہو سکتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ہمیں اپنے اس مقالہ میں درحقیقت یہی دکھلانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ جس نے عام دنیا کو ایک صحیح نظریہ اور مستحکم عادلانہ نظام دیا ہے۔ وہ بجائے خود دنیا کی امن وسلامتی کا ضامن ہے اس کی مزید توضیح کے لیے آیئے ذرا اس نظام کا تجزیہ کر کے دیکھیں کہ اس میں وہ کونسی روح ہے۔ جس کے جلو میں دنیا کی امن وسلامتی گردش کرنا چاہتی ہے، یاد رکھئے! کسی عالم گیر تحریکِ اصلاح کے لیے یہ ظاہر ہے کہ کسی کی انفرادی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی اجتماعی کام کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ اس میں دورائیں نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے ہر قوم وملت میں جب کوئی اصلاحی تحریک اُٹھائی جاتی ہے تو اس کے پیچھے قوم کی اجتماعی قوت ہی کام کرتی ہے۔

لیکن یہاں ایک دھوکہ بڑے بڑوں کو لگ جاتا ہے اور عام دنیا اسی دھوکہ کی شکار ہے جس کی وجہ سے ان کی اجتماعی کوششیں عالمگیر اصلاح کے معاملہ میں ناکام ہو جاتی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اجتماع اور اجتماعی قوت کا کوئی الگ وجود نہیں ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہو یا زمین سے اگتا ہو بلکہ افراد کے مجموعے کا نام اجتماع اور ان کی مجموعی طاقت اجتماعی

طاقت ہوتی ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد صحیح نہیں تو ان کا اجتماع بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ بوگس و ناکارہ افراد کی بھیڑ کوئی اصلاحی کام نہیں کرسکتی بلکہ اس کو باقی نہیں رکھ سکتی۔ افراد کا درجہ اجتماع میں ایسا ہے جیسے مشین میں اس کے پرزوں کا، جب پرزے ہی درست نہ ہوں تو مشین کی فٹنگ کیسے درست ہوسکتی ہے اور کسی طرح فٹ بھی کردیا تو وہ دیر تک چل نہیں سکتی۔

حکیم الحکماء خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گُر کو سمجھا اور اختیار فرمایا ہے کہ کوئی اجتماعی کام کرنے سے پہلے افراد سازی کا کام سب سے زیادہ اہم ہے، اور درحقیقت یہی کام سب سے زیادہ مشکل بھی ہے ایک فرد کے ذہن کو صحیح نظریے پر ہموار کرنا پھر اس کے اعمال و اخلاق اس نظریہ کے مطابق ڈھالنا بڑا وقت اور بڑی محنت چاہتا ہے۔ عطاء نبوت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کل تئیس سال باقی ہے جس میں سے مکی دور کے تیرہ سال پورے صرف اسی افراد سازی کے کام میں صَرف ہوئے ہیں۔

مکی اور مدنی دور کا تجزیہ کرنے والے بعض حضرات اس کو ضعف وقوت کی دو حالتوں میں تقسیم کر کے مکی دور کو ضعف کا اور مدنی کو قوت کا دور قرار دیتے ہیں اور احکام و واقعات کو اس کے تابع کرتے ہیں۔

لیکن غور کیا جائے تو صرف ضعف وقوت ہی تفاوت احکام کا سبب نہیں بلکہ دوسری حکمتیں بھی اس میں مستور ہیں۔ ورنہ مشرکین مکہ کی زیادتیوں کا کچھ نہ کچھ مقابلہ ضعف کے باوجود مکہ میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ بظاہر حکمت یہ تھی کہ مکی دور میں افرد سازی ہی کا کام پیش نظر تھا۔ کوئی اجتماعی کام خواہ دفاع کا ہو یا اقدام کا اس کی تکمیل سے پہلے صحیح نہ تھا۔ جب تک کسی مشین کے پرزے درست نہ ہوں تو ان سے کوئی مشین اور فیکٹری کیسے تیار کی جاسکتی ہے۔

آپ ﷺ کا پہلا کارنامہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں امن اور اطمینان وسکون کے علمبردار ہو کر تشریف لائے تو آپ کی نظر حقیقت شناس اس پر پڑی کہ یہ کام نہ تنہا کسی حکومت وسلطنت

سے ہوسکتا ہے۔ نہ صرف قانون اور قانونی مشینری سے۔ جب تک انسان کو صحیح معنوں میں انسان نہ بنایا جائے اور اس کو صحیح انسانیت سے روشناس نہ کیا جائے اس وقت تک یہ دنیا ظلم و جور، قتل و غارت گری، بے حیای و بدمعاشی کا جہنم ہی بنی رہے گی۔ کیوں کے حکومت کوئی کام اپنے اعوان و انصار ہی کے ذریعے عمل میں لاسکتی ہے۔ اور کوئی قانون خود کار مشین نہیں ہوتا کہ خود بخود چلے بلکہ اس کو نافذ کرنے والے انسان ہی ہوتے ہیں۔ جب انسان صحیح معنی میں انسان نہ ہوں تو کوئی قانون اور کوئی دستور اور کوئی حکومت فاسد کی اصلاح، جرائم کا سدباب اور دنیا میں امن و امان پیدا نہیں کرسکتی۔ اس لیے مکی دور کے تیرہ سال پورے اس افراد سازی کے کام پر صرف کئے گئے جس میں پیغمبرانہ حکمت کے ساتھ کچھ انسانوں کو انسان کامل بنایا گیا۔

یہ افراد سازی کا کام مکہ مکرمہ کے ایک گمنام گوشے میں ایک چھوٹے سے مکان کے اندر ہوتا تھا جو دارارقم کے نام سے موسوم، صفا مروہ کے درمیان واقع تھا۔ اور حالیہ توسیع حرم سے پہلے تک موجود محفوظ تھا۔ عمر ابن خطابؓ اسی مکان پر ننگی تلوار لیے ہوئے پیغمبر امن و سلامتی کا قصہ ختم کرنے کے قصد سے آئے اور پھر اسلام کے حلقہ بگوش ہوکر آپ کی غلامی کی سعادت لے کر لوٹے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح کسی خاص قوم یا خاص خطۂ ملک یا خاص زمانہ کے رسول بن کر نہیں آئے تھے بلکہ آپ کی بعثت اور دعوت پوری دنیا کے جن وانس کے لیے اور تا قیامت پیدا ہونے والی نسلوں کے لئے عام تھی۔ اور فرض منصبی آپ کو یہ سپرد تھا کہ پورے عالم کی اصلاح کر کے سب انسانوں کو دنیا میں امن و سکون اور عزت و عافیت کی زندگی عطا کریں اور ان کو اس قابل بنائیں کہ آخرت میں اپنے رب کے سامنے سرخُرو ہو کر وہاں کی دائمی راحت کے وارث بنیں۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ انسانوں کا ایک مثالی معاشرہ پیدا کرنا تھا جو اس عظیم مقصد میں آپ کے دست و بازو بنیں اور آئندہ اس بارگراں کو خود سنبھالنے کے قابل

ہوں یہ افراد سازی کا عظیم الشان کام جو دارارقم کے گمنام گوشے میں شروع ہوا تھا اس کا مختصر عنوان تو انسان کو انسان کامل بنانا ہے۔ اور اس کی تفصیل وتشریح وہ پورا قرآن ہے جو مکی دور نبوت میں نازل ہوا جس کی ہدایات کا تجزیہ کرنے سے چند چیزیں نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہیں جن کو انسان کامل بنانے میں خاص دخل ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت (۲) فکر آخرت (۳) دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کی راحت و کلفت کی حقیقت کا انکشاف۔ (۴) مخلوقات کے ساتھ معاملے میں ان کے حقوق کی پوری ادائیگی اور اپنے حقوق سے چشم پوشی۔ ان کی ایذاؤں پر عفو ودرگزر اور اپنی طرف سے ہر حال میں ان کی خیر خواہی اور ہمدردی۔

مکی دور نبوت کی تمام صورتوں اور آیتوں کو بغور مطالعہ کیجئے تو ان میں انہیں اصولوں کی تعلیم وتلقین اور معجزانہ انداز سے انسان کے ذہن ان کے لئے تیار کرنے کا انتظام پایا جائے گا۔

ابتداء وحی کے وقت کی ابتدائی سورتوں کو پڑھیئے تو ان میں سب سے زیادہ زور ذکر اللہ کی کثرت اور حسن عبادت پر دیا گیا ہے اور اس پر کہ تمام پیش آنے والے واقعات و حالات سب اللہ تعالیٰ کے اذن ومشیت کے تابع ہیں اس کے بغیر کسی دوست ودشمن کی مجال نہیں کہ کسی کو کوئی نفع یا نقصان پہنچائے۔ اور یہ کہ اپنے تمام کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کیا جائے۔ قیامت کے حساب و کتاب اور جزاء وسزا جنت و دوزخ کی فکر سے کسی وقت غافل نہ ہوں۔ اور یہ کہ دنیا کی زندگی اور اس کی ہر راحت وتکلیف فانی ہے اس پر زیادہ دھیان نہ دیا جائے بلکہ بقدر ضرورت وحاجت روائی اس کو رکھا جائے۔ زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر وعبادت اور اس کو راضی کرنا ہو اور اس راستے میں جتنی مشکلات پیش آئیں مردانہ واران کو عبور کیا جائے۔ اور جو مصائب سامنے آئیں ان پر صبر وثبات سے کام لیا جائے۔ لوگ اگر تمہارے حقوق ادا نہ کریں یا تم پر ظلم کریں تو تم چشم پوشی اور عفو ودرگزر سے کام لو۔ اوران کی خیر خواہی کو کسی حال میں نہ چھوڑو۔ ان کے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں ان کو

پورا پورا ادا کرو۔ سورۂ اقراء، فاتحہ، مزمل، مدثر جو بالکل ابتدائی سورتیں ہیں ان کا ترجمہ ہی پڑھ لیجئے تو اس کی پوری تصدیق ہو جائے گی۔ اور خلاصہ ان تمام تعلیمات کا یہ ہے کہ انسان کے رخ کو ایک خدا کی طرف پھیر کر اس کے تمام ارادوں اور خواہشات کو حق تعالیٰ کی مرضی کے تابع بنا دیا جائے۔ جس طرح اس کی عبادت صرف اللہ کے لیے ہے۔ اسی طرح اس کے تمام دنیاوی کاروبار، کھانا پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا اور جینا مرنا، دوستی دشمنی حب وبغض بھی مرضی مولا کہ تابع ہو جائے۔

انّ صَلاتِی وَنُسُکِی وَمَحیَایَ وَمَمَاتِی للّٰہ رَبِّ العالمین کا یہی مطلب ہے حدیث صحیح میں اسی کو کمال ایمان کی علامت بتلایا گیا ہے۔ مَن أحبَّ للّٰہ و أبغَضَ لِلّٰہِ فقَد استَکمَلَ اِیمَانہُ (بخاری ومسلم) (یعنی جس شخص نے اپنی محبت بھی اللہ کے لیے وقف کر دی اور بغض و دشمنی بھی اسی کے لیے اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا) اسی صفت کے حاصل ہونے سے انسان انسان کامل اور پورے عالم کے لئے وجہ سکون واطمینان بنتا ہے۔ یہی وہ انسان ہوتا ہے جس سے نہ کسی چوری اور بدمعاشی کا اندیشہ، نہ دھوکہ فریب یا ایذا رسانی کا خطرہ۔ نہ گروہی عصبیت اس کے پاس آتی ہے، نہ دولت دنیا کی ہوس خام اس کے دامن دل کو داغدار کرتی ہے۔ اس کو دھن ہی ایسی لگی ہے کہ لوگوں سے اپنے حقوق وصول کرنے کی بھی فرصت نہیں دوسروں کے حقوق غصب کرنے کا احتمال کہاں،

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک وبد کین دلم از صلحا ھم می رمد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ساری دنیا سے مختلف ایک نظریہ لے کر تشریف لائے اور پوری عالم میں اس نظریے کو عام کرنے اور سب کو اس کے زیر اثر چلانے کی مہم ساتھ لائے آپ نے اس عظیم مقصد کے لیے نہ ٹینک اور ہوائی جہاز بنائے، نہ قلعہ شکن توپیں اور نہ ایٹم بم اور نہ عالم گیر انداز میں کسی اجتماع اور جماعت سازی کی فکر فرمائی۔ بلکہ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جس قدر انسان آپ کے ساتھ لگ سکے ان کو مذکورہ بنیادوں پر فرشتہ خصلت بلکہ فرشتوں سے بالاتر ایک مخلوق بنا دیا جو نتیجہ تھا قرآن کریم کی تعلیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی تربیت کا۔

قرآن ورسول کی تعلیم وتربیت سے جومقدس گروہ پیدا ہوا حق تعالیٰ نے اس کا نام حزب اللہ رکھ کران کی فلاح دنیاوآخرت کی ضمانت دے دی "اُولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یہ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لوکہ اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔"

اس حزب اللہ کی صفات اور خصوصیات قرآن کریم نے مختلف سورتوں میں مختلف عنوانات سے بیان فرمائی ہیں۔اس گروہ حزب اللہ کی خصوصیات اورصفات پر مشتمل قرآن کریم کی آیات بے شمار ہیں ان آیات سے اس گروہ کی خصوصیات کا ایک خاکہ سامنے آجاتا ہے جس سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کی تعلیم وتربیت کس نصاب اور کن خطوط پر فرمائی تھی اور آج کوئی شخص یا جماعت اگر اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو اور صحیح انسان اور اچھے افراد پیدا کرنا چاہے تو ان کو یہ کام کس طرح اور کن اصول پر انجام دینا چاہیئے۔

اُن آیات سے حزب اللہ کی خصوصیات کا جو خاکہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے:۔

(آیات سورہ بقرہ سے)

(۱)......اللہ تعالیٰ، روزِ آخرت، ملائکہ، قرآن اور تمام انبیاء پر کامل ایمان۔

(۲)......اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کی امداد اور غلاموں کی رہائی پر اپنا محبوب مال خرچ کرنا۔

(۳)......نماز قائم کرنا (یعنی اس کے آداب وشرائط کے موافق ادا کرنا)

(۴)......مال کی زکوٰۃ واجبہ ادا کرنا۔

(۵)......کسی سے جو معاہدہ ہوجائے اس کو پورا کرنا۔

(۶)......مصیبت اور فقر وفاقے اور دشمن دین سے جنگ کے وقت ثابت قدم رہنا

یہ چھ خصوصی اوصاف ہیں جن کے حاملین کو قرآن کی زبان میں صادقین اور متقین کا

خطاب دیا گیا ہے۔

(سورہ مؤمنین کی آیات سے)

(۷)......نماز میں خشوع۔ یعنی غیر ضروری حرکات سے سکون خواہ حرکت جسمانی ہو یا ذہنی اور فکری۔

(۸)......لغو سے اعراض و پرہیز۔ لغو سے مراد ہر وہ کام۔ کلام اور مجلس ہے جسمیں دین یا دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

(۹)......باطنی پاکی کا اہتمام۔ یعنی عقائد فاسدہ اور اخلاق مذمومہ سے اپنے قلب کو پاک کرنا۔

(۱۰)......اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا۔ بجز ان صورتوں کے جن کی بذریعہ نکاح وغیرہ اللہ نے اجازت دی ہے۔

(۱۱)......اپنے ہر عہد و پیمان پر مضبوطی سے قائم رہنا۔

(۱۲)......سب نمازوں کی پابندی اور احترام۔

(سورہ نور کی آیات سے)

(۱۳)......اللہ کی یاد۔ نماز اور روزے زکوٰۃ کا ایسا اہتمام جو دنیا کی ساری فکروں پر غالب ہو اور دنیا کے ہر کاروبار کے ساتھ قائم رہے۔

(۱۴)......روز قیامت اور اس کے حساب کا خوف۔

(۱۵)......اپنی چال ڈھال میں تواضع اور عجز بندگی کو سامنے رکھنا۔ تفاخر اور تکبر سے پرہیز کرنا۔

(۱۶)......لڑنے جھگڑنے والوں کے ساتھ سلامت روی کا معاملہ کرنا۔

(۱۷)......رات کے اکثر حصے کو رکوع، سجدے، اور عبادت میں گزارنا۔

(۱۸)......عذاب جہنم سے پناہ مانگنا۔

(۱۹)......خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لینا کہ نہ اپنی وسعت سے زیادہ خرچ

کریں اور نہ کنجوسی سے کام لیں۔

(۲۰)......اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک یا برابر نہ ٹھہرانا۔

(۲۱)......ناحق کسی کو قتل نہ کرنا۔

(۲۲)......زنا اور بدکاری سے مکمل پرہیز کرنا۔

(۲۳)......جھوٹ کے قریب اور گناہ کی مجالس میں شریک نہ ہونا۔

(۲۴)......اگر کسی بیہودہ کام یا مجلس سے سابقہ پڑ جائے تو شریفانہ انداز سے گزر جانا۔

(۲۵)......اللہ تعالیٰ کے احکام و آیات کو صحیح سمجھنے کی فکر کرنا ان پر اندھا دھند عمل کرنے سے بچنا۔

(۲۶)......اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال کی اصلاح کے لیے کوشش اور دعا کرنا۔

(سورۃ فتح کی آیات سے)

(۲۷)......کفر و کافر کے مقابلے میں سخت اور دلیر ہونا اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں رحم و کریم ہونا۔

(۲۸)......عام اوقات کا (جو ضرورت سے فارغ ہوں) مشغلہ ہی نماز اور رکوع سجدہ ہونا۔

(۲۹)......ان کے چہروں میں نماز کے آثار و علامات موجود ہونا۔

(۳۰)......تمام معاملات میں صرف اللہ کی رضا جوئی کا اہتمام کرنا۔

یہ ہیں وہ اوصاف اور خصوصیات جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ان پڑھ لوگوں میں پیدا کیے جن کی اعتقادی، عملی، علمی، اخلاقی یا تمدنی کوئی کل سیدھی نہ تھی۔ جس کو دیکھ کر اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی آپ کا زندہ اور چلتا پھرتا معجزہ ہے تو کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ یہ تمام اوصاف کمال اور اخلاق حسنہ اسی توحید و رسالت اور خوف آخرت کے پھل پھول ہیں جو اسلام کے بنیادی

نظریہ کی حیثیت سے ان حضرات کے قلوب میں سمویا گیا تھا۔

دارِارقم کو اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ کہو یا سب سے پہلی خانقاہ اسی میں اس قدسی گروہ کی ابتداء ہوئی اور اسی میں ان پر یہ صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) چڑھا۔ اور یہی وہ رنگ ہے جو کسی رنگ سے محروم نہیں ہوتا یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کارنامہ اور اسلام کا پہلا سرمایہ اور اصلی طاقت ہے جس نے برقی رفتار سے دنیا کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔

آپ ﷺ کا دوسرا کارنامہ ماحول یا سوسائٹی کی اصلاح

یہاں تک کچھ افراد خاموشی کے ساتھ بنائے گئے جو نظریہ اسلام کے رنگ میں پختہ ہو کر نظام اسلام کے عمود بنے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو مہم تھی وہ صرف مکہ یا حجاز والوں ہی کی اصلاح کی نہ تھی بلکہ پوری دنیا کے مشرق ومغرب اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے آپ کی دعوت عام تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جتنے افراد دشمنوں کے نرغہ اور ہر طرح کے مصائب وتکلیف کو برداشت کر کے اس وقت تیار ہوئے تھے۔ وہ پورے عالم کی ہم گیر اصلاح کا کام پورا نہیں کر سکتے تھے۔

اس لیے اب دوسرا قدم اس صبغۃ اللہ کو عام کرنے اور حزب اللہ کے افراد بڑھانے اور پھیلانے کی طرف اٹھایا گیا۔ وہ بھی عام دنیا کے مروجہ طریقوں سے مختلف ایک انوکھے انداز سے خالص فطری اصول پر اس طرح اٹھایا گیا کہ۔ اس مکتب فکر کے ہر تربیت یافتہ شخص پر فرض کر دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے ماحول کو اپنے رنگ کے مطابق بنانے میں اپنی پوری کوشش اور پوری توانائی کو خرچ کرے۔ اور اس راہ میں جان وتن کی بازی لگا دے۔ اور جو ہر کوشش و تدبیر کے بعد بھی ہم رنگ نہ ہو اس سے اپنی برات اور قطع تعلق کا اعلان کر کے اس کو اپنے ماحول سے علیحدہ کر دے۔

تجربہ شاہد ہے کہ کسی فرد یا قوم کے بننے اور بگڑنے کا اصل مدار اس کے ماحول اور

سوسائٹی پر ہی ہوتا ہے۔ انسان فطرتاً اس سے متاثر ہو کر غیر شعوری طور پر بھی اس کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ جب تک انسان کا ماحول درست نہ ہو تو کوئی تعلیم و تربیت کام نہیں دیتی اور اپنے ماحول اور گرد و پیش میں ایک بھی غیر جنس کا آدمی ہو تو وہ بھی ماحول کو درست کرنے میں سنگ گراں بن جاتا ہے بڑا ہی حکیمانہ مقولہ ہے: کہ

از مصاحب ناجنس احتراز کنید

اسی لئے قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص پر یہ ذمہ داری عائد کر دی کہ وہ جس طرح اپنے عمل کی اصلاح کی فکر کرے اسی طرح اپنے اہل وعیال اور خاص احباب کی اصلاح کے لیے بھی ایسی ہی کوشش کرے۔ قرآن کریم نے فرمایا: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا، یعنی ''بچاؤ'' اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے'' اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کلکم راعٍ و کُلُّکم مَسئُول عن رَعیَتِہٖ یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے کنبہ پر نگراں اور ذمہ دار ہے اور قیامت کے روز اس سے اپنے اعمال کی پرسش کے علاوہ اپنے اہل وعیال کے اعمال کا بھی سوال ہوگا۔ اہل وعیال کی اصلاح کی ایک قسط یہ بھی تھی کہ نئے پیدا ہونے والے بچوں کو شروع ہی سے ایسی تربیت دی جائے کہ ان کے قلب و دماغ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے رنگے ہوئے ہوں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی حکیم الحکماء سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصول وضع فرمائے وہ بھی ایسے فطری اور موثر ہیں کہ بغیر کسی مشقت کے بچے کی نشو ونما کے ساتھ ساتھ اس کا ذہنی اور اخلاقی ارتقا خود بخود ہوتا چلا جائے۔ سب سے پہلا کام جو بچے کی پیدائش کے متصل ماں باپ پر لازم کیا وہ یہ ہے کہ اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے۔ نرے فلسفہ کے طبعی کے پرستار تو کہیں گے کہ فضول حرکت ہے جو بچہ ابھی اپنی ماں کی زبان بھی نہیں سمجھتا اس کے کان میں حی علی الصلوۃ. حی علی الفلاح کے عربی جملے ڈالنے سے کیا فائدہ۔ مگر حقیقت شناس سمجھتے ہیں کہ یہ الفاظ درحقیقت ایمان کا بیج ہیں جو کان کے راستہ سے بچے کے دل میں ڈالا گیا ہے اور یہی بیج پرورش پا کر کسی وقت تناور

درخت بنے گا۔

دوسرا کام یہ کہ جب بچہ زبان کھولنے لگے تو اس کو سب سے پہلے اللہ کا نام سکھاؤ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کی زبان کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے کھلواؤ اور یہی کلمہ موت کے وقت ان کو یاد دلاؤ (رواہ الحاکم عن ابن عباس) گویا دنیا میں دخول وخروج اسی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔

پھر جب کچھ سمجھنے بوجھنے کے قابل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت اس کے دل نشین کرے۔ اور سنت کے مطابق ادب وتہذیب سکھائے۔ بچے کے سامنے جھوٹ بولنے غیبت کرنے سے خود بھی پرہیز کرے کہ بچہ ان بری چیزوں کا عادی نہ بن جائے۔ بچے کے ہاتھ سے اچھے کاموں میں خرچ کرائے کہ بخل اس کی طبیعت میں جگہ نہ پائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے اخلاق سے بہتر کوئی دولت نہیں بخشی۔ اور فرمایا کوئی شخص اپنے بچے کو ادب وتہذیب سکھائے یہ اس سے بہتر ہے کہ ہر روز بقدر ایک فطرہ کے مساکین پر صدقہ کیا کرے۔ (تحفہ بحوالہ معجم طبرانی)

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کی یہ دعا مذکور ہے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ۔ یعنی اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیبیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ ان کو اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا دیکھے۔ اس طرح ہر شخص پر اس کے متعلقین کی اصلاح کی ذمہ داری ڈال کر اور اس کو اصلاح وتربیت کے سہل اصول سکھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر گھر کو ایک تعلیم گاہ بنا دیا جس میں غیر شعوری طور پر ہر چھوٹا بڑا صحیح انسانیت کے آداب نہ صرف جانتا ہے بلکہ عملاً اس کا خوگر بنتا ہے۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از پیغمبر امن وسلامت)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۸۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابہ جیسی عظیم جماعت عطا فرمائی

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے چراسی نمبر خصوصیت شروع کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابہ ؓ جیسی عظیم جماعت عطا فرمائی'' جیسا کہ پہلے بھی آپ پڑھتے آئیں ہیں اور یہاں بھی عرض کروں کہ اس خصوصیت کو بھی اللہ کے فضل سے میں نے روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے، وہ عظیم روضہ جہاں میرے آقا ﷺ کے ساتھ دو فرشتہ صفت ساتھی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت سیدنا عمر فاروق ؓ آرام فرما ہیں اور میں یہاں بیٹھ کر ان صحابہ ؓ ہی کی شان میں اپنے قلم کو چلا رہا ہوں اور آقا ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے بارے میں اپنے لکھے گئے مضامین کو فائنل ترتیب دے رہا ہوں، بحمد اللہ یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت کی بات ہے اور اس پر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے، خداوند قدوس میری اس کاوش کو مقبول و منظور فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بھی بہترین خصوصیت ہے، جس خصوصیت سے دیگر انبیاء کرامؑ کے دامن خالی نظر آتے ہیں اگر چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نبی کے صحابہ ہوا کرتے تھے اور بڑے ایمان والے، اپنے انبیاءؑ کے لئے گردنیں کٹوانے والے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور ﷺ کو جو صحابہ ؓ کی جماعت عطا فرمائی تھی اس کا مقابلہ دیگر امتوں کے برگزیدہ لوگ کبھی نہیں کر سکتے ہمارے آقا ﷺ کے ایک ایک ساتھی کی شان بڑی اونچی اور نرالی ہے، جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے، جسے ہم نے عین قرآن وحدیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا دین کا شوق اور جذبہ عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت سے متعلق تفصیلی مضامین ملاحظہ فرمایئے:۔

چراسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن میں آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر

آیت نمبر ا...... لَقَد تَّابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بعد مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنهُم ثُمَّ تَابَ عَلَيهِم إِنَّهُ بِهِم رَءُوفٌ رَّحِيم. وعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا . حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيهِمُ الأَرضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيهِم أَنفُسُهُم وَظَنُّوا أَن لَّا مَلجَأَ مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيهِ .ثُمَّ تَابَ عَلَيهِم لِيَتُوبُوا . إِنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيم. (التوبۃ:۱۱۷،۱۱۸)

ترجمہ...... اللہ مہربان ہوا نبی پر، اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے، پھر مہربان ہوا ان پر، بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم والا۔ اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا، یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے، اور تنگ ہوگئیں ان پر ان کی جانیں، اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے، مگر اسی کی طرف، پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں بے شک اللہ مہربان رحم والا۔

آیت نمبر۲...... لَقَد رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤمِنِينَ إِذ يُبَايِعُونَكَ تَحتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِم فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيهِم وَأَثَابَهُم فَتحاً قَرِيباً. وَّمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَّأْخُذُونَهَا، وَكَانَ اللهُ عَزِيزاً حَكِيماً. (الفتح:۱۸،۱۹)

ترجمہ...... تحقیق اللہ خوش ہوا، ایمان والوں سے، جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا۔ پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔''

آیت نمبر۳......والسّٰبقُونَ الأ وَّلُونَ مِنَ المُھٰجِرِینَ وَالأنصارِ وَالذِینَ اتَّبعُو ھُم باِحسَانٍ رَّضِیَ اللہ عَنھُم وَرَضُواعَنہُ وَاَعدَّلَھُم جَنّٰتٍ تَجرِی تَحتَھَاالأنھارُ خٰلدِینَ فِیھَا اَبدًا، ذٰلکَ الفَوزُ العَظِیم. (التوبہ:۱۰۰)

ترجمہ......اور جولوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جوان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے، اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ، کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں، رہا کریں ان ہی میں ہمیشہ، یہ ہے بڑی کامیابی۔

آیت نمبر۴......لِلفُقَرَآءِ المُھٰجِرِینَ الَّذِینَ اُخرِجُوا مِن دِیارِھِم وَاَموالِھِم یَبتَغُونَ فَضلاً مِّنَ اللہ وَرِضوَاناً وَّیَنصُرُونَ اللہ وَرَسُولہٗ، اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصَّادِقُون ، وَالذِینَ تَبَوَّئُو الدَّارَ وَالایمَانَ مِن قَبلِھِم یُحِبُّونَ مَن ھَاجَرَاِلَیھِم وَلَا یَجِدُونَ فِی صُدُورِھِم حَاجَةً مِّمَّآ اُوتُوا وَیُؤثِرُونَ عَلٰی اَنفُسِھِم وَلَو کَانَ بِھِم خَصَاصَةٌ ، وَمَنْ یُّوقَ شُحَّ نَفسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ المُفلِحُون. (الحشر:۸،۹)

ترجمہ......واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے، جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے، اور اپنے مالوں سے، ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل، اور اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ وہ لوگ وہی ہیں سچے اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں، ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے، اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔

آیت نمبر۵......اللہُ نَزَّلَ أحسَنَ الحَدیثِ کِتٰباً مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقشَعِرُّمِنہُ جُلُودُ الَّذِینَ یَخشَونَ رَبَّھُم ، ثُمّ تَلِینُ جُلُودُھُم وَقُلُوبُھُم اِلٰی ذِکرِ اللہ ، ذٰلکَ ھُدَی اللہ یَھدِی بِہٖ مَن یَّشآءُ ، وَمَن یُّضلِلِ اللہُ فَمالَہٗ مِن ھَادٍ(الزمر)

ترجمہ...... اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب آپس میں ملتی، دھرائی ہوئی، بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے، پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر۔ یہ ہے راہ دینا اللہ کا، اس طرح دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلائے اللہ اس کو کوئی نہیں سجھانے والا۔

آیت نمبر ۶...... اِنَّمَا يُؤمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِينَ اِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوا بِحَمدِ رَبِّهِم وَهُم لَايَستَكبِرُونَ . تَتَجَافٰى جُنُوبُهُم عَنِ المَضَاجِعِ يَدعُونَ رَبَّهُم خَوفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقنٰهُم يُنفِقُونَ. فَلَا تَعلَمُ نَفسٌ مَّآ اُخفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ اَعيُنٍ ، جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعمَلُونَ. (السجدہ:۱۵تا۱۷)

ترجمہ...... ہماری کتابوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب ان کو سمجھائے ان سے، گر پڑیں سجدہ کر کر، اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور بڑائی نہیں کرتے۔ جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا رکھی ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک، بدلا اس کا جو کرتے تھے۔

آیت نمبر ۷...... وما عند اللهِ خيرٌ وَّاَبقٰى لِلَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَلٰى رَبِّهِم يَتَوَكَّلُونَ. وَالَّذِينَ يَجتَنِبُونَ كَبٰٓئِرَ الاِثمِ وَالفَوَاحِشَ وَاِذَا مَاغَضِبُوا هُم يَغفِرُونَ .وَالَّذِينَ استَجَابُوا لِرَبِّهِم وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمرُهُم شُورٰى بَينَهُم وَمِمَّا رَزَقنٰهُم يُنفِقُونَ. وَالَّذِينَ اِذَآ اَصَابَهُمُ البَغيُ هُم يَنتَصِرُونَ . (الشوریٰ:۳۶تا۳۹)

ترجمہ...... اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے، بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے واسطے ایمان والوں کے، جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے اور جو لوگ کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے اور جب غصہ آوے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور جنہوں نے حکم مانا اپنے رب کا اور قائم کیا نماز کو اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپس کے۔ اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ کہ جب ان پر ہووے چڑھائی تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔

آیت نمبر ۸......مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ، فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ، وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا . لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ . اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا . (الاحزاب:۲۳،۲۴)

ترجمہ......ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے، پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا اپنا ذمہ۔ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا اور بدلا نہیں ایک ذرہ۔ تاکہ بدلہ دے اللہ سچوں کو ان کے سچ اور عذاب کرے منافقوں پر اگر چاہے یا توبہ ڈالے ان کے دل پر بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

آیت نمبر ۹......اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ. (الزمر:۹)

ترجمہ......بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں، سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا، خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی۔ تو کہہ کوئی برائی ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ۔''

پہلی کتابوں میں آپ ﷺ اور صحابہؓ کا ذکر خیر

عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی وہ صفات بتائیں جو توریت میں آئی ہیں۔

انہوں نے فرمایا: ''بہت اچھا خدا کی قسم! توریت میں بھی حضور ﷺ کی وہی صفات بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں ہیں۔''

چنانچہ توریت میں ہے: ''اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور امیوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، نہ آپ سخت گو ہیں نہ بازاروں میں شور

کرنے والے ہیں، اور نہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ لوگ ''لا اله الا الله'' کہہ کر ٹیڑھے کو سیدھا کرلیں گے۔ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ آندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے۔'' (البخاری)

حضرت وہب بن منبہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں داؤدؑ کو یہ وحی فرمائی کہ: ''اے داؤدؑ! تمہارے بعد عنقریب ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد اور محمد (ﷺ) ہوگا۔ وہ سچے اور سردار ہوں گے میں ان سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور نہ ہی وہ مجھے کبھی ناراض کریں گے۔ اور میں نے ان کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں کرنے سے پہلے معاف کردیں ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی امت میری رحمت سے نوازی ہوئی ہے۔ میں نے ان کو وہ نوافل عطا کئے جو انبیاء کو عطا کئے اور ان پر وہ چیزیں فرض کیں۔ حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن میرے پاس اس حال میں آئیں گے کہ ان کا نور انبیاء کے نور جیسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرمادیا کہ: اے داؤد میں نے محمد ﷺ کو اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا کہ مجھے حضور ﷺ اور آپ کی امت کی صفات بتائیں۔

انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب (توریت) میں ان کی یہ صفات پاتا ہوں کہ احمد (ﷺ) اور ان کی امت اللہ کی خوب تعریف کرنے والے ہیں۔ اچھے برے ہر حال میں ''الحمدللہ'' کہیں گے اور چڑھائی پر چڑھتے ہوئے ''الله اکبر'' کہیں گے اور نیچائی پر اترتے ہوئے ''سبحان الله'' کہیں گے۔

ان کی آذان آسمانی فضا میں گونجے گی۔ وہ نماز میں ایسی دھیمی آواز سے اپنے رب سے ہمکلام ہوں گے۔ جیسے چٹان پر شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ اور فرشتوں کی صفوں کی طرح ان کی نماز میں صفیں ہوں گی، اور نماز کی صفوں کی طرح ان کی میدان جنگ میں صفیں ہوں گی، اور جب اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے چلیں گے، تو مضبوط نیزے لے کر فرشتے ان کے آگے پیچھے ہوں گے، اور جب وہ اللہ کے راستے میں صف بنا کر

کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسے سایہ کئے ہوں گے۔ (آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا) جیسے کہ گدھ اپنے گھونسلے پر سایہ کرتے ہیں۔ اور میدان جنگ سے یہ لوگ کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اس جیسی ایک اور روایت بھی منقول ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ: "ان کی امت اللہ کی خوب تعریف کرنیوالی ہوگی، ہر حال میں "الحمدللہ" کہیں گے اور ہر چڑھائی پر چڑھتے ہوئے "اللہ اکبر" کہیں گے۔ (اپنی نمازوں کے اوقات کے لئے) سورج کا خیال رکھیں گے پانچوں نماز اپنے وقت پر پڑھیں گے اگر چہ کوڑے کرکٹ والی جگہ پر ہوں میان کمر پر لنگی باندھیں گے، اور وضو میں اپنے اعضاء کو دھوئیں گے۔" (بحوالہ حیات الصحابہؓ حصہ اول)

صحابہ کرامؓ حقیقی مومن تھے

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں مؤمنوں کی جتنی خصوصیات صفات اور اخلاق بیان کئے ہیں اور ان کے لئے جتنی بھی بشارتیں اور عظمتیں ذکر کی ہیں وہ ساری خصوصیات اور صفات سب سے پہلے صحابہ کے لئے ثابت ہونگی بعد میں کسی اور کے لئے ہوں گی اگر قرآن یہ بتلاتا ہے کہ مؤمن سچے ہیں، نیکوکار ہیں ان کے ساتھ اللہ ہے مؤمنوں کے لئے اجر کریم ہے، اجر کبیر ہے، اجر عظیم ہے۔

مؤمنوں کے لئے مغفرت ہے، بشارت ہے، جنت ہے، ہدایت ہے، راحت ہے، عزت ہے، مؤمنوں پر اللہ کی رحمت ہے، ان کے لئے اللہ کی محبت ہے وہ اللہ کی جماعت ہیں وہ بھائی بھائی ہیں۔

مؤمن اللہ سے ڈرنے والے ہیں اسکے سامنے جھکنے والے اور گڑگڑانے والے ہیں تو یہ ساری باتیں عالم کے لئے بعد میں محدّث، مفسر عابد وزاہد کے لئے بعد میں مجاہد قطب اور ابدال کے لئے بعد میں ثابت ہونگی۔

سب سے پہلے یہ بشارتیں اور علامتیں صحابہ کرامؓ کے لئے ثابت ہوں گی۔ کیونکہ سب سے پہلے مؤمن صحابہؓ ہیں باقی سب بعد میں مؤمن ہیں بلکہ صاف بات تو یہ ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ مؤمن نہیں ہیں؟ تو دنیا میں کوئی بھی مؤمن نہیں۔ سوچیئے تو سہی! اگر ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ مؤمن نہ ہوں تو کیا ماوشما مؤمن ہو سکتے ہیں؟

وہ شخص کتنا احمق ہے جو اپنے زمین بوس جھونپڑے کا تو ڈھنڈورا پیٹتا ہے مگر آسمان کی بلندی کا انکار کرتا ہے، یا جسے اپنے چراغ کی روشنی پر تو بڑا گھمنڈ مگر آفتاب جہانتاب کی روشنی اسے دکھائی نہیں دیتی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں ایمان سچائی اور عدل وانصاف کے لئے رتی برابر جگہ بھی نہ ہو یا جسے صحابہؓ کی قربانیوں، ان کے مجاہدوں ان کے اخلاق اور صفات کا علم نہ ہو۔

اگر کوئی سوال کرے کہ صحابہ کون تھے؟ اس سوال کا سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ وہ مؤمنون سابقون تھے۔ وہ مسلمون اولون تھے۔ مگر اس سوال سے جواب کا حق ادا نہیں ہوگا جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ وہ کیسے مؤمن تھے کیسے مسلمان تھے؟ ان کا ایمان کیسا تھا؟ انہوں نے ایمان کی خاطر کیا کیا قربانیاں دیں؟ ان کی زندگیوں میں کیسا انقلاب آیا ان کی راتیں کیسے گزرتی تھیں۔ ان کے دن کہاں بسر ہوتے تھے۔

آخر ان کے اندر وہ کونسی بات پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے انہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنادی گئی اور "رَضِيَ اللهُ عَنهُم وَرَضُوا عَنهُ" کا سرٹیفکیٹ عطا فرد یا گیا اور یہ فیصلہ کر دیا گیا، کہ ساری دنیا کے عابد، زاہد اور مجاہد مل کر بھی ایک صحابیؓ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔

بے شک ایمان تو ہم بھی سینوں میں رکھتے ہیں لیکن صحابہ کے ایمان کی بات ہی کچھ اور تھی، ہم نے ایمان کے لئے کوئی قربانی نہیں دی ہم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہمارا نام مسلمان والا رکھ دیا گیا اور ہم مسلمان ہو گئے، ہمارے ماحول میں مسلمان کہلوانا یا ہونا مشکل نہیں۔

لیکن صحابہ کرامؓ نے جس ماحول میں اسلام قبول کیا اس ماحول میں اسلام قبول کرنا موت کو، مصیبتوں کو، تکلیفوں کو اور جبر وتشدد کو دعوت دینا تھا۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے یہ سب دیکھتے ہوئے جانتے بوجھتے ہوئے ایمان قبول کیا، اور جناب رسولِ اکرم ﷺ کا ڈنکے کی چوٹ پر ساتھ دیا۔ معاف کیجئے گا، میں تو کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر ہم آپ ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو کیا ہوتا؟

ویسے تو ظاہر ہے کون مسلمان ہوگا جسکے دل میں حسرت نہ اٹھتی ہو کہ اے کاش میں نے کائنات کے سردار کے منوّر، مقدس، مطہّر اور حسین وجمیل سراپا کی زیارت کی ہوتی، مگر دل میں خیال آتا ہے کہ اگر ہم جیسے کمزوروں کو آپ ﷺ کا مبارک زمانہ نصیب ہوتا اور ہمیں بھی ویسے ہی مصائب کا سامنا کرنا پڑتا جیسے مصائب اور مخالفتوں کا صحابہ کرامؓ کو سامنا کرنا پڑا تو کیا واقعی ہم استقامت کا ثبوت دیتے؟ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تو سب کچھ ہے۔ وہ چاہے تو کمزور سی چڑیا کو ہاتھی سے لڑنے کی جرأت عطا کرسکتا ہے۔ مگر بظاہر جب اپنی کمزوری پر نظر جاتی ہے تو ان مصائب کے سامنے ڈٹے رہنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے اور ان مظالم کے تصوّر سے جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے وہ سارے مظالم برداشت کئے اور ان کے ایمان میں ذرّہ برابر تزلزل واقع نہیں ہوا۔

صحابہ کرامؓ کی مظالم ومصائب میں استقامت

حضرت بلالؓ کو کفار نے لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا، لڑکے ان کو مکّہ کی پہاڑیوں میں گھسیٹتے پھرتے لیکن ان کی قوت ایمانی میں کسی قسم کا ضعف نہیں آیا۔

حضرت خبابؓ ام انمار کے غلام تھے وہ اسلام لائے تو ام انمار نے لوہا گرم کر کے ان کے سر پر رکھا ایک دن حضرت عمرؓ نے ان کی پیٹھ دیکھی تو کہا کہ آج تک ایسی پیٹھ میری نظر سے نہیں گزری۔

حضرت خبابؓ نے جواب دیا کہ: ''کفار نے انگاروں پر لٹا کر مجھ کو گھسیٹا تھا۔''

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کفار لوھے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں چھوڑتے تھے۔ لیکن دھوپ کی شدت سے ان کی حرارت اسلام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔

کفار حضرت ابوفکیہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں بیڑی ڈال کر دھوپ میں لٹا دیتے پھر پشت پر پتھر کی چٹانیں رکھ دیتے، یہاں تک کہ وہ مختل الحواس ہو جاتے، ایک دن امیہ نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں کو ان کے گھسیٹنے کا حکم دیا، اتفاق سے راہ میں ایک گبریلا جا رہا تھا، امیہ نے استہزاءً کہا: ''تیرا پروردگار یہی تو نہیں ہے؟'' بولے: ''میرا اور تیرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔''

اس پر اس نے زور سے اس کا گلا گھونٹا لیکن اس کے بے درد بھائی کو (جو اس وقت اس کے ساتھ تھا) اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی، اور اس نے کہا: ''اس کو اور اذیت دو۔''

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ تھی ایک دن کفار نے ان کو دھوپ میں لٹا دیا تھا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا: ''صبر کرو صبر، تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔'' لیکن ابوجہل کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ تمام بدن لہولہان ہو گیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو، میں تو اسلام لا چکی ہوں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب خانہ کعبہ میں اسلام کا اعلان کیا تو ان پر کفار ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے زمین پر لٹا دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اول اول خانہ کعبہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں بآواز بلند پڑھیں تو کفار نے ان کو اس قدر مارا کہ چہرے پر نشان پڑ گئے، لیکن انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ: ''اگر کہو تو کل پھر اسی طرح بآواز بلند قرآن کی تلاوت کروں۔''

ان اذیتوں کے علاوہ کفار ان غریبوں کو اور بھی مختلف طریقوں سے ستاتے تھے، پانی میں غوطے دیتے تھے، مارتے تھے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف سے بے چارے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں اکثر یا تو لونڈی، غلام تھے یا غریب لیکن ان کے علاوہ بہت سے دولت منداور معزز لوگ بھی کفار کے ظلم وستم سے محفوظ نہ رہ سکے۔

حضرت عثمانؓ نہایت معزز شخص تھے لیکن جب اسلام لائے تو خود انکے چچا نے ان کو رسی سے باندھ دیا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ جب اسلام لائے تو ان کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر لٹا دیتا تھا پھر نیچے سے ان کی ناک میں دھواں دیتا تھا۔ حضرت عمر کے چچازاد بھائی سعید بن زیدؓ اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا۔ حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشامؓ اسلام لائے تو کفار نے دونوں کے پاؤں کو ایک ساتھ باندھ دیا۔

حضرت ابو بکرؓ اسلام لائے تو ایک تقریر کے ذریعے دعوت اسلام دی کفار نے نامانوس آواز سنی تو اُن پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ حضرت ابو بکرؓ کے قبیلے بنو تیم کو ان کی موت کا یقین آ گیا اور وہ ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے گئے شام کے وقت ان کی زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف بیان کرتے آپ ﷺ کا حال پوچھا اب ان کے لوگ بھی ان سے الگ ہو گئے۔

لیکن ان کو اپنے اسی محبوب کے نام کی رٹ لگی رہی بالآخر لوگوں نے ان کو رسولِ اکرم ﷺ تک پہنچا دیا آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو ان کے اوپر گر پڑے، ان کا بوسہ لیا اور سخت رقت طبع کا اظہار فرمایا۔

صبر واستقامت کی یہ بہترین مثالیں تھیں اور صحابہ کرامؓ میں، خود اہل کتاب تک ان کے معترف تھے۔

چنانچہ استیعاب میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ شام میں گئے تو ایک اہل کتاب نے ان کو دیکھ کر کہا کہ عیسیٰ بن مریمؑ کے وہ اصحاب جو آروں سے چیرے اور سولی پر لٹکائے گئے ان

سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے والے نہ تھے۔

حضرت ام شریک ؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا، اور اس حالت میں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے تھے، اور پانی تک نہیں پلاتے تھے۔ جب اس طرح تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ: ''جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو۔'' وہ اس قدر بدحواس ہو گئیں تھیں کہ ان جملوں کا مطلب ہی نہ سمجھ سکیں اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید کا انکار مقصود ہے۔ بولیں: ''خدا کی قسم میں اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔''

صحابہ کرام ؓ کو ایمان کی خاطر صرف جسمانی تکلیفوں ہی کا سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ انہیں عزیزانہ تعلقات کی بھی قربانی دینی پڑی، بہن بھائی چھوڑنے پڑے ماں باپ نے منہ موڑ لیے بیوی بچے روٹھ گئے۔ لیکن صحابہ ؓ کے ایمانی قدم پیچھے نہیں ہٹے حالانکہ انسان کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ وہ بھوک پیاس، بیماری اور فقر وفاقہ کی سختی برداشت کر سکتا ہے لیکن خون کے رشتے نہیں توڑ سکتا۔

لیکن اُن عظیم انسانوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رشتہ جوڑنے کی خاطر باقی تمام رشتے توڑ دیئے۔ پھر صرف یہی نہیں کہ ایمان کی وجہ سے یہ خونی رشتے ہی ٹوٹ گئے ہوں بلکہ یوں بھی ہوا کہ جن سے خون اور نسل کے رشتے تھے انہوں نے ایمان قبول کرنے کے جرم کی وجہ سے اپنے ہاتھوں سے کوڑے مارے، تن کے کپڑے تک چھین لئے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیریں ڈال دیں اور کھانا پینا بند کر دیا۔ ذرا تصور کیجئے جب باپ کوڑے مارتا ہوگا، اور بھائی لباس چھین کر کہتا ہوگا: ''جا محمد ﷺ سے مانگ لے۔'' تو دل پر کیا گزرتی ہوگی؟ اپنوں کے دیئے ہوئے زخم کا درد کچھ سوا ہوتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ جب اسلام لائے تو ان کی ماں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اسلام کو نہ چھوڑیں گے، وہ ان سے نہ بات چیت کریں گی نہ کھانا کھائیں گی اور نہ پانی پیئیں گی۔

چنانچہ انہوں نے قسم پوری کی یہاں تک کہ تیسرے دن کے فاقہ میں بے ہوش ہوگئیں لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا اور انہوں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ: ''اگر تمہارے قالب میں ہزاروں جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اس دین کو نہیں چھوڑوں گا۔''

حضرت خالدؓ بن سعید اسلام لائے تو ان کے باپ نے ان کو سخت سرزنش کی، کوڑے مارے، قید کیا، کھانا پینا بند کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی معیّت نہ چھوڑی اور آخر کار حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی: **وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ** ''کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو۔'' اور اس کے ذریعے صحابہ ؓ کو حکم دیا گیا کہ مکہ میں ان کی جو کافر عورتیں ہیں ان کو چھوڑ دیں تو حضرت عمر ؓ نے اسی وقت اپنی دو کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی۔ بہت سی صحابیاتؓ اپنے اپنے شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں، اور ان میں سے ایک بھی اپنے دین سے برگشتہ نہ ہوئی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: **مانعلم ان احدا من المهاجرات ارتدت بعد ايما نها.** ''ہم کو ایسی مہاجر عورتوں کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد ہوگئی ہوں۔''

جسمانی تکلیفوں اور عزیزوں کی بے رخی کے ساتھ ایک اور خوفناک اژدھا تھا جس کا سامنا ایمان والوں کو کرنا پڑا اس اژدھا کو غربت و افلاس کہتے ہیں جو بڑے بڑے سورماؤں کے کس بل نکال کر سیدھا کر دیتا ہے۔ لوگ اس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی عزت و ناموس تک کا سودہ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں کتنے ہی لوگ ہیں جو پیٹ کی خاطر ایمان بیچ دیتے ہیں۔ مگر اس نیلگوں آسمان نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ بھوک کی وجہ سے ان کے پیٹ کمر کو لگ جاتے تھے۔ کئی کئی وقت ان کے منہ میں ایک لقمہ تک نہیں جاتا تھا۔ مگر راہِ وفا میں ان کے قدم ڈگمگاتے نہیں تھے۔ حضرت عتبہ بن غزوانؓ کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان

ہوں، اس وقت یہ حالت تھی کہ ہم لوگ درخت کے پتے کھا کر گزر اوقات کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ہمارے جبڑے پھٹ گئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ کے داماد تھے لیکن فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار گھر میں آئے تو دیکھا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ''یہ کیوں رو رہے ہیں؟......'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''بھوک سے بے تاب ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے تو بازار میں ایک پڑا ہوا دینار پایا، اس کا آٹا اور گوشت خریدا، لیکن محبت رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ اس حالت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو مدعو کئے بغیر کھانا نہیں کھایا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تو کفن تک میسر نہ تھا، بدن پر صرف ایک چادر تھی اسی کا کفن بنایا گیا لیکن وہ اس قدر مختصر تھی کہ سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے پاؤں چھپاتے تھے تو سر پر کچھ نہیں رہتا تھا، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''چادر سے سر کو اور پاؤں کو گھاس سے چھپا دو۔''

لیکن اور شہدائے احد کو یہ بھی نصیب نہ تھا اس لئے ایک چادر میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم دفن کئے گئے۔

اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو گلے سے باندھ لیتے تھے کہ تہبند اور کرتا دونوں کا کام دے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے دریافت فرمایا کہ: ''ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں؟'' ارشاد ہوا: اولکلکم ثوبان ''کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں؟''

مہاجرین کو کپڑے کی اس قدر تکلیف تھی کہ جب قرآن مجید کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے تو باہم مل جل کر بیٹھتے تھے۔ تاکہ ایک جسم دوسرے جسم کی پردہ پوشی کر سکے۔ ان بزرگوں کے پاؤں میں جوتے نہ تھے، موزے نہ تھے، سر پر ٹوپی نہ تھی اور بدن پر کرتہ نہ تھا۔ چنانچہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی

حالت میں ان کی عیادت کو گئے۔

کیا منظر ہوگا جب وہ اللہ والے جن کے قدموں کی خاک جنت کی مٹی سے افضل ہے، بازار سے ننگے سر اور ننگے بدن گزرتے ہونگے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر، قرآن کے منکر مذاق اڑاتے ہوں گے پھبتیاں کستے ہوں گے:۔

ارے اس لئے آبائی دین چھوڑا تھا کہ یوں غربت وافلاس کی زندگی گزارو تمہیں کیا دیا اس نئے دین اور نئے نبی کی غلامی نے؟...... "آؤ ہمارے پاس تمہیں نہال اور مالا مال کردیں گے۔" کعب بن اشرف نے حضرت محمد بن مسلمہ ﷺ کو، عاص بن وائل نے حضرت خباب ﷺ کو، اور شاہ غسّان نے حضرت کعب بن مالکؓ کو لالچ ہی کے ذریعے اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تھا۔

لیکن وہ لوگ کچھ عجیب ہی قسم کے تھے نہ انہیں ظلم وستم حق سے برگشتہ کرسکا، نہ عزیزوں کی جفا کاریاں ان کے ارادوں میں تزلزل پیدا کرسکیں، نہ وطن کی جدائی ان سے ایمان چھین سکی، نہ تحریص وترغیب انہیں حضور ﷺ سے بے وفائی پر آمادہ کرسکی اور نہ ہی مشرکوں کی پھبتیاں انہیں اپنے کئے پر شرمندہ کرسکیں۔

صحابہ کرامؓ میں قربانی کا بے پناہ جذبہ

صحابہ کرامؓ کے دل میں اسلام کے لئے سب کچھ قربان کردینے کا ایسا جذبہ تھا کہ تاریخ میں کسی لیڈر، کسی قائد، کسی گرو، کسی پنڈت اور کسی مذہبی یا سیاسی رہبر کے ماننے والے میں میں نہیں پایا جاتا۔ان کی سب سے بڑی خواہش اللہ کے راستے میں شہادت تھی ان میں سے ہر ایک دل میں شہادت کا بے تاب جذبہ لئے ہوئے تھا وہ اس موقع کی تلاش میں رہتے تھے جب اللہ کی راہ میں ناک کان اور گردن کٹوانے کی سعادت حاصل ہو۔

جنابِ رسولِ اکرم ﷺ پر ایک بدّو ایمان لایا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت پر آمادگی ظاہر کی آپ ﷺ نے اس کو بعض صحابہ ﷺ کے سپرد کردیا جن کے اونٹ وہ چرایا کرتا تھا۔لیکن

جب ایک غزوہ میں مال غنیمت ہاتھ آیا اور حضور ﷺ نے اس کا بھی حصہّ لگایا تو اس نے کہا: ''میں اس لئے ایمان نہیں لایا میں اسلئے حلقہ اسلام میں داخل ہوا ہوں کہ میرا حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہوں۔'' تھوڑی دیر بعد معرکۂ کارزار گرم ہوا تو وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہوا، صحابہ کرام ؓ لاش کو آپ ﷺ کے سامنے لائے۔ تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''اس نے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے بھی اس کی تصدیق کی۔'' یہ کہہ کر خود اپنا جبہ کفن کیلئے عنایت فرمایا۔

غزوۂ احد میں ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا: ''اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟'' ارشاد ہوا کہ: ''جنت میں'' کھجوریں ہاتھ میں تھیں، ان کو پھینکا اور لڑ کر شہید ہوئے۔

غزوۂ بدر میں جب مشرکین مکہ کے قریب آ گئے تو حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا: ''اٹھو! اور وہ جنت لو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔''

حضرت عمیر بن الحمام انصاریؓ نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! آسمان و زمین کے برابر؟''

ارشاد ہوا: ''ہاں......'' بولے: ''واہ واہ......'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''واہ واہ کیوں کہتے ہو؟'' بولے: ''صرف اس امید میں کہ شاید میں بھی اس میں داخل ہوسکوں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہوا کہ: ''تم داخل ہو گے'' اس سوال کے جواب کے بعد انہوں نے جھولی سے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر شوق شہادت نے جوش مارا اور بولے کہ: ''اتنا وقفہ بھی جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں، میرے لئے بہت ہے۔'' یہ کہہ کر کھجوروں کو ایک طرف پھینکا میدان میں گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

حضرت انس کے چچا غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لئے ہمیشہ یہ کانٹا ان کے دل میں کھٹکتا تھا۔ غزوۂ احد پیش آیا تو اس میں اس جانبازی کا ساتھ لڑ کر شہید ہوئے کہ ان کی بہن کا بیان ہے کہ تیر، نیزے اور تلوار کے اسّی (۸۰) سے زیادہ زخم جسم پر تھے، میں نے صرف انگلیوں سے ان کو پہچانا۔

ایک بار ایک صحابیؓ نے معرکہ جنگ میں یہ روایت کی کہ: ''جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں۔'' ایک صحابیؓ اٹھے اور کہا تم نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ بولے: ''ہاں......'' وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے رفقاء کے پاس آئے اور سلام کر کے رخصت ہوئے، تلوار کا میان توڑ کر پھینک دیا، اور دشمن کی صف میں گھس کر لڑے، اور شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طاعون ہوا، رسول اللہ ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو آثار موت ہو چکے تھے، عورتیں رونے پیٹنے لگیں، ان کی صاحبزادی روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ: ''مجھے توقع یہ تھی کہ آپ شہید ہوں گے آپ نے جہاد کا سامان بھی مکمل کر لیا تھا'، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔''

حضرت عمروؓ بن الجموح ایک بوڑھے اور لنگڑے صحابی تھے، غزوۂ بدر میں حضور ﷺ نے لنگڑے پن کی وجہ سے ان کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا تھا لیکن غزوۂ احد میں انہوں نے بیٹوں سے کہا کہ: مجھے میدان جہاد میں جانے دو۔ سب نے کہا: آپ کو تو رسول اللہ ﷺ نے معاف کر دیا ہے۔ بولے: افسوس تم نے مجھے بدر میں جنت سے محروم رکھا اور اب احد میں بھی محروم رکھنا چاہتے ہو؟ یہ کہہ کر روانہ ہوئے، جب لڑائی کا وقت آیا تو بولے: یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں شہید ہو جاؤں تو اسی طرح لنگڑاتا ہوا جنت میں پہنچ جاؤں گا؟ ارشاد ہوا: ''ہاں...... یہ سن کر آگے بڑھے لڑے اور شہید ہوئے۔

گرامی قدر قارئین! آپ نے دیکھا ان کے اندر اسلام کے لئے قربان ہو جانے کا کس قدر جذبہ تھا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں بے تاب رہتے تھے کہ کب موقع ملے اور کب وہ جان کا نذرانہ اپنے مالک کے حضور پیش کریں۔

رسولِ اکرم ﷺ کی محبت واطاعت اور صحابہ کرامؓ

محترم قارئین! آپ نے عوام کو اپنے قائدین سے، شاگردوں کو اپنے استادوں سے، بچوں کو اپنے والدین سے اور مریدوں کو اپنے پیروں سے محبت کرتے دیکھا ہو گا۔ آپ

نے اس بارے میں داستانیں بھی سنیں ہوں گی اور واقعات بھی نظروں سے گذرے ہوں گے۔ لیکن وہ محبت وعقیدت جو صحابہ کرام ؓ کو رسول اللہ ﷺ سے تھی اس کی نظیر تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

محبت وعقیدت کے ساتھ ادب اور احترام اور ادب واحترام کے ساتھ اتباع اور اطاعت میں بھی صحابہؓ اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت اُسید بن حضیرؓ ایک شگفتہ مزاج صحابی تھے، ایک روز وہ ہنسی مذاق کی باتیں کررہے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے کونچ دیا، انہوں نے اس کا انتقام لینا چاہا، آپ اس پر راضی ہوگئے لیکن انہوں نے کہا کہ آپ کے بدن پر قمیص ہے حالانکہ میں برہنہ تھا۔ آپ نے قمیص بھی اٹھائی قمیص کا اٹھانا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے لپٹ گئے، پہلو چومے اور کہا: ''یارسول اللہ! یہی مقصود تھا۔''

حضرت زاہرؓ ایک بدوی صحابی تھے جو رسول اللہ ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، آپ ﷺ بھی ان سے محبت رکھتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ: ''زاہر ہمارے بدوی ہیں اور ہم ان کے شہری ہے۔''

ایک دن وہ اپنا سودا فروخت کررہے تھے، آپ نے پیچھے سے آکر ان کو گود میں لے لیا۔ انہوں نے کہا: ''کون ہے؟ چھوڑو۔'' لیکن مڑ کر دیکھا اور معلوم ہوا کہ آپ ہیں تو اپنی پشت کو بار بار آپ کے سینے سے چمٹاتے تھے اور تسکین نہیں ہوتی تھی۔

ایک دن آپ ﷺ نے وضو کیا اور پانی بچ گیا، تو تمام صحابہ کرام ؓ نے لے کر جسم پر مَل لیا۔

ایک بار آپ ﷺ سر مُنڈوا رہے تھے، صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کو گھیر لیا، حجام سر مونڈتا جاتا تھا، اور صحابہ کرام ؓ اوپر ہی اوپر بالوں کو اچک لیتے تھے۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابومحذورہ ؓ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر دیا اس کے بعد انہوں نے عمر بھر نہ سر کے اگلے بال کٹوائے اور نہ مانگ نکالی بلکہ اس کو بطور متبرک یادگار

کے قائم رکھا۔

غزوۂ خیبر میں آپ ﷺ نے ایک صحابیہ ؓ کو خود دستِ مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا، وہ اس کی اس قدر، قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔

حضرت امیر معاویہ ؓ کے پاس آپ ﷺ کی ایک قمیص، ایک تہبند، ایک چادر اور موئے مبارک تھے، انہوں نے وفات کے وقت وصیّت کی کہ یہ کپڑے کفن میں لگائے جائیں اور موئے مبارک منہ اور ناک میں بھر دیئے جائیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کے چند بال حضرت ام سلمہ ؓ نے بطور یادگار کے محفوظ رکھے تھے، اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تھا، تو ایک برتن میں پانی بھر کر بھیج دیتا تھا، اور حضرت ام سلمہ ؓ اس میں بالوں کو دھو کر واپس بھیج دیتی تھیں۔ جس کو وہ شفا حاصل کرنے کے لئے پی جاتا تھا اور اس سے غسل کر لیتا تھا۔

ادب کا یہ عالم تھا کہ بغیر طہارت کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور حضور ﷺ سے مصافحہ کرنا گوارا نہ کرتے۔ مدینے کے کسی راستے میں آپ ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ ؓ کا سامنا ہو گیا، ان کو نہانے کی ضرورت تھی گوارا نہ کیا کہ اس حالت میں آپ کے سامنے آئیں اس لئے آپ کو دیکھا تو کترا گئے اور غسل کر کے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: ''ابو ہریرہ! کہاں تھے؟'' بولے: ''میں پاک نہ تھا اس لئے آپ کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔''

آپ ﷺ کے سامنے بیٹھتے تو فرطِ ادب سے تصویر بن جاتے احادیث میں اس حالت کا نقشہ ان الفاظ سے کھینچا گیا ہے: **کأنما علی رؤسھم الطیر** ''یعنی صحابہ ؓ آپ ﷺ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہوں۔

ادب کے مارے آپ کے سامنے چلنا پسند نہیں کرتے، ایک سفر میں حضرت ابن عمر ؓ ایک سرکش اونٹ پر سوار تھے جو رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل جاتا تھا۔ حضرت عمر نے ان کو

ڈانٹا کہ کوئی آپ سے آگے نہ بڑھنے پائے۔

ایک شخص کا نام محمد تھا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک آدمی اس کو گالیا دے رہا ہے، بلا کر کہا کہ دیکھو تمہاری وجہ سے محمد کو گالی دی جارہی ہے، اب تادم مرگ تم اس نام سے نہیں پکارے جاسکتے۔

چنانچہ اسی وقت ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا پھر بنوطلحہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جو لوگ اس نام کے ہوں سب کے نام بدل دیئے جائیں، اتفاق سے وہ لوگ سات آدمی تھے اور ان کے سردار کا نام محمد تھا لیکن انہوں نے کہا: ''خود رسول اللہ ﷺ ہی نے میرا نام محمد رکھا ہے۔'بولے: ''اب میرا اس پر کچھ زور نہیں چل سکتا۔''

محبت وعقیدت اور ادب واحترام کے ساتھ وہ اطاعت میں بے مثال تھے، ہماری طرح زبان سے محبت کے خالی دعوے کرنے والے انسان نہیں تھے بلکہ وہ حقیقی اور سچے عاشق تھے۔ جنہوں نے حضور ﷺ کی غلامی میں اپنی مرضی، اپنی خواہش اپنا آرام، اپنا خیال اور اپنی سوچ سب کچھ قربان کردیا تھا وہ زندگی کے ہر باب میں آپ کی اطاعت کے لئے آمادہ اور تیار رہتے تھے۔

آپ ﷺ نے ایک صحابیؓ کو ایک رنگین چادر اوڑھے دیکھا تو فرمایا: ''یہ کیا ہے؟ وہ سمجھ گئے کہ آپ نے ناپسند فرمایا وہ فوراً گھر میں آئے اور اس چادر کو چولھے میں ڈال دیا۔

وہ چادر کسی دوسرے کے استعمال میں آسکتی تھی، عورتیں پہن سکتی تھیں، گھر کے کسی کام میں آسکتی تھی مگر ان کی سوچ یہ تھی کہ جو چیز سرورکون ومکاں ﷺ کی ناراضگی کا سبب بنی وہ باقی ہی کیوں رہے؟......

حضرت خریم اسدیؓ ایک صحابی تھے جو نیچی تہبند باندھتے تھے اور لمبے بال رکھتے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا: ''خریم اسدیؓ کتنا اچھا آدمی تھا، اگر لمبے بال نہ رکھتا اور نیچی تہبند نہ باندھتا؟'' ان کو معلوم ہوا، فوراً قینچی منگوائی اس سے بال کترے اور تہبند اونچی کرلی۔ کوئی تاویل نہیں، کوئی حجّت نہیں، کوئی عذر پیش نہیں کیا بس آقا کا حکم تھا فوراً تعمیل کر

ڈالی۔

حضرت حذیفہؓ کے سامنے مدائن کے ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا، انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ: ”میں نے اس کو منع کیا تھا یہ باز نہ آیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔“

جس چیز سے آقا نے منع فرمایا ہے۔ وہ چیز ہمارے استعمال میں کیسے آسکتی ہے؟ اور میں نے اسے ایک دفعہ بتایا تھا، تو پھر یہ وہی پیالہ میرے پاس کیوں لے کر آیا؟

ایک بار آپ راستہ سے گزرے راہ میں ایک بلند خیمہ نظر سے گذرا تو فرمایا یہ کس کا ہے، لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، آپ کو یہ شان وشوکت ناگوار ہوئی مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا۔

کچھ دیر بعد انصاری بزرگ آئے اور سلام کیا لیکن آپ نے ناراضگی سے منہ پھیر لیا۔ بار بار یہی واقعہ پیش آیا تو انہوں نے دوسرے صحابہؓ سے آپ کی ناراضگی کا سبب معلوم ہوا تو انہوں نے خیمہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ گویا صحابہ کو زبان سے کہنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی تھی وہ تو بس آقا کے چہرے کی سلوٹوں، چہرے کی رنگت اور آپ کے سکوت وتعلیم ہی سے آپ کی مرضی اور آپ کا منشا معلوم کرتے تھے، اور جب نبوت کی مرضی اور منشا معلوم ہو جاتا تھا تو پھر وہ تعمیل میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کرتے تھے۔

اصل میں انہیں حضور ﷺ فداہ امی وابی کی ہر بات ہر ارشاد اور ہر پیشینگوئی پر ایسا یقین تھا کہ شاید ہمیں آسمان کے بلند ہونے، زمین کے پست ہونے، دن کے روشن ہونے، رات کے تاریک ہونے بلکہ اپنے وجود پر بھی ویسا یقین نہ ہو۔ ان کا یقین تھا کہ ہر بات جھوٹی ہو سکتی ہے ہر خبر غلط ہو سکتی ہے مگر جو بات آقا کے منہ سے نکلی اور جو خبر آقا نے دی ہو وہ جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتی ہے۔

انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی اور صرف نبی کی سچی غلامی اور نبی کے حکم کی اتباع اور ماننے میں ہے۔

ایک بار حضرت عمران بن حصینؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ: ''اہل وعیال کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے۔'' اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ اگر ایک خراسان میں مر جائے اور اہل وعیال یہاں پر ماتم کریں تو کیا آپ کے خیال میں اس پر خراسان میں عذاب ہوگا، بولے رسول اللہ ﷺ نے جو خبر دی ہے وہ سچ ہے اور تو جھوٹ بکتا ہے۔

ایک بار آپ ﷺ نے کسی بدو سے گھوڑا خریدا اور قیمت ادا کرنے کے لئے اس کو ساتھ لے چلے لیکن آپ ﷺ تیزی سے آگے بڑھ گئے اور بدّو پیچھے رہ گیا، لیکن جن لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ نے گھوڑا خرید لیا ہے وہ بدو سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے خریداروں کو دیکھ کر بدو نے آپ ﷺ کو پکار کر کہا، لینا ہو تو لیجئے، ورنہ میں گھوڑے کو فروخت کر ڈالتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے تو اس کو میرے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔''

بولا نہیں گواہ ہو تو لایئے، حضرت خزیمہؓ بن ثابت اگر چہ بیع کے وقت موجود نہ تھے، تاہم کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تم نے آپ کے ہاتھوں گھوڑا فروخت کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''خزیمہ! تم تو اس وقت موجود نہ تھے جب میرا بدو کے ساتھ سودا ہوا تھا پھر تم نے یہ شہادت کیوں کر دی؟

عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی تصدیق کی بنا پر گویا وہ یوں کہنا چاہتے تھے کہ جب ہم عالم بالا کی خبروں کے بارے میں آپکی تصدیق کرتے ہیں اور آپکو سچا جانتے ہیں تو اس چھوٹی سی خبر میں، ہم آپکی تصدیق کیوں نہیں کریں گے؟

چنانچہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ منفرد شرف حاصل ہوا، کہ حضور ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔

صحابہ کی کس کس ادا کا تذکرہ کیا جائے حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی ہر ادا مثالی اور ہر بات بے نظیر تھی، ان کا ایمان ان کا یقین، ان کی صداقت، ان کی دیانت، ان کا ایثار، ان کا جذبۂ جہاد ان کی فیاضی ان کے معاملات، ان کی عفت وطہارت، ان کی نمازیں اور ان کا صدقہ وخیرات ہر چیز بے مثال تھی۔ آج ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ تو حقیقت میں نقل ہے،

اصل تو صحابہؓ کے ہاں تھی۔

ہماری تقریریں اثر سے خالی، ہماری دعائیں روح سے خالی، ہماری نمازیں خشوع سے خالی، ہماری عبادتیں مغز سے خالی اور ہمارا صدقہ وخیرات اخلاص سے خالی ہے۔ آج ہماری مسجد میں کوئی ایک نمازی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نماز خشوع وخضوع والی ہو، کوئی ایک بندہ ایسا دکھائی نہیں دیتا جس کی آنکھیں خوفِ آخرت سے آنسو بہاتی ہوں، مگر وہ کیسا قابلِ رشک وقت تھا جب ہر نمازی خشوع وخضوع کا پیکر ہوتا تھا، جب ہر مؤمن کی آنکھیں بارش برساتی تھیں، اوردل کی وادی کو سیراب کرتی تھیں۔

آج یہ وادی بنجر ہوچکی ہے یہاں روحانیت کے پھول کے بجائے مادیت کے کانٹے اگ آئے ہیں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ نماز سے وہ فائدے اور برکتیں حاصل ہوں جن کا وعدہ اللہ کے سچے رسول نے کیا ہے تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہ جیسی نماز پڑھنے کی کوشش کیجئے، ان کی نمازوں کا حال احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اس خشوع وخضوع کے ساتھ نماز اورقرآن پڑھتے کہ ان پر شدت سے گریہ طاری ہوجاتا اور کفار کی عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے۔ حضرت عبداللہ بن شدّاد کا بیان ہے کہ میں باوجود یکہ پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنتا تھا۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک رات تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت یعنی ”اَم حَسِبَ الذِینَ اجتَرَحُوا السَّیئَاتِ......الخ“ کی قرأت میں صبح کردی اسی کو بار بار پڑھتے تھے، رکوع کرتے تھے، سجدے میں جاتے تھے اورروتے تھے۔

محبوب سے محبوب چیز بھی اگر صحابہؓ کی حضوری نماز میں خلل انداز ہوتی تو وہ ان کی نگاہ میں مبغوض ہوجاتی۔

ایک دن حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھی، پھنس گئی اور نکلنے کی راہ ڈھونڈنے لگی ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اچھل کود کا منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے۔

پھر نماز کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں؟ دل میں کہا کہ اس باغ نے فتنہ پیدا کیا۔ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں۔''

اسی خشوع وخضوع کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ نہایت سکون واطمینان کیساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ رکوع کے بعد قیام میں دونوں سجدوں کے درمیان اس قدر دیر لگاتے کہ لوگ سمجھتے کہ کچھ بھول گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ ستون کھڑا ہے۔ ایک دن رکوع میں اس قدر جھکے رہے کہ ایک شخص نے "سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء" اور "مائدہ" جیسی طویل سورتوں کی تلاوت کرڈالی لیکن انہوں نے اس درمیان سر نہ اٹھایا۔

آپ نے بہت سارے نمازی ایسے دیکھے ہوں گے جو نماز تو پابندی سے پڑھتے ہیں، مگر معاملات میں کمزور ہوتے ہیں، کم تولتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں۔ ایسے ہی نمازی حقیقت میں نماز کو بدنام کرتے ہیں۔ مگر صحابہ کرامؓ کی خشوع وخضوع والی طاقت اور نمازیں انہیں گناہوں سے روکتی تھیں، ان کے معاملات کی صفائی کو دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ دورِ صحابہؓ میں یہ چیز اتنی عام ہوگئی تھی کہ غلام، لونڈیاں اور عام چرواہے تک دیانت داری کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے اطراف سے نکلے ایک خداترس چرواہا بکریاں چرا رہا تھا انہوں نے اس کو کھانے پر بلایا۔ لیکن اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے

ہوں اب انہوں نے اس کے ورع وتقویٰ کا امتحان لینے کو کہا ان بکریوں میں سے ایک بکری فروخت کر دو، ہم تمہیں قیمت بھی دیں گے اور افطار کرنے کے لئے گوشت بھی، لیکن اس نے کہا بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں۔ انہوں نے کہا تمہارا آقا کیا کرے گا؟ اب چرواہے نے پیٹھ پھیر لی اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: ''تو خدا کہاں چلا جائے گا؟''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس فقرے پر محو ہو گئے، اور بار بار اس کو دھرانے لگے، مدینہ میں پلٹ آئے تو اس کو اس کے آقا سے مع بکریوں کے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں اس پر ہبہ کر دیں۔

ان حضرات کی یہ سوچ کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے انہیں ہر طرح کی خیانت اور بے اختیاری سے محفوظ رکھتی تھی، اور آج ہمارے اندر یہی سوچ نہیں رہی ہے، ہم نے جگہ جگہ اس مضمون کے کتبے لٹکا رکھے ہیں کہ: ''خدا دیکھ رہا ہے۔'' لیکن یہ مضمون ہماری فکر ونظر میں پیدا نہیں ہو سکا۔ صحابہ کرامؓ نے اس مضمون کے کتبے تو نہیں لٹکائے مگر اللہ کے ہر وقت ہر جگہ دیکھنے کا یقین ان کے رگ وریشہ میں سمایا ہوا تھا اور یہی یقین تھا جو بڑی بڑی آزمائشوں میں ان کے قدموں میں لغزش نہیں آنے دیتا تھا۔

ایک بار حضرت ابی بن کعبؓ نے سو اشرفیوں کا توڑا پایا اور کمال دیانت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک مالک کی جستجو میں منادی کرتے رہو۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ دوسرے سال پھر حاضر خدمت ہوئے، آپ ﷺ نے پھر یہی حکم دیا وہ حکم بجالائے پھر تیسرے سال آئے، آپ ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا، جب اب کے بھی مالک نہیں ملا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بحفاظت رکھ لو، اگر مالک مل گیا تو خیر ورنہ خرچ کر ڈالو۔

ایک صحابی کی اونٹنی گم ہو گئی اور انہوں نے دوسرے صحابی سے کہدیا کہ ملے تو پکڑ لینا، ان کو اونٹنی مل گئی لیکن اس کا مالک کہیں چلا گیا انہوں نے اونٹنی اپنے یہاں رکھ چھوڑی کہ مالک آئے تو حوالے کر دیں اسی اثناء میں اونٹنی بیمار پڑ گئی، بیوی نے کہا ذبح کر ڈالو۔ فقر وفاقہ

کی یہ حالت تھی کہ مردار کھانے پر مجبور تھے۔

چنانچہ اونٹنی مرگئی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت بھی دے دی لیکن کمالِ دیانت سے ذبح کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ مالک آیا تو انہوں نے تمام سرگذشت کہہ سنائی اس نے کہا ذبح کیوں نہیں کر ڈالا؟ بولے: ''تم سے شرم آتی تھی۔''

وہ دوسروں کا حق تو کیا کھاتے ان کا حال تو یہ تھا، کہ وہ اپنا حق بھی دوسروں کے لئے چھوڑ دیتے تھے، خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلانا، خود پیاسے رہ کر دوسروں کو پلانا انہیں بڑا اچھا لگتا تھا۔

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا سو اتفاق سے آپ ﷺ کے گھر پانی کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا آج کی شب کون اس مہمان کا حقِ ضیافت ادا کرے گا؟ ایک انصاری یعنی ابوطلحہؓ نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں۔'' چنانچہ اس کو ساتھ لے کر گھر آئے، بی بی سے پوچھا کچھ ہے؟ بولیں: ''صرف بچوں کا کھانا ہے۔'' بولے بچوں کو تو کسی طرح بہلاؤ جب میں مہمان کو گھر لے آؤں تو چراغ بجھا دو اور میں اس پر یہ ظاہر کروں گا کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ رات خدا تمہارے ان حسن سلوک سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی: وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ''وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود تنگ دست ہوں۔''

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہؓ، حضرت حارث بن حشامؓ اور حضرت سہل بن عمروؓ زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہؓ نے پانی مانگا، پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیل پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں بولے پہلے ان کو پلاؤ، حضرت سہیلؓ کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارث بن ہشامؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے، بولے ان کو پلاؤ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔

حضرت سعد بن عبادہؓ کے قلعہ کے اوپر سے روزانہ ایک آدمی پکارتا کہ جس کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آئے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو زیادہ تر وہی کھانا تیار کروا کے بھیجتے تھے۔ اصحاب صفہ کے معاش کا زیادہ تر دارومدار ان ہی کی فیاضی پر تھا۔ چنانچہ جب شام ہوتی تو اور صحابہ ان میں سے ایک یا دو کو لے جاتے لیکن وہ اسّی اسّی آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے تھے۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از ندائے منبر و محراب)

عہد صحابہؓ کی دلکش تصویر

قرآن مجید نے صحابہؓ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُم ''وہ کافروں کے لئے تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل'' ان کی زندگی ان کے آپس کے تعلقات ان کا ایک دوسرے کے ساتھ سلوک وباہمی محبت اکرام واحترام پاسداری اور ادائے حقوق کے واقعات اس آیت قرآنی کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے خلاف جو بھی بیان کیا گیا ہے یا بیان کیا جائے وہ قرآن کی تکذیب تاریخ کی تغلیط اور تربیت نبوی ﷺ کے بارے میں بدگمانی اور تشکیک کے مترادف ہے، بطور دلیل یہ واقعات ملاحظہ کریں:۔

بخاری شریف کی روایت ہے، عقبہ بن حارث کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عصر کی نماز پڑھی پھر باہر نکل کر ٹہلنے لگے، آپؓ نے حضرت حسنؓ کو دیکھا کہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے اپنے کندھے پر بٹھالیا اور فرط محبت سے کہا: ''میرا باپ قربان ہو، یہ تو رسول اللہ ﷺ کے مشابہہ ہیں، حضرت علیؓ کے مشابہہ نہیں۔'' حضرت علیؓ سن رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔

ابن سعد حضرت جعفر سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت محمد باقر سے وہ امام زین العابدین سے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس یمن کے حُلے آئے۔ حضرت عمر نے لوگوں

میں تقسیم کردیئے وہ یہ پوشاک پہن کر مسجد نبویؐ میں آئے، آپ روضہ اور منبر کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے لوگ آتے سلام کرتے اور دعا دیتے اتنے میں حسنؓ وحسینؓ مکان سے باہر نکلے ان کے جسم پر کوئی حُلہ نہیں تھا۔

حضرت عمرؓ افسردہ اور اداس بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میں ان بچوں کی وجہ سے مغموم ہوں کہ ان کے بدن کے مطابق کوئی حُلہ نہیں تھا سب بڑی عمر والے کے لئے تھے۔ پھر آپ نے یمن اپنے عامل کو لکھا کہ حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کے لئے دو حُلے بھیجو اور تاخیر نہ کرنا، اس نے فوراً دو پوشاکیں بھجیں۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے ان دونوں کو پہنایا۔ تب اطمینان ہوا۔ ایسی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں لیکن ہم اختصاراً انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ان خصوصیات کی بنا پر یہ پہلا اسلامی معاشرہ جس کی بنیاد صحبت نبوی تربیت ایمانی اور تعلیمات قرآنی پر پڑی تھی ایک بے خار انسانی گلدستہ بن گیا جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لئے باعث زینت تھی۔ مختلف قبائل مختلف خاندانوں اور مختلف حیثیتوں کے افراد ایک خوش اسلوب متحد القلوب خاندان میں تبدیل ہوگئے اور اسلام کی انقلاب انگیز اور رسول اللہ ﷺ کی معجزانہ صحبت نے ان کو شیر وشکر بنادیا۔

اس موقعہ پر خواجہ الطاف حسین حالیؔ کی شہرہ آفاق مسدس کا ایک اقتباس نقل کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس معاشرہ کی بولتی ہوئی تصویر کھینچی گئی ہے۔

یہ تصویر مبنی برحقیقت ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی دلکش ودل آویز ہے اس کی پوری نسلِ انسانی کے وسیع اور ضخیم مرقع میں پیغمبروں کی سیرت وتاریخ کے بعد سب سے پہلی اور اونچی جگہ دینی چاہیئے۔

مولانا حالیؔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور خلافتِ راشدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی صحبت نبیؐ نے کیا خلق سے قصدِ رحلت

تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے

رہِ کفر و باطل سے بیزار بندے
نشہ میں مئے حق کے سرشار بندے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکام دین پر جھکا دینے والے خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے

ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط اک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا

یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت فقیر اور غنی سب کی تھی ایک جیسی حالت

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہباں ہو گلہ کا جیسے نگہباں چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں

کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی

جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ

کفایت جہاں چاہئے واں کفایت سخاوت جہاں چاہئے واں سخاوت
جچی اور تلی دشمنی اور محبت نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

قرآن مجید احادیث صحیح اور مستند تاریخ کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کے جو خدوخال اس کا جو سراپا اور نقشہ اور اس سے آگے بڑھ کر اس کا مذاج ومذاق سامنے آتا ہے اس سے نہ صرف اولین مسلمان اور آغوش نبوت کے پروردہ اور درس گاہ نبوی کے تربیت یافتہ لوگوں کی ایک ایسی بڑی تعداد میں افراد انسانی کی ایک حسین اور دلکش تصویر سامنے آتی ہے جس سے بہت کم تعداد میں بھی اور صدیوں کے فرق اور مکان وزماں کے تفاوت سے بھی کوئی ایسی معیاری اور مثالی جماعت نظر نہیں آتی اس جماعت سے انسانی فطرت کی خیر قبول کرنے کی صلاحیت، اس کی ترقی، پاکیزگی، بلند پروازی ایسے وسیع امکانات جہاں انسانوں کی ذہانت پہنچنی مشکل ہے۔ مخلص اور مؤید من اللہ مصلحین ومربیوں کی کوشش ومحنت کی کامیابی کا ثبوت ملتا ہے اور انسانیت کو خود اپنے اوپر ناز کرنے اور ہر دور کے انسانوں کو فخر ومباہات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ ان کی جنس اور نوع میں ایسے بلند پایہ انسان پیدا ہوئے جن میں ہر ایک بقول اقبال ؎ خاکی ونوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات

کا مصداق تھا۔ اس سے فرد انسانی احساس کہتری مردم بیزاری اور مایوسی کے

امراض سے شفا پاتا ہے۔ صحیح خطوط پر کام کرنے والوں کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور انبیاء و مرسلینؑ سے عمومیت کے ساتھ اور سید المرسلین خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے خصوصیت کے ساتھ عظمت و عزت راسخ ہوتی ہے۔

آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کے نتائج کو دیکھ کر ایمان بالغیب ایمان شہودی بن جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے بہت صحیح لکھا ہے۔ مجموعی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے بعد افرادِ انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرام ؓ سے بہتر سیرت و کردار کی نظر نہیں آتی۔ (تحریر مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ)

صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کے لئے سب کچھ لٹا دیا

صحابہ اکرامؓ کے سینوں پر انوار رسالت براہ راست پڑے تھے انہوں نے اپنے گھر بار اپنا مال و منال اپنا سب کچھ حضور ﷺ کی خاطر لٹا دیا۔

صدیق اکبرؓ کو دیکھئے ابھی اسلام کا آغاز تھا۔ مکے کی بستی کافروں سے بھری ہوئی تھی حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کی محبت سے سرشار تھے۔ آپ ﷺ سے التجا کی کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں لوگوں کو اعلانیہ آپ ﷺ کی رسالت کی اطلاع دوں اور آپ ﷺ سے فیضیاب ہونے کی دعوت دوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکرؓ! ذرا صبر سے کام لو، ابھی ہم تعداد میں کم ہیں۔'' حضرت ابوبکر ؓ پر غلبہ حال طاری تھا انہوں نے پھر اصرار کیا حتیٰ کہ حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بے خوف و خطر لوگوں کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دی۔ البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: فَكَانَ أَوَّلُ خَطِيبٍ دَعَا إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ. ''حضور ﷺ کی بعثت کے بعد حضرت ابوبکرؓ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا۔''

مشرکینِ مکہ آپ ؓ پر ٹوٹ پڑے آپ ؓ کو سخت پیٹا اور روندا، عقبہ بن ربیعہ نے

آپ ﷺ کے چہرے پر بے تحاشا تھپڑ مارے۔ آپ ﷺ قبیلہ بنو تمیم سے تھے آپ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے آئے مشرکین سے انہیں چھڑا کر ان کے گھر چھوڑ آئے حضرت ابوبکر صدیقؓ بے ہوش تھے اور لوگوں کا خیال تھا کہ وہ جانبر نہ ہو سکیں گے وہ دن بھر بے ہوش رہے شام ہوئی تو آپ کو ہوش آیا، آپ کے والد ابوقحافہ اور آپ کے قبیلے کے لوگ آپ کے پاس کھڑے تھے، ہوش میں آتے ہی پہلی بات انہوں نے یہ کہی کہ: ''رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟''

ان کے قبیلے کے لوگ برہم ہوئے اور انہیں ملامت کی کہ جس کی وجہ سے یہ ذلت و رسوائی تمہیں اٹھانی پڑی اور یہ مار پیٹ تمہیں برداشت کرنا پڑی ہوش میں آتے ہی تم پھر اسی کا حال پوچھتے ہو۔ ان اندھوں کو کیا خبر تھی کہ ان کی خاطر سختیاں جھیلنے میں جو لذت ہے وہ دنیاداروں کو پھولوں کی سیج پر اور بستر پر حاصل نہیں ہوتی ہے۔

اے جفاہائے وخوشتر زوفائے دیگراں

ان کے قبیلے کے لوگ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور ان کی ماں ام الخیر سے کہہ گئے کہ جب تک محمد (ﷺ) کی محبت سے یہ باز نہ آجائے اس کا بائیکاٹ کر وا اور اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دو ماں کی مامتا تھی جی بھر آیا کھانا لا کر سامنے رکھ دیا اور کہا کہ دن بھر کے بھوکے ہو کچھ کھا لو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا: ''ماں! خدا کی قسم میں کھانا نہیں چکھوں گا اور پانی کا گھونٹ تک نہیں پیوں گا جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نہ کرلوں۔''

حضرت عمرؓ کی بہن ام جمیل آگئیں اور بتایا کہ حضور ﷺ بخیریت ہیں، اور دارِ ارقم میں تشریف فرما ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ زخموں سے چور تھے چلنے کے قابل نہ تھے اپنی ماں کے سہارے سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر جھک پڑے اور انہیں چوما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سخت گریہ طاری تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ صدیق

اکبر حضور ﷺ کی محبت میں اپنے جسم اور اپنی جان کی سب کلفتیں بھول گئے۔

صحابہ کرام حضور ﷺ کی زیارت کو ترستے تھے آپ ﷺ نے مرض الموت میں جب پردہ اٹھا کر دیکھا اور صحابہ کرامؓ کو نماز کی حالت میں دیکھ کر مسکرائے تو صحابہ کرامؓ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''ہم نے حضور ﷺ کے مکھڑے سے زیادہ حسین منظر نہیں دیکھا ہے۔ کچھ عاشقانِ رسول ﷺ ایسے بھی تھے جن کو اپنی آنکھیں محض اس لئے عزیز تھیں کہ ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوتی ہے۔ ؎

نازم بچشم خود جمال تو دیدہ است

ایک صحابیؓ کی آنکھیں جاتی رہیں، لوگ عیادت کو آئے تو کہنے لگے یہ آنکھیں تو مجھے اس لئے عزیز تھیں کہ ان سے آپ ﷺ کی زیارت ہوتی تھی جب وہی نہ رہے تو ان آنکھوں کے جانے کا غم کیا ہے؟۔ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین تو ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے روز روز کا جھگڑا ہی چکا دیا تھا۔ زندگی کا سب کاروبار چھوڑ چھاڑ کر حضور ﷺ کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے تھے، حضرت بلال کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ ﷺ کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا آپ ﷺ کے گھر کا سب کام کاج حضرت بلالؓ ہی کرتے تھے دنیا کے سب دھندوں کو خیر باد کہہ چکے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی آپ سفر کے لئے تشریف لے جاتے ساتھ ہو لیتے، آپ کو جوتیاں پہناتے آپ کی جوتیاں اتارتے سفر میں آپ کا بچھونا، مسواک، جوتا اور وضو کا پانی ان ہی کے پاس ہوتا تھا، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو صحابہ کرامؓ سوادِ رسول (ﷺ) کہتے تھے یعنی حضور ﷺ کے میر ساماں تھے۔

حضرت ربیعہ اسلمیؓ سارا دن آپ ہی کی خدمت میں رہتے تھے جب آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لے جاتے تو آپؓ باہر دروازے پر بیٹھے رہتے کہ شاید آپ ﷺ کو کوئی کام پڑ جائے اور میرے بھاگ جاگ اٹھیں اور حضور ﷺ کی

خدمت کی سعادت نصیب ہو جائے۔

ایک دن حضور ﷺ نے ربیعہؓ سے فرمایا: ''ربیعہؓ! تم شادی کیوں نہیں کرتے؟......'' کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! شادی کی تو آپ (ﷺ) کا آستانہ مجھ سے چھوٹ جائے گا۔ مگر حضور ﷺ نے بار بار اصرار کیا اور وہ مجبور ہو گئے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ آپ کے مستقل خدمت گزار تھے آپ ﷺ سفر پر جاتے تو حضرت عقبہ بن عامرؓ پیدل آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلتے اور آپ ﷺ کی اونٹنی ہانکتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ کو ان کی والدہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت کے لئے بچپن ہی میں وقف کر گئیں تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی بارگاہ رسالت میں ہمیشہ حاضر رہتے۔

عشق وشیفتگی کی یہی کیفیت تھی جس کی وجہ سے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتے رہے، وہ صرف مصیبتیں جھیلتے ہی نہ تھے بلکہ ان مصیبتوں میں ایک لذت اور سُرور محسوس کرتے تھے۔

محبت کا یہ جذبہ ان میں ایسی سرشاری پیدا کرتا تھا کہ جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت انہیں محسوس ہی نہیں ہوتی تھی۔ صحابہؓ میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کی عمر اتنی نہ ہوئی کہ وہ اسلام کی غربت کے ساتھ ساتھ اسلام کے عروج واقبال کا زمانہ بھی دیکھتے اور عدیؓ بن حاتم کی طرح کہہ سکتے: کُنتُ فِی من فتحَ کُنُوزَ کِسریٰ ''میں ان لوگوں میں سے تھا۔ جنہوں نے کسریٰ کے خزانوں کو کھولا۔'' تاہم جب دنیا سے گئے، تو اس عالم میں گئے، کہ ان سے زیادہ عیش وخوشحالی میں شاید ہی کسی نے دنیا چھوڑی ہو۔

بدر واحد کے شہیدوں کا حال پڑھو، ایمان لانے کے بعد جو کچھ بھی حصہ میں آیا وہ دن رات کی کاوشوں اور مصیبتوں کے سوا کیا تھا؟ وہ اسلام کی فتح یابیوں اور کامرانیوں سے پہلے ہی دشمنوں کی تیغ وسناں سے چور میدان جنگ میں قدم توڑ رہے تھے مگر دیکھو کہ پھر بھی ان کے دل کی شادمانیوں کا کیا حال تھا۔

جنگ احد میں سعد ؓ بن ربیع کو لوگوں نے دیکھا کہ زخمیوں میں پڑے دم توڑ

رہے ہیں۔ پوچھا: ''کوئی وصیت اگر کرنی ہوتو کردو۔'' کہا: ''اللہ کے رسول ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دینا اور میری قوم سے کہہ دینا کہ راہ خدا میں اپنی جانیں نثار کرتے رہیں۔

عمارہؓ بن زیاد زخموں سے چور جانکنی کی حالت میں تھے کہ خود حضور ﷺ سرہانے پہنچ گئے اور عمارہؓ کے بھاگ جاگ اٹھے۔

فرمایا: ''عمارہ! کوئی آرزو ہوتو کہو۔'' عمارہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر آپ کے قدموں کے قریب کر دیا اور درد بھری آواز میں بولے: ''میری آرزو یہ ہے کہ جان نکلتے وقت آپؐ کے چہرے پر میری نظریں جمی ہوئی ہوں اور میری نظروں میں آپؐ کے سوا کچھ نہ ہو۔ عورتوں تک کا یہ حال تھا کہ بیک وقت انہیں ان کے شوہر بھائی اور باپ کے شہید ہوجانے کی خبر سنائی جاتی تھی اور وہ کہتی تھیں: ''یہ تو ہوا، مگر یہ تو بتلاؤ اللہ کے رسول ﷺ کا کیا حال ہے؟......'' مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں جو شخص اقتداء کرنا چاہتا ہے اسے چاہئیے کہ اصحابِ رسول ﷺ کی اقتداء کرے، اس لئے کہ ان کے دل ساری امت سے زیادہ نیک اور پاک تھے، ان کے علم میں سب سے زیادہ گہرائی تھی۔ وہ سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ پر تھے، ان کے حالات سب سے بہتر تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی صحبت کے لئے چن لیا تھا، پس تم ان کی قدر و منزلت کو پہچانو، اور ان کے نقش قدم پر چلو اس لئے کہ سیدھی راہ پہ گامزن یہی لوگ تھے۔

صحابہ کرامؓ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سید اولین و آخرین کی صحبت کے لئے چن لیا تھا اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہوئی کہ وہ خاتم النبیین سے براہِ راست فیض حاصل کریں اور حضور ﷺ خود ان کا روحانی تزکیہ کریں اور خود کتاب و حکمت کی انہیں تعلیم دیں۔

ان کی شان میں گستاخی سراسر موجب حرماں ہے، ان کے بارے میں دل میں بغض رکھنا سراسر باعث خسراں ہے، غرض یہ کہ صحابہ کرام کا ادب و احترام رکھنا ہر مسلمان پر

واجب ہے۔

ا۔ اس لئے کہ آفتاب نبوت کی شعاعیں براہ راست ان کے سینوں پر پڑی تھیں اور اس سعادت عظمیٰ میں کوئی طبقہ امت ان کا سہیم وشریک نہیں ہے۔

۲۔ صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر اپنا مال اپنا گھر بار اپنی جانیں، اپنی اولاد سب کچھ نچھاور کر دیا۔

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور امت کے درمیان صحابہ کرام ہی وہ واسطہ اور رابطہ ہیں جن کے ذریعے اطراف عالم میں کتاب وسنت کی تمام تعلیمات کا ابلاغ ہوا اگر ان کی ثقاہت بے داغ نہ ہوتی تو دین کی حفاظت کا کوئی امکان نہ تھا۔

(تحریر: سید ابوبکر غزنویؒ از: حیات صحابہؓ کے درخشاں پہلو)

صحابہ کرامؓ کی خصوصیات کے چند درخشاں پہلو

رسولِ اکرم ﷺ کے اصحابؓ سادہ لفظوں میں محض اصحاب نہ تھے بلکہ وہ خود تاریخ رسالت کا لازمی جز تھے۔ اللہ نے ان کو اس لئے منتخب کیا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے معاون بنیں۔ وہ آپ ﷺ کے شریک کار بن کر اس ربانی مشن کو تکمیل تک پہنچائیں جو آپ کے ذریعہ پورا کیا جانا مطلوب تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اصحابِ رسول کے بارے میں فرمایا: ''ان کو اللہ نے اپنے رسول کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چن لیا تھا۔ اختار هم الله لصحبة نبيه ولا قامة دينه.

اصحابِ رسول کو ان کی کن خصوصیات نے یہ تاریخی مقام دیا، ذیل میں اس کے چند پہلو مختصراً درج کئے جاتے ہیں۔

صحابہؓ کے لئے دین کا محبوب چیز بن جانا

اصحاب رسول کی خصوصیت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے کہ ایمان ان کے لئے ایک محبوب شئے بن گیا تھا۔ (الحجرات)

محبت کسی چیز سے تعلق کا آخری درجہ ہے۔اور جب کسی چیز سے محبت کے درجہ کا تعلق پیدا ہوجائے تو وہ آدمی کے لئے ہر چیز کا بدل بن جاتا ہے۔اس کے بعد آدمی کا ذہن اس چیز کے بارے میں اس طرح متحرک ہوجاتا ہے کہ آدمی بغیر بتائے ہوئے اس سے متعلق ہر بات کو جان لیتا ہے۔اس کو خواہ معروف معنوں میں کوئی نقشہ کار نہ دیا گیا ہو مگر اس کا ذہن خود بتا دیتا ہے کہ اس کو اپنی محبوب شئے کے لئے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے (التوبہ ۴۶)

محبت کی سطح کے تعلق کا مطلب ہے دل چسپی کی سطح کا تعلق یعنی یہ کہ آدمی اسلام کے نفع نقصان کو خود اپنا نفع نقصان سمجھنے لگیں۔اصحابِ رسول (ﷺ) کو اسلام سے اسی قسم کا تعلق پیدا ہوگیا تھا۔وہ اسلام کے فائدہ سے اسی طرح خوش ہوتے تھے جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کی کامیابی سے خوش ہوتا ہے۔

اسلام کو کوئی نقصان پہنچے تو وہ اسی طرح بے چین ہوجاتے تھے جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کے متعلق ناخوش گوار خبر سن کر تڑپ اٹھتا ہے،اور اس وقت تک اسے چین نہیں آتا جب تک وہ اس کی تلافی نہ کرلے۔

کسی چیز سے محبت کے درجے کا تعلق پیدا ہوجائے تو آدمی کا ذہن اس کے بارے میں پوری طرح جاگ اٹھتا ہے۔وہ اس کی خاطر ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ اس کی ضرورت اور تقاضوں کو وہ بتائے بغیر جان لیتا ہے۔اس کی بات کو پانے کے لئے کوئی نفسیاتی گرہ اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔اس راستے میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے وہ کسی چیز کو عذر نہیں بناتا۔

جب آدمی کسی معاملہ کو اپنا معاملہ سمجھ لے تو اس کے بعد اس کو نہ زیادہ بتانے کی ضرورت ہوتی اور نہ زیادہ سمجھنے کی۔اس کا قلبی تعلق اس کے لئے ہر دوسری چیز کا بدل بن جاتا ہے۔وہ کسی معاوضہ کی امید کے بغیر یک طرفہ طور پر اپنا سب کچھ اس کے لئے لٹا دیتا ہے۔ اس کی خاطر کھونا بھی اس کو پانا معلوم ہوتا ہے۔اس کی خاطر بے قیمت ہوجانا اس کی نظر میں سب سے زیادہ قیمتی ہوجاتا ہے۔اس کے لئے وہ ہر دوسری مصلحت کو نظر انداز کردیتا ہے۔

اس کے لئے وہ ہر تکلیف کو اس طرح سہہ لیتا ہے جیسے کہ وہ کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔

اصحاب رسول (ﷺ) کوئی غیر معمولی انسان نہ تھے۔ وہ کوئی ماورائے بشر مخلوق نہیں تھے۔ ان کی خصوصیت صرف یہ تھی کہ ''محبت'' کے درجہ کا تعلق جو عام انسانوں کو صرف اپنے آپ سے ہوتا ہے وہی تعلق ان کو دین وایمان سے ہو گیا تھا۔ عام آدمی اپنے مستقبل کی تعمیر کو جو اہمیت دیتا ہے وہی اہمیت وہ اسلام کے مستقبل کی تعمیل کو دینے لگے تھے۔

وہ دین کے لئے اپنا حصہ ادا کرنے کو اتنا ہی ضروری سمجھنے لگے تھے جتنا کوئی شخص ذاتی دلچسپی کے معاملہ میں اپنے آپ کو اور اپنے اثاثہ کو استعمال کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ان کی یہی خصوصیت تھی کہ وہ تاریخ کے وہ گروہ بنے جس نے اسلام کو عظیم ترین کامیابی کے مقام تک پہنچایا۔

صحابہؓ نے پیغمبر ﷺ کو آغاز تاریخ میں پہچانا

صحابہؓ کی یہ انوکھی صفت تھی کہ انہوں نے اپنے ایک معاصر رسول (ﷺ) کو پہچانا اور اس کا ساتھ دیا۔ یہ کام اتنا مشکل ہے کہ انسانی تاریخ میں جماعت کی سطح پر صرف ایک بار پیش آیا ہے۔ قدیم تاریخ کے ہر دور میں یہ قصہ پیش آیا کہ رسولوں کے مخاطبین نے ان کا انکار کیا اور ان کا مذاق اڑایا۔

بائبل میں ہے کہ: ''تم نے میرے نبیوں کو ناچیز جانا۔'' یہ نبیوں کو ناچیز جاننے والے کون لوگ تھے؟ یہ وہ لوگ تھے، جو وحی و رسالت کو مانتے تھے۔ نبیوںؑ کے نام پر ان کے یہاں ادارے قائم تھے اور بڑے بڑے جشن ہوتے تھے۔ مگر یہ سب قدیم نبیوںؑ کے نام پر ہوتا تھا۔ جہاں تک وقت کے نبیؑ کا سوال تھا اس کے لئے ان کے پاس استہزاء و تمسخر کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہود نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا، حالانکہ وہ موسیٰ کو مانتے تھے۔ نصاریٰ نے حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا، حالانکہ وہ حضرت مسیحؑ کی پرستش کی حد تک عزت کرتے تھے۔ اسی طرح قریش نے رسول اللہ ﷺ پر پتھر مارے اور آپ کو گھر سے نکالا، حالانکہ وہ حضرت

ابراہیم کے وارث ہونے پر فخر کرتے تھے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم نبیؑ کی نبوت تاریخی روایات کے نتیجہ میں ثابت شدہ نبوت بن جاتی ہے۔وہ کسی قوم کے قومی اثاثہ کا ایک لازمی جز ہوتی ہے۔ کسی قوم میں آنے والا نبی اس کے بعد کی نسلوں کے لئے ایک طرح کا مقدس ہیرو بن جاتا ہے۔ اس کو ماننا اپنے قومی تشخص کو قائم کرنے کے ہم معنی ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے نبی کو کون نہیں مانے گا۔ مگر وقت کے نبی کی نبوت ایک متنازعہ نبوت ہوتی ہے۔ وہ التباس کے پردہ میں ظاہر ہوتی ہے۔اس کو ماننے کے لئے ظاہر کا پردہ پھاڑ کر حقیقت کو دیکھنا پڑتا ہے۔اس کا ساتھ دینے کے لئے اپنی انا کو دفن کرنا ہوتا ہے۔اس کے مشن کی راہ میں اپنا سرمایا خرچ کرنا ہوتا ہے جس کا برسرحق ہونا ابھی اختلافی ہو،جس کے بارے میں تاریخ کی تصدیقات ابھی جمع نہ ہوئی ہوں۔صحابہ کرام ؓ وہ لوگ تھے جنہوں نے معاصر رسول (ﷺ) کو اس طرح مانا جس طرح کوئی شخص تاریخی رسول کو مانتا ہے۔

غزوۂ خندق میں جب محاصرہ شدید ہوا اور معمولی ضروریات کی فراہمی ناممکن ہوگئی تو ایک مسلمان کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ: ”محمد ﷺ ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم کسریٰ اور قیصر کے خزانے حاصل کریں گے اور اب یہ حال ہے کہ ہمارا ایک شخص بیت الخلاء جانے کے لئے بھی محفوظ نہیں۔“ (سیرۃ ابن ہشام) غزوۂ خندق کے وقت رسول اللہ ﷺ کا وعدہ محض ایک لفظی وعدہ تھا،آج یہ تاریخی واقعہ بن چکا ہے،صحابہؓ نے اس وعدہ کے تاریخی بننے سے پہلے کی عظمت کو مانا۔ہم آج اس وعدہ کے تاریخی واقعہ کے بعد رسول ﷺ کی عظمت کو مان رہے ہیں۔دونوں ماننے میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہیں۔آج ایک غیر مسلم محقق بھی پیغمبر اسلام کو تاریخ کا سب سے بڑا انسان کہنے پر مجبور ہے۔مگر آپ کی زندگی میں آپ کی عظمت کو پہچاننا اتنا مشکل تھا کہ صرف وہی لوگ اس کو پہچان سکتے تھے جن کو خدا کی طرف سے خصوصی توفیق ملی ہو۔

(۳) صحابہؓ کا قرآن کو دورِ نزاع میں اپنانا

سیرت کی کتابوں میں صحابہؓ کا دعوتی طریقہ یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ قرآن کے نازل شدہ حصہ کو لے لیتے اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سناتے تھے۔ **فعرض علیهم الاسلام وتلا علیهم القرآن**. چنانچہ مدینہ میں جو صحابہ کرامؓ تبلیغ کے لئے گئے ان کو وہاں مقری (قرآن پڑھنے والا) کہا جاتا تھا۔ یہ بات آج کے دور میں بظاہر انوکھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن سوا چودہ سو سال کی تاریخ کو حذف کر کے اسلام کے ابتدائی دور میں پہنچ جائیں، اور اس وقت کے حالات میں اسے دیکھیں تو یہ اتنا انوکھا واقعہ معلوم ہوگا، کہ نہ اس سے پہلے وہ کبھی جماعتی سطح پر پیش آیا ہے اور نہ اس کے بعد۔

آج جب ہم لفظ ''قرآن'' بولتے ہیں تو یہ ہمارے لئے ایک ایسی عظیم کتاب کا نام ہوتا ہے جس نے چودہ صدیوں میں اپنی عظمت کو اس طرح مسلم کیا ہے کہ آج کروڑوں انسان اس کو خدا کی کتاب ماننے پر مجبور ہیں۔ آج اپنے آپ کو قرآن سے منسوب کرنا کسی آدمی کے لئے فخر و اعزاز کی بات بن چکی ہے۔ مگر زمانۂ جہالت میں لوگوں کے نزدیک اس کی یہ حیثیت نہیں تھی۔ عرب میں بہت سے لوگ تھے جو یہ کہتے تھے کہ: محمد نے پرانے زمانے کے قصے کہانیوں کو جوڑ کر ایک کتاب بنالی ہے۔ ''ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ایک کتاب بنالیں۔'' (الانفال ۳۱)

کوئی قرآن میں تکرار کو دیکھ کر کہتا کہ یہ کوئی خاص کتاب نہیں۔ ''محمد کے پاس بس چند باتیں ہیں، انہیں کو وہ صبح و شام دہراتے رہتے ہیں۔'' (الفرقان ۵)

ایسی حالت میں قرآن کو پہچاننا گویا مستقبل میں ظاہر ہونے والے واقعہ کو حال میں دیکھنا تھا۔ یہ ایک چھپی ہوئی حقیقت کو اس کے ثابت شدہ بننے سے پہلے پالینا تھا۔ پھر ایسے وقت میں قرآن کو کتاب دعوت بنالینا اور بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ کیونکہ اس کے لئے اپنی عظمت کو کھو کر دوسروں کی عظمت میں گم ہونا پڑتا ہے۔ یہ اپنے مقابلہ میں دوسری شخصیت کا

اعتراف کرنا ہے، اور وہ بھی ایسی شخصیت کا جس کی حیثیت ابھی مسلّم نہ ہوئی ہو۔ عرب کے مشہور شاعر لبیدؓ نے اسلام قبول کیا اور شاعری چھوڑ دی۔ کسی نے پوچھا کہ تم نے شاعری کیوں چھوڑ دی؟

لبیدؓ نے کہا: ابعد القرآن ''کیا قرآن کے بعد بھی'' آج کوئی آدمی شاعری چھوڑ کر یہ جملہ کہے تو اس کو زبردست عظمت اور مقبولیت حاصل ہوگی۔ مگر لبید کے قول میں اور شاعر کے قول میں کوئی نسبت نہیں کیونکہ آج کا شاعر تاریخ کے اختتام پر یہ جملہ کہہ رہا ہے جب کہ لبیدؓ نے تاریخ کے آغاز پر یہ جملہ کہا تھا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن میں ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے: لَایَستَوِی مِنکُم مَّن أنفَقَ مِن قَبلِ الفَتحِ وقَاتَلَ اُولٰئکَ أعظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الذِینَ أنفَقُوا مِن بَعدُ وقَاتَلُوا. (الحدید ۱۰)

''تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا۔ ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

(۴) صحابہؓ کا خوب مال لٹانا

ابن ابی حاتم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ کچھ ان الفاظ میں نقل کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ:۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن میں یہ آیت اتری کہ: ''کون ہے؟...... جو اللہ کو قرض حسن دے۔'' تو حضرت ابو دحداح انصاری رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے کہا کہ: ''اے خدا کے رسول ﷺ! کیا اللہ واقعی ہم سے قرض چاہتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو دحداح! ہاں۔'' انہوں نے کہا: ''اے خدا کے رسول ﷺ! اپنا ہاتھ لایئے۔''

راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا۔ ابودحداح نے کہا کہ: ''میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا۔'' ان کا ایک کھجوروں کا باغ تھا جس میں

چھ سو درخت تھے۔ اس وقت ان کی بیوی ام دحداح اپنے بچوں کے ساتھ باغ میں تھیں۔ وہ باغ میں واپس آئے اور آواز دی کہ اے ام دحداح! انہوں نے کہا ہاں! ابو دحداح نے کہا باغ سے نکلو، کیونکہ اس کو میں نے اپنے رب کو قرض میں دے دیا۔ بیوی نے کہا: ''اے ابو دحداح! آپ کی تجارت کامیاب رہی۔'' اور اس کے بعد اپنے سامان اور اپنے بچوں کو لے کر باغ سے نکل آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابو دحداح کے لئے جنت میں کتنے ہی شاداب اور پھل دار درخت ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ ایک نمائندہ واقعہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ جس دین پر ایمان لائے تھے اس دین کی خاطر قربانی پیش کرنے کے لئے وہ کس قدر بے چین تھے۔ یہاں دوبارہ ذہن میں رکھ لیجئے کہ یہ واقعہ چودہ سو سال پہلے کا ہے۔ آج کوئی شخص دین پر اس قسم کا انفاق کرے تو عین ممکن ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کے درمیان مقبولیت کی صورت میں اس کو بہت جلد اپنے انفاق سے زیادہ بڑی چیز مل جائے گی۔

مگر اصحاب رسول کے زمانے میں صورت حال بالکل مختلف تھی۔ اس وقت دین کی راہ میں اپنا مال لٹانا ماحول میں دیوانگی کا خطاب پانے کا ذریعہ تھا۔ وہ اونچے میناروں پر نمایاں ہونے کے بجائے بنیاد کی زمین میں دفن ہونے کے ہم معنی تھا۔ اس وقت ایسا اقدام ایک ایسی تحریک کے خانہ میں لکھا جانے والا تھا جس کی صداقت ابھی مشتبہ تھی جس کی پشت پر تاریخ کی تصدیقات ابھی جمع نہیں ہوئی تھی۔ یہ ایک غیر مسلمہ مد میں اپنا اثاثہ پیش کرنا تھا، جب کہ آج کا آدمی ایک مسلمہ مد میں اپنا اثاثہ پیش کرتا ہے۔

(۵) صحابہؓ کا اپنا تاج دوسرے کے سر پر رکھنا

مدینہ میں عبداللہ بن ابی بہت عاقل اور صاحب شخصیت آدمی تھا، وہ مدینہ کا سب سے ممتاز سردار سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ مدینہ کے باشندوں کو اپنا اختلاف وانتشار ختم کرنے کا احساس ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی کو منتخب کیا کہ اس کو اپنا بادشاہ بنائیں اور اس کی

علامت کے طور پر اس کو ایک تاج پہنائیں۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲)

عبداللہ بن ابی کی تاج پوشی کا انتظام مکمل ہو چکا تھا عین اس وقت اسلام مدینہ میں پہنچ گیا۔ مدینہ کے باشندوں نے اس کی صداقت کی گواہی دی اور اسلام گھر گھر میں پھیلنے لگا۔ اس کے بعد مدینہ کے باشندوں کا ایک نمائندہ وفد مکہ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ ﷺ کی زبان سے آپ ﷺ کا پیغام سنا۔

انہیں نظر آیا کہ مدینہ کی اجتماعی تنظیم کے لئے انہیں جو شخصیت درکار ہے وہ زیادہ بہتر طور پر محمدؐ بن عبداللہ کی صورت میں موجود ہے۔ انہوں نے مدینہ کے لوگوں کی طرف سے آپ کو پیش کش کی کہ آپ مدینہ آئیں اور وہاں ہمارے سردار بن کر رہیں۔ اسلامی تاریخ کا یہی وہ واقعہ ہے جو بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ یہ اپنا تاج دوسرے آدمی کے سر پر رکھ دینے کے ہم معنی تھا۔ اپنی قوم یا قبیلہ سے باہر کسی آدمی کو اپنا غیر مشروط سردار بنالینا ہمیشہ انسان کے لئے مشکل ترین کام رہا ہے اور قدیم زمانہ میں تو یہ اور بھی زیادہ مشکل تھا۔

مزید یہ کہ جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت ''محمدؐ'' اس پر عظیم ہستی کا نام نہ تھا جس سے ہم آج واقف ہیں۔ اس وقت محمدؐ ایک ایسے انسان تھے جن کو ان کے اہل وطن نے نکال دیا تھا۔ جن کے ساتھ قومی عصبیت اور تاریخی عظمت شامل نہ ہوئی تھی۔ جو نہ صرف متنازعہ شخصیت تھے بلکہ ایک لٹے ہوئے بے گھر انسان تھے۔ جن کو اپنا سب کچھ دے دینا تھا، اور ان سے پانا کچھ بھی نہ تھا۔ بیسویں صدی میں کسی برنارڈ شا کے لئے بہت آسان ہے کہ وہ پیغمبر اسلام کے لئے یورپ کی سرداری کی پیش کش کرے۔ لیکن چھٹی صدی میں کسی کے لئے یہ تصور بھی ناممکن تھا کہ وہ آپ کو مان کر آپ کو اپنا اجتماعی امام بنالیں۔

(۶) صحابہؓ کا اپنی محدودیت کو جاننا

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ ﷺ اس کے

بارے میں لوگوں سے مشورہ کرتے۔ آپ اپنے اصحاب کو جمع کرتے اور معاملہ بیان کر کے فرماتے کہ: **اشیروا علیّ ایھا لناس** ''اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔''

آپ ﷺ بظاہر سب سے مشورہ کرتے۔ مگر عملاً ہوتا کہ کچھ دیر خاموشی رہتی اور اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوکر مختصراً اپنی رائے ظاہر کر کے بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد حضرت عمر کھڑے ہوتے اور مختصراً بول کر بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد معمولی طور پر کچھ لوگ بولتے اور اتفاق رائے سے فیصلہ ہو جاتا۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو آپؓ بھی اسی طرح لوگوں کو جمع کر کے مشورہ طلب کرتے، اب یہ ہوتا کہ کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ کھڑے ہوتے اور مختصراً طور پر اپنی رائے ظاہر کر کے بیٹھ جاتے، اس کے بعد چند لوگ بولتے اور اتفاق رائے سے فیصلہ ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ کے بعد اصحاب کی تعداد بڑھ گئی، اور مذکورہ صورت باقی نہ رہی۔ یہ بظاہر ایک سادہ سی بات ہے مگر یہ اتنی اہم بات ہے کہ تاریخ میں کوئی دوسرا معاشرہ نہیں پایا جاتا جس نے اس کا ثبوت دیا ہو۔ یہ طرز عمل صرف اس وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ آدمی اتنا خود شناس ہو جائے کہ وہ اپنی کمیوں اور محدودیتوں کو جاننے لگے۔ وہ دوسرے کے ''ہے'' کے مقابلہ میں اپنے ''نہیں'' سے واقف ہو جائے۔ وہ اپنے کو اس حقیقت سے دیکھنے لگے جس نظر سے دوسرا شخص اسے دیکھ رہا ہے۔

اس میں اتنا اور اضافہ کر لیجئے کہ یہ واقعہ جس ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا وہ ابو بکر اور عمرؓ وہ نہ تھے جن کو آج ہم جانتے ہیں، آج ہم تکمیل تاریخ والے ابو بکر اور عمرؓ کو جانتے ہیں۔ مگر وہ آغاز تاریخ والے ابو بکر اور عمرؓ کو جانتے تھے۔

اس وقت وہ اپنے معاصرین کے لئے صرف ان میں سے ایک تھے، جب کہ آج وہ ہمارے لئے گزری ہوئی تاریخ کے ستون ہیں، جن کو ہم اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی ثابت شدہ واقعہ کو دیکھتا ہے۔ ''ابو بکر وعمر'' کو تاریخ بننے کے بعد جاننا انتہائی آسان ہے، لیکن ''ابو بکر وعمر کو تاریخ بننے سے پہلے جاننا اتنا ہی مشکل ہے۔ اصحاب رسول وہ لوگ تھے جو اس

مشکل ترین معیار پر پورے اترے۔

(۷) صحابہؓ کا ذمہ داری کو اپنے اوپر لے لینا

غزوۂ ذات السلاسل کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ نے اولاً ایک دستہ حضرت عمرو بن العاص کی سرداری میں بھیجا۔ یہ جگہ شام کے اطراف میں تھی۔ حضرت عمرو بن العاص نے وہاں پہنچ کر دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم کیا تو اپنا دستہ انہیں ناکافی معلوم ہوا۔ انہوں نے ایک مقام پر ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ موجودہ فوج ناکافی ہے، مزید کمک روانہ کی جائے۔ رسول اللہ نے مہاجرین میں سے دوسو آدمیوں کا دستہ تیار کیا اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی سرکردگی میں اس کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جب اپنے دستہ کو لے کر منزل پر پہنچے اور دونوں دستے ساتھ ہوگئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ دونوں دستوں کا امیر کون ہو حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ دوسرا دستہ میری مدد کے لئے بھیجا گیا ہے اس لئے اصلاً میں ہی دونوں کا امیر ہوں۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھی اس سے متفق نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یا تو ابوعبیدہ دونوں دستوں کے مشترک امیر ہوں یا دونوں دستوں کا امیر الگ الگ رہے۔ جب اختلاف بڑھا تو ابوعبیدہ نے کہا: ''اے عمرو! جان لو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے جو آخری عہد لیا وہ یہ تھا کہ آپ نے کہا کہ جب تم اپنے ساتھیوں سے ملو تو ایک دوسرے کی بات ماننا اور اختلاف نہ کرنا۔ اس لئے خدا کی قسم اگر تم میری نافرمانی کرو گے تب بھی میں تمہاری اطاعت کروں گا۔ (رواہ البیہقی وابن عساکر)

حضرت ابوعبیدہ کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ ذمہ داری کو عمرو بن العاص پر ڈال کر ان سے لامتناہی بحث کرتے رہیں۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتے تو وہ بہت سے ایسے الفاظ پا سکتے جن میں ان کا وجود بالکل درست اور دوسرے کا وجود بالکل باطل دکھائی دے۔ مگر اس کے بجائے انہوں نے یہ کیا کہ ساری ذمہ داری خود اپنے اوپر لے لی۔ انہوں نے مسئلہ کو یک طرفہ طور پر ختم کر دیا۔

اجتماعی زندگی میں یہ چیز بے حد ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی اجتماعی زندگی چلتی ہی اس وقت ہے جب اس کے افراد میں اتنی بلندی ہو کہ وہ حقوق کی بحث میں پڑے بغیر اپنے اوپر ذمہ داری لینے کی جرأت رکھتے ہوں۔ جہاں یہ مزاج نہ ہو وہاں صرف آپس کا اختلاف جنم لیتا ہے نہ کہ آپس کا اتحاد۔

(۸) صحابہ رضی اللہ عنہم کا شکایات سے اوپر اٹھ کر سوچنا

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بے حد بہادر تھے۔ ان کے اندر غیر معمولی فوجی قابلیت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر حضرت ابوبکر کی خلافت تک وہ مسلسل اسلامی فوج کے سردار رہے۔ تاہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان کی بعض عادتیں پسند نہ تھیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان کو سرداری کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے مشورہ کو نہیں مانا۔

مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنی رائے پر اتنا اصرار تھا کہ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت خالد بن ولید کو سرداری سے معزول کر کے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت دے دی۔

اس وقت حضرت خالد شام کے علقہ میں فتوحات کے کارنامے دکھا رہے تھے۔ عین اس وقت خلیفہ ثانی حضرت عمر نے انہیں معزول کر کے ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کے اوپر سردار لشکر بنا دیا۔ اس کے بعد فوجیوں کی ایک تعداد حضرت خالد بن ولید کے خیمہ میں جمع ہوئی اور ان سے کہا کہ، ہم آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں، آپ خلیفہ کا حکم نہ مانیئے۔ مگر حضرت خالد بن ولید نے سب کو رخصت کر دیا، اور کہا کہ میں عمر کے لئے نہیں لڑتا بلکہ عمر کے رب کے لئے لڑتا ہوں۔ وہ پہلے سردار لشکر کی حیثیت سے لڑتے تھے اور اب ایک ماتحت فوجی کی حیثیت سے لڑنے لگے۔ اس قسم کا کردار اسی وقت ممکن ہے جب کہ آدمی اتنا اونچا ہو جائے کہ وہ شکایتوں اور تلخیوں سے اوپر اٹھ کر سوچے اس کا رویہ ردِ عمل کے طور پر نہ بنے بلکہ مثبت فکر کے

تحت بنے۔ وہ اللہ میں جینے والا ہو نہ کہ انسانی باتوں میں جینے والا۔

(۹) صحابہ رضی اللہ عنہم کا قانونی حد سے آگے بڑھ کر ساتھ دینا

شعبان ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ قریش کے تمام سرداروں کی رہنمائی میں ایک ہزار کا لشکر مدینہ کی طرف حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے۔ اس میں چھ سو زرہ پوش تھے اسی کے ساتھ ایک سو سواروں کا خصوصی دستہ بھی شامل تھا۔ یہ ایک بہت ہی نازک وقت تھا۔ آپ نے مدینہ کے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے یہ سوال رکھا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے، حسب معمول اولاً مہاجرین کے ممتاز افراد اٹھے اور انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! آپ کا رب جس بات کا حکم دے رہا ہے اس کی طرف بڑھئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں ہم یہود کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ آپ اور آپ کا خدا چل کر لڑیں، ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے، ہم آپ کا ساتھ چھوڑنے والے نہیں ہیں۔'' مگر رسول اللہ ﷺ مہاجرین کی اس قسم کی تقریر کے باوجود بار بار یہ فرما رہے تھے کہ: **اشیر وا علیّ ایها الناس** ''لوگو! مجھے مشورہ دو۔

چنانچہ سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! شاید آپ کا رخ ہماری طرف ہے۔ آپ نے کہا: ''ہاں......'' اس پر سعد بن معاذ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا: ''ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی، اور اس بات کی گواہی دی کہ جو کچھ آپ لائے ہیں، وہ حق ہے، اور اس پر آپ سے سمع وطاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے خدا کے رسول ﷺ! آپ جو کچھ چاہتے ہیں اس کو کر گزریے، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں لے کر سمندر کے سامنے جا پہنچیں اور اس میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں گھس جائیں گے۔ ہم میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم کو ہرگز یہ ناگوار

نہیں ہے کہ آپ ہمیں لے کر کل کے دن دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ مقابلہ کے وقت سچے اترنے والے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھادے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپ ہم کو لے کر چلیں۔ (سیرت ابن ہشام) انصار کے قائد کی اس تقریر کے بعد اقدام کا فیصلہ کرلیا۔

بدر کی جنگ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا بار بار انصار کی طرف رخ کرنا بے سبب نہ تھا۔ اس کا ایک خاص پس منظر تھا۔ ابن ہشام اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے:۔ اور ایسا اس لئے ہوا کہ انصار نے جب عقبہ میں بیعت کی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! ہم آپ کی ذمہ داری سے بری ہیں یہاں تک کہ آپ ہمارے دیس میں پہنچ جائیں۔ جب آپ ہمارے پاس آجائیں گے تو آپ ہماری ذمہ داری میں ہوں گے اور ہم آپ کا دفاع کریں گے جس طرح ہم اپنے لڑکوں اور عورتوں کا دفاع کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ انصار کہیں سمجھتے ہوں کہ ان پر آپکی مدد کرنا اس وقت ہے جب آپ کا دشمن مدینہ پہنچ کر حملہ کرے۔ ان پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنی بستی سے دور جا کر مقابلہ کریں۔ (سیرۃ ابن ہشام)

انصار کی بیعت قدیم عربی اصطلاح کے مطابق بیعت نساء (دفاعی بیعت) تھی۔ اس کے مطابق مدینہ سے ۸۰ میل دور بدر کے مقام پر جا کر لڑنا ان کے لئے ضروری نہ تھا۔ مگر انصار نے اس کو اپنے لئے عذر نہیں بنایا۔ وہ قانونی حد کو توڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور بدر کے میدان میں جا کر قربانی پیش کی۔

(۱۰) صحابہؓ کا اختلاف سے بچ کر اصل نشانہ پر لگے رہنا

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے تقریر کی اور فرمایا کہ: ”اللہ نے مجھ کو تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس تم میری طرف سے اس ذمہ داری کو ادا کرو، خدا تم پر رحم کرے اور تم لوگ اختلاف نہ کرنا جس طرح عیسیٰ بن

مریمؑ کے حواریوں نے اختلاف کیا۔ انہوں نے اپنے حواریوں کو اسی چیز کے لئے پکارا جس کی طرف میں تم کو پکار رہا ہوں۔ پس جس کا مقام دور تھا اس کو وہاں جانا گوار ہوا تو عیسیٰ بن مریمؑ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کی۔' رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے کہا کہ: ''اے خدا کے رسول! ہم آپ کی ذمہ داری کو ادا کریں گے، آپ ہم کو بھیجیں جہاں آپ چاہیں۔''

اجتماعی کام میں رکاوٹ ڈالنے والی سب سے بڑی چیز اختلاف ہے۔ مگر صحابہ کرامؓ کو اللہ کے خوف نے اتنا بے نفس بنا دیا تھا کہ وہ اختلافات سے بلند ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے تھے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عرب میں اور اطراف عرب میں آپ ﷺ کی منشا کے مطابق اسلام کی دعوت پوری طرح پہنچائی، آپ کی وفات کے بعد وہ مال وجاہ کے حصول پر نہیں پڑے بلکہ اطراف کے ملکوں میں پھیل گئے۔ ہر صحابی کا گھر اس زمانہ میں ایک چھوٹا سا مدرسہ بنا ہوا تھا جہاں وہ اللہ کی رضا کے لئے لوگوں کو عربی سکھاتے اور قرآن وسنت کی تعلیم دیتے۔ اس زمانہ میں ایک طرف مسلمانوں کا ایک طبقہ فتوحات اور سیاسی انتظامات میں لگا ہوا تھا۔ عام طریقہ کے مطابق اصحابِ رسول کو اپنا سیاسی حصہ لینے میں سرگرم ہونا چاہئے تھا۔ مگر وہ اس سے بے پرواہ ہو گئے، انہوں نے اسلامی فتوحات کے ذریعہ پیدا ہونے والی فضا کو تبلیغ دین کے لئے استعمال کیا۔

اس طرح ان کے اور ان کے شاگردوں کے خاموش پچاس سالہ عمل کے نتیجہ میں وہ جغرافی خطہ وجود میں آیا جس کو عرب دنیا کہا جاتا ہے، جہاں لوگوں نے نہ صرف اپنے دین کو بدلہ بلکہ ان کی زبان اور تہذیب بھی بدل گئی۔

(۱۱) صحابہؓ کا پچھلی نشست پر بیٹھنے کے لئے راضی ہونا

رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو سب سے پہلا مسئلہ خلافت کا انتخاب تھا۔ انصار بنو ساعدہ کی چوپال (سقیفہ) میں جمع ہو گئے۔ اس وقت سعد بن عبادہ انصار کے سب سے

زیادہ ابھرے ہوئے سردار تھے۔ چنانچہ انصار میں بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ سعد بن عبادہ کو خلیفہ مقرر کیا جانا چاہئے۔ مہاجرین کو یہ خبر ملی تو ان کے ممتاز افراد تیزی سے چل کر مذکورہ مقام پر پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے تقریر کرتے ہوئے کہا: ''اے انصار! تم نے اپنی جس فضیلت کا ذکر کیا اس کے تم اہل ہو، مگر عرب اس معاملہ (امارت) کو قریش کے سوا کسی اور قبیلہ کے بارے میں نہیں جانتے، وہ عربوں میں نسبت اور مقام کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں۔ میں تمہارے لئے ان دو آدمیوں (عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح) میں سے کسی ایک پر راضی ہوں۔ تم دونوں میں سے جس سے چاہو بیعت کرلو۔'' (سیرت ابن ہشام)

اس کے بعد حضرت عمر اٹھے اور انہوں نے فوراً حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر تمام مہاجرین نے بیعت کی، اس کے بعد انصار نے بھی حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، تاہم انصار کے ایک طبقہ کے لئے یہ واقعہ اتنا سخت تھا کہ ایک شخص نے مہاجرین سے کہا کہ: ''کہ تم لوگوں نے سعد ابن عبادہ کو قتل کر دیا۔''

انصار نے اسلام کے لئے بے پناہ قربانیاں دی تھیں۔ انہوں نے اسلام کے بے یار و مددگار قافلہ کو اس وقت پناہ دی، جب کہ انہیں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود انصار اس فیصلہ پر راضی ہو گئے کہ اقتدار میں ان کا حصہ نہ ہو اور خلیفہ صرف مہاجرین (قریش) میں سے منتخب کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے پیچھے بہت گہری مصلحت تھی۔

قریش سینکڑوں سال سے عرب کے قائد بنے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں اگر کسی غیر قریشی کو خلیفہ مقرر کیا جاتا تو اس کے لئے اجتماعی نظم کو اسنبھالنا ناممکن ہو جاتا۔ یہ انصار کی حقیقت پسندی تھی کہ انہوں نے اپنی اس کمی کو جانا اور یک طرفہ فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ تاہم یہ حقیقت پسندی کی اتنی نایاب قسم ہے کہ اس کی کوئی دوسری مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

(۱۲) صحابہؓ کا غیر جذباتی فیصلہ کرنے کی طاقت رکھنا

احد کی لڑائی اسلام کی تمام جنگوں میں سب سے زیادہ سخت لڑائی تھی۔ قریش کے تمام جنگی جوان غصہ میں بھرے ہوئے مسلمانوں کے اوپر ٹوٹ پڑے تھے۔ عین اس وقت جب قتل وخون کا معرکہ گرم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار ہاتھ میں لی اور کہا کہ: ''کون اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لے گا؟ کچھ لوگ آپ کی طرف بڑھے، مگر آپ نے انہیں تلوار نہ دی۔ پھر ابودجانہ سامنے آئے اور پوچھا کہ اے خدا کے رسول اس تلوار کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم اس سے دشمن کو مارو یہاں تک کہ اس کو ٹیڑھا کردو۔'' ابودجانہ نے کہا کہ میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے انہیں تلوار دے دی۔

حضرت ابودجانہ تلوار لے کر چلے۔ اس وقت ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اکڑ کر چلنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: اس قسم کی چال خدا کو پسند نہیں سوا ایسے موقع کے۔

ابودجانہؓ نے اپنے سر پر لال کپڑا باندھ لیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ موت سے نڈر ہو کر جنگ کے لئے نکل پڑے ہیں۔ وہ انتہائی بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے، جو بھی ان کے سامنے آتا وہ ان کی تلوار کا نشانہ بن جاتا۔ اس کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا، جس کو خود ابودجانہؓ نقل کرتے ہیں: ''میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ بری طرح لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا تھا، میں اس کی طرف لپکا، جب میں نے اس پر تلوار اٹھالی تو اس نے کہا'' یاویلاہ'' (ہائے تباہی) اب میں نے جانا کہ یہ ایک عورت ہے۔ تو میں نے خدا کے رسول ﷺ کی تلوار کو اس سے پاک رکھا کہ میں اس سے کسی عورت کو قتل کروں۔ (سیرت ابن ہشام)

اس واقعہ کو ایک صحابیؓ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں: ''پھر میں نے دیکھا کہ ان کی تلوار ہند بنت عتبہ کے سر پر اٹھ گئی ہے مگر اس کے بعد انہوں نے اپنی تلوار اس سے ہٹالی۔''

جنگ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات میں سے ایک ہدایت یہ تھی کہ

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نہ مارا جائے۔ حضرت ابو دجانہ نے عین قتل وخون کے ہنگامہ میں اس کو یاد رکھا اور اپنی چلی ہوئی تلوار کو درمیان سے روک لیا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصحابؓ رسول ﷺ کو اپنے جذبات پر کتنا زیادہ قابو تھا۔ ان کے افعال ان کے شعور کے ماتحت تھے نہ کہ ان کے جذبات کے ماتحت وہ انتہائی اشتعال انگیز موقع پر انتہائی ٹھنڈا فیصلہ کر سکتے تھے۔ وہ غصہ اور انتقام کی آخری حد کو پہنچ کر بھی اچانک اپنا رخ دوسری طرف پھیر سکتے تھے۔ یہ بظاہر ایک سادہ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن عملاً یہ بات اتنی زیادہ مشکل ہے کہ اس پر کوئی ایسا شخص ہی قادر ہو سکتا ہے، جو خدا سے اس طرح ڈرنے والا ہو گویا خدا اپنے تمام جلال وجبروت کے ساتھ اس کے سامنے کھڑے ہوا ہے، اور وہ اس کو اپنی کھلی ہوئی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔

(۱۴۳) صحابہؓ کا درخت کی طرح آگے بڑھنا

قرآن میں انجیل اور تورات کے دو حوالوں کا ذکر ہے، تورات کا حوالہ صحابۂ کرامؓ کے انفرادی اوصاف سے متعلق ہے، اس کے بعد انجیل کے حوالے سے ان کی اجتماعی صفت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ”اور انجیل میں ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو۔ اس نے نکالا اپنا انکھوا۔ پھر اس کو مضبوط کیا۔ پھر وہ موٹا ہوا۔ پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا۔ اچھا لگتا ہے کسانوں کو تاکہ منکروں کا دل ان سے جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔“ (الفتح، آخر)

موجودہ انجیل میں یہ تمثیل ان لفظوں میں ہے: ”اور اس نے کہا، خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے، زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے۔ کیوں کہ کاٹنے کا وقت آپہنچا۔“ (مرقس ۴: ۲۶-۳۲)

انجیل اور قرآن کی اس تمثیل میں یہ بتایا گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کے اصحاب کا اجتماعی ارتقاء درخت کی مانند ہوگا۔ اس کا آغاز بیج سے ہوگا، پھر وہ دھیرے دھیرے بڑھے گا اور اپنا تنہ مضبوط کرتے ہوئے اوپر اٹھے گا۔

یہاں تک کہ فطری رفتار سے تدریجی ترقی کرتے ہوئے اپنا کمال کو پہنچ جائے گا، اس کی ترقی اتنے شاندار ہوگی کہ ایک طرف اہل ایمان اس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوں گے، اور دوسری طرف دشمن دانت پیس رہے ہوں گے، کہ اس کا معاملہ اتنا مضبوط ہے کہ اس کے خلاف ہمارا کچھ بس نہیں چلتا۔

اسلام کو درخت کی طرح ترقی دینے کے لئے خدا کا یہ منصوبہ تھا جو صحابہ کرامؓ کے ذریعہ انجام پایا، تاہم یہ کوئی آسان معاملہ نہ تھا۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ جلد بازی کے بجائے صبر کو اپنا طریقہ بنائیں۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ فوری محرکات کے تحت وہ کوئی اقدام نہ کریں۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ اپنے ذوق پر چلنے کے بجائے قوانین فطرت کی پیروی کریں، اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ اس سے بے پرواہ ہوکر کام کریں کہ نتیجہ ان کی زندگی میں سامنے آئے یا ان کے بعد۔ ''درخت اسلام'' کو اگانے کے لئے ضرورت تھی کہ وہ اپنے جذبات کو کچلیں اور اپنی امنگوں کو دفن کریں۔ صحابہ کرام نے یہ سب کچھ کیا۔ انہوں نے کسی تحفظ کے بغیر اپنے آپ کو خدائی اسکیم کے حوالہ کر دیا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ زمین میں خدا کا دین ایک ایسے ابدی باغ کی صورت میں کھڑا ہو گیا جس کو ساری دنیا مل کر بھی مٹانا چاہے تو مٹا نہ سکے۔ (بحوالہ جستہ جستہ از پیغمبر انقلاب)

آپ ﷺ سے صحابہ کرامؓ کا عشق

ذیل میں اب آپ ﷺ سے صحابہؓ کے عشق سے متعلق چند روایتیں پیش کی جارہی ہیں جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ صحابہ کرامؓ کے دل میں آپ ﷺ کی کس قدر محبت تھی۔ لیجئے ملاحظہ فرمائیے:۔

روایت نمبر ا...... حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کا سر مونڈ رہا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور مقصد صرف یہ ہے کہ جو بال آپ ﷺ کے سر سے گرے، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پڑ جائے۔ (صحیح مسلم)

روایت نمبر ۲...... حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ ہیں۔ اور آپ ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ آپ ﷺ کبھی کبھی دوپہر کو ان کے گھر سوتے۔ بستر چمڑے کا تھا۔ حضور ﷺ کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا۔ حضرت ام سلیمؓ پسینے کی بوندوں کو جمع کر لیتیں اور شیشی میں بہ احتیاط رکھ لیتی تھیں۔ نبی ﷺ نے ایسا کرتے دیکھا تو پوچھا یہ کیا......؟ انہوں نے کہا: عرقک نجعله في طيبنا وهو من أطيب الطيب ''یہ حضور کا پسینہ ہے، ہم اسے عطر میں ملا لیں گی اور یہ تو سب سے بڑھ کر عطر ہے۔'' (بخاری، مسلم)

اور مسلم کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جب ان سے حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کا کیا کرتی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا ہم اسے اپنے بچوں کے لئے باعث برکت اور تبرک سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أصبتِ ''تم نے ٹھیک کیا۔''

بعض صحیح روایات سے تو معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ خود اپنے مبارک بالوں کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

روایت نمبر ۳...... صحیح بخاری باب غزوۃ الطائف میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک پانی کے برتن میں کلی کر کے حضرت ابوموسیٰ اور حضرت بلالؓ کو عطا فرمایا کہ اس کو پی لیں اور اپنے چہرے پر مل لیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ پردہ کے پیچھے یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے اندر سے آواز دے کر ان دونوں بزرگوں سے کہا اس تبرک میں سے کچھ پانی ماں یعنی ام سلمہؓ کے لئے چھوڑ دینا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ نزول حجاب کے بعد ازواج مطہراتؓ گھروں اور پردوں کے اندر رہتی تھیں۔

فائدہ...... اس روایت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ ازواج مطہراتؓ بھی

رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کی ایسی ہی شائق تھیں جیسے دوسرے مسلمان، یہ بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی کی خصوصیت تھی۔ ورنہ بیوی سے جو بے تکلفی شوہر کی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے تقدس و تعظیم کا یہ درجہ قائم رہنا عادتاً ناممکن ہے۔ (معارف القرآن)

روایت نمبر۴...... عروہ بن مسعود ثقفی کو قریش نے صلح حدیبیہ سے پیشتر اپنا سفیر بنا کر حضورِ عالی میں روانہ کیا تھا۔ اسے سمجھایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے حالات غور سے دیکھے اور عوام کو آکر بتائے۔ عروہ نے دیکھا کہ نبی ﷺ وضو کرتے ہیں تو بقیہ آب وضو پر صحابہؓ یوں گرے پڑتے ہیں گویا ابھی لڑ پڑیں گے۔

حضور ﷺ کے لب (لعاب دہن) وغیرہ کو زمین پر کرنے نہیں دیتے۔ وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر روک جاتا ہے۔ جسے وہ منہ پر مل لیتے ہیں۔ حضور ﷺ کوئی حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے سب دوڑے پھرتے ہیں۔ حضور ﷺ کچھ بولتے ہیں تو سب چپ ہو جاتے ہیں۔ تعظیم کا یہ حال ہے کہ حضور ﷺ کی جانب آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ عروہ نے یہ سب کچھ دیکھا اور قوم سے آکر بیان کیا: ''لوگو! میں نے کسریٰ کا دربار دیکھا اور قیصر کا دربار بھی دیکھا نجاشی کا دربار بھی دیکھا۔ مگر اصحاب محمد جو تعظیم محمد ﷺ کی کرتے ہیں، وہ تو کسی بادشاہ کو بھی اپنے ملک میں حاصل نہیں۔

روایت نمبر۵...... امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہؓ سے عرض کیا کہ مجھے حضرت انسؓ یا انکے گھرانے سے حضور اقدس ﷺ کے چند موئے مبارک ملے ہیں تو انہوں نے فرمایا: ''اگر میرے پاس آپ ﷺ کا ایک موئے مبارک بھی ہوتو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہو۔'' (صحیح بخاری کتاب الوضوء)

روایت نمبر۶...... ایک اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس لوگ بیماروں کے لئے پانی بھیجتے تو آپ حضور ﷺ کے ان مبارک بالوں کو جو آپؓ نے ایک نلکی یا خول میں رکھے ہوئے تھے۔ اس پانی میں ہلا دیتیں اور وہ پانی پھر مریض کو پلوا

دیتیں۔ (بخاری کتاب الوضوء)

روایت نمبر ۷...... امام مسلمؒ نے اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے طیالسی جبہ کو دھو کر مریضوں کو شفا کے لئے اس کا پانی پلاتی تھیں۔ "فنحن نغسلها للمرضیٰ تستشفیٰ بها" (صحیح مسلم کتاب اللباس)

مذکورہ بالا احادیث صحیح کتابوں سے لی گئی ہیں اور یہ ان بیسوں احادیث میں سے چند ایک ہیں، اور یہ تمام اس بات پر دال ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ حضور ﷺ سے منسوب اور ان سے وابستہ اشیاء سے بھی کس قدر محبت کرتے تھے اور ان سے تبرک بھی حاصل کرتے تھے۔

روایت نمبر ۸...... زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو کفار نے پکڑ لیا اور قریش نے قتل کے لئے ان سے خرید لیا تھا۔ جب ان کو سولی دینے کے لئے چلے تو ابوسفیان بن حرب نے ان سے کہا: "زید تجھے خدا کی قسم، تم چاہتے ہو کہ محمد (ﷺ) کو پھانسی دی جاتی اور تم اپنے گھر میں آرام سے ہوتے۔" زید رضی اللہ عنہ نے کہا: "خدا کی قسم میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے بدلے حضور ﷺ کے پائے مبارک میں اپنے گھر کے اندر بھی کانٹا لگے۔" ابوسفیان حیران رہ گئے اور یوں کہا کہ میں نے تو کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ جو دوسرے شخص سے ایسی محبت رکھتا ہو۔ جیسے اصحابِ محمدؐ (ﷺ) کو رسولِ اکرم ﷺ سے ہے۔

روایت نمبر ۹...... عبداللہ بن یزید صحابیؓ کا ذکر ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) مجھے اہل و مال سے زیادہ پیارے ہیں۔ جب حضور ﷺ مجھے یاد آتے ہیں تو میں گھر میں ٹک نہیں سکتا۔ آتا ہوں اور حضور ﷺ کو دیکھ کر تسلی پاتا ہوں۔ مگر میں اپنی موت اور حضور ﷺ کی موت کا تصور کر کے کہتا ہوں کہ حضور ﷺ تو فردوس بریں میں انبیاءؑ کے بلند درجہ پر ہوں گے۔ میں اگر بہشت میں پہنچا بھی تو کسی ادنیٰ مقام میں ہوں گا اور وہاں حضور کا دیدار نہ پاسکوں گا۔ نبی ﷺ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی اور اس کے قلب کو سکینہ عطا فرمایا: وَمَن يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنعَمَ اللهُ عَلَيهِم "جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر خدا کا انعام ہوا۔

روایت نمبر ۱۰...... ایک اور صحابیؓ کا ذکر ہے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتے تو نبی ﷺ ہی کی جانب تاک لگائے دیکھتے رہتے۔ حضور ﷺ نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ وہ بولے میں سمجھتا ہوں دنیا ہی میں اس دیدار کی بہار لوٹ لوں۔ آخرت میں حضور کے مقام رفیقہ تک تو ہماری رسائی بھی نہ ہوگی۔ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا ومن یطع اللہ ورسولہ کو نازل فرمایا اور رسولِ اکرم ﷺ نے حدیث انسؓ میں صاف ہی فرما دیا۔ من احبَّنی کان مَعِی فی الجنۃِ جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

اس حدیث کی ابتداء میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اگر تو ایسی زندگی بسر کر سکتا ہے، کہ تیرے دل میں کسی کا کینہ نہ ہو۔ تو تو ضرور ایسا ہی کر۔'' پھر فرمایا: یہی میری روش ہیں۔ جس نے میری روش کو زندہ کیا۔ اس نے مجھ سے محبت کی۔ (رواہ الترمذی)

روایت نمبر ۱۱...... جنگ احد کا ذکر ہے، ایک عورت کا بیٹا، بھائی اور شوہر قتل ہو گئے تھے وہ مدینہ سے نکل کر میدان جنگ میں آئی، اس نے پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بحمد اللہ وہ تو بخیریت ہیں، جیسا کہ تو چاہتی ہے۔ بولی نہیں مجھے دکھا دو کہ حضور ﷺ کو دیکھ لوں۔ جب اس کی نگاہ حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر پڑی تو وہ جوش دل سے بول اٹھی: کل مصیبة بعدک جلل آپؐ زندہ ہیں تو اب ہر مصیبت کی برداشت آسان ہے۔

روایت نمبر ۱۲...... عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا اور اس کا بیٹا عبداللہؓ صادقین میں سے تھا۔ اس نے حضور ﷺ سے گزارش کی: لو شئتَ لَاَتَیتُ بِراسِہٖ ''اگر حضور ﷺ چاہیں تو میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر لے آؤں۔'' حضور ﷺ نے انکار فرما دیا۔

روایت نمبر ۱۳...... رسولِ اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان غنیؓ کو مکہ مکرمہ اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے کہا: ''تم بیت الحرام میں آ گئے ہو، طواف تو کر لو۔'' انہوں نے جواب دیا کہ: ''حضور ﷺ سے پیشتر کبھی طواف نہیں کروں گا۔''

روایت نمبر ۱۴...... حضرت علی المرتضیٰؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ تمہاری محبت کیسی ہوتی ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: ''بخدا رسولِ اکرم ﷺ ہم کو مال واولاد، فرزند و مادر سے زیادہ محبوب اور اس سے زیادہ پیارے تھے جیسا کہ ٹھنڈا پانی پیاسے کو

ہوتا ہے۔

آپ ﷺ سے صحابہ کے جذبات محبت

جذبات محبت کو دیکھنا ہو تو اس وقت دیکھو جب کوئی صحابی حضور ﷺ کا ذکر کرتا ہو۔
حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ شکل مبارک میں سب سے زیادہ خوب صورت تھے میں نے ریشم کا دبیز یا باریک کپڑا یا کوئی اور شئے ایسی نہیں چھوئی جو نبی ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ میں نے کبھی کوئی کستوری یا کوئی عطر ایسا نہیں سونگھا جو نبی اکرم ﷺ کے پسینہ سے زیادہ خوشبو والا ہو۔''

حضرت جابر بن سمرہؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار جیسا چمکدار تھا؟ تو بول اٹھے: لابل کان مثل الشمس والقمر ''نہیں نہیں حضور ﷺ کا مبارک چہرہ تو آفتاب و ماہتاب جیسا تھا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم أزهَرَ اللَّونِ کان عرقه اللُّؤلُؤ. ''رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید روشن تھا۔ پسینہ کی بوند حضور ﷺ کے چہرے پر ایسی نظر آتی تھی، جیسے موتی۔''

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ: ''حضور ﷺ مسجد سے نکل کر گھر کو چلے تو بچوں نے حضور ﷺ کو گھیر لیا۔ حضور ﷺ ہر ایک کو پیار دیتے (پیار کرتے تھے) اس کے منہ پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ میرے رخسار پر بھی حضور ﷺ نے ہاتھ رکھا۔ میرے ٹھنڈک سی پڑ گئی اور ایسی خوشبو آئی، گویا وہ ہاتھ ابھی عطر دان سے نکالا گیا تھا۔'' (صحیحین)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ: مَن رآهُ بدِيهةً هابَهُ ومَن خالَطَهُ معرِفةً أحبّه فيقولُ ناعتُهُ لم أر قبلَهُ ولاَ بعدَهُ مثله. ''جو کوئی یکا یک حضور ﷺ کے سامنے آجاتا، وہ دہل جاتا، جو پہچان کر آبیٹھتا، وہ شیدا ہو جاتا، دیکھنے والا کہا کرتا کہ میں نے حضور ﷺ جیسا کوئی بھی اس سے پہلے یا بعد میں نہیں دیکھا۔''

حضرت ربیع بنت معوذؓ صحابیہ ہیں، ان سے عمار بن یاسرؓ کے پوتے کہا کہ نبی ﷺ کا

کچھ حلیہ بیان فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا: لو رایت الشمس طالعةً "اگر تو حضور ﷺ کو دیکھ لیتا تو سمجھتا سورج نکل آیا۔"

حضرت جابر بن سمرۃؓ کہتے ہیں: "چاندنی رات تھی، حضور ﷺ حلہ حمراء اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا، کبھی حضور ﷺ پر نگاہ ڈالتا تھا۔ "فاذاھو احسن عندی من القمر" بالآخر میں نے یہی سمجھا کہ حضور ﷺ چاند سے زیادہ خوشنما ہیں۔ اس روایت میں لفظ عندی عجیب طور پر لذت دید اور ذوق نظارہ کو ظاہر کر رہا ہے۔

غالباً اسی پر ایک عربی شعر کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ: "ایسے حسین کے نظارے سے کیوں کر سیری ہو کہ جس کو تم جتنا دیکھو گے اس کا حسن اتنا ہی بڑھتا ہوا نظر آئے گا۔" وہی مبارک چہرہ جس کے دیدار سے حضرت جابرؓ کے آنکھیں روشن ہوتی ہیں، حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے قلب کو منور کرتا ہے۔ حدیث ترمذی میں ہے حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں میں آپ ﷺ کو دیکھنے گیا تھا: فلما استبینتُ وجهه عرفتُ أنَّ وجهَهُ لیسَ بِوَجهِ کذّابٍ. "مجھے تو مبارک چہرہ نظر آتے ہی عرفان ہو گیا کہ جھوٹے میں یہ بات کہا؟"

حضرت عمرؓ ایام خلافت میں رات کو گشت کے لئے نکلے، سنا کہ ایک عورت دھنک رہی ہے اور یہ اشعار پڑھ رہی ہے۔

علیٰ محمد صلوٰةُ الأ برار .... صلّی علیهِ الطَّیِّبُونَ الأ خیار

قد کان قوّامًا بکٰی بالأ سحارِ .... یالَیتِ شعری و المَنَایا أطوار

هل تجمعُنی وحبیبی الدّارِ

ترجمہ "محمد ﷺ پر ابرار کے درود............ اس پر طیبون واختیار درود پڑھ رہے ہیں

وہ تو راتوں کو جاگنے والے سحر کو رونے والے تھے...... موت تو بتیری طرح آتی ہے

کاش مجھے یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد بھی مجھے حضور ﷺ کی زیارت ہوگی۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں بیٹھ گئے، روتے رہے اور چند دن تک صاحب فراش رہے۔ حضرت بلالؓ کو حضرت عمرؓ سیدنا بلالؓ فرمایا کرتے تھے۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت بلالؓ کا قیام ملک شام میں تھا، ایک دن ان کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی،

ارشاد فرمایا: ''بلال! یہ کیا جفا ہے کہ میری زیارت کرنے کا وقت نہیں آتا۔'' یہ خواب دیکھتے ہی حضرت بلال کی آنکھ کھلی تو نہایت غمگین، خوفزدہ، پریشان تھے، فوراً اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور روتے ہوئے مزار پاک پر حاضر ہوئے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین خبر سن کر تشریف لائے اور حضرت بلال سے اذان کہنے کی فرمائش کی، یہ ان سے مل کر لپٹ گئے اور صاحبزادوں کی تعمیل ارشاد میں اذان کہی، آواز سن کر گھروں سے مرد و عورتیں بے قرار روتی ہوئی نکل آئیں اور حضور ﷺ کے زمانہ کی یاد نے سب ہی کو تڑپا دیا۔ (بحوالہ العطور المجموعہ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۸۵

رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچاسی نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا" الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جتنا زیادہ شکرادا کروں کم ہے، دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی دیگر خصوصیات کی طرح عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا جبکہ دیگر انبیاءؑ سے متعلق یہ خصوصیت نظر نہیں آتی کہ سوائے آخری نبی ﷺ کے کسی اور نبیؑ کو حوضِ کوثر ملے، چنانچہ حوضِ کوثر اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے نبی ﷺ کے لئے مختص فرمایا ہے، اور یہ بات ہم کوئی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے، اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں واضح فرمایا اور حضور ﷺ کی احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے تو واضح ہوا کہ اس عظیم خصوصیت کا مظہر بھی ہمارے نبی ﷺ ہی ہیں، جیسا کہ آپ کو آنے والے اوراق میں تفصیل سے مکمل وضاحت ملے گی، انشاءاللہ۔ لہٰذا آیئے ہم سب ملکر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو روزِ قیامت حضور ﷺ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا پانی پینے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین) اس کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے بھی یہ لازم ہے کہ ہم اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر عمل کریں، بے شک اسی میں ہماری نجات

ہے، تو قارئین! لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

پچاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (ترجمہ) ''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔''

تشریح...... کوثر بروزن فوعل ہے اور یہ وزن مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ لفظ کثرت تو خود ہی فراوانی افزونی کے معنی کے لئے ہے، جب اُسے بھی بروزن مبالغہ استعمال کیا گیا تو اس کے معنی کثرت بالائے کثرت اور فراوانی بیش از فراوانی برافزونی ٹھہرے۔

صحیح بخاری میں ہے: عَن ابی بِشرٍ عن سعیدِ بنِ جُبیرٍ عنِ ابْنِ عبّاسٍ رضی اللہ عنھما الْکوثرُ الخیرُ الْکثیرُ الّذیْ اعْطاہُ اللّٰہُ اِیَّاہُ قالَ ابُوْبِشرٍ قلتُ بِسعید، ابنِ جُبیرٍ اِنَّ اُناساً یَّزْعمُونَ اَنَّہٗ نھرٌ فی الْجنَّۃِ فقالَ السَّعیدُ اَلنَّھرُ الَّذیْ فِی الْجنَّۃِ مِنَ الْخَیرِ الْکَثِیرِ الَّذیْ اَعْطاہُ اللّٰہُ اِیَّاہُ.

ترجمہ: ابو بشر نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔ ابو بشر کہتے ہیں، میں نے سعید ابن جبیر سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے سعید نے جواب دیا ہاں وہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر میں سے ہے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔

حوضِ کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث عن انس ؓ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا حوض کوثر کے وجود اور عطیّہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی یہ تفسیر صحیح ہے کہ آیت زیبِ عنوان میں رب العٰلمین کی طرف سے انعامات نامتناہی اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔
اس خیر کثیر کے تحت میں بہت سی اشیا کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے۔

منجملہ ان تمام چیزوں میں سے امت محمدیہ ہے چنانچہ ایسی نبوّت جامعہ اور ریاست عامہ اور دعوت کاملہ اور ہدایت بالغہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی اسی نبوت کے ثمرات میں سے ہے کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہ۔(یعنی جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔)

کا فرمان صادر ہوا اور اسی نبوت کے گلہائے رنگین میں سے ہے کہ: وَمَا اَرْسَلنا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللہ. کے منشور کی اشاعت فرمائی گئی۔جس کا ترجمہ ہے کہ ہم نے جو رسول بھیجا وہ اس لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن کے تحت میں کیجائے۔

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ صاحب کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کا امر الٰہی جاری ہوا۔ صاحب کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کو اطاعت ربانی فرمایا گیا۔صاحب کوثر کی نبوت وہی ہے جس کی قدامت تاریخ بشر سے پہلے کی ہے اور جس کی نہایت انتہائے عالم سے ملی ہوئی ہے۔رب العٰلمین کے کلام پر غور کیجئے، وہ یہ بھی فرماتا ہے: شَهِدَ اللہُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. اللہ کی شہادت ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔نیز وہ تو یہ بھی اعلان فرماتا ہے: واللہُ یشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ. اللہ کی یہ بھی شہادت ہے کہ محمد اللہ کے رسول یقیناً ہیں۔جب رب المشرقین ورب المغربین خود شہادتین کو اپنی شہادت سے مصدّق و مؤکد فرماتا ہے تو نبوّت محمدیہ اور رسالت مصطفویہ کے خیر کثیر ہونے میں کیا کلام رہ جاتا ہے۔

اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد اسلام ہے، وہی اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول و منظور ہی نہیں۔وہی اسلام جس کا انبیائے عظام نے ہمیشہ اعلان فرمایا۔وہی اسلام جو سعادت دارین کا جامع اور صلاح و فلاح ثقلین کا ذخیرہ ہے۔

اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد کثرتِ امتِ محمدیہ ہے، یہ کثرتِ حد و عدد کے احاطہ سے باہر ہے اور یوماً فی یوم ترقی پذیر ہے۔۱۸۸۱ء میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد پونے چار کروڑ بیان کی جاتی ہے، اور ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں ان کی

تعداد پونے سات کروڑ شمار میں آئی ہے۔ چالیس سال میں اکیلے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کا قریباً دوچند ہو جانا اعداد صحیح سے ثابت ہو گیا تو دیگر اقطاع عالم میں بھی اس بیشی کا اسی رفتار سے بڑھتے رہنا یقینی کہا جا سکتا ہے۔

بالمقابل اس کے اکثر اقوام ہیں جو گھٹ رہی ہیں اور آہستہ آہستہ بحرِ فنا میں گر رہی ہیں یہ اسلام ہی ہے، جس کا پاک درخت اپنی جڑوں کو زمین کے سُوتوں تک پھیلا رہا ہے اور جو اپنی پھل دار شاخوں کے ساتھ فضائے آسمانی پر چھا رہا ہے۔

اور کوثر سے متعلق علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد قرآن حمید اور کتاب مجید ہے۔ یہ وہی خیر کثیر ہے کہ شاخہائے اشجار کی اقلام اور قطرات بحار کی مداد، جس کی مدح وثنا کے استیفاء سے عاجز ہے۔ عمرِ نوح اور فہمِ جبریل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصرِ اسرار قرآنیہ سے قاصر ہیں۔ بے شک یہی کتاب قلزمِ حقائق ہے اور یہی کوثر علوم ہے یہی مطلع انوار ہے اور یہی مخزن الاسرار ہے۔ معجزات انبیاء کا اظہار ایک وقت خاص میں ہوتا تھا اور پھر خود انہی کے عہد مُبارک میں اُس معجزہ کا وجود ونمود پایا جاتا تھا۔ موسیٰ کے عصا کا اژدہا بن جانا، پھر اژدھا کا سیرتِ اولیٰ پر عود کر جانا ایک ایسا نظارہ تھا جو کوہِ طور کے بعد فرعون ہی کے دربار میں دیکھا گیا۔ وہی عصا بنی اسرائیل کے لئے انفجار ماء کا آلہ بنا ضرورت جاتی رہی تو وہی عصا کا عصا رہ گیا۔ پھر وہی عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

قرآن پاک ہمارے سیّد ومولیٰ نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے، زندہ معجزہ اور دائمی معجزہ ہے، اس کا عجاز ہر وقت، ہر آن موجود ومشہور ہے اور ہر ایک عالم دین اس کے معجزہ ہونے کی براہین صادقہ ہر وقت ڈنکے کی چوٹ پر پیش کر سکتا ہے بے شک یہ ایسی خیر کثیر ہے جس کا اعلان منجانب ربّ رحمٰن ہونا ضروری تھا۔ اور علماء نے یوں بھی فرمایا ہے کہ کوثر سے مراد وہ فضائلِ کثیرہ اور محامد جمیلہ اور نعوت متکاثرہ ہیں، جو وجودِ مصطفوی میں مندرج ومنطوی تھے۔ انابت آدم اور استقامت نُوح، حلم اسمٰعیل وعلم خلیل، درس ادریس وتنفیث شیث، حقانیت اسحٰق وعاقبت بینی یعقوب، نورانیت یوسف وصالحیت صالح، ہدیٰ ہود اور جمعیّت شعیب، لطافتِ

ہودو عبرتِ عُزیر، شکوہ سلیمان واندوہِ یحییٰ، آوازِ داؤد ودعائے یونس، ایابِ ایوّب وذہابِ ذکریا، املمتِ ہارون واینا سِ الیاس، زہدِ عیسیٰ وعلوّ موسیٰ، احسانیت لقمان وانقیادِ خضر، مساعی الیسع وکفالیت ذوالکفل۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

یہ ایسے الوان گونا گوں ہیں جو الٰہی شمس حقیقت کے پیکر نوری میں مجتمع ہیں رحمۃٌ للعالمینی کا وہ رنگ ہے جس نے ان الوان کو اپنے اندر جمع کر لینے کے بعد اپنے رنگِ خاص سے رنگین بنا دیا ہے۔

اور علماء نے کوثر سے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد سیّد کثیر الخیر ہے۔ یہ معنی صاحب صحاح الّغات نے تحریر کئے ہیں۔ یقیناً حضور سیّد وُلد آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور ﷺ کو یٰس کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ بالیقین حضور ﷺ کثیر الخیر ہیں اور سیّد ہیں۔ حضور ہی وہ مشعل ہدایت ہیں کہ ظلمات کفر وشرک کو دُور فرمایا۔ حضورؐ ہی وہ سراج منیر ہیں کہ چشم کور سواد کو بینائے حقائق بنایا۔ حضورؐ ہی وہ نور محبت ہیں کہ قلب عالم کو منوّر اور روح اعظم کو مستنیر فرمایا۔ حضورؐ ہی وہ عبدِ کامل ہیں کہ انسانیت کو تختِ سیادت پر بٹھلایا۔

الغرض عطیّہ کوثر رسولِ اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور اُمید ہے کہ فردائے قیامت کو تشنگان جمال حضورؐ کے زلال الطاف سے بہرہ یاب اور عطشان خشک زبان حضورؐ کے جامِ کوثر سے ضرور شادو سیراب ہوں گے۔ انشاء اللہ (بحوالہ رحمۃ للعٰلمین ج،۳)

اب ذیل میں ہم حوض کوثر کے بارے میں جو کہ آپ ﷺ کو قیامت کے دن بطور خصوصیت کے عطا کیا جائے گا، اسے قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

حوضِ کوثر کی تفصیل احادیث کی روشنی میں

حدیثوں میں آخرت کی جن چیزوں کا نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں ایک حوضِ کوثر، دوسری صراط، اور تیسری میزان۔

پھر کوثر کو بعض احادیث میں حوض کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض میں نہر

کے لفظ سے۔ پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوثر جنت کے اندر واقع ہے، اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت سے باہر ہے اور اہل الایمان جنت میں جانے سے پہلے اس حوض پر رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں باریاب ہو کر آپ کے دست کرم سے اس کا نہایت سفید وشفاف اور بے انتہا لذیذ وشیریں پانی نوش جان کرینگے، اور تحقیق یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکزی چشمہ جنت کے اندر ہے، اور جنت کے طول وعرض میں اس کی شاخیں نہروں کی شکل میں ہر طرف جاری ہیں۔ اور جس کو حوضِ کوثر کہا جاتا ہے وہ سینکڑوں میل کے طول وعرض میں ایک نہایت حسین وجمیل تالاب ہے، جو جنت سے باہر ہے لیکن اس کا تعلق اسی جنت کے اندر کے چشمہ سے ہے، گویا اس میں جو پانی ہوگا وہ جنت کے اس چشمہ سے نہروں کے ذریعہ آئے گا۔ آج کل کے متمدن شہروں میں واٹر ورکس جو نظام ہے اس نے کوثر کی اس نوعیت کا سمجھنا الحمدللہ سب کے لئے آسان کر دیا۔

یہاں ایک یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حوض کے لفظ سے عموماً لوگوں کا ذہن اسی قسم کے حوضوں کی طرف جاتا ہے جس قسم کے حوض انہوں نے عموماً دنیا میں دیکھے ہوتے ہیں، لیکن حوض کوثر اپنی معنوی کیفیات اور اپنی خوش منظری میں دنیا کے حوضوں سے اتنا ممتاز اور فائق ہوگا جتنا کہ جنت کی کسی چیز کو دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں ہونا چاہئے۔

لغت میں ''حوض'' کے معنی ہیں پانی جمع ہونا اور بہنا۔ اسی لئے جو گندا خون عورتوں کو ہر مہینہ آتا ہے۔ ''حیض'' کہلاتا ہے اور یہ لفظ بھی حوض ہی سے مشتق ہے یہاں حوض سے وہ ''حوض'' مراد ہے جو قیامت کے دن رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہوگا اور جس کی صفات وخصوصیات آنے والی احادیث سے معلوم ہوں گی۔

قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے لئے دو حوض ہونگے۔ ایک حوض تو میدان حشر میں پل صراط سے پہلے عطا ہوگا اور دوسرا حوض جنت میں ہوگا اور دونوں کا نام کوثر ہوگا۔ واضح رہے کہ عربی میں ''کوثر'' کے معنی ہیں خیر کثیر یعنی بیشمار بھلائیاں اور نعمتیں! پھر زیادہ صحیح یہ ہے کہ میدان حشر میں جو حوض عطا ہوگا وہ ''میزان'' کے مرحلہ سے پہلے ہی ہوگا پس لوگ

اپنی قبروں سے پیاس کی حالت میں نکلیں گے اور پہلے حوض پر آئیں گے۔اس کے بعد میزان (یعنی اعمال کے تولے جانے) کا مرحلہ پیش آئے گا۔اسی طرح میدان حشر میں ہر پیغمبر کا اپنا الگ حوض ہوگا جس پر اس کی امت آئے گی چنانچہ اس وقت تمام پیغمبر آپس میں فخر کا اظہار کریں گے کہ دیکھیں کس کے حوض پر زیادہ لوگ آتے ہیں ہمارے حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ میرے حوض پر آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

حوض کوثر کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حوض کوثر مجھے عطاء فرمایا ہے وہ اس قدر طویل ہے کہ اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مہینہ کی مسافت ہے) اور اس کے زاویے (یعنی گوشے) بالکل برابر ہیں (اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ وہ مربع ہے، اس کا طول وعرض یکساں ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، اور اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہے، اور اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں (غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے ستارے جیسے حسین اور چمکدار ہیں، اور ان کی کثرت کی وجہ سے جس طرح انہیں گنا نہیں جاسکتا، اسی طرح میرے حوض کے کوزے بھی بے شمار اور حسین اور چمکدار ہیں، جو اس کا پانی پئے گا، اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح...... "اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی" اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں پانی یا کسی بھی مشروب کا پینا پیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ حصول لذت کے لئے ہوگا جیسا کہ جنت میں کوئی چیز کھانا، بھوک کی بنیاد پر نہیں بلکہ ازراہ تنعم ہوگا کیونکہ جنت تو وہ نظام ہے جہاں کسی کو نہ بھوک لگے گی اور نہ پیاس، قرآن کریم میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا گیا ہے، **وان لک ان لاتجوع فیھا ولا تعریٰ وانک لا تظموا فیھا ولا تضحی** ۔یعنی یہاں جنت میں تو تمہارے لئے (یہ آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے رہو گے

اور نہ ننگے ہوگے، بلاشبہ تم نہ یہاں پیاسے ہوگے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔

اور ایک حدیث میں فرمایا کہ: حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تمہارا امیر ساماں ہوں (اور تم سے آگے جا کے تمہاری پیاس کا انتظام کرنے والا ہوں) جو میرے پاس پہنچے گا، وہ آب کوثر سے پئے گا، اور جو اس کو پی لے گا پھر کبھی وہ پیاس میں مبتلا نہ ہوگا، اور وہاں کچھ لوگ جن کو میں بھی پہچانوں گا، اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے میری طرف آئیں گے، لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی (اور انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا) تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں، پس مجھے جواب دیا جائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں (اور کیا نئے نئے رخنے ڈالے) تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دوری ہو ان کے لئے جنہوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا اور اس کو گڑ بڑ کیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... حدیث میں جن لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ حوض کوثر پر رسول اکرم ﷺ کے پاس جانے سے روک دیئے جائیں گے، اس کا تعیّن مشکل ہے، کہ یہ کون اور کس طبقے کے لوگ ہونگے اور نہ اس کا معلوم کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، اس حدیث کا خاص سبق ہمارے لئے تو بس یہ ہے کہ اگر ہم کوثر پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے آرزومند ہیں تو مضبوطی سے اس دین پر قائم رہیں، جو رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے لائے تھے، اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد اور کوئی ردوبدل نہ کریں۔ (بحوالہ معارف الحدیث)

حوض کوثر کی درازی اور اس کی خصوصیت

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا میرے حوض یعنی ''حوض کوثر'' کے دونوں سروں کے درمیان کا فاصلہ، اَیـلَـۃُ اور عدن کے درمیانی فاصلہ سے زیادہ ہے اور بلاشبہ اس حوض کا پانی برف سے بھی زیادہ سفید اور شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے جس میں دودھ ملا ہوا ہو اور اس کے آبخورے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں اور یقیناً

میں دوسری امتوں کے لوگوں کو اس حوض پر آنے سے اس طرح روکوں گا اور بھگاؤں گا جس طرح کوئی شخص غیر لوگوں کے اونٹوں کو اپنے حوض پر آنے سے روکتا ہے (اور یہ روکنا اس وجہ سے ہوگا تا کہ امت محمدی ﷺ کی اس فضیلت وخصوصیت میں دوسرے لوگ شریک نہ ہوں اور اس امت کے لوگ دوسری امتوں کے لوگوں سے ممتاز ومنفرد رہیں)'' صحابہ نے (یہ سن کر) عرض کیا یا رسول اللہ! (اس وقت) آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ (یعنی تمام مخلوق کے اتنے زبردست ازدحام میں کیا آپ کے لئے ممکن ہوگا کہ اپنی امت اور دوسری امتوں کے لوگوں کے درمیان امتیاز کرلیں اور وہ کونسی علامت ہوگی جس کو دیکھ کر آپ ﷺ اپنے امتیوں کو پہچان کر حوض کوثر پر آنے دیں گے اور غیر امتیوں کو وہاں آنے سے روکیں گے؟) رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ''ہاں میں تمہیں (بڑی آسانی کے ساتھ) پہچان لوں گا'' دراصل تمہاری ایک خاص علامت ہوگی، جس سے دوسری امت کے لوگ محروم ہونگے، اور وہ علامت یہ ہوگی کہ جب تم میری طرف آؤ گے تو اس وقت تمہاری پیشانیاں اور تمہارے ہاتھ پاؤں، وضو کی نورانیت کے سبب روشن اور چمکدار ہونگے۔''

اور مسلمؒ کی ایک روایت میں جو حضرت انسؓ سے منقول ہے، یوں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ''اس حوض میں سونے چاندی کے آبخورے ہونگے جو (اپنی چمک دمک اور) تعداد کے اعتبار سے آسمان کے ستاروں کی طرح دکھائی دیں گے۔'' اور مسلم شریفؒ کی ہی ایک اور روایت میں حضرت ثوبانؓ سے یوں منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسولِ اکرم ﷺ سے اس حوض کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا ''اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس حوض کو لبریز رکھنے کے لئے دو زوردار پرنالے گرتے ہیں جو جنت (کی اس نہر) سے آتے ہیں (جس کا نام بھی کوثر ہے) ان میں سے ایک پرنالہ سونے کا ہے اور دوسرا چاندی کا۔''

تشریح...... ''ایلہ'' ایک شہر کا نام ہے جو ملک شام کا ایک ساحلی علاقہ تھا اور آج کل ''اسرائیل'' کی حدود میں واقع اور اس کی ایک بندرگاہ ہے جس کا موجودہ نام ایلات ہے

یہ شہر بحر احمر (جس کو بحیرہ قلزم اور انگریزی میں ریڈسی کہتے ہیں) کے شمالی سرے پر واقع ہے۔اور عدن، بحر احمر کے جنوبی سرے پر واقع ایک مشہور جزیرہ نما کا نام ہے جو کبھی یمن کا ایک شہراور اس کی بندرگاہ تھا رسولِ اکرم ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ایلہ اور عدن کے درمیان جتنا فاصلہ ہے میرے حوض کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ہے! واضح رہے کہ اس سلسلہ میں جو روایات منقول ہیں ان میں آپ ﷺ نے اپنے حوض کے دونوں سروں کے درمیانی فاصلے کو ظاہر کرنے کے لئے متعدد شہروں اور علاقوں کا ذکر فرمایا ہے، مثلاً اس حدیث میں مابین ایلہ اور عدن کا ذکر کیا ہے جبکہ آنے والی ایک حدیث میں مابین عدن اور عمان کا ذکر کیا ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں مابین صنعاء اور مدینہ کا ذکر کیا ہے، تو ان تمام حدیثوں میں مفہوم کی مطابقت و یکسانیت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ مذکورہ شہروں کے درمیانی فاصلوں کے ذریعہ حوض کوثر کے دونوں سروں کے درمیانی فاصلہ اور اس کی درازی کو ظاہر فرمانا تحدید یعنی حد بندی کے طور پر نہیں بلکہ تمثیلاً اور تقریباً ہے۔ مطلب یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس سلسلہ کی جو بھی حدیث ارشاد فرمائی اور جو اشخاص اس وقت رسولِ اکرم ﷺ کے مخاطب تھے ان کی سمجھ بوجھ اور ان کی ذاتی معلومات کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے سامنے محض تمثیل کے طور پر بیان فرمایا کہ میرے حوض کے دونوں سروں کا درمیانی فاصلہ تقریباً اتنا ہے جتنا فلاں دو شہروں کا درمیانی فاصلہ ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

اور مولانا منظور احمد نعمانیؒ اس حدیث کی تشریح میں یوں لکھتے ہیں کہ: عدن مشہور مقام ہے، اور عمان بھی شام کے علاقہ کا مشہور شہر ہے، بلقاء عمان کے قریب ایک بستی تھی بطور امتیاز اور نشانی کے اس حدیث میں ''عمان بلقاء'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں عدن اور بلقاء کے قریب والے عمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے، آخرت میں حوض کوثر کی مسافت اتنی ہوگی، اور واضح رہے کہ یہ بھی کوئی ناپی ہوئی مسافت نہیں ہے، کہ ٹھیک اتنے ہی میل اور اتنے ہی فرلانگ اور اتنے ہی فٹ ہوں، بلکہ حوض کی وسعت کو سمجھانے کے لئے عرف کے مطابق یہ ایک تقریبی بات کہی گئی ہے، اور مطلب یہ

ہے کہ حوض کی مسافت سینکڑوں میل کی ہوگی۔

آخر میں فرمایا گیا کہ سب سے پہلے حوض پر پہنچنے والے اور اس سے سیراب ہونے والے وہ غریب مہاجرین ہونگے جو اپنے فقر و تنگدستی اور دنیا کی بے رغبتی کی وجہ سے اس حال میں رہتے ہیں کہ، انکے سروں کے بال بنے سنورے نہیں رہتے، بلکہ میلے کچیلے رہتے ہیں، جو اگر نکاح کرنا چاہیں تو ان کی اس حالت کی وجہ سے خوش عیش اور خوش حال گھرانوں کی بیٹیاں ان کے نکاحوں میں نہ دی جائیں، اور وہ کسی کے گھر پر جائیں، تو ان کے میلے کچیلے کپڑے، اور ان کی شکل وصورت کی وجہ سے کوئی ان کے لئے اپنا دروازہ نہ کھولے، اور ان کو خوش آمدید نہ کہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے جن بندوں کا یہ حال ہو، کہ دنیا کی بے رغبتی اور دین میں انہماک اور فکرِ آخرت کے غلبہ کی وجہ سے اس دنیا میں وہ غریب و تنگدست ہوکر رہیں، نہ اپنی صورتوں کی بناؤ سنگار کی فکر رکھیں، نہ لباس پوشاک کی، وہ اپنی غربت اور دنیوی عیش کی اس قربانی کی وجہ سے آخرت کے انعامات میں مقدم اور فائق رہیں گے، ہمارے اس زمانہ کے جو حضرات اس طرزِ عمل کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے، تقشّف، اور رہبانیت پسندی اور دین کے غلط تصور کا نتیجہ سمجھتے ہیں، چاہئے کہ وہ اس قسم کی حدیثوں پر غور کریں۔ ہر زمانہ کچھ کے امراض ہوتے ہیں جس طرح پہلے کسی زمانہ میں واقعی رہبانیت اور ترکِ دنیا کی غلط اور غیر اسلام سورتوں کو اسلام کا پسندیدہ زہد بعض حلقوں میں سمجھا اور سمجھایا جاتا تھا، اسی طرح ہمارے اس زمانہ میں (شاید اس کے ردِ عمل میں) بعض حلقوں کا مستقل رجحان یہ ہے کہ اسلام کو اس کی تعلیمات کو اس دور کے مادہ پرستانہ اور نفس پرستانہ تقاضوں سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے۔ واللّٰہُ یهدِی مَنْ یَّشاءُ اِلٰی صِراطٍ مُّستَقیم. (بحوالہ معارف الحدیث)

حوضِ کوثر کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے موتیوں کے قبّے ہونگے

''حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''میں (معراج کی رات

میں) جنت کی سیر کر رہا تھا کہ اچانک میرا گزر ایک نہر پر ہوا جس کے دونوں طرف موتیوں کے گنبد تھے میں نے پوچھا کہ جبرائیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ حوض کوثر ہے جو آپ ﷺ کو آپ کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔ پھر جو میں نے دیکھا تو اس کی مٹی مثل مشک تیز خوشبودار تھی۔'' (بخاری شریف)

تشریح...... اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک لفظ مجوف استعمال کیا ہے چنانچہ ''مجوف'' کے معنی ہیں کھوکھلا! مجوف موتی کے گنبد سے مراد یہ ہے کہ حوض کوثر کے دونوں کناروں پر جو گنبد اور قبے ہیں اینٹ پتھر اور چونے گاری جیسی چیزوں سے تعمیر شدہ نہیں ہیں بلکہ ہر گنبد دراصل ایک بہت بڑا موتی ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے اور اس میں نشست ورہائش کی جملہ آسائشیں موجود ہیں ''جو آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔'' کے ذریعہ آیت کریم انا اعطینک الکوثر کی طرف اشارہ ہے جس کی تفسیر میں بہت سے مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت کرمہ میں ''کوثر'' سے مراد ''خیر کثیر اور بیشمار بھلایاں اور نعمتوں کی کثرت'' ہے جو پروردگار نے رسولِ اکرم ﷺ کو عطا فرمائی ہیں، اس میں نبوت ورسالت، قرآن کریم اور حکمت کی نعمتیں بھی شامل ہیں اور امت کی کثرت اور وہ تمام مراتب عالیہ بھی شامل ہیں جن میں ایک بہت بڑی نعمت رسولِ اکرم ﷺ کو آخرت میں مقام محمود، لوائے ممدود اور مذکورہ حوض کا عطا کیا جانا ہے۔ اس اعتبار سے اس بارہ میں کوئی منافات نہیں ہے کہ ''اس سے مراد ''حوض کوثر'' ہے یا ''خیر کثیر'' مراد ہونے کی صورت میں بشمول حوض کوثر، تمام ہی نعمتیں اور بھلائیاں اس میں شامل ہو جائیں گی اس طرح جبرائیل کے مذکورہ جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو جو ''کوثر'' عطا کیا ہے اسی میں کی چیز یہ ''حوض کوثر'' ہے! بعض مفسرین نے ''کوثر'' کی مراد ''اولاد اور علماء امت'' لکھا ہے، لیکن یہ قول بھی ''خیر کثیر'' کے قول کے منافی نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں (یعنی اولاد اور علماء امت) بھی ''خیر کثیر'' ہی میں داخل ہیں۔ اور مولانا منظور احمد نعمانیؒ اس حدیث کی تشریح میں رقمطراز ہیں کہ:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت میں سیر کرتے ہوئے نہر کوثر پر گزرنے کا جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، غالبًا یہ شبِ معراج کا ہے، اور حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ "یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے۔" تو یہ قرآن مجید کی آیت "**اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر**" کی طرف اشارہ ہے، اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے آپ کو کوثر دیا" کوثر کے اصل معنی خیر کثیر کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خیر کے جو خزانے عطا فرمائے، مثلاً قرآن و شریعت اور اعلیٰ روحانی صفات، اور دنیا و آخرت میں آپ کی رفعت شان وغیرہ، سو یہ سب بھی کوثر کے عموم میں اگرچہ داخل ہیں، لیکن جنت کی یہ نہر اور اس سے متعلق وہ حوض جو میدان حشر میں ہوگا (جس سے اللہ کے بیشمار بندے سیراب ہونگے) لفظ کوثر کا خاص مصداق ہیں، یا یوں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و ایمان کے سلسلہ کی جو بیش بہا نعمتیں عطا فرمائی تھیں، جو آپ کے ذریعے سے اللہ کے بے شمار بندوں تک پہنچیں، آخرت میں ان کا ظہور اس نہر کوثر اور حوض کوثر کی شکل میں ہوگا، جن سے اللہ کے بے شمار بندے فیضیاب اور سیراب ہونگے۔

حوض کوثر کی وسعت

"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے آگے (قیامت کے دن) میرا حوض کوثر (ظاہر ہونے والا) ہے جس کے دونوں کناروں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا جَربَا اور اَذْرُحَ کا درمیانی فاصلہ ہے۔ کسی راوی کا کہنا ہے کہ جربا اور اَذْرُحَ ملک شام میں دو بستیاں ہیں جن کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اور ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "(اس حوض) کے دونوں کناروں پر آب خورے رکھے ہونگے جو (چمک دمک اور کثرت کے اعتبار سے) آسمان کے ستاروں کی مانند ہونگے، جو شخص اس حوض پر آئے گا اور اس کا پانی پئے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح...... بعض محققین نے لکھا ہے کہ ملک شام میں جَربَا ایک ایسی بستی کا نام ہے جو

دراصل اَذْرُحَ کے بالکل قریب واقع ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جَربَا اور اَذْرُحَ کے درمیان تین دن کی مسافت ہے! اس صورت میں چونکہ حدیث کا مفہوم گنجلک ہوجاتا ہے اس لئے محدثین نے یہ تحقیق کی ہے کہ اس حدیث کے کسی راوی کے وہم میں مبتلا ہوجانے کی وجہ سے وہ الفاظ نقل نہیں ہوئے جن سے حوض کوثر کی وسعت کو ظاہر کرنا مقصود تھا، چنانچہ دار قطنی کی روایت دیکھنے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو یوں ہے۔

یعنی میری حوض کے دونوں کناروں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ مدینہ اور جَربا واذرح کے درمیان فاصلہ ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جلد پنجم)

حوض کوثر پر سب سے پہلے آنے والے فقراء مہاجرین ہوں گے

''حضرت ثوبانؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میرے حوض (کوثر) کی لمبائی عدن اور عمان بلقاء کے درمیانی فاصلہ کے بقدر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس کے آب خورے (پانی پینے کے برتن) آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔ جو شخص بھی ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا پھر اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی، اس حوض پر پانی پینے کے لئے سب سے پہلے آنے والے لوگ فقراء مہاجرین ہوں گے، وہی فقراء مہاجرین جو (اس دنیا میں اپنے فقر وافلاس کی وجہ سے) پراگندہ بال اور پریشان حال اور پھٹے پرانے کپڑوں میں نظر آتے ہیں جو خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے (اگر اپنے نکاح کا پیغام بھیجیں تو ان سے) نکاح کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور جن کے لئے (گھروں کے) دروازے نہیں کھولے جاتے۔'' اس روایت کو احمدؒ، ترمذیؒ نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔''

تشریح...... جیسا کہ پہلے بھی اسی طرح کی ایک حدیث کی تشریح میں گزر چکا ہے، عدن ایک چھوٹے جزیرہ نما کا نام ہے جو پہلے یمن کا بندرگاہ تھا کچھ عرصہ پہلے تک اس جزیرہ پر انگریزوں کا قبضہ رہا ہے مگر اب خودمختار ریاست کی حیثیت رکھتا ہے، عدن بحر احمر کے

جنوبی سرے پرواقع ہے۔جہاں خلیج عدن ،بحراحمراور بحیرہ عرب (بحر ہند) کوملاتی ہے۔اسی طرح ''عمان'' بھی ایک شہر کا نام ہے جو بحراحمر کے شمالی سرے پر پہلے ملک شام کا ایک حصہ تھااوراب ملک اردن کا دارالسلطنت ہے۔ ''بلقاء''اصل میں ایک قدیم شہر کا نام ہے جو کبھی ملک شام کے دارالسلطنت ''دمشق کے'' قرب وجوار میں آباد تھا۔اور''عمان'' اسی شہر بلقاء سے متعلق ایک دیہاتی علاقہ تھا،اسی بناء پر حدیث میں عمان بلقاء فرمایا گیا ہے! حاصل یہ کہ آخرت میں مجھے جوحوض کوثر عطا ہوگا اس کی لمبائی کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا فاصلہ عمان بلقاء اور عدن کے درمیان ہے(موجودہ دور میں اس فاصلہ کو پورے بحراحمر کی لمبائی پر قیاس کیا جاتا ہے کہ حوض کوثر ،بحراحمر جتنا لمبا ہوگا) اور یہ بات بھی پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ حوض کوثر کی وسعت بیان کرنے کے لئے مختلف حدیثوں شہروں اور علاقوں کے درمیانی فاصلہ کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً اس حدیث میں عدن اور عمان بلقاء کے درمیانی فاصلہ کا ذکر ہے ،ایک حدیث میں یہ ہے کہ حوض کوثر کی لمبائی ایلہ (ایلات) اور صنعا،(یمن) کے درمیانی فاصلہ کے بقدر ہوگی اور ایک حدیث میں دو مہینے کی مسافت کے بقدر فاصلہ کا ذکر ہے وغیرہ وغیرہ تو حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی حدیث میں حوض کوثر کی لمبائی ووسعت کو متعین طور پر حد بند کرکے بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ ان سب حدیثوں کا اصل مقصد صرف حوض کے طول وعرض کی وسعت وزیادیت کو ظاہر کرنا ہے،پس جس موقع پر جو مخاطب وسامع جن علاقوں وشہروں کے درمیانی فاصلوں اور جس مسافت کی سمجھ اور معلومات رکھتا تھا اسی کے مطابق تمثیل کے طور پر شہروں اور علاقوں اور مسافت کا ذکر فرمایا۔

اس حوض پر پانی پینے کے لئے سب سے پہلے آنے والے لوگ فقراء مہاجرین ہونگے ،۔''فقراء مہاجرین کو یہ شرف خصوصی اس لئے حاصل ہوگا کہ دنیا میں دین کی خاطر انہوں نے ہی سب سے زیادہ بھوک پیاس کی صعوبت برداشت کی ہے سب سے زیادہ پریشانی اور تباہ حالی کا شکار یہی لوگ ہوئے ہیں،اس لئے ،آخرت میں سب سے پہلے انہی لوگوں کوحوض کوثر پر سیراب کیا جائے گا اور سب سے پہلے انہی کو وہاں خوش آمدید کہا جائے گا

۔اسی مفہوم کوایک دوسری حدیث میں یوں بیان فرمایا گیا کہ:اجوعکم فی الدنیا اشبعکم فی الآخرۃِ. ''تم میں سے جولوگ دنیامیں سب سے زیادہ بھوکے رہتے ہیں وہی آخرت میں سب سے زیادہ شکم سیر ہونگے۔'' نیز اللہ تعالیٰ جنت میں ایسے ہی لوگوں کوحکم دے گا۔ کُلُوا وَاشْرَبُوا هنیئاً بِما اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَۃِ ''خوب مزے سے کھاؤ اور پیو،اس صورت حال کے صلہ میں جس سے تم گزشتہ ایام (یعنی دنیاوی زندگی) میں دوچار تھے''۔

واضح رہے کہ ''مہاجرین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے اور آنحضرت ﷺ ان کے قائد تھے، نیز انہی کے حکم میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن اصلی سے ہجرت اختیار کرلی اور مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ جا کر بس گئے۔اوراسی پر اکتفانہیں کیا بلکہ انہوں نے راحت وچین اور خوشحالی کی زندگی پر فقر افلاس کو اور شہرت و ناموری پر گم نامی و گوشہ گیری کو ترجیح دے کر اختیار کیا اور رضائے الٰہی کے لئے جاہ ومال کے حصول کی جدوجہد کو ترک کر کے علم وعمل کے حصول میں منہمک ہوئے۔

اور جن لوگوں کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے'' یعنی اگر وہ لوگ بفرض محال کسی ضرورت کے تحت یا بلاضرورت ہی کسی دنیادار کے دراوزے پر جائیں تو ان کی ظاہری شکستہ حالی کی بناپر وہ (دنیادار) ان کو اس قابل بھی نہ سمجھے کہ اپنے یہاں گھسنے دے اور اپنے پاس آنے دے یہ گویا اس بات سے کنایہ ہے کہ یہ لوگ اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے دنیا داروں کے یہاں کسی دعوت وضیافت میں بلائے جانے کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور سماجی ومجلسی تعلقات میں ان کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جاتا۔

حوض کوثر پر آنے والے لوگوں کا کوئی شمار نہیں ہوگا

حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ (ایک سفر میں) ہم لوگ رسولِ اکرم ﷺ کے

ساتھ تھے کہ ایک جگہ ہمارا پڑاؤ ہوا، وہاں رسولِ اکرم ﷺ نے (اس وقت موجود صحابہؓ سے) فرمایا کہ آخرت میں جو لوگ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے ان کی تعداد کے اعتبار سے تم لاکھ جزوں میں سے ایک جزو بھی نہیں ہو۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے سوال کیا گیا کہ اس موقع پر آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ انہوں نے کہا کہ سات سو یا آٹھ سو۔ (ابوداؤد)

تشریح...... اس سے تحدید و تعیین مراد نہیں ہے بلکہ حوض کوثر پر آنے والے لوگوں کی کثرت و بہتات کو بیان کرنا مراد ہے، کہ وہاں پانی پینے کے لئے آنے والے لوگوں کی تعداد بے شمار ہوگی۔

ہر نبی ﷺ کو ایک حوض عطا ہوگا

''اور حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا (آخرت میں) ہر ایک نبی ﷺ کو حوض عطا ہوگا (اور ہر امت اپنے اپنے نبی ﷺ کے حوض پر آکر پانی پئیں گے، پس تمام انبیاء آپس میں فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ آدمی آتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ آدمی میرے حوض پر آئیں گے۔'' (ترمذیؒ)

تشریح...... مطلب یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کی امت کے لوگوں کی تعداد چونکہ دوسری تمام امتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی۔ اس لئے رسولِ اکرم ﷺ کے حوض پر پانی پینے کے لئے آنے والوں کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہوگی! اور یہ بات بالکل یقینی ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، پس آپ کا یہ کہنا کہ ''مجھے امید ہے'' اور جس سے شک وتردد کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے) محض تواضع وانکساری کی بنا پر ہے۔

قیامت کے دن رسولِ اکرم ﷺ کہاں کہاں ملیں گے

''حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ قیامت کے دن عام شفاعت کے علاوہ خاص طور پر الگ سے بھی میری شفاعت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا! اچھا میں شفاعت کروں گا۔'' میں نے عرض کیا کہ یارسول

اللہ! آپ کو کہاں تلاش کروں اور آپ (ﷺ) مجھے کہاں ملیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! سب سے پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا میں نے عرض کیا کہ اگر آپ پل صراط پر نہ مل پائیں؟ فرمایا! تو پھر میزان کے پاس تلاش کرنا'' میں نے عرض کیا اگر آپ (ﷺ) میزان کے پاس بھی نہ ملیں؟ فرمایا! اگر میں دونوں جگہ پر نہ مل پاؤں تو پھر حوض پر مجھے تلاش کرنا میں ان تینوں جگہوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔'' اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔''

تشریح...... رسولِ اکرم ﷺ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ قیامت کے دن یہ تین موقعے اور یہ تین مقام ایسے ہونگے جہاں لوگوں کو بہت زیادہ پریشانی اور ہولناکی سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہی وہ مقام ہونگے جہاں پیش آنے والے حالات ومعاملات، سفارش وشفاعت کے طلب گار ہونگے، پس میں ان تینوں جگہوں پر باری باری موجود رہوں گا، کبھی یہاں کبھی وہاں اور اس طرح میں اس دن ان مقامات پر لوگوں کو دیکھ بھال رکھنے اور ان کے معاملات نمٹوانے میں مصروف رہوں گا۔

اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ یہ حدیث بظاہر حضرت عائشہ ؓ کی اس حدیث کے خلاف ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ قیامت کے دن اپنے اہل وعیال کو یاد رکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن ان تینوں موقعوں پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ ؓ والی حدیث ''غائبین'' پر محمول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ان تینوں موقعوں پر جو لوگ آپ ﷺ کے سامنے نہیں ہونگے اور آپ ﷺ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کریں گے آپ ﷺ ازخود ان کو یاد نہیں کریں گے، اور یہ حضرت انسؓ والی حدیث ''حاضرین'' پر محمول ہے یعنی آپ ﷺ کی امت میں جو لوگ ان تین موقعوں پر آپ ﷺ کی خدمت پر حاضر ہونگے اور اپنی طرف متوجہ کریں گے تو آپ ﷺ ان کی طرف توجہ دیں گے اور ان کی خصوصی شفاعت فرمائیں گے، اور طیبیؒ نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے

لئے یہ لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کو مذکورہ جواب اس لئے دیا کہ وہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، اور یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ مخصوص حضور ﷺ کی شفاعت اور خصوصی توجہ پر اعتماد و بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائے اور عمل وریاضت کی طرف سے بے فکر ہو جائیں! چنانچہ آپ ﷺ اپنے اہل بیت اور قرابتداروں سے یہی فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! میں تمہارے اخروی معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوں محض میرے اوپر اعتماد کر کے نہ بیٹھ جانا، آخرت میں تمہارا عمل ہی فائدہ پہنچائے گا اس کے برخلاف آپ ﷺ نے حضرت انس ؓ کو یہ جواب اس لئے دیا کہ وہ ناامید نہ ہو جائیں اور انہوں نے جس قلبی تعلّق و اخلاص کی بنا پر یہ درخواست کی تھی اس کا تقاضہ یہی تھا کہ انہیں جواب بھی اس طرح کے محبت و تعلّق کو ظاہر کرنے والا دیا جائے۔

بہرحال یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ وہ دن اپنی ہولناکی شدت وسختی اور زحمت ومشقت کے اعتبار سے نہایت سخت ہوگا، اگرچہ رسولِ اکرم ﷺ کو شفاعت کا مقام حاصل ہوگا اور آپ ﷺ کا شفاعت کرنا برحق ہے لیکن اس دن نجات پانے کے لئے اس دنیا میں عملی زندگی کو سنوارنے اور درست کرنے کی ضرورت بھی مسلم ہے، محض حضور ﷺ کی شفاعت پر اعتماد کافی نہیں اور صرف اعمال پر اعتماد کر کے حضور ﷺ کی شفاعت سے بے نیازی کوئی معنی نہیں رکھتی، پس آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ اور حضرت انس ؓ کو جو جواب دیئے وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح تھے اور ہر جواب میں مخاطب کے حال کی رعایت ملحوظ تھی۔

مرتدین کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا

حضرت سہل بن سعد ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ''میں حوض کوثر پر تمہارا امیر سامان ہوں گا (یعنی وہاں تم سب سے پہلے پہنچ کر تمہارا استقبال کروں گا) جو شخص بھی میرے پاس سے گزرے گا وہ اس حوض کوثر کا پانی پئے گا اور جو شخص بھی اس کا پانی پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں رہے گا۔ وہاں میرے پاس میری امت کے کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے

جنہیں میں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے لیکن پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی تاکہ وہ مجھ سے اور حوض کوثر سے دور رہیں میں یہ دیکھ کر کہوں گا کہ یہ لوگ تو میرے اپنے ہیں!؟ یعنی یہ لوگ میری امت کے افراد ہیں، یا یہ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے صحابی رہے ہیں، پھر ان کو میرے پاس آنے سے کیوں روکا جا رہا ہے!؟ اس کے جواب میں مجھے بتایا جائے گا کہ آپ ﷺ کو نہیں معلوم، انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا کیا نئی باتیں پیدا کی ہیں یہ سن کر میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں مجھ سے دور خدا کی رحمت سے دور، جنہوں نے میری وفات کے بعد دین وسنت میں تبدیلی کی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح...... حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ حوض کوثر کی طرف آئیں گے لیکن ان کو آنحضرت ﷺ اور حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا، ان کے بارے میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ کون لوگ ہونگے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے اور جب تک آپ ﷺ دنیا میں رہے مسلمان ہی رہے، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ مختلف گمراہ کن تحریکوں جیسے مسیلمہ کذاب کے جھوٹے دعوی نبوت وغیرہ کے شکار ہو کر اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے تھے، پس اس حدیث کا مضمون اس حدیث کی طرح ہے کہ جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میدان حشر میں جب میں اپنے کچھ لوگوں کو دوزخ کی طرف لیجاتے ہوئے دیکھوں گا تو کہوں گا کہ "یہ تو میرے صحابہؓ ہیں، یہ تو میرے صحابہؓ ہیں؟! لیکن پھر مجھے بتایا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کے سامنے مسلمان تھے لیکن آپ ﷺ کے بعد اسلام سے پھر گئے تھے۔ لہٰذا اس حدیث کے ضمن میں جو تشریح و تأویل کی گئی ہے اس کو یہاں بھی پیشِ نظر رکھا جائے۔

ایک احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ لوگوں سے مراد اہل بدعت ہوں جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتے ہیں لیکن یہ بات چونکہ ثابت ہے کہ اس امت کا کوئی بھی گنہگار خواہ اس کا گناہ کتنا ہی بڑا ہو، حوض کوثر پر آنے اور اس کا پانی پینے سے روکا نہیں جائے گا

،اس لئے یہ احتمال سرے سے رد ہو جاتا ہے ہاں اگر ''بدعت'' کا تعلّق دین وملت میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرنے سے ہو جس سے اصول دین کی نفی ہوتی ہو اور نبوت وشریعت پر براہ راست اس طرح کی زد پڑتی ہو کہ اس پر کفر کا اطلاق ہو جائے تو اس درجہ کے اہل بدعت یقیناً ''مرتد'' ہی کہلائیں گے اور ان لوگوں کو اس حدیث کا محمول قرار دیا جاسکتا ہے۔

(بحوالہ جستہ جستہ از مظاہر حق جدید جلد پنجم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۸۶

رسولِ اکرم ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھیاسی نمبر خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے، بیشک رسولِ اکرم ﷺ کی تمام خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے دیگر جتنے بھی انبیاء اکرامؑ آئے مخصوص لوگوں اور مخصوص زمانے تک کے لئے آئے، صرف اور صرف ہمارے آخری نبی ﷺ ہی کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور قیامت تک کے لئے مبعوث فرمایا، تو معلوم ہوا رسولِ اکرم ﷺ کی اس خصوصیت میں بھی دوسرا کوئی نبیؑ شریک نہیں، بے شک اس خصوصیت کا مظہر صرف اور صرف ہمارے پیارے رسول ﷺ ہیں جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی کی سیرت وصورت اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

چھیاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ تک جتنے بھی انبیاءؑ مبعوث ہوئے، وہ خاص خاص زمانوں، مخصوص مقامات اور اپنی اپنی قوم کے لئے تھے مگر حضور ﷺ کو نبی کل کائنات بنا کر بھیجا گیا اس بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَمَا أَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ** (سبا ۲۸) "اور ہم نے آپ کو تمام

لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

تمام لوگوں میں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر تا قیامت آنے والے سب شامل میں ان سب انسانوں کے لئے حضور ﷺ کو پیغمبر بنایا گیا. اس لیے آپ خاتم النبین ہونے کے ساتھ ساتھ سرور کونین ﷺ بھی ہیں. احادیث میں مذکور ہے کہ تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا جانا صرف حضور ﷺ کے لیے ہی خاص ہے دوسرے انبیاءؑ کی نبوت صرف انکی اقوام تک خاص تھی، وہاں یہ عموم نہ تھا. بلکہ جیسے لوگوں یا انسانوں کے لفظ میں اوّل دنیا سے آخرت تک تمام انسان شامل ہیں ان میں نیک و بد سب سے بلکہ حضرت حضرات انبیاءؑ بھی آ گئے ہیں اور ان کی امتیں بھی حضور ﷺ ان کی لیے بھی پیغمبر ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ ﴿قُل يَاۤيُّهَا النَّاسُ اِنِّی رَسُولُ اللهِ اِلَيكُم جَمِيعًا﴾ (الاعراف:۱۵۸)

آپ کہہ دیجئے اے انسانو میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی جانب، بیشک حضور ﷺ کا یہ خطاب بھی بلا واسط اور بہ واسط انبیاء وعلماء اول سے آخر تک تمام انسانوں سے ہے اور حضورؐ سب کے لیے نبی ہیں. اپنے اس حکم کی اللہ تعالیٰ نے مزید تشریح قرآن ہی میں کر دی ہے. مثلاً:۔ اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا، انبیاء سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں، پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے، جو مصداق ہو، اس علامت کا، جو تمہارے پاس ہے، تو ضرور تم اس پر اعتقاد رکھنا اور اس کی مدد بھی کرنا۔ فرمایا: تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟ بولے: ہم نے اقرار کیا ارشاد ہوا: تو گواہ رہنا اور میں اس پر تمہارے ساتھ گواہ ہوں (آل عمران)

انبیاء متبوع ہیں اور آیتیں ان کی تابع فرمان، اس لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہ عہد لینا ان کی امتوں سے ان کے واسطے سے عہد لینا ہے۔ فتاویٰ حدیثیہ میں ہے کہ علامہ سبکیؒ نے ثابت کیا ہے کہ محمد ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام اور بعد کے حضرات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے......اور پھر حضور ﷺ تو اس وقت بھی موجود تھے، جب حضرت آدم کے جسم میں روح ڈالی جا رہی تھی، ابن سعد نے شعبی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے عرض

کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ کب نبی بنائے گئے؟ حضور ﷺ نے فرمایا آدم اس وقت روح اور جسم کے درمیان تھے، جب مجھ سے عہد لیا گیا تھا۔ اسی روایت کی تصدیق حضرت امام زین العابدینؓ کی روایت سے بھی ہوجاتی ہے۔ آپؓ نے فرماتے ہیں: ''میرے والد حضرت امام حسینؓ نے میرے دادا حضرت علی سے روایت منسوب کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''میں آدمؑ کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور (روح) تھا حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے۔ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، مجھے بتادیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی؟ حضور ﷺ نے فرمایا ''اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔ (شارحین حدیث حضور ﷺ کے نور کو روح مبارک اور اللہ تعالیٰ کے نور کو فیض کے معنی دیتے ہیں) پھر وہ نور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہاں جمال منظور ہوا۔ سیر کرتا رہا اور اس وقت لوح تھی نہ قلم، بہشت تھی نہ دوزخ، فرشتے تھے نہ آسمان، سورج، چاند، زمین اور جن وانس کوئی بھی نہیں تھا۔ (المواہب الدنیا)

امام احمد اور امام بیہقی نے اور حاکم نے صحیح الاسناد کہہ کر اور مشکوٰۃ میں شرح السنہ سے نقل کر کے حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: ''میں حق تعالیٰ کے یہاں خاتم النبیین ہو چکا تھا۔ کہ آدم علیہ السلام ابھی خمیر ہی میں تھے یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا۔ حضرت جابرؓ راوی ہیں:

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ چیزوں سے نوازا گیا ہے، جو پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، (۱) پورے مہینے کی مسافت تک رعب کی مدد مجھے عطا کی گئی (۲) دنیا کی ساری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزہ بنادی گئی سو میری امت کا ہر آدمی جہاں نماز کا وقت آجائے، نماز وہیں پڑھ لے۔ (۳) میرے لئے مالِ غنیمت حلال کردیا گیا۔ (۴) مجھے شفاعت کا مرتبہ دیا گیا۔ (۵) میں تمام انسانوں کے لئے بھیجا گیا، جبکہ انبیائے سابقین اپنی اپنی قوم کے لئے تھے۔ (بخاری و مسلم)

امام رازی تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں کہ حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں تمہارے پاس پاک صاف شریعت لایا ہوں۔ خدا کی قسم اگر موسیٰ بن عمران بھی زندہ ہوتے، تو ان کے لئے بھی میری اتباع کے سوا کوئی گنجائش نہ رہتی۔ چنانچہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، جو صحیح اور بہت سی حدیثوں میں مذکور ہے اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ وہ بھی حضور اکرم ﷺ کی شریعت کی پیروی کریں گے۔ مفتی جمیل احمد تھانوی کی تحقیق ہے کہ علامہ سبکیؒ کہتے ہیں ''ہم کو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے رب کی جانب سے تمام کمالات کی عطا ہوئی اور نبوّت پر انبیاء سے عہد لینا خلقِ آدم کے زمانے سے ہے۔ تا کہ سب نبی جان لیں کہ حضور ﷺ ان سے بڑھ کر ہیں اور ان کے بھی نبی اور رسول ہیں۔ اس لئے حضور نبی الانبیاء ہیں، فتاویٰ حدیثیہ شیخ ابن حجر ہیتمی میں ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی نے بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ حضور ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام قدیم امتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں سب انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ سب کو شامل کیا ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اور علامہ بازری نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، اور مزید یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ تمام حیوانات اور جمادات کی طرف بھی بھیجے گئے ہیں اور اس کے لئے حضور ﷺ کے رسول ہونے پر گوہ کی گواہی اور درختوں اور پتوں کی گواہی کو دلیل بنایا ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ کہتے ہیں: ''میں اس پر مزید کہتا ہوں کہ حضور ﷺ خود اپنی طرف بھی مبعوث کئے گئے۔ الغرض حضور ﷺ تمام جہانوں کے نبی ہیں، ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ نبی الانبیاء ہیں اور ان سب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور اس پر قرآن وحدیث کی بہت دلیلیں قائم ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ تو نتیجہ صاف لازم آ گیا کہ حضور ﷺ فرشتوں کے لئے بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور تمام فرشتے بہ طریق اُولیٰ حضور ﷺ کے پیروکاروں میں ہوئے اور حضور ﷺ کو اور تمام انبیاء پر کچھ خصوصیات بھی حاصل ہیں، جو فرشتوں کے معاملے میں بھی ہیں، مثلاً فرشتوں کا حضور ﷺ کے ساتھ ہو کر جہاد میں

قتال کرنا اور حضور ﷺ تشریف لے چلتے تو فرشتوں کا پیچھے پیچھے چلنا، اس کی دلیل ہے کہ وہ سب حضور ﷺ کے تابعداروں میں ہیں۔ آپ کی شریعت میں ہیں۔ اور آپ کی تقویت کے لئے ہیں۔ اللہ اللہ، کیا شان ہے، رسالت مآب کی۔

''ایک یہودی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں۔ ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ، شودر، چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے۔ ایک زرتشی تمام عالم کو بحر ظلمات کہہ کر بھی نورانی ہوسکتا ہے اور وہ ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کی پیروی کا دعوے کر کے ان سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے۔ حضور ﷺ تہجد میں دعا پڑھتے تھے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا۔ '' سب نبی برحق تھے اور محمد بھی برحق ہے۔'' غرض کوئی شخص اس وقت تک محمدی نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ پہلے موسوی، عیسوی، اور ایرانی وہندی نہ بن جائے اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت، حقانیت، راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے۔ (سیرت النبی ج ۴)

ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ سے پہلے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث کئے گئے۔ ان میں سے قرآن میں صرف ان انبیاء کا ذکر ہے، جن سے عرب، یہودی اور عیسائی واقف تھے۔ بقیہ نبیوں کا تذکرہ نہیں کیا گیا اور صرف یہ اصولی بات بتادی گئی کہ ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے (بحوالہ سورہ یونس) لیکن حضور ﷺ سب کے نبی تھے اور نبی ہیں۔ آج انبیائے سابقین کے بارے میں یہ حضور ﷺ کی تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے کہ عرب جو کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال سن کر تمسخر اڑاتے تھے، وہ کہ جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان جلالت کا تذکرہ سن کر غصہ آتا تھا، وہ انبیائے سابقین کے ایسے قائل ہوئے کہ اپنی اولاد کے نام عیسیٰ اور موسیٰ رکھنے لگے اور آج بھی انبیائے سابقین کا احترام ہر فرزند توحید کے ایمان میں شامل

ہےاوروہ یہ اقرار کرتا ہے کہ ۔

زمین وزماں تمہارے لیے مکین ومکاں تمہارے لیے

علامہ محمد سلیمان منصور پوری اپنی مایہ ناز کتاب رحمۃ العلمین جلد سوم میں آیت: وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ کے ذیل میں تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کتاب خروج باب سوم میں ہے: موسیٰ علیہ السلام نے ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا، وہ یہ دیکھنے کو آگے بڑھے، تب خدا نے بوٹے کے اندر سے پکارا۔

میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں یقیناً دیکھی، جو خراج کے محصلوں کے سبب سے ہے، سُنی اور میں اُن کے دُکھوں کو جانتا ہوں۔ اور میں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کر اچھی زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرضیوں اور حربیوں یبوسیوں کی جگہ میں لاؤں۔

اب دیکھ، بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری اُن پر کرتے ہیں، دیکھا ہے۔

بس اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں، میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں، مصر سے نکال۔ مندرجہ بالا فقرات موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے مقصد ومدعا کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کا عمل بھی اسی کی تائید میں ہے کہ انہوں بنی اسرائیل کی رہائی اور ان کو وعدہ کی زمین کی جانب لے جانے کے سوا دیگر اقوامِ عالم سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔

کتاب استثناء (موسیٰ کی پانچویں اور آخری کتاب) میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہم کو ایک شریعت عطا فرمائی جو کہ یعقوب علیہ السلام کی جماعت کی میراث ہے، باب ۳۲، درس ۴۔
اس فقرہ نے شریعتِ تورات کا خاص اسرائیلیوں کے لئے ہی ہونا ظاہر کر دیا، اگر یہ

فقرہ نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کوئی مدعی کہہ سکتا کہ شریعت تورات سب دنیا کے لئے ہے۔

یہ مسلّمہ امر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیائے بنی اسرائیل ہوئے وہ سب اسرائیلیوں ہی کے لیے آتے رہے۔

اب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہم کو صراحۃً ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی نبوت کن کن لوگوں کے لیے تھی۔

الف: انجیل متی کا باب ۱۵، پڑھنا ضروری ہے، جس میں ایک کنعانی عورت کا قصہ موجود ہے۔ یہ عورت اسرائیلی نہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس اس لئے آئی ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی معجزانہ طاقت سے اُس کی بیمار بیٹی کو چنگا کر دیں۔ مسیح علیہ السلام نے فرمایا ''میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔'' پر وہ آئی اور اسے سجدہ کر کے کہا، اے خداوند میری مدد کرو۔'' مسیح علیہ السلام نے جواب دیا ''مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیں۔''

اس تمام واقعہ پر ٹھنڈے دل سے اور پوری سمجھ سے تامل کرنا چاہئے کہ مسیح علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا اور کسی قوم کے پاس نہیں بھیجے گئے۔ انہوں نے صاف طور پر بنی اسرائیل کو فرزند سے اور دیگر اقوام کو کتوں سے تشبیہ دی اور دیگر اقوام کا اپنی برکات سے محروم ہونا اور محروم کرنا، اس دلیل سے واضح کر دیا کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو نہیں دی جایا کرتی۔

انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیح علیہ السلام نے اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا تو یوں کہا! ''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔''

اس سے ظاہر ہے کہ غیر اقوام میں تبلیغ کی قطعاً ممانعت فرمائی گئی اور اسرائیلیوں میں سے بھی سامریوں کے پاس جانے سے روکا گیا۔ یہ اسناد اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام کی نبوّت اور اُن کے بارہ شاگردوں کے فرض تبلیغ کا رقبہ صرف

اسرائیلیوں کے اندر اندر محدود تھا۔ انبیائے بنو اسرائیل کے بعد دیکھو کہ دنیا میں اور کون سے مذہب میں تبلیغ شان موجود ہے، لیکن بدھ مذہب کی صدہا سالہ تاریخ پر عبور کر جاؤ۔ انہوں نے ہندو جاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں بھی کسی دوسری قوم تک تبلیغ کو نہیں پہنچایا اور کسی غیر مذہب اسرائیلی، بابل، مصری، حجازی، مغربی وغیرہ کے معتقد کو داخل مذہب خود نہیں کیا۔ سلسلہ تکامل کی یہ زبردست شہادت بدھ ازم کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لئے خاص بتا رہی ہے اور اگر آریہ سماج کی تحقیقات کسی حقیقت کا انکشاف کر سکتی ہے، تب تو یہ بھی ہے کہ بدھ ازم کوئی علیٰحدہ ازم نہ تھا بلکہ بدھ مہاراج دیدمت کے تازہ کرنے والے تھے۔ اب دیدمت کو لیجئے، دیدمت کے عروج کا زمانہ مہابھارت کی جنگ سے پیشتر کا ہے۔ دید اور چھ شاستر امنوسمرتی خاموش ہیں کہ دیدمت کو کبھی تبلیغ مذہب بتایا گیا ہو، یا کبھی اقوام غیر میں اس کی تبلیغ کی گئی ہو۔

منوجی مہاراج کی سمرتی کو اَریہ اور سناتنی صاحبان بالاتفاق قابل سند تسلیم کرتے ہیں اس سمرتی میں تمام آبادی کو چار ورنوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور تحصیل علم وفضل اور قرأت دید کا کام صرف برہمن ورن کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ تقسیم، یہ پابندی بتلا رہی ہے کہ منوجی مہاراج اور اُن کے ماتحت رشیوں نے جو سمرتی مذکور کے سیکھنے کے لئے مجتمع ہوئے تھے، دیدمت کو کبھی تبلیغی مت نہیں قرار دیا تھا۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے مذاہب کا ذکر یہاں چھوڑ دیا جاتا ہے مذکورہ بالا شاندار اقوام کا سلسلہ تعامل بھی یہی یقین دلاتا ہے غور کرو کہ شریعتِ موسوی کا امام کبھی کسی غیر اسرائیلی کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ روما کے کلیسا نے پطرس کا جانشین یعنی مسیحی برکات کا مخزن کبھی کسی غیر یورپین کو تسلیم نہیں کیا اور ایشیائی نسل کا کوئی شخص کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔

ہندو قوم میں کبھی کوئی یہودی یا عیسائی یا مغربی نسل کا شخص رشی یا مہارشی بلکہ کسی مندر کا پجاری بھی نہیں بنایا گیا۔ یہ عملی تجربے ثابت کر رہے ہیں کہ ان مذاہب کے بیشتر بزرگوں نے حقیقۃً اپنے اپنے مذاہب کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لئے خاص سمجھا ہوا تھا۔ حضور ﷺ

کے اس منصب کا کہ حضور ﷺ کُل دنیا کے لئے مبعوث ہیں، آیتِ زیب عنوان کے لئے دیگر آیات میں بھی اعلام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُل یا اَیُّھا النَّاسُ اِنِّی رسولُ اللہِ اِلَیکُم جمیعًا نِ الَّذِیْ لہٗ مُلکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. اے نبی کہہ دیجئے کہ اے نسلِ انسانی کے بچو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ (بحوالہ رحمۃ العلمین، ج۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۸۷

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے ستاسی نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا بے شک ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم ہے، اس وقت جبکہ میں اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں سعودیہ ٹائم کے مطابق ساڑھے چار بج رہے ہیں، مسجد نبوی میں عصر کی نماز سے فراغت ہوئی ہے اور میں نے عصر کی نماز روضہ رسول ﷺ کے نزدیک اس طرف ادا کی، جہاں باب جبرائیل ہے، اور اب عین روضہ کے سامنے بیٹھا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ اپنے پیارے آقا ﷺ کے مقدس روضے کے سائے تلے بیٹھا ہوں، زبان پر درود جاری ہے ہاتھ میں قلم ہے، لوگوں کا اژدھام ہے اور میں اپنے آبلہ پا قلم سے صفحہ قرطاس پر آپ ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور اللہ کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ روز قیامت یہ میری ٹوٹی پھوٹی کاوش میرے لئے نجات کا ذریعہ بن جائے گی انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! حضور ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی بہت عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی محمد ﷺ کی دلی حالت کے مطابق عین نماز ہی میں قبلے کو تبدیل فرمادیا، یعنی پہلے قبلہ بیت المقدس تھا لیکن حضور ﷺ کی خواہش تھی کہ قبلہ بیت اللہ ہونا چاہئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ ﷺ کی اس خواہش کو عملی جامہ پہنایا اور وحی نازل فرمائی کہ آپ (ﷺ) کی خواہش کے مطابق اب قبلہ بیت اللہ ہوگا، یہ خاص آپ ﷺ کے لئے ہی ایسا ہوا جبکہ دیگر انبیاءؑ کو یہ خصوصیت نصیب نہیں ہوئی تو اس طرح رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا، یقیناً یہ خصوصیت ہمارے حضور ﷺ کی

بہترین امتیازی خصوصیت ہے جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کو تفصیل سے پیش کیا جارہا ہے، لیجئے ملاحظہ فرمائیے:۔

ستاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا تھا اور اُن کو ارضِ مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے تھے، لیکن اسی کے ساتھ تورات میں بار بار اعلان کر کے یہ بھی اُن کو سنا دیا گیا تھا اگر انہوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب اُن سے چھین لیا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام و حضرت اسحاق علیہ السلام کو دو بیٹے عطا ہوئے تھے اور ارض مقدس کو ان دونوں بیٹوں درمیان تقسیم کردیا گیا تھا یعنی شام کا ملک حضرت اسحاقؑ اور عرب کا ملک حضرت اسماعیلؑ کو ملا تھا۔ شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا۔ حضرت اسحاقؑ کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے (اسرائیل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی اور بنو اسماعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے اُن میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور بنو اسماعیل کا کعبہ تھا۔ گویا آنحضرت ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء علیہم السلام عرب یا شام میں مبعوث ہوئے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف وخصوصیت کا جامع اور برزخ بنایا تھا۔ اسی طرح حضرت اسحاق و اسماعیلؑ دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ بھی ذاتِ محمدی ﷺ ہی کو قرار دیا۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی وراثت جو صدیوں سے جو بیٹوں میں بٹتی چلی آتی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پھر ایک جگہ ہوگئی اور گویا وہ ''حقیقت ابراہیمیہ''، جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہوگئی تھی ذاتِ محمدی ﷺ میں

پھر یکجا ہو گئی اور آپ ؐ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت ﷺ کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی لئے معراج میں آپ گو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کی صف میں آپ گو امامت پر مامور کیا گیا تا کہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلانِ عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکارِ محمدی ﷺ کا عطا ہوتی ہے اور نبی القبلتین نامزد ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں سورہ اسراء کی ابتداء اور واقعۂ معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔ ''پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو مسجد حرام سے اُس مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں تا کہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی بند نشانیاں دکھائیں، بے شک خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔ (بنی اسرائیل)

بنو اسرائیل کو ارضِ مقدس کی تولیت کا شرف بہت سے شرائط اور معاہدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے اور احکام الٰہی کی عدم پیروی کے ملزم ہوں گے۔ تو یہ منصب اُن سے چھین لیا جائے گا اور محکومی و غلامی کی زنجیر اُن کی گردنوں میں ڈال دی جائے گی۔ حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام کے عہد میں اُن کو نیابت اور وراثت عطا کی گئی تھی عدم ایفائے عہد کی پاداش میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (بنو خذنذر) کے ہاتھوں اُن سے چھین لی گئی۔ ارضِ مقدس سے وہ جلاوطن کر دیئے گئے۔ شہر اور سلیم کھنڈر کر دیا گیا۔ بیت المقدس کی ایک ایک اینٹ چور چور کر دی گئی اور تورات کے پُرزے پُرزے اڑا دیئے گئے۔

اس پُرغم سانحہ پر بنی اسرائیل نے ماتم کیا۔ خدا کے سامنے دستِ تضرّع دراز کیا۔ بنی اسرائیل کو توبہ و انابت کی دعوت دی تو پھر اُن کو معاف کیا گیا اور ایرانیوں کے عہد میں ارضِ مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے، لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ بتوں کو سجدہ کئے۔ تورات کے احکام سے روگردانی کی تو اُن پر یونانیوں اور رومیوں

کو مسلط کیا گیا جنھوں نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہودیوں کا قتلِ عام کیا۔ قربان گاہ کے مقدس ظروف توڑ پھوڑ دیئے۔ اب اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوتی ہے اور بنواسرائیل کی توبہ وانابت کا آخری موقع دیا جاتا ہے۔ اگر انہوں نے حق پسندی کو راہ دیا تو خدا ان پر رحم فرمائے گا ورنہ ہمیشہ کے لئے وہ اس منصب سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی وراس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت نامہ ٹھہرایا کہ ہمارے سوا وہ کسی کو کارساز نہ بنائیں۔ اے ان لوگوں کی اولا دو! جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا، دیکھو کہ اُن کا جنہوں نے اپنا کارساز دوسروں کو بنالیا تھا کیا حشر ہوا؟ تم کو اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا کیونکہ تمہارا باپ نوحؑ شکر گزار بندہ تھا اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا تھا کہ تم دودفعہ زمین میں فساد کرو گے اور بڑی زیادتیوں کرو گے، جب اُن میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر ایسے بندوں کو کھڑا کر دیا۔ جو بڑے سخت گیر تھے وہ تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہوا، پھر ہم نے تمہارے دن پھیرے اور تم کو مال واولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد بہت بڑھادی (اور کہہ دیا کہ) اگر تم نے اچھے کام کئے تو اپنے ہی لئے اور بُرے کام کئے تو اپنے لئے، پھر جب (تمہارے) دوسرے فساد کا وقت آیا (تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کر دیا) کہ وہ تمہارے چہروں کو خراب کر دیں اور یہ بھی بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح تمہارے پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر وہ قابو پائیں اُس کو توڑ پھوڑ ڈالیں (اب محمد ﷺ کی بعثت کی بعد) ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر ویسا ہی کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے اور حق کے منکروں کے لئے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے''۔ (بنی اسرائیل)

یہ سورہ مکّہ میں نازل ہوئی تھی، وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے، اسی لئے مکی سورتوں میں بنواسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ بنواسرائیل کو مخاطب کیا جارہا ہے۔ کیونکہ اب اسلام کے نئے دَور کا آغاز ہوگا اور از سرِ نو خدا کے سامنے

اپنی شرمساری کے اظہار کا موقع ملے گا اور خدا اُن پر رحمت کا دروازہ کھولے گا۔ لیکن اگر انہوں نے قبولِ حق سے انکار کیا تو اُن کے لئے پھر وہی سزا ہے جو اُن کو اس سے پہلے دو دفعہ مل چکی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے عملاً اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور حق کو قبول نہیں کیا، حالانکہ خدا نے اُن سے کہا کہ۔ ''تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کرونگا''۔ اس لئے خدا نے اُن پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا اور اُن کو تیسری دفعہ میں وہی سزا ملی اور وہ مدینہ، اطرافِ مدینہ کے باغات وغیرہ سے بے دخل کر دیئے گئے اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کی گئی۔

آج کفارِ مکّہ کے نام آخری اعلان ہے۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ اگر اسلام سچا اور ہمارا مذہب باطل ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے۔ اُن کو یہ سنت الٰہی بتائی گئی کہ قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب تک اس میں مبلغ الٰہی مبعوث نہیں ہو لیتا اور اس کو بالکل اس کی طرف سے مایوسی نہیں ہو جاتی۔ اس وقت قوم کا دولت مند اور مغرور طبقہ اُس حق کی بیخ کنی کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ بہت سے دوسرے لوگ جن کو اُن کی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے اُن کا ساتھ دیتے ہیں۔ مومنوں کا طبقہ جو بظاہر کمزور ہوتا ہے اس حق کو قبول کر لیتا ہے۔ ایک دنیا کے نفعِ عاجل کا طالب ہے اور دوسرا آخرت کے نفعِ جاوید کو ترجیح دیتا ہے، دنیا میں بظاہر دونوں کو برابر زندگی کی نعمتیں ملتی ہیں مگر ایک دن آتا ہے جب رات اور دن کی روشنی الگ ہو جاتی ہے۔ دنیا میں کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار نہیں، مصلح اور ہادی اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں، ایمان و کفر کے وہ ذمہ دار نہیں، اس دنیا میں ہر شخص اپنا آپ ضامن ہے۔ اس انکار و کفر کی بدولت قریش مکہ بھی تولیتِ کعبہ کے شرف سے معزول کئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو فتح مکّہ کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد پاک ہے کہ۔ ''یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور اُن مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ اُن کے لئے بڑی مزدوری ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو آخرت پر ایمان نہیں ہم نے اُن کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے، انسان کبھی برائی

(عذاب) کو بھی اسی طرح چاہتا ہے جس طرح بھلائی کو، انسان بڑا ہی عجلت پسند واقع ہوا ہے، ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے، نشانِ شب کو ہم مٹا دیتے ہیں اور نشانِ روز کو روشن کر دیتے ہیں کہ اس روشنی میں اپنے خدا کی مہربانی کو ڈھونڈو اور ماہ و سال کا شمار اور حساب جانو، ہم نے ہر چیز کھول کر بیان کر دی اور ہر انسان کے نیک و بد کو اسی کی گردن میں ڈال دیا ہے، قیامت کے دن ہم اُس کے اعمال نامہ کو نکالیں گے جس کو وہ کُھلا ہوا پائے گا اور اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ لو اپنا اعمال نامہ پڑھو! آج تم ہی اپنا حساب آپ لے لو تو جو ہدایت کو قبول کرتا ہے وہ خود اپنے لئے کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے لئے، کوئی ایک دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھاتا اور ہم اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک پیغمبر نہ بھیج لیں اور جب کسی آبادی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو ہم وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں فسق و فجور کرتے ہیں (تو اُس پر قانونِ الٰہی کے مطابق) سزا واجب ہو جاتی ہے تو ہم اُس آبادی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور یاد کرو نوحؑ کے بعد سے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے جو اس دنیا کا نفع عاجل چاہتے ہیں تو ان میں سے جس کے لئے ہم چاہتے ہیں (اسی دنیا کا نفع) عاجل اُس کو دے دیتے ہیں پھر دوزخ کو اس کا ٹھکانہ بناتے ہیں جس میں وہ ہر طرح بُرا ٹھہرا کر راندۂ درگاہ بن کر داخل ہوگا اور جو آخرت کو چاہے گا اور آخرت کے لئے کوشش کرے گا اور وہ مؤمن ہوگا تو اس کی کوشش خدا کے یہاں مشکور ہوگی۔ ہم نیک و بد ہر ایک کو تیرے پروردگار کے عطیہ سے دیتے ہیں، تیرے پروردگار کا عطیہ محدود نہیں ہے۔ دیکھ! ہم نے کیونکہ دنیا میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، لیکن سب سے بڑا درجہ اور مرتبہ آخرت کا درجہ اور مرتبہ ہے۔ (بنی اسرائیل)

یہود اور قریش دونوں کی معزولی کے بعد بیت المقدس اور خانہ کعبہ دونوں کی تولیت کا منصب عطا کرنے کے لئے شہنشاہِ عالم اپنے بندۂ خاص کو اپنے حضور میں طلب کرتا ہے اور اس روحانی حکومت کے شرائط و احکام کا ایک نسخہ عطا کرتا ہے، جیسا کہ اس موقع پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کو عطا ہوا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ۔

''خدا کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بنانا ورنہ تو بُرا ٹھہرے گا اور بے یار مددگار رہ جائے گا اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کو اور نہ پُوجنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اگر ان میں ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کی بات میں اونھ تک نہ کرنا اور نہ ان کو نہ جھڑکنا اُن سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کا بازو جھکا دینا اور ان کے حق میں یہ دعا مانگنا کہ پروردگار! میرے والدین پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے جب میں چھوٹا تھا مجھ پر رحم کیا تھا، تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے راز سے خوب واقف ہے، اگر تم نیک ہو تو وہ تو توبہ کرنے والوں پر بخشش کرتا ہے اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کر اور غریب و مسافر کا حق بھی دے اور فضول خرچی نہ کیا کر فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے آقا کا بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔ اگر اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تجھ کو توقع ہو ان مستحقین میں سے کسی سے تجھ کو منہ موڑنا پڑے تو اُن کو نرمی سے سمجھا دے اور اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑ لے کہ گویا گردن میں بندھا ہے اور نہ اتنا پھیلا ہی دے کہ ہر طرف سے تجھ کو لوگ ملامت کریں اور تُو تہی دست ہو جائے، تیرا پروردگار جس کو روزی چاہتا ہے کم کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا و بینا ہے، اور تم افلاس کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو، ہم ہیں جو اُن کو اور تم دونوں کو روزی دیتے ہیں، اُن کا قتل کرنا درحقیقت بڑا گناہ ہے اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی ہے اور بُری راہ ہے اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اُن کو ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اُس کے والی وارث کو قصاص کا حق ہم نے دے دیا ہے تو چاہیئے کہ وہ اس میں زیادتی نہ کرے کیونکہ اسی میں اس کی جیت ہے اور جب تک یتیم اپنی عقل و شعور و جوانی کو نہ پہنچ جائے اس کے مال و جائداد کے قریب بھی نہ جانا لیکن اس طریقہ سے جا سکتے ہو جو اُن کے حق میں بہتر ہو، عہد کو پورا کیا کرو کہ اُس کی باز پرس ہوگی اور جب ناپ کرو تو پورا ناپ کرو اور تول کرو تو سیدھی ترازو سے تول کر دو، یہ طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بھی بہتر

ہے اور جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو لے، کیونکہ کان، آنکھ، دل سب سے مواخذہ ہوگا اور زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل کہ تُو اس چال سے نہ زمین کو چیر ڈالے گا اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا ہو جائے گا، ان تمام باتوں کی بڑائی تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، یہ تمام احکام دانشمندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں اور خدا کے ساتھ کوئی اور دوسرا خدا نہ بنائے ورنہ تو ملامتی اور راندۂ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا"۔ (سورہ بنی اسرائیل)

ان احکام کی تفصیل کی بعد آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔"یہ تمام باتیں دانشمندی کی اُن باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تم پر وحی کی ہیں"۔

(بحوالہ سیرت النبیؐ جلد سوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۸۸

رسولِ اکرم ﷺ کا امتیاز تمام اخلاقی معلّموں میں

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھاسی نمبر خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کا امتیاز تمام اخلاقی معلّموں میں" اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پیارے آقا حضور سرور کائنات ﷺ کی ذیل میں آنے والی یہ خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ جس میں کائنات کے تمام اخلاقی معلموں میں آپ ﷺ کا امتیاز واضح کیا گیا ہے، اگرچہ آپ ﷺ کے خلق عظیم سے متعلق پہلے بھی ایک خصوصیت کی تفصیل گزر چکی ہے، لیکن یہاں جو خصوصیت پیش کی جارہی ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو تمام اخلاقی معلموں بشمول تمام انبیاء کرامؑ میں سب سے اونچا امتیاز عطا فرمایا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، امید ہے کہ آپ ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے مطالعے سے ایمانی قوت اور نبوت کی قلبی محبت میں اضافہ ہوگا انشاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

اٹھاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے جن کے مکتب میں آکر بڑی بڑی قوموں نے ادب کا زانو تہ کیا۔ اور آداب اخلاق کے وہ سبق ان سے حاصل کیے جو سینکڑوں اور ہزاروں برس گزر جانے کے بعد بھی اب تک ان کو یاد ہیں اور سچ یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی حسنِ اخلاق کا کوئی نمونہ ہے وہ انہی کے صحیفۂ تعلیم کا ایک ورق ہے مگر ایک تنقیدی نظریہ

بتادے گی کہ ان اخلاقی استادوں میں باہمی نسبت کیا ہے؟ان کے تعلیمی نصاب کی ترتیب کن کن اصولوں پر مبنی ہے اور ان میں درسگاہ عالم کے سب سے آخری معلم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کیا امتیاز حاصل ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نوعِ انسانی کے معلمین کی دو جماعتیں ہیں۔ایک وہ جس نے اپنی تعلیم کی بنیاد کسی اخروی مذہب پر رکھی جیسے عام انبیاء علیہم السلام،اور بعض مذہبوں کے بانی،دوسری وہ ہے جس نے اپنے فلسفہ وحکمت اور عقل ودانائی کی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کی۔ہم ان میں سے اول کو انبیاء اور مصلحین دین اور دوسری کو حکماء کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں،ان دونوں جماعتوں نے اپنے درس وتعلیم کے اصول اور طریقے الگ الگ اختیار کیے۔پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں نے اپنی تعلیم کا ماخذ حکمِ ''خداوندی'' کو قرار دیا اس حکم وفرمانِ الٰہی کے سوا ان کی تعلیم کی کوئی اور بنیاد نہیں،ان کی تعلیمات علت ومعلول کا سلسلہ ہے،نہ اخلاق کے دقیق نکتوں کی گرہ کشائی ہے اور نہ ان احکام وتعلیمات کی اخلاقی مصلحتوں اور عقلی حکمتوں کی تصریح ہے،دوسرے فریق کی تعلیمات میں علت ومللول کی تحقیق،نفسیاتی خواص کی بحث،اخلاق کے غرض وغایت کی تعیین،قوائے عملی کی تحدید،یہ سب کچھ ہے مگر بحث ونظر سے آگے عمل کا درجہ صفر محض ہے، اگر ہے تو بے کیف اور بے لذت دنیا کے آخری معلم کی تعلیم میں حکمِ خداوندی اور عقلی ودقیقہ رسی،فرمانِ الٰہی اور نکتہ وری،امرِ ربانی اور حکمِ فطرت کتاب اور حکمت دونوں کی آمیزش ہے۔

انبیاء اور حکماء میں جو اصلی فرق وامتیاز ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء کی اخلاقی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان کی معصوم زندگی،ان کے مقدس کارنامے اور ان کے پاک اثرات ہوتے ہیں،جن کا ہر فیض ان کے ہر بنِ مو سے خیر وبرکت سے سلسبیل بن کر نکلتا ہے اور پیاسوں کو سیراب کرتا ہے لیکن بلند سے بلند حکیم اور اخلاق کا دانائے رموز جس کی اخلاقی سخن طرازی، اور نکتہ پروری سے دنیا محوِ حیرت ہے اور جس نے انسان کے ایک ایک اندرونی جذبہ،باطنی قوت اور اخلاقی فطرت کا سراغ لگایا ہے۔عمل کے لحاظ سے دیکھو تو اس کی زندگی ایک معمولی

بازاری سے ایک انچ بلند نہ ہوگی وہ گو دوسروں کو روشنی دکھا سکتا ہے مگر خود تاریکی سے باہر نہیں آتا، وہ دوسروں کی رہنمائی کا مدعی بنتا ہے مگر خود عمل کی راہ میں بھٹکتا پھرتا ہے، وہ رحم و محبت کے طلسمات کے ایک ایک راز سے واقف ہے۔ مگر غریبوں پر رحم کھانا اور دشمنوں سے محبت کرنا وہ نہیں جانتا۔ وہ سچائی اور راستبازی پر بہترین خطبہ دے سکتا ہے مگر وہ خود سچا اور راست باز نہیں ہوتا۔

اس واقعہ کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ محض زبان یا دماغ ہوتا ہے، دل اور ہاتھ نہیں اس لیے اس کے منہ کی آواز کسی دل کے لوح پر کوئی نقش نہیں بناتی بلکہ ہوا کے تموج میں مل کر بے نشان ہو جاتی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام چونکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں، جو ان کی تعلیم ہے وہی ان کا عمل ہے جو ان کے منہ پر ہے وہی دل پر ہے۔ اس لیے ان کی تعلیم اور صحبت کا فیضان خوشبو بن کر اڑتا اور ہم نشینوں کو معطر بنا دیتا ہے، یہی وہ فرق ہے جو انبیاء اور حکماء یعنی موسیٰ، عیسیٰ، محمد رسول اللہ علیہم السلام کی تعلیم و تلقین سے اخلاق کے بڑے بڑے مدارج اور مراتب پر پہنچیں، اور آج زمین کے کرہ پر جہاں کہیں بھی حسن اخلاق کی کوئی کرن ہے وہ نبوت ہی کے کسی مطلع انوار سے چھن کر نکل رہی ہے۔ مگر اس وصف میں سارے انبیاء علیہم السلام یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کے مختلف مدارج ہیں، ان کی عملی حیثیت کے کامل ہونے کے ساتھ ضرورت یہ ہے کہ ان کے اس درجہ کمال کی ایک ایک ادا عمل کی صورت میں نمایاں ہوتا کہ ہر ذوق اور ہر رنگ کے رفیق اور اہل صحبت اپنی اپنی استعداد کے مطابق ان کی عملی مثالوں سے متاثر ہوں اور پھر وہ روایتوں کے اوراق میں محفوظ رہیں تا کہ بعد کے آنے والے بھی اس نشان قدم پر چل کر مقصود کی منزل تک پہنچ سکیں الغرض ایک کامل اور مکمل اور آخری معلم کے لیے حسب ذیل معیاروں پر پورا اترنا ضروری ہے۔

۱۔ اس کی زندگی کا کوئی پہلو پردے میں نہ ہو۔

۲۔ اس کی ہر زبانی تعلیم کے مطابق اس کی عملی مثال بھی سامنے موجود ہو۔

۳۔ اس کی اخلاقی زندگی میں یہ جامعیت ہو کہ وہ انسانوں کے ہر کارآمد گروہ کے

لیے اپنے اندر اتباع اور پیروی کا سامان رکھتی ہو۔

تنقید کے ان معیاروں پر اگر ہم سارے انبیاء اور مذہبوں کے بانیوں کی زندگیوں کو جانچیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کسی کی زندگی بھی پیغمبر اسلام علیہ السلام کی حیات پاک کے برابر جامع کمالات نہیں، دنیا کا کوئی پیغبر یا بانی مذہب ایسا نہیں ہے جس کی اخلاقی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے اس طرح بے نقاب ہو کہ گویا وہ خود ہمارے سامنے موجود ہے تورات کے پیغمبروں میں سے کونسا ایسا پیغمبر ہے جس کے اخلاقی کمالات ہمارے علم میں ہیں، ان غیر اخلاقی قصوں کا ذکر فضول ہے جن کو توراۃ کے راویوں نے ان معصوم بزرگوں کے حالات میں شامل کر دیا اور قرآن نے ہر جگہ ان کو ان بیہودہ الزامات سے پاک اور بَری قرار دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہما السلام تک توراۃ کے ایک ایک پیغمبر پر نگاہ ڈالے جاؤ ان کی معصوم زندگی کے حالات کی کتنی سطریں تمہارے سامنے ہیں اور کیا ان کی اخلاقی شکل وصورت کی پوری شبیہ دنیا کے سامنے کبھی موجود رہی۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی تینتیس برس کی زندگی میں سے صرف تین برس کا حال ہم کو معلوم ہے اور ان تین برسوں کے حالات میں سے بھی معجزات وخوارق کے سوا کوئی اور حال بہت کم معلوم ہے، ایسی صورت میں کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اخلاقی زندگی کا کوئی پہلو پردہ میں نہیں؟

ان انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہندوستان، ایران اور چین کے بانیان مذہب کی اخلاقی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہو تو معلوم ہوگا کہ اس کے لیے دنیا میں کوئی سامان ہی موجود نہیں۔ کیونکہ ان کی اخلاقی زندگی کے ہر پہلو پر ناواقفیت کا پرداہ پڑا ہوا ہے۔ صرف اسلام ہی کے ایک معلم کی زندگی ایسی ہے جس کا حرف حرف دنیا میں محفوظ اور سب کو معلوم ہے اور بقول باسورتھ اسمتھ کے کہ "یہاں (سیرت محمدی) پورے دن کی روشنی ہے جن میں محمد کی زندگی کا ہر پہلو روز روشن کی طرح نمایاں ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود یہ حکم تھا کہ میرے ہر قول اور عمل کو ایک سے دوسرے تک پہنچاؤ۔ محرمان راز کو اجازت تھی کہ جو مجھے

خلوت میں کرتے دیکھو، اس کو جلوت میں برملا بیان کرو۔ جو حجرہ میں کہتے سنو اس کو چھتوں پر چڑھ کر پکارو، **الا فلیبلغ الشاهد الغائب**۔

اب دوسری حیثیت سے غور کیجیے، ان مقدس ہستیوں کی اچھائی، اخلاقی احکام کی خوبی اور مواعظ و نصائح کی عمدگی میں کوئی شبہ نہیں لیکن کیا دنیا کو خود ان بزرگوں کے عملی اخلاق کا بھی تجربہ اور علم ہے، کوہ زیتون کے پُر تاثیر واعظ (حضرت عیسیٰ) کی معصومانہ باتیں، سچائی اور راستبازی کی نصیحتیں اور لفظی صنائع و بدائع اور دل کش تمثیلوں سے بھری ہوئی تقریریں دنیا نے سنیں اور ان کی فصاحت اور شیرینی کا مزہ اب تک اس کے کان و دہن میں ہے۔ مگر کیا اس کی آنکھوں نے اس معصوم واعظ کی عملی مثالیں بھی دیکھیں؟ کیا اس سلبی پہلو کے سوا اس کے اخلاق کا کوئی ایجابی پہلو بھی ہمارے سامنے ہے؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "سب کچھ جو تمہارے پاس ہے جب تک اس کو خدا کی راہ میں لٹا نہ دو آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہو گے" کیا اس نے اپنا بھی سب کچھ خدا کی راہ میں لٹایا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "شریروں کا مقابلہ نہ کرو" کیا اس نے خود بھی شریروں کا مقابلہ نہیں کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "دشمنوں کو بھی پیار کرو" کیا اس نے بھی کبھی اپنے دشمن کو پیار کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "تو اپنے پڑوسی کو اپنے سارے جان و مال سے پیار کر" کیا خود بھی اسکا ایسا ہی عمل تھا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "اگر تمہارے داہنے گال پر کوئی تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دو" کیا اس نے خود بھی ایسا ہی کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "تم سے اگر کوئی تمہارا کُرتا مانگے تو اپنی قبا بھی اس کے حوالے کر دو" کیا ایسی فیاضی اس سے خود بھی ظہور میں آئی؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ مسیح میں یہ صفتیں موجود نہ تھیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ انجیل نے ان کی اس حیثیت کو محفوظ نہیں رکھا۔

مگر اسلام کے اخلاقی معلم کی شان اس حیثیت سے بھی بلند ہے، اس نے جو کچھ کہا سب سے پہلے اس کو کر کے دکھایا اس کا جو قول تھا وہی اس کا عمل تھا اس نے یہودیوں کو طعنہ دیا کہ "اَتَأمُرُونَ النَّاسَ بِالبِرِّ وَ تَنسَونَ أنفُسَكُم (بقرہ:۵) کیا اوروں کو نیکی کی بات بتاتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ "لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا

تَفعَلُونَ. کَبُرَ مَقتاً عِندَ اللہِ اَنْ تَقُو لُو ا مَالَا تَفعَلُون " (صف:۳) (تم کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، بڑی بیزاری ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ جو نہ کرو)

ایک شخص نے آ کرام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ کان خلقہ القرآن 'جو قرآن میں الفاظ کی صورت میں ہے وہی حامل قرآن کی سیرت میں بصورت عمل تھا۔ اگر غریبوں اور مسکینوں کی امداد و اعانت کا حکم دیا تو پہلے خود اس فرض کو ادا کیا، خود بھوکے رہے اور دوسروں کو کھلایا۔ اگر آپ نے اپنے دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کرنے کی نصیحت کی تو پہلے خود اپنے دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کیا کھانے میں زہر دینے والوں سے درگزر کیا، اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا جنہوں نے آپ پر تیر برسائے اور تلواریں چلائیں، مسلح ہو کر بھی کبھی ان پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ کپڑوں کی شدید ضرورت کے وقت بھی جس نے آپ سے کپڑا مانگا خود اپنی چادر اُتار کر اس کے حوالہ کر دی۔ الغرض یہی وجہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ انسانوں کو اپنے ہادیوں اور رہنماؤں کے صرف تعلیمات اور اقوال سناتے ہیں اور ان کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں اور مسلمان اپنے پیغمبر کے نہ صرف اقوال ونصائح کو بلکہ اس کے عملی نمونوں اور کارناموں کو بھی پیش کرتے اور ان کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں ، دنیا کے کسی پیغمبر اور بانیِ دین کے صحیفہ نے خود اپنے پیغمبر یا بانی کی اخلاقیات کو تحدی اور اعلان کے ساتھ اس کے ہمعصروں کے سامنے پیش نہیں کیا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفہ نے سب سے آگے بڑھ کر بلا خوف خطر اپنے داعی اور مبلغ کی زندگی کی اخلاقیت کو خود اس کے معاصرین کے سامنے نقد وتبصرہ کے لیے پیش کیا، فرمایا:۔ فَقَد لَبِثْتُ فِیکُم عُمُراً مِنْ قَبلِہٖ أفَلَا تَعقِلُون (یونس:۱۲) (اے منکرو) میں تو تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک زمانہ بسر چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے پھر آپ کو خطاب کر کے خود آپ سے فرمایا انک لعلیٰ خلق عظیم (اے محمد) بے شک تو اخلاق کے بڑے درجہ پر ہے۔

اخلاقی معلم کے کمال کی ایک اور شرط یہ ہے کہ اس کی تعلیم میں یہ تاثیر ہو کہ وہ

دوسروں کوبھی اپنے فیض سے بہرہ مند کر سکے، یعنی وہ خود کامل ہواور دوسرے ناقصوں کوبھی کامل بناتا ہو۔ وہ خود پاک ہواور دوسرے ناپاکوں کوبھی دھوکر پاک وصاف کر دیتا ہو۔ اخلاق کے سارے معلموں کی فہرست پر ایک نظر ڈال جاؤ کہ یہ تکمیل کی شان سب سے زیادہ کس میں تھی؟ کیا اس میں جس کو قدم قدم پر بنی اسرائیل کی سنگ دلی اور کجروی کا گلہ کرنا پڑا ہے، کیا اس میں جس کہ پورے گیارہ شاگرد بھی امتحان کے وقت پورے نہ اُتر سکے۔ یا اس میں تھی جس کی نسبت اس کے صحیفہ وحی نے بار بار اعلان کیا یَتلُوا عَلیهِم اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیهِم وَ یُعَلِّمُهُمُ الکِتَابَ وَ الحِکمَةَ. (جمعہ:۲)

وہ ان کو خدا کی باتیں سناتا اور ان کو پاک وصاف بناتا اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اس تحدی اور اعلان میں یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ اس میں اسلام کے معلم کی نسبت صرف یہی دعویٰ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا اور خدا کے احکام سناتا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ ان کو اپنے فیض واثر سے پاک وصاف ومصفیٰ بھی بنادیتا ہے۔ وہ ناقصوں کو کامل، گناگاروں کو نیک، اندھوں کو بینا اور تاریک دلوں کو روشن دل بنادیتا ہے،۔ چنانچہ جس وقت اس نے اپنی حیات کا کارنامہ ختم کیا کم ازکم ایک لاکھ انسان اس کی تعلیم سے عملاً بہرامند ہو چکے تھے۔ اور وہ عرب جو اخلاق کے پست ترین نقطہ پر تھا، تیئس برس کے بعد وہ اخلاق کے اس اوج کمال پر پہنچا جس کی بلندی تک کوئی ستارہ آج تک نہ پہنچ سکا۔

اگر کسی معلم میں تکمیل کی یہ تاثیر بھی ہو، پھر بھی یہ دیکھنا ہے۔ کہ اس عالم کی تکمیل اور نظم ونسق کے لیے ایک ہی قوت کے انسان کی نہیں بلکہ سینکڑوں مختلف قوتوں کے انسانوں کی ضرورت ہے، اخلاق کے دوسرے معلمین کی درسگاہوں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ وہاں صرف ایک فن کے طالب العلم تعلیم پاتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت گاہ میں فوجی تعلیم کے سوا کوئی اور فن نمایاں نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مکتب میں عفوودر

گزر کے سوا کوئی اور سبق نہیں، بودھ کے وہار اور خانقاہ میں دربدر بھیک مانگنے والے مرتاض فقیروں کے سوا کوئی اور موجود نہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہِ اعظم میں آ کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک عمومی جامعہ ہے جس میں انسانی ترقی کی ہر قوت نشو ونما پا رہی ہے۔ خود معلم کی ذات ایک پوری یونیورسٹی ہے جس کے اندر علم وفن کا شعبہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اور ہر جنس اور ہر مزاج کے طالب علم آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق کسبِ کمال کر رہے ہیں

آپ ﷺ کی حیثیت ایک انسان، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک خانہ دار، ایک کاروباری تاجر، ایک افسر، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک بادشاہ، ایک استاد، ایک واعظ، ایک مرشد، ایک زاہد وعابد اور آخر ایک پیغمبر کی نظر آتی ہے۔ یہ تمام انسانی طبقے آپ کے سامنے آ کر زانوئے ادب تہ کرتے ہیں۔ اور اپنے اپنے پیشہ وفن کے مطابق آپ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں مدینۃ النبی ؐ کی اس درسگاہِ اعظم کو غور سے دیکھو، جس کی چھت کھجوروں کے پتوں سے اور ستون کھجوروں کے تنوں سے بنائے گئے تھے۔ اور جس کا نام مسجد نبوی تھا۔ اس کے الگ الگ گوشوں میں ان انسانی جماعتوں کے الگ الگ درجے کھلے ہوئے ہیں۔ کہیں ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ جیسے فرمانروا زیرِ تعلیم ہیں، کہیں طلحہؓ وزبیرؓ، ومعاویہؓ سعد بن معاذؓ وسعد بن جبیرؓ جیسے اربابِ رائے وتدبیر ہیں، کہیں ؓ، ابوعبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، اور عمرو بن العاصؓ جیسے سپہ سالار ہیں، کہیں وہ ہیں جو بعد کو صوبوں کے حکمران، عدالتوں کے قاضی اور قانون کے مقنن بنے، کہیں ان زہاد وعباد کا مجمع ہے جن کے دن روزوں میں اور راتیں نمازوں میں کٹتی ہیں۔ کہیں ابوذرؓ وابودرداءؓ جیسے وہ خرقہ پوش ہیں جو ''مسیح اسلام'' کہلاتے ہیں، کہیں وہ صفہ والے طالب علم تھے جو جنگل سے لکڑی لا کر بیچتے اور گزارا کرتے اور دن رات علم کی طلب میں مصروف رہتے تھے۔ کہیں حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ جیسے فقیہ ومحدث تھے جن کا کام علم کی خدمت اور اشاعت تھا۔ ایک جگہ غلاموں کی بھیڑ ہے تو دوسری جگہ آقاؤں

کی محفل ہے۔ کہیں غریبوں کی نشست ہے، اور کہیں دولتمندوں کی مجلس ہے۔ مگر ان میں ظاہری عزت اور دنیاوی اعزاز کی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی، سب مساوات کی ایک ہی سطح پر، اور صداقت کی ایک ہی شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہیں، سب پر توحید کا یکساں نشہ چھایا اور سینوں میں حق پرستی کا ایک ہی ولولہ موجیں لے رہا ہے اور سب اخلاق و اعمال کے ایک ہی آئینۂ قدس کا عکس بننے کی کوشش میں لگیں ہیں۔

(بحوالہ سیرت النبیؐ جلد ششم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۸۹

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے میں ساری دنیا کا استاذ بنایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ نواسی نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ نے اپنے زمانے میں ساری دنیا کا استاذ بنایا'' بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں اور اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور دل سے بار بار یہی صدا آرہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، دل چاہتا ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو دیکھتا رہوں اور پھر دیکھتا ہی چلا جاؤں کہ دل کا سرور اسی میں چھپا ہے، دعا گو ہوں کہ یا رب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ قرآن کریم کے فیصلے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو ساری دنیا کا استاذ بنایا جیسا کہ آپ اس کی تفصیل میں ملاحظہ فرمائیں گے جبکہ دیگر انبیاء کرام بھی اپنی امت کے استاذ ہوا کرتے تھے لیکن محدود وقت اور محدود زمانہ اور محدود علاقے کے لوگوں تک فقط، لیکن ہمارے نبی قیامت تک اور تمام علاقوں میں بسنے والوں کے استاذ ہیں، اور یہ بات ہمیں قرآن کریم نے بتلائی۔ آنے والے اوراق میں قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں ہم نے اس

بات کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین اور اپنے نبی ﷺ کے دین کے لئے اپنی جان و مال اور وقت لگانے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

نواسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَيُعَلِّمُكُمْ ما لم تكونوا تَعْلَمُوْن (نبی تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے)

آیت کا خطاب جملہ اہلِ عالم سے ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ ساری دنیا کو ان علوم کی تعلیم دیں، جن سے دنیا ناواقف و بے بہرہ تھی، آیت زیب عنوان نے صاف طور پر بتلا دیا کہ استاد عالم و عالمیان ہونے کا امتیاز اور خصوصیت حضور سرورِ کائنات ہی کو حاصل ہے۔ اس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ اور بھی ایسے مقدس بزرگوار ہو چکے ہیں، جن کو علم لدنی عطا ہوا تھا تو کیا اس سے اشتباہ گزر سکتا ہے کہ ان میں سے ہی کسی بزرگ نے اس کمی کو پورا کر دیا ہو؟

جواباً عرض ہے کہ ان سب ایسے بزرگواروں کا زمانہ حضرت مسیحؑ سے بہت بیشتر کا ہے پس وہ لوگ مسیحؑ کی کمی تعلیم کو پورا کرنے والے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ سریر آرائے علوم ہیں، جو فرش خاک پر بیٹھے اور خاکی و نوری ہی انسی و جانی کو ایسے ایسے علوم سے مستفیض فرمایا کہ یہ خاک کے ذرہ ہائے بے مقدار آسمان علوم پر تاباں نجوم بن کر چمکے اور ضیا بخش عالم و عالمیان قرار پائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے تلامذہ میں بھی نمایاں تفاوت ہے، مسیحؑ کے بارہ شاگردوں میں سے شمار کرلو کہ کتنے شاگرد ان کی تعلیم کے مبلغ ٹھہرے تھے دو تین سے زیادہ کے نام نہیں لیے جا سکیں گے۔ اس قلیل تعداد کا کارنامہ بھی صرف اسی قدر ہے کہ انہوں نے جناب مسیح علیہ السلام کے حالات زندگی

کی اشاعت کی ہے اور بس۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت میں ہر قسم و ہر صنف کے کاملین نظر آئیں گے، آپ دیکھیں گے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملک داری و جہاں بانی کی تعلیم۔ ابوعبیدہؓ وخالدؓ ہنگامہ آرائی و جہاں کشائی کی۔ معاذؓ وابودرداءؓ بیان دین دانش کی۔ سلمانؓ وابوذرؓ زہد و قناعت کی۔ علی مرتضیٰؓ و ابن مسعودؓ حقائق علمیہ کی۔ عثمان غنیؓ و ابن عوفؓ پرورش یتامیٰ و اعانت ایامیٰ کی۔ زید بن ثابتؓ وابی کعبؓ انصاری فرائض الٰہیہ کی تعلیم کل دنیا کو دے رہے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ چند نام صرف تقریب وتفہیم مدعا کے لیے درج کر دیئے گئے ہیں، ورنہ اس بارگاہ اقدس کا وہ کون سا تلمیذ ہے جو کشف زارِ علوم کے لیے بارانِ رحمت ثابت نہیں ہوا۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا شمار ۲۲۱۰ ہے اور ابن عمرؓ وانسؓ بن مالک کی مرویات بھی اسی کے قریب پہنچ جاتی ہیں اور ابوہریرہؓ کی روایات کا شمار ۵۳۷۴ ہے۔ پھر ان کے سوا اور بھی ایسے صحابہ کہلاتے ہیں، جن کے نام اکثر روایات کی تحت میں درج ہیں۔ مثلاً ابن عباس، جابر بن عبداللہ وابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، تو یقین ہو جاتا ہے کہ اس ادب گاہ قدس کا ہر طالب علم، استاد عالم ہونے کی شان رکھتا ہے۔

یاد رکھیے کہ یہ بزرگوار عرب کے باشندے ہیں، وہی عرب جن کی صفت اُمِّيُّون لَا يَعلَمُونَ الكِتٰبَ کے الفاظ میں نمایاں ہے، یعنی ان پڑھ اور کتاب سے بے خبر۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نہ صرف یہی لوگ ذروہ عُلیائے علوم کو پہنچے، بلکہ ان کے شاگرد بھی وَاٰخَرِينَ مِنهُم لَمَّا يَلحقُوا بِهِم کی سند سے مسند آرائے تعلیم ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جُود وعطا نے علم کو عام بنایا اور اسے رفعت کمال پر بھی پہنچایا۔ یہ حضور ہی کے ادنیٰ ترین کفش بردار تھے، جنہوں نے سپین وغرناطہ، بغداد وسسلی، ٹیونس والجزائر، ترکستان وچین وتاتار میں سیکڑوں مدارس ومکاتب کھول دیئے تھے، جن میں جملہ

اقوام (مسلم وغیر مسلم) کو بلاتفریق مراتب یکساں تعلیم دی جاتی تھی۔ یورپ کو اقرار ہے ،انکار نہیں کہ یہی اسلامی ممالک تمام یورپ کے استاد ہیں۔

اگر ہم پادریوں کی اُس روش اور طریقہ کو دیکھیں، جو علوم جدیدہ کی مخالفت میں ان کا رہا ہے اور پھر مسلمانوں کی اس فراخ دلی و وسعتِ خاطر کا اندازہ لگائیں۔ جو علوم قدیمہ کی ترویج و اشاعت نیز علومِ جدیدہ کی ایجاد و حمایت میں ان کا معمول بہ رہا ہے۔ تو بخوبی ہویدا ہو جاتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ہیں جنہوں نے ابتداء دنیا میں علوم کو پھیلایا۔ تمام مسلمانوں کا یہ شیوہ اپنے سیدنا و مولانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ لہٰذا ان غلاموں کے افعال بھی حضورؐ ہی کے سنن ہدیٰ کا بیان اور حضورؐ ہی کے اُسوہ حسنہ کی برہان ہیں۔

اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ شکوہ کامل و احتشام اعلیٰ کے ساتھ حضورؐ ہی میں پائی جاتی ہے، غالباً یہ بیان نامکمل رہ جائے گا اگر میں اس مقام پر مختصراً ذکر نہ کروں گا کہ علوم جدیدہ کی ترویج اشاعت میں مسیحیوں نے تنگ دلی اور اسلامیوں نے فراخ نظری کے کیسے نمونے دکھلائے۔

ڈی رومنس نے ظاہر کیا کہ قوس قزح بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے اسے خدا کی کمان جنگ بتانا یا انتقام الٰہی کی علامت سمجھنا غلط ہے۔ صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے روما بھیجا گیا، وہ جیل ہی میں مرا اس کے لاشہ کو اور اس کی کتابوں کو جلا دیا گیا، جو حکم سوختگی لاشہ کی بابت صادر ہوا تھا، اُس میں اُس سوختنی کا یہ جرم بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ روما کے کنیسہ کی صلح برطانیہ کے کنیسہ سے کرانا چاہتا تھا گویا مساعی صلح اسی پاداش کا مستحق تھا۔ برونو کر ۱۶۰۰ء میں لمبی قید کے بعد اس لیے زندہ آگ میں جلا دیا گیا کہ اس نے دنیا کو عالم اسباب کہہ دیا تھا یا اس کے قول سے وحدت الوجود کا مسئلہ آشکار ہوتا ہے کرویت زمیں کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا اور اس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا، مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہو گئی اور بیسیوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے قتل کر دیے گئے۔

چیچک کا ٹیکہ قسطنطنیہ میں دیر سے رائج تھا، ۱۷۲۱ء میں ایک عورت مسماۃ میری مونٹا اسے یورپ میں لے گئی۔تو پادریوں نے اس طریقہ علاج کی بے حد مخالفت کی، حتّٰی کہ بادشاہ سے بھی درخواست کی گئی کہ شاہی اختیارات سے اس کا نفاذ روک دیا جائے۔امریکہ میں یہ جب طریقہ نکلا کہ عورت کو ولادت کے وقت مخدر کر دیا جائے تو تمام پادری مخالف ہو گئے کہ عورت کو ولادت کے وقت آرام پہنچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے، جو کتاب پیدائش باب سوم میں عورت ذات کے لیے موجود ہے۔کردنیال اکسمینیس نے ۸ ہزار قلمی کتابیں غرناطہ میں اس لیے سوخت کر دیں کہ ان کا مضمون کنیسہ کی رائے کے مطابق نہ تھا۔

پروٹسٹنٹ کو ایک اصلاح یافتہ اور ترقی کردہ مذہب کہا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس مذہب میں دل و دماغ کو آزادی عطا کی گئی۔اب اس آزاد مذہب کی حالت بھی سنو، کلفان نے سبرفیٹ کو جلا ڈالنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس کی تحقیقات میں مجلس نیقہ کے انعقاد سے بھی پیشتر دینِ مسیحی میں بدعت داخل ہو چکی تھی۔اسے زندہ دہکتی آگ میں کباب کی طرح صرف اسی گناہ عظیم کی پاداش میں بھونا گیا۔فابی بھی ۱۷۲۹ء کو اسی جرم میں شہر تلور میں جلایا گیا تھا۔پادری لوتیر ارسطو کو ہمیشہ جھوٹا ناپاک، خنزیر کہا جاتا تھا۔

علم برداران اسلام نے نہ تو اخذ علوم میں اس لیے تنگ چشمی کی، کہ وہ علوم اقوام غیر یا ممالک غیر کے ہیں اور نہ علوم کی اشاعت میں اس لیے تنگ دلی کی کہ طالب علم غیر مذہب، غیر قوم یا رعایائے غیر ہیں۔ان ہر دو اوصاف کے تحت میں وہ ہزاروں واقعات موجود ہیں جو مورخین اسلام پیش کرتے ہیں، جن میں سے بیسیوں کا ذکر ڈیون، لین پول اور ایڈورڈ گبن نے بھی کیا ہے۔مسلمانوں میں یہ روشنی اسی منبع نور سے آئی، جس کی خصوصیت کے اثبات میں آیت وَیُعلِمُکُم مالم تکونوا تعلمونَ زیب عنوان ہے۔محترم قارئین کو تاریخ عالم کے صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس خصوصیت کا تاج حضورؐ صاحب معراج ہی کے فرق مبارک پر تاباں و درخشاں ہے (بحوالہ رحمۃ للعلمین۔جلد سوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۹۰

رسولِ اکرم ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ نوّے نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی'' بہر حال ذیل میں آنے والی خصوصیت اگرچہ آپ کی امت سے متعلق ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی ہم عرض کرچکے ہیں کہ آخری امت کو جو بھی فضیلت اور خاص مقام ومرتبہ ملا ہے وہ حضور ﷺ ہی کے صدقے ملا ہے، تو حقیقتاً جو امت کی خصوصیت ہے وہ آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، جیسا کہ آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ آپ ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی، باوجود سب سے آخر میں یہ امت آئی لیکن اخروی کامیابی کے لحاظ سے پہلے نمبر پر ہے اور بے شک اس امت کو یہ اعزاز حضور ﷺ ہی کی وجہ سے ملا ہے، اب اس امت کے ہر فرد کی کامیابی وکامرانی اسی میں ہے کہ وہ اپنے نبی کے دامن کو تھامے رکھے، حضور ﷺ کے دامن کو چھوڑ کر ہم کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہوسکتے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے محبت کرنے اور آپ ﷺ سے کی جملہ تعلیمات پر دل وجان سے خود بھی عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

نوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

سب سے پہلے جنت میں جانے والے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نــحــن

الاخرون ، الا ولون یو م القیامۃ ونحن اول من ید خل الجنۃ بیدانھم اوتوا الکتاب من قبلنا واو تینا من بعدھم فا ختلفوا فھدانا اللہلماا ختلفوا فیہ من الحق . (مسلم شریف) ترجمہ: ہم آخری امت ہیں، لیکن روز قیامت ہم سب سے پہلے قبروں سے اٹھیں گے، اور ہم ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے بس اتنی بات ہے کہ ان یہود و نصاریٰ کو ہم سے پہلے کتاب تورات، زبور، انجیل عطاء کی گئی اور ہمیں ان کے بعد قرآن پاک عطاء کیا گیا پس انہوں نے ہم سے قرآن کے حق ہونے میں اختلاف کیا، پس جس چیز کے حق ہونے میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمیں ہدایت عطاء فرمائی اور اب اسلام آنے کے بعد وہ مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے گمراہی میں رہ کر دوزخ کو جائیں گے۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں ان الجنۃ حرمت علی الانبیا ء کلھم حتی ادخلھا و حرمت علی الا مم حتی تدخلھا امتی. ترجمہ جنت تمام انبیاء پر حرام ہے جب تک میں اس میں داخل نہ ہو جاؤں یعنی پہلے میں داخل ہوں گا پھر تمام انبیاء علیہم السلام اور جنت تمام امتوں پر حرام ہے حتی کہ میری امت اس میں داخل ہو جائے اس کے بعد امتیں جنت میں ہو جائیں گی۔

فائدہ...... یہ امت باقی امتوں سے پہلے زمین سے باہر آئے گی اور موقف میں سے سب اعلیٰ مقام پر سب سے پہلے سرفراز ہوگی اور سب سے پہلے سایہ عرش میں سبقت کرے گی، اور سب سے پہلے ان کا حساب و کتاب ہوگا اور سب سے پہلے صراط کو عبور کرے گی اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی پس جنت سب انبیاء کرام پر حرام ہے جب تک حضرت محمد ﷺ اس میں داخل نہ ہوں اور سب امتوں پر حرام ہے جب تک کہ حضور ﷺ کی امت اس میں داخل نہ ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے جنت میں جائیں گے

حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتا نی جبریل

فا خذ بیدی فا رانی باب الجنة الذی تدخل منه امتی ،فقال ابو بکر یا رسول الله وددت انی کنت معک حتی انظر الیه فقا ل رسول ﷺ اماانک یا ابا بکر اول من ید خل الجنة من امتی. (مسندابوداؤد)

ترجمہ......میرے پاس جبریل تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر جنت کا دروازہ دکھلایا جس میں سے میری امت داخل ہوگی۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا حتی کہ میں بھی اسی دروازے کو دیکھ لیتا۔تو سرکار رسالت پناہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔سن لو اے ابوبکر میری امت میں سب سے پہلے آپ جنت میں جائیں گے۔

حضرت بریدہ بن حصیبؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول ﷺ نے صبح کے وقت حضرت بلالؓ کو بلایا اور فرمایا اے بلال!تم مجھ سے جنت میں کیسے سبقت کر گئے میں جب بھی جنت میں داخل ہوا اپنے سامنے تمہارے چلنے کی آواز سنتا ہوں چنانچہ میں گذشتہ رات بھی جنت میں گیا تو پھر اپنے سامنے سے تمہارے چلنے کی آواز سنی،پھر میں ایک چوکور محل پر آیا جو سونے کا بنا ہوا تھا میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟انہوں نے بتایا یہ ایک عربی شخص کا ہے۔میں نے کہا میں بھی تو عربی ہوں یہ محل کس کا ہے؟انہوں نے کہا یہ قریش کے آدمی کا ہے۔میں نے کہا میں بھی تو قریشی ہوں یہ محل کس کا ہے؟انہوں نے کہا امت محمدؐ کے ایک شخص کا ہے میں نے کہا میں محمد ہوں یہ محل کس کا ہے؟انہوں نے کہا عمر بن الخطابؓ کا ہے۔تو حضرت بلال نے عرض کیا یا رسول اللہ!میں نے جب بھی اذان دی دو رکعات ادا کی ہیں،اور جب بھی وضو ٹوٹا ہے اسی وقت وضو کیا ہے اور میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی دو رکعات میرے ذمہ ہیں۔تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ سبقت ان رکعات کی وجہ سے ہے۔(مسند احمد) فائدہ......اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت بلالؓ حضور ﷺ سے پہلے جنت میں جائیں گے بلکہ حضرت بلالؓ حضور ﷺ کے آگے آگے بطور دربان اور خادم کے چلیں گے۔

سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ نے ارشاد فرمایا انا اول من یقرع باب الجنة فیقول الخازن ، من انت ؟ فاقول ان محمد فیقول اقم فافتح لک فلم اقم لاحد قبلک ولا اقوم لاحد بعدک.

ترجمہ...... سب سے پہلے جنت کا دروازہ میں کھٹکھٹاؤں گا۔ داروغہ جنت کہے گا آپ کون ہیں ؟ میں کہوں گا محمد ہوں۔ تو وہ کہے گا آپ ٹھہریں میں آپ کے لئے ابھی کھولتا ہوں۔ میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں اٹھا اور نہ ہی آپ کے بعد کسی کیلئے اٹھوں گا اور ایک روایت ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کیلئے نہ کھولوں۔ (مسلم شریف)

فائدہ...... یہ فرشتہ آنحضرت ﷺ کے خاص مقام ومرتبہ کی وجہ سے باب جنت پر متعین کیا گیا ہے جو آپ ﷺ کے بعد اور کسی نبی اور ولی کے استقبال اور دروازہ کھولنے کے لئے نہیں اٹھے گا بلکہ جنت کے تمام منتظم فرشتے آپ کے اکرام میں کھڑے ہوں گے اور یہ فرشتہ گویا کہ جنت کے باقی دارغوں کا بادشاہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول کی خدمت میں کھڑا کریں گے اور یہ خود آپ ﷺ کی خدمت میں چل کر آپ ﷺ کے لئے جنت کا دروازہ کھولے گا۔

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جناب نبی کریم ﷺ کے کچھ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گئے آپ جب تشریف لائے اور ان کے قریب پہنچے تو ان کو مذکراہ کرتے ہوئے سنا جب آپ نے ان کی بات چیت سنی تو ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کتنی عجیب بات ہے اللہ تعالیٰ کا اس کی مخلوق میں ایک خالص دوست بھی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مخلص دوست بنایا ہے، دوسرے صحابی نے کہا یہ بات اللہ تعالیٰ کے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عجیب نہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا ہے۔ ایک صحابی نے

فرمایا حضرت عیسیٰؑ کو دیکھئے وہ اللہ کے کلمہ اور اس کی طرف سے روح ہیں۔ ایک اور صحابی نے فرمایا حضرت آدم وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے۔ پھر حضور ﷺ ان صحابہؓ کے پاس تشریف لائے سلام کیا اور فرمایا ''میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارا تعجب سنا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دوست ہیں واقعی ایسا ہے، موسیٰؑ اللہ کے ساتھ سرگوشی کرنے والے ہیں واقعی ایسا ہے، عیسیٰؑ اس کی طرف سے روح اور اس کا کلمہ (بن باپ کے اللہ حکم سے پیدا ہوئے) واقعی ایسا ہے اور آدم وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ بنایا وہ ایسے ہی ہیں، سن لو! میں اللہ کا حبیب (محبّ و محبوب) ہوں اور میں کوئی فخر نہیں کر رہا۔ میں ہی قیامت کے دن ''لواء الحمد'' کو اٹھاؤں گا میں اس میں بھی کوئی فخر نہیں کر رہا۔ میں سب سے پہلے روزِ قیامت شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائیگی اور میں یہ بھی فخر اور تکبر کی بات نہیں کر رہا اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکھٹاؤں گا وہ میرے لئے کھولا جائے گا اور میں جنت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ جنت میں داخل ہوتے وقت فقراء مومنین (غریب مسلمان) ہوں گے اور اس میں بھی میں فخر نہیں کرتا، اور میں اگلوں اور پچھلوں سب مخلوقات سے زیادہ شان و مرتبہ کا مالک ہوں اور اس میں بھی میں فخر اور تکبر نہیں کر رہا۔ (ترمذی شریف)

امت محمدیہ میں سے سب سے پہلے جنت میں جانے والے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے جو جماعت جنت میں داخل ہوگی ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی صورت جیسی ہوں گی۔ یہ نہ تو جنت میں تھوکیں گے نہ ناک بہے گی اور نہ ہی اس میں پاخانہ کریں گے (یعنی ان تینوں عیبوں سے پاک ہوں گے) ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیاں اگر کی لکڑی کی ہوں گی، ان کا پسینہ کستوری کا ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے دو بیویاں ایسی ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا گودا ان کے حسن کی وجہ سے گوشت

کے اندر سے نظر آئے گا۔ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوگا اور نہ آپس میں کوئی بغض ہو گا۔ان کے دل ایک دل کی طرح ہوں گے یہ صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گی۔(بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی،اور وہ لوگ جوان کے بعد جنت میں جائیں گے ان کی صورت کی چمک دمک آسمان پر تیز روشن ستارے کی طرح ہوگی۔یہ جنتی نہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ نہ تھوک نہ رینٹ،ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی،ان کا پسینہ کستوری کا ہوگا،ان کی انگیٹھیاں اگر کی ہوں گی،ان کی بیویاں حورعین ہوں گی۔ان کے اخلاق ایک ہی آدمی کے خلق جیسے ہوں گے۔ان کی صورتیں اپنے ابا حضرت آدم کی صورت پر ہوں گی لمبائی میں ساٹھ ہاتھ کا قد ہوگا۔ (بخاری شریف)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جن کو جنت کی طرف بلایا جائے گا وہ ''حمادون'' ہوں گے جو دینا میں خوشی اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بجالاتے تھے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے سامنے میری امت کے تین قسم کے لوگوں کو پیش کیا گیا جو سب سے پہلے جنت میں جائیں گے اور ان تین قسم کے لوگوں کو پیش کیا گیا جو سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے۔پس وہ پہلے تین جو جنت میں جائیں گے (۱) شہید (۲) وہ مملوک غلام جس کو دنیا کی غلامی نے اس کے پروردگار کی عبادت سے نہیں روکا (۳) فقیر عیال دار دست سوال دراز کرنے سے بچنے والا۔اور وہ تین قسم کے لوگ جو سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے (۱) امیر زبردستی سے مسلط ہو جانے والا (۲) دولتمند جو اپنے مال میں سے اللہ کا حق ادا نہ کرے (۳) بڑ مارنے والا تنگ دست فقیر)۔ (مسند احمد)

حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ کوئی بخیل داخل نہیں ہوگا اور نہ کوئی دھوکہ باز جو فساد پھیلاتا ہو نہ کوئی خیانتی اور نہ وہ شخص جو اپنے غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہو اور انبیاء

اور اعلیٰ درجہ کے اولیاء صدیقین کے بعد جو لوگ جنت کا دروازہ کھٹکائیں گے وہ غلام ہوں گے جنھوں نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کے حقوق کو اپنے اور مالکوں کے درمیان کے حقوق کو بہترین طریقہ سے نبھایا ہوگا۔ (ترمذی شریف)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم اخیر میں آنے والے ہیں، قیامت میں سب سے پہلے قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (مسلم شریف)

(فائدہ)...... یعنی حضور ﷺ کی امت تمام امتوں کے بعد آئی ہے اور سب امتوں سے پہلے حضور ﷺ کی امت کو ہی قبروں سے اٹھایا جائے گا سب سے پہلے آپ کی امت جنت میں داخل ہوگی۔

اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے جنت میں سب سے پہلے کون داخل ہوگا؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا مہاجرین میں سے فقراء حضرات جو گرمی سردی وغیرہ کے مشکل اوقات میں شریعت کے مشکل اعمال کو عمدگی سے ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اس کی ضرورت اس کے سینے میں باقی رہتی ہے اس کے پورا کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہوتی۔ فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم آپ کے فرشتے ہیں آپ کے کاموں کے محافظ اور ذمہ دار ہیں آپ کے آسمانوں کے مکین ہیں آپ ان کو ہم سے پہلے جنت میں داخل نہ فرمایئے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ میرے وہ بندے ہیں جنھوں نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ اور مشکل اوقات میں شریعت پر عمل کرنا نہیں چھوڑا۔ جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا تھا تو اس کی ضرورت اس کے سینے میں باقی رہتی تھی جس کے پورا کرنے کی اس میں طاقت نہیں تھی، پس اس وقت ہر دروازے سے ان کے پاس فرشتے، حاضر ہوں گے (اور یہ کہیں گے) **سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار** تم پر سلام ہو بوجہ تمہارے صبر کرنے کے پس آخرت کا گھر کتنا ہی اچھا ہے جس میں تمہاری

تمام خواہشات پوری ہوں گی۔ (مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا غریب اور محتاج مسلمان دولت مند مسلمانوں سے قیامت کا آدھا دن جو پانچ سو سالوں کے برابر ہوگا جنت میں پہلے جائیں گے۔ (ترمذی شریف)

اور حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول ﷺ سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا، غریب مسلمان دولت مندوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے، عرض کیا گیا یا رسول ﷺ آدھا دن کتنا ہے، فرمایا پانچ سو سال، عرض کیا گیا کہ اس کے کتنے مہینے ہیں؟ فرمایا پانچ سو مہینے عرض کیا گیا اس مہینے کے کتنے دن ہیں؟ فرمایا پانچ سو دن عرض کیا گیا پھر ایک دن کتنا طویل ہے؟ فرمایا پانچ سو دنوں کے برابر جن کو تم شمار کرتے ہو۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا فقراء مہاجرین قیامت کے دن جنت میں دولت مندوں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے (مسلم شریف)

فائدہ...... فقراء کا جنت میں پانچ سو سال پہلے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اول درجہ کے فقراء پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ حدیث جس میں چالیس سال پہلے داخل ہونے کا ذکر ہے یہ شاید آخری درجہ کے فقراء کے اعتبار سے ہے کہ کم درجہ کے فقراء دولتمندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو قسم کے مومن جنت کے دروازے پر ملیں گے ایک مؤمن دنیا میں فقیر ہوگا دوسرا دولت مند، چنانچہ فقیر کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور دولت مند کو جب تک اللہ تعالیٰ روکنا چاہیں روکا جائے گا پھر اس کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ تو جب فقیر کی اس سے ملاقات ہوگی تو وہ پوچھے گا اے بھائی! تمہیں کس چیز نے روک لیا تھا؟ اللہ کی قسم تو جب روکا گیا تو میں تیرے متعلق خوفزدہ ہوگیا تھا کہ تجھے دوزخ میں تو داخل نہیں کر دیا گیا تو وہ بتائے گا کہ اے بھائی! میں تیرے جنت میں چلے جانے کے بعد دکھ اور گھبراہٹ کے ساتھ جنت کے

باہر روک لیا گیا تھا اور تم تک نہیں پہنچ سکا تھا اور میرا پسینہ اتنا بہا کہ اگر اس پر ایک ہزار نمک اور تلخ پودے کھانے والے اونٹ جمع ہو جائیں تو اس سے سیر ہو کر واپس جائیں۔ (مسند احمد)

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جناب رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بتلائیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین کون ہوں گے؟ ارشاد فرمایا اللہ سے ڈرنے والے اور عاجزی وانکساری کرنے والے جو اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ عرض کیا یا رسول ﷺ کیا یہی لوگ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے؟ فرمایا نہیں۔ اس نے عرض کیا تو پھر سب سے پہلے لوگوں میں سے کون جنت میں داخل ہوگا۔ ارشاد فرمایا لوگوں میں سے سب سے پہلے غریب مسلمان جنت میں داخل ہوں گے۔ جنت سے ان کے پاس کچھ فرشتے آئیں گے اور کہیں گے تم حساب کتاب کی طرف چلو۔ تو کہیں گے ہم کس چیز کا حساب دیں؟ اللہ کی قسم! دنیا کے مال و دولت سے ہمیں کچھ نصیب نہیں ہوا جس میں ہم بخل کرتے یا فضول خرچیاں کرتے، اور نہ ہی ہم حکمران تھے کہ انصاف کرتے اور ظلم کرتے۔ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ کا دین آیا تھا ہم اس کی عبادت میں مصروف رہے یہاں تک کہ موت آ گئی۔ تو ان سے کہا جائے گا تم جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔

اور جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم غریبوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میری مخلوق میں سے میرے مخلص دوست کہاں ہیں؟ تو فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! وہ کون لوگ ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے وہ فقرا محتاج جو (مصیبتوں اور تنگدستی میں) صبر کرتے تھے میری تقدیر پر راضی رہتے تھے ان کو جنت میں داخل کر دو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا وہ جنت میں عیش سے کھاتے پیتے ہوں گے جب کہ امیر لوگ حساب کتاب کی گردش میں ہوں گے۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ ان دو حالتوں میں سے کونسی حالت افضل

ہے فقیر ہونا یا غنی ہونا؟ تو آپ نے فرمایا غناء افضل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور فقر مخلوق کی صفت ہے اور اللہ کی صفت افضل ہے مخلوق کی صفت سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِید (اے لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تمام خوبیوں والا ہے۔

حقیقت میں فقیر وہ شخص ہے اگر چہ اس کے پاس مال ہو مگر وہ اللہ کا عبد (بندگی کرنے والا) ہو وہ اس وقت غنی ہو جائے گا جب وہ اپنی تمام حاجات کا اللہ تعالیٰ سے طلب گار ہو گا، اللہ تعالیٰ کے سوا کی طرف نظر نہیں کرے گا اگر چہ اس کا دنیا کی کسی چیز کی طرف خیال ہو اور اپنے کو اس کا ضرورت مند سمجھے لیکن وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہی رہے۔ (تذکرۃ القرطبی)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم روز قیامت میں جمع ہو جاؤ گے تو کہا جائیگا کہ اس امت کے فقراء اور مساکین کہاں ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا عمل کئے؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہم پر آزمائشیں ڈالی گئیں تو ہم نے صبر کیا اور آپ نے مال و دولت اور سلطنت دوسروں کو عطاء کی تھی ہم کو نہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے درست کہا آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر یہ لوگ دوسرے لوگوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے جبکہ مالدار اور صاحب سلطنت (حکمرانوں) پر حساب کتاب کی سختی بدستور قائم رہے گی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اس دن مومنین حضرات کہاں ہونگے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کے لئے کرسیاں بچھائی جائیں گی اور ان پر بادل سایہ کرتے ہوں گے مؤمنین کے لئے یہ روز دن کی ایک گھڑی سے بہت کم (محسوس) ہوگا۔ (ترغیب وترہیب)

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب تک میں اور میری امت جنت میں داخل نہ ہو جائیں اس وقت تک جنت تمام امتوں پر حرام رہے گی۔ جیسا کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جب تک یہ امت جنت میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی دوسرا نبی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

بہر حال ان روایتوں سے امت محمدیؐ کی زبردست عظمت و بزرگی ظاہر ہوتی ہے کہ پچھلی امتوں کا کوئی شخص یہاں تک کہ ان کے بڑے زاہد، علماء و صلحا اور صوفیاء بھی جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکیں گے جب تک کہ اس امت کے گنہگار لوگ جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا اپنی سزا پوری کر کے واپس جنت میں نہ پہنچ جائیں۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس امت میں سے بھی سرکش لوگوں کی ایک جماعت کو یقیناً عذاب دیا جائے گا اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ دوسری امتوں کو اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا جب تک کہ اس امت کے گنہگار اپنی سزا پوری کر کے جنت میں نہیں پہنچ جائیں گے کیونکہ سب سے پہلے جس امت کا حساب کتاب لیا جائے گا وہ یہی امت محمدی ہوگی۔ لہذا یہ بات ممکن ہے کہ دوسری امتیں اس وقت تک حساب کتاب سے فارغ نہ ہوں اور جنت کے دروازے تک بھی نہ پہنچیں کہ اس وقت تک اس امت کے وہ گنہگار جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا اپنی سزا پوری کر کے جہنم سے باہر آ چکے ہوں اور جنت میں داخل ہو چکے ہوں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ کی امت کے ستر ہزار آدمی اس طرح آپ سے پہلے جنت میں پہنچ چکے ہوں گے کہ ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار آدمی ہوں گے جن کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔

مگر اس حدیث اور اس روایت میں اختلاف پیدا ہوتا ہے جس میں ہے کہ میں سب سے پہلا آدمی ہوں گا جو جنت میں داخل ہونگا۔ اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ جنت کے دروازے سے داخل ہونے والے سب سے پہلے شخص آنحضرت ﷺ ہی ہوں گے جہاں تک ان ستر ہزار کے داخل ہونے کا سوال ہے تو اس بارے میں ایک روایت آتی ہے کہ یہ لوگ جنت کے ایک بلند گوشے سے داخل ہوں گے۔ لہذا اس کے بعد دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

اسی طرح اس حدیث سے اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جس میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں گے۔ کیونکہ اس

کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے آزاد لوگوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے وہی ہوں گے۔

اسی طرح اس حدیث سے حضرت بلالؓ کی اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جو پیچھے گزری ہے کہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا شخص میں ہوں گا کیونکہ دروازہ کھٹکھٹانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ داخل بھی ہو جائیں گے لیکن اگر یہی مانا جائے کہ دروازہ کھٹکھٹانے سے داخل ہونے ہی کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو پھر مراد یہ ہوگی کی غلاموں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے حضرت بلالؓ ہوں گے۔

ایسے ہی اس حدیث سے اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جس میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی میری بیٹی فاطمہ ہوں گی کیونکہ ظاہر ہے یہاں یہ مراد ہے کہ اس امت کی عورتوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی حضرت فاطمہؓ ہوں گی۔ لہذا یہاں یہ اولیت اضافی ہے کہ وہ مردوں کے لحاظ سے تو بعد میں لیکن عورتوں کے لحاظ سے سب سے پہلے داخل ہونے والی ہوں گی۔ (بحوالہ سیرتِ حلبیہ جلد اول نصف آخر)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۹۱

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو قیامت کے دن گواہی کا شرف حاصل ہوگا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکانوے نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ”رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو قیامت کے دن گواہی کا شرف حاصل ہوگا“ اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہرحال محترم قارئین! جیسا کہ گزشتہ خصوصیات میں آپ نے کئی خصوصیات ایسی ملاحظہ کیں کہ جنکا تعلق اخروی زندگی کے ساتھ وابستہ تھا، اسی طرح ذیل میں آنے والی خصوصیت کا تعلق بھی قیامت کے دن سے متعلق ہے، بے شک ہمارے نبی ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اعتبار سے بھی بہت سی امتیازی خصوصیات عطا فرمائیں اور آخرت کے لحاظ سے بھی، آنے والے صفحات آپ ﷺ کی امت کی ایک عظیم خصوصیت پیش کی جارہی ہے کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کی امت کو گواہی کا شرف حاصل ہوگا، چنانچہ حضور ﷺ کے صدقے امت کو اتنی عظیم شان ملی، اسی لئے اب ہر امتی کا فرض بنتا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرے اور آپ ﷺ کے دین کو ساری دنیا میں عام کرنے کے لئے اپنی جان، مال، وقت اور ہر چیز کو قربان کرے، بے شک اسی میں ہم سب کی کامیابی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے

اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

اکانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کیا تم نے تبلیغ کی، وہ عرض کریں گے یارب میں نے واقعۃً تبلیغ کی تھی۔ ان کی امت سے سوال ہوگا کہ بولو انہوں نے تم کو احکام پہنچائے......؟ وہ کہیں گے نہیں۔ ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کی تصدیق کے لئے گواہی دینے والا کون ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی امتی ہیں، یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت سید عالم ﷺ نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے آیت ذیل تلاوت فرمائی: **وکذلک جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا** ''اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور تمہارے رسول ﷺ گواہ بنیں۔''

یہ بخاری شریف کی روایت ہے اور مسند احمد وغیرہ کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی، اس پر ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو گواہی میں پیش کریں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ اور آپ کی امت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں۔ وہ جواب میں

عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی۔ (درمنثور ج ۱)

آیت کا عموم لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ بھی اس کو چاہتا ہے کہ حضرت نوحؑ کے علاوہ دیگر انبیاءؑ کی امتوں کے مقابلہ میں بھی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ گواہی دے گی۔صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جب امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی کہ ان کے نبیوں علیہم السلام نے ان کو تبلیغ کی ہے تو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو لایا جائے گا اور آپ سے آپ کی امت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیا آپ کی امت عادل ہے گواہی دینے کے لائق ہے؟ اس پر آپ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور گواہی دیں گے کہ واقعی میری امت عدل ہے۔گواہی کے لائق ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔

بلاشبہ اس امت کا بڑا مرتبہ ہے اور بڑی فضیلت ہے جس کا میدان حشر میں تمام اولین وآخرین کے سامنے ظہور ہوگا۔یہ امت خیر الامم ہے اس کو افضل الانبیاء کی امت ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سب کتابوں میں سے افضل کتاب عطا فرمائی جو اللہ کی کتاب ہی نہیں اللہ کا کلام بھی ہے۔جو چھوٹے بچوں تک کے سینوں میں محفوظ ہے اور صغیر کبیر سب کے ورد زباں ہے۔اللہ نے اس امت کو تمام بنی آدم سے منتخب فرمایا۔سورۃ حج میں ارشاد ہے: وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ،هُوَ اجْتَبَاكُم وَمَا جَعَلَ عَلَيكُم فِي الدِّينِ مِن حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُم اِبرَاهِيم ،هُوَ سَمّٰكُمُ المُسلِمِينَ مِن قَبلُ وَفِي هٰذَالِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيكُم وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ.

”اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تم کو منتخب فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم

رہواللہ نے تمہارالقب مسلمان رکھا ہے پہلے بھی اوراس قرآن میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسول گواہ ہوں اورتم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو۔"

امت محمدیہ ﷺ کی آپس میں گواہی پر بخشش کے فیصلے

اس امت کی فضیلتوں میں یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے اُن کی گواہی سے دوسری امتوں کے خلاف فیصلہ ہوگا اورآپس میں بھی ان کی گواہی معتبر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کچھ لوگ ایک جنازے کو لے کرگزرے تو حاضرین نے اس جنازہ کے بارے میں اچھے کلمات کہےاوراس کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایاوجبت پھر دوسراجنازہ لے کرگزرے تو حاضرین نے برائی کے ساتھ اس کاذکرکیا آپ نے اس پر بھی وجبت فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ وجبت کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تم نے خیر کے کلمات کہے لہذا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اوراس کے بارے میں تم نے شر کے الفاظ استعمال کئے اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی انتم شهدآء الله فى الارض یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

(صحیح بخاری ج ۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ جس کسی مسلمان کے لئے چارآدمی خیر کی گواہی دے دیں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے،ہم نے عرض کیا کہ اگر دوشخص گواہی دے دیں؟ آپ نے فرمایا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر ہم نے ایک کی گواہی کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱)

تفسیر درمنثور ج ۱ میں بحوالہ مسند احمد وسنن ابن ماجہ وغیرہ حضرت ابوزہیر ثقفی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ تم اپنے اچھے لوگوں کو برے لوگوں سے ممتاز کرسکوگے۔ اور جان سکوگے کہ کون کیسا ہے ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ اِت صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا ذکر ہونے سے اور براذکر ہونے سے یعنی

جسے مسلمان اچھا کہیں گے وہ اچھا ہے اور جسے برا کہیں وہ برا ہے تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ گواہی دینے کے اس بڑے مرتبہ سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو لعنت کے الفاظ زیادہ نکالتے ہیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ شہید ہوں گے نہ شفیع ہوں گے یعنی قیامت کے دن یہ لوگ نہ گواہی دینے کے اہل ہوں گے اور نہ سفارش کرنے کے لائق ہوں گے۔ (بحوالہ جستہ جستہ انوار البیان)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر۹۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بہترین فصیح وبلیغ انسان بنایا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بانوے نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بہترین فصیح وبلیغ انسان بنایا'' بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو باوجود امی یعنی ان پڑھ ہونے کے ایسی فصاحت وبلاغت عطا فرمائی کہ جس کا دنیا میں کوئی انسان مقابلہ نہیں کرسکتا، آپ ﷺ کی فصاحت وبلاغت کیسی تھی آنے والے اوراق میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے، ہمیں امید ہے کہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کے مطالعے سے بھی انشاء اللہ ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

بانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

عرب میں رحمت عالم ﷺ کی بعث سے پہلے کا زمانہ دور جاہلیت کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس دور کی تصویر صرف چار لفظوں میں کھینچ دی گئی ہے۔

ظن الجاهلية (آل عمران آیۃ ۱۵۴) اللہ کے بارے میں جاہلانہ گمان

حكم الجاهلية (المائدہ آیۃ ۵۰) زمانہ جاہلیت کا سا فیصلہ

تبرج الجاهلية (الاحزاب آیۃ ۳۳) دور جاہلیت کی سی (عورتوں) کی سج دھج

حمية الجاهلية (الفتح آیۃ ۲۶) زمانہ جاہلیت کی سی ضد (اپنی ناک کی خاطر ایک

ناروا کام کرنے پر اصرار)

اس تفصیل کے مطابق جاہلیۃ کا لفظ قرآن پاک میں صرف چار مقامات پر استعمال ہوا ہے اور اس کے ساتھ ظن۔حکم۔تبرج۔اورحمیت کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔جن آیات میں یہ الفاظ آئے ہیں، مفسرین نے ان کی جو تشریح کی ہے اس کو دیکھ کر دور جاہلیت کے عربوں کی معاشرت اور مزاج کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔دینی اور اخلاقی زاویۂ نگاہ سے یہ بدترین تاریکی اور جہالت کا دور تھا۔شرک (بت پرستی، کواکب پرستی) شراب خواری، قمار بازی، سودخوری، لوٹ مار، بدکاری، بے حیائی، بے شرمی، سفاکی، بے رحمی، دختر کشی، اور باہمی کشت وخون وغیرہ عرب قوم کے چہرے کے بدنما داغ تھے لیکن یہی قوم کچھ ایسے اوصاف اور ایسی خصوصیات کی حامل تھی جن کی بناء پر دنیا کی دوسری قوموں میں اس کو ایک خاص مقام حاصل تھا مثلاً شجاعت وشہامت، حریت پسندی، مساوات پسندی، مہمان نوازی اور سخاوت جیسی خوبیاں عربوں کی گھٹی میں پڑی تھیں، صاف گو ایسے تھے کہ جو دل میں ہوتا وہ زبان پر ہوتا، دوغلا پن ان میں بالکل نہیں تھا، یا تو کھلے دشمن ہوتے تھے، یا کھلے دوست، اگر چہ عام طور پر وہ نوشت وخواند سے عاری تھے لیکن ذہن اور حافظہ کے غیر معمولی طور پر تیز تھے، ایک چیز جو ان کے لیے ہر شے سے بڑھ کر سرمایہ ناز اور باعث افتخار تھی، وہ ان کی زبان (عربی) اور اس زبان کا شعروادب تھا۔یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عربی زبان دنیا کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے اور اس کی وسعت، جامعیت اور ہمہ گیری کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے، ایک ایک چیز کے لیے دو تین سے لے کر کئی سو تک الفاظ ہیں دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

(ا)......مرد سفید رنگ کا ہو تو اسے ازہر، عورت سفید رنگ کی ہو تو رغوب گھوڑا سفید ہو تو اسے اشھب، گائے سفید ہو تو اسے لیاح، بیل سفید ہو تو اسے لھن، اونٹ سفید ہو تو اسے اعیس، گدھا سفید ہو تو اسے اقمر، ہرن سفید ہو تو اسے ادم، بال سفید ہو تو اسے اشمط، پانی سفید ہو تو اسے صاف یا خالص، شہد صاف ہو تو اسے ابیض، انگور سفید ہو تو اسے ملاحی، کاغذ یا کپڑا

سفید ہوتو اسے ابیض، چاندی سفید ہوتو اسے یقق، روئی سفید ہوتو اسے سواری کہتے ہیں۔

(۲)...... بہادر آدمی کو شجاع کہتے ہیں، اس سے بڑھ کر آدمی کو بطل، اس سے بڑھ کر صمہ، اس سے بڑھ کر بھمہ، اس سے بڑھ کر ذمر، اس سے بڑھ کر حلس، اس سے بڑھ کر نکل، اس سے بڑھ کر محرب اور اس سے بھی بڑھ کر بہادر آدمی کو **غشمشم** کہتے ہیں۔

اسی طرح تلوار، صبح، اونٹ، شیر، عورتوں کے جسمانی محاسن اور معائب کے لئے کئی سو الفاظ ہیں، چونکہ عربی زبان میں ہر خیال کے اظہار کے لیے موزوں الفاظ کی کثرت ہے، اس لئیے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ وسعت کے اعتبار سے اور شعر و ادب کے میدان میں دنیا کی کوئی اور زبان عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتی، عربوں کا شعر و ادب، فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ تھا اور عرب بجا طور پر اپنی زبان آوری اور فصاحت و بلاغت پر ناز کرتے تھے اور اپنے علاوہ باقی سب کو عجم (گونگا) کہتے تھے۔

فصاحت و بلاغت قریب قریب ہم معنی الفاظ ہیں، ان کا مطلب ہے خوش بیانی، خوش کلامی، علم معانی کی رو سے کلام میں ایسے الفاظ لانا جو اہل زبان کے روزمرہ اور محاورہ کے خلاف نہ ہوں، مشکل اور بھدے نہ ہوں، موقع اور محل کے مطابق ہوں، ایسی عبارت یا ایسا کلام (تقریر یا جملہ) جس میں الفاظ تو تھوڑے ہوں لیکن ان میں مطالب و معانی کی کثرت ہو، بھی فصاحت و بلاغت میں داخل ہے۔

عربوں میں شاعروں اور خطیبوں کو بہت اونچا مقام حاصل تھا، شعلہ بیان خطباء اور قادر الکلام شعراء کا تعلق جس قبیلے سے ہوتا وہ قبیلہ بھی ان کی وجہ سے معزز سمجھا جاتا، دور جاہلیت میں عربوں کے ہاں کمال کا معیار ہی بیان و بلاغت اور فصاحت لسانی تھی، چنانچہ اس دور میں ایسے نامور شعراء اور خطباء پیدا ہوئے جن کی طلاقت لسانی اور سحر البیانی نے ایک دنیا کو مسخر کر لیا، ان میں سے بعض شعراء ایسے تھے جن کے کلام کو آب زر سے لکھ کر کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کیا گیا۔

خطیبانہ فصاحت و بلاغت اور حسن کلام کو اپنا طرہ امتیاز سمجھنے والی یہی قوم تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کو مبعوث فرمایا، چونکہ اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کی ذات گرامی کو افضل الناس اور تمام کمالات وصفات کی جامع بنایا تھا اس لئے فصاحت وبلاغت اور حسن بیان کا وصف بھی آپ کو علیٰ وجہ الکمال عطا کیا گیا، اس کے دو پہلو تھے ایک تو یہ کہ آپ ﷺ کو قرآن کا لافانی معجزہ عطا ہوا جس کی فصاحت و بلاغت نے تمام فصحاء عرب کو ساکت ومبہوت کردیا اور وہ اس کی ایک آیت کا جواب بھی پیش کرنے میں ناکام رہے، یہ معجزہ لسان رسالت ہی کے ذریعے خلق خدا تک پہنچا۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ ذاتی طور پر بھی آپ ﷺ کو تمام فصحاء عرب سے بڑھ کر فصاحت وبلاغت عطا کی گئی، چنانچہ آپ ﷺ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ انا افصح العرب (یعنی میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح اللسان ہوں) اگرچہ تمام عرب قبائل کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر فصاحت وبلاغت کا دعویٰ تھا لیکن قریش اور بنوسعد بن بکر بن ہوازن مسلّم طور پر اس میں ممتاز تھے، قریش حضور اکرم ﷺ کا اپنا قبیلہ تھا اور نجد کے بدوی قبیلہ بنوسعد میں آپؐ نے بچپن میں پرورش پائی تھی، اس ماحول میں پرورش پاکر آپ ﷺ تمام فصحاء عرب سے بڑھ کر فصیح اللسان ہوگئے تھے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فصاحت نبوی کا خاکہ یوں کھینچا ہے:

''اس طرح (قریش میں ولادت اور بنوسعد میں پرورش سے) آپ ﷺ کی فصاحت وبلاغت میں بادیہ نشینوں کی قوت بیان ومقابلہ، عمدہ لفظی اسلوب کے ساتھ شہری الفاظ کی چمک دمک اور انداز گفتگو کی رونق ایک ساتھ جمع ہوگئی تھی، اس کے علاوہ تائید الٰہی بھی آپ ﷺ کے شامل حال تھی جس کی امداد اس وحی ربانی سے ہوئی تھی جس کا احاطہ انسانی قدرت علم سے باہر ہے۔'' (فصاحت نبوی، بحوالہ الشفا)

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں سارے عرب میں گھوما پھرا ہوں اور فصحائے عرب کا کلام سنا ہے مگر آپؐ سے بڑھ کر فصیح وبلیغ میں نے نہیں

دیکھا، تو آپ کو یہ ادب کس نے سکھایا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ادبنی ربی فأحسن تادیبی یعنی مجھے تو میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور بہت خوب ادب سکھایا ہے۔

ایک اور روایت میں آپؐ کے جواب میں یہ الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں و نشأت فی بنی سعد (اور میں نے قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی ہے) اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا بات ہے کہ آپ فصاحت میں ہم سب سے بالاتر ہیں حالانکہ آپ ہم سے کبھی الگ نہ ہوئے؟ آپؐ نے فرمایا میری زبان اسماعیل علیہ السلام کی زبان ہے، اسے جبریل امین میرے پاس لائے اور مجھے سکھادی۔ (طبقات ابن سعد)

حضور ﷺ کی گفتگو کی شان یہ تھی کہ آپؐ بلاضرورت کبھی نہ بولتے تھے اور جب گفتگو فرماتے تھے تو تمام لسانی بلاغتیں اور فکری بلندیاں سر گریباں نظر آتی تھیں، یہی حسن کلام اور فکری اعجاز تھا کہ مشرکین مکہ کبھی آپ کو شاعر اور کبھی ساحر کہتے تھے، اور مکہ میں نو وارد لوگوں کو اس ڈر کی بناء پر آپ ﷺ سے ملنے نہیں دیتے تھے کہ وہ آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہو جائیں گے، خوامخواہ کی لفاظی، تکلف، مصنوعی انداز سے فصاحت چھانٹنا اور منہ بنا بنا کر گفتگو کرنا آپ کو سخت ناپسند تھا، اس کے برعکس آپ کی گفتگو اتنی عام فہم ، سادہ (مگر سہل ممتنع ، یعنی جس کی کوئی نقل نہ اتار سکے) دلآویز، مربوط اور مرتب ہوتی تھی کہ فوراً سامع کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتی تھی ، اس میں کسی گھٹیا یا عامیانہ لفظ کے آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ آپؐ کے ارشادات مکالمات اور خطبات حشو و زواید سے خالی ہوتے تھے اور ان میں ایجاز کامل کے ساتھ اعجاز اکمل بھی پایا جاتا تھا، کلام کا طول و اختصار مطالب کے مطابق ہوتا تھا، جہاں اطناب کا تقاضا ہوتا وہاں کلام تشریحی اور تفصیلی ہوتا، جہاں ایجاز مناسب ہوتا وہاں ایجاز کو ترجیح دیتے اور اس اعجاز میں ایک جہانِ معنی پنہاں ہوتا، حضورؐ الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرماتے تھے کہ اگر سننے والا چاہے تو الفاظ کا شمار کر سکتا تھا، آپؐ ہر شخص سے گفتگو کرتے وقت اس کی ذہنی سطح اور معاشرتی درجے کا خیال رکھتے ، بدوی (دیہاتی ، صحرائی) لوگوں سے ان کے انداز و معیار کے مطابق گفتگو فرماتے اور

گفتگو میں ایسے الفاظ استعمال فرماتے جن کو وہ آسانی سے سمجھ سکتے تھے، آپؐ سامع کے لب و لہجے کا خیال بھی رکھتے تھے اور یہ بھی دیکھتے تھے کہ اس کا تعلق کس قبیلے سے ہے اور اس میں کس نوعیت کی زبان رائج ہے، عربی زبان پر آپ کی اسی غیر معمولی قدرت اور مسحور کن فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ بھی حیران ہوا کرتے تھے اور عرب کے دوسرے فصحاء اور نامور شعراء بھی انگشت بدنداں ہو جاتے تھے، عہد رسالت میں ایسی مثالیں کثیر تعداد میں ملتی ہیں جن میں حضور ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن پاک کا کوئی حصہ یا آپؐ کے اپنے ارشادات سن کر سامع کے دل کی دنیا بدل گئی اور وہ کفر و شرک کے ظلمت کدہ سے نکل کر اسلام کی وادی نور میں داخل ہو گیا، آنحضرت ﷺ کی فصاحت و بلاغت، آپؐ کے انداز تکلم، اقوال، مکالمات، نصائح، خطبات، معاہدات، مکتوبات، فرامین، ادعیہ اور وصایا ہر شے میں جلوہ گر تھی، یہ ساری چیزیں حدیث و سیرۃ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، ان کا بنظر غائر مطالعہ کرنے والا قاری بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ محمد ﷺ فی الواقع افصح العرب تھے اور آپؐ کی گفتار اور آپ کے کلام کی ہر نوع جامعیت اور فصاحت و بلاغت کا شاہکار بلکہ منفرد اور بے مثال تھی، گویا آنحضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں، دعویٰ نہیں بلکہ اظہار حقیقت تھا اور کتب حدیث و سیرۃ اس کی سب سے بڑی مصدق ہیں، یہاں بطور تبرک ایک مثال پیش کی جاتی ہے، یہ ایک مکالمہ ہے جو دعوت اسلام کے اوائل میں آنحضور ﷺ اور ایک سلیم الفطرت اعرابی عمروؓ بن عبسہ کے درمیان ہوا۔ باختلاف روایت یہ مکالمہ عکاظ کے بازار میں یا خاص مکہ شہر میں ہوا، اس کے بعد حضرت عمروؓ بن عبسہ مشرف بہ اسلام ہو گئے، اس مکالمہ میں سوال حضرت عمروؓ بن عبسہ کی طرف سے ہیں اور جواب رسول اکرم ﷺ کی طرف سے۔

سوال: **ما الاسلام** ؟ اسلام کیا ہے؟

جواب: **طیب الکلام و اطعام الطعام** ۔ پاکیزہ گفتگو اور غرباء کو کھانا کھلانا۔

سوال: **ما الایمان** ؟ ایمان کیا ہے؟

جواب: الصبر و السماعۃ۔ صبر اور سیر چشمی۔

سوال: ای الاسلام افضل؟ اسلام کس کا افضل ہے؟

جواب: من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

سوال: ای الایمان افضل؟ ایمان کون سا افضل ہے۔

جواب: خلق حسن۔ بہترین خلق۔

سوال: ای الصلوٰۃ افضل؟ نماز کون سی افضل ہے؟

جواب: طول القنوت۔ لمبے قیام والی۔

سوال: ای الھجرۃ افضل؟ ہجرت کون سی افضل ہے؟

جواب: ان تھجر ماکرہ ربک۔ جو چیز تیرے رب کو ناپسند ہو اس کو چھوڑ دینا۔

سوال فای الجھاد افضل؟ جہاد کون سا افضل ہے؟

جواب: من عقر جوادہ واھریق دمہ۔ جس کا گھوڑا بھی کام آئے اور خود بھی شہید ہو جائے۔

سوال: ای الساعات افضل؟ کون سا وقت افضل ہے؟

جواب: جوف الیل الآخر۔ رات کا پچھلا پہر۔ (مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔ بحوالہ مسند احمد)

حضورؐ نے ہر سوال کا جو جواب دیا اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک جہان معانی پوشیدہ ہے۔ جس کی تشریح کے لیے دفتر درکار ہے یوں سمجھئے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔

حضور ﷺ کی فصاحت و بلاغت کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ عام احادیث میں آپ کا انداز بیان بالعموم ابلاغی ہوتا تھا اور خطبوں میں تبلیغی، ابلاغ میں بیان پُرسکون اور بات منطقی ہوتی ہے جبکہ تبلیغ میں زبان پرجوش اور بیان بلیغ جس پر تفہیم و ترغیب کا رنگ غالب ہوتا ہے دونوں صورتوں میں آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت مبالغہ غلو اور خیال آرائی سے پاک ہوتی

تھی، حضور ﷺ نے مختلف موقعوں پر بے شمار خطبے دیئے، احمد ذکی صفوت نے ان میں سے بارہ خطبے اپنی کتاب ''جمهره خطب العرب''میں جمع کیے ہیں، ان میں بلحاظ جامعیت اورزور بیان پانچ خطبے سب سے بڑھ کر ہیں۔ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱)......اولین خطبہ جس کے ذریعے آپؐ نے قریش کو پہلی مرتبہ دعوت توحید دی۔

(۲)......یوم فتح مکہ کا خطبہ۔

(۳)......مدینے میں داخلے کا خطبہ۔

(۴)......مدینہ میں پہلا خطبۂ جمعہ۔

(۵)......خطبۂ حجۃ الوداع۔

ان میں سے آخرالذکر خطبہ سب سے ممتاز اور جامعیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے،اس میں حضور ﷺ نے کئی ابدی آفاقی حقائق بیان کرنے کے علاوہ دوسرے کئی اہم امور کو بھی خطبے کا موضوع بنایا ہے،مثلاً حقوق اللہ،حقوق العباد،خواتین اورزیردستوں کے ساتھ حسن سلوک، خانگی معاشی اور سیاسی زندگی کے رہنما اصول ،اسلام کا حقیقی مفہوم اوراس کے تقاضے وغیرہ، اتنے بہت سے مسائل وموضوعات کو بہت تھوڑے الفاظ میں سمیٹ لینا کمال کی بلند ترین حد ہے،آپ ﷺ کے خطبات کو پڑھ کر لامحالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ ﷺ دنیا کے سب سے بڑے خطیب تھے،نہ آپؐ سے پہلے کوئی خطیب ہوا اور نہ بعد میں۔

ان کا تکلم جانِ بلاغت، نطق ہے ان کا کانِ فصاحت
ہر ہر لفظ ہے لؤلوۓ لالا، صلی اللہ علیہ وسلم (امین گیلانی)
خلقِ مبارک حاصلِ قرآں، نطقِ مطہر شہدِ بداماں
جانِ بلاغت، روحِ فصاحت صلی اللہ علیہ وسلم (مخمور سدیدی)

(بحوالہ حسنت جمیع خصالہ)

بہر حال اوراس میں کوئی شک نہیں کہ سرورِ عالم ﷺ جس طرح فصیح العرب تھے اسی

طرح صاحب جوامع الکلم بھی تھے، ''جوامع الکلم'' فی الحقیقت فصاحت و بلاغت ہی کے ذیل میں آتے ہیں، ان سے مراد آنحضور ﷺ کے وہ کلمات ہیں جو ہیں تو مختصر لیکن معنوی اعتبار سے بڑی وسعت رکھتے ہیں یعنی قلیل الالفاظ مگر کثیر المعانی، جاحظ نے ''جوامع الکلم'' کی تعریف یوں کی ہے: ''جوامع الکلم سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ کلمات ہیں جو قلیل الالفاظ ہوتے ہوئے بھی کثیر المعانی ہیں۔'' (البیان والتبیین)

''جوامع الکلم'' کی اصطلاح حضور ﷺ کے اپنے اس ارشاد پر مبنی ہے۔ اعطیت (اوتیت) جوامع الکلم (مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں)۔

علامہ محمد عطیۃ الابراشی نے ''جوامع الکلم'' کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے: ''آپ کا وہ جامع کلام جس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ اور برابری کی ہی نہیں جاسکتی جو بیان و بلاغت کا آخری درجہ اور بے انتہا مدلل بھی ہے، جو جامع کلمات اور انوکھی حکمت پر مشتمل ہوتا ہے، اس کے الفاظ و حروف کی تعداد تو قلیل ہوتی ہے لیکن معانی کی فراوانی ہوتی ہے۔'' (فصاحت نبوی بحوالہ عظمت الرسول)

یہاں ہم بطور تبرک ''جوامع الکلم'' کی پچاس مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۱)......انما الاعمال بالنیات اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۲)......اذا سرتک حسنتک وساء تک سیئتک فانت مومن .
جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج و قلق ہو تو تم مومن ہو (مسند احمد)

(۳)......ان الغضب لیفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل. غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسا کہ مصبر (ایلوا) شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان بیہقی)

(۴)......من کان یومن باللہ والیوم الاٰخر فلا یوذ جارہ. جو شخص بھی اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ (صحیح بخاری)

(۵)......الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت۔ (صحیح مسلم)

(۶)......ان لکل امة فتنة وفتنة امتی المال. ہر امت کے لیے خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (جامع ترمذی)

(۷)......الطھور شطر الایمان پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ (صحیح مسلم)

(۸)......الطاعم الشاکر کالصائم الصابر کھانا کھا کر شکر کرنے والا صابر روزہ دار کی مانند ہے۔ (جامع ترمذی)

(۹)......ان من خیارکم احسنکم اخلاقا. بے شک تم میں سے نیک ترین وہ ہے جو تم میں سے اخلاق میں اچھا ہو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۰)......الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیاله مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اس لیے اللہ کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو اللہ کے کنبے کے ساتھ احسان کرے۔ (بحوالہ بیہقی)

(۱۱)......لایدخل الجنة القاطع. قطع رحمی کرنے والا (یعنی قرابت داروں کے ساتھ قطع تعلق کرنے والا یا ان سے برا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جا سکے گا۔

(۱۲)......الغنی غنی النفس تونگری (دولت مندی) دل کی تونگری (دولت مندی) ہے۔ (صحیح مسلم و بخاری)

(۱۳)......ان من البیان لسحرا بے شک بعض بیان (کلام، باتیں) جادو (کا اثر رکھتے) ہیں (صحیح بخاری)

(۱۴)......الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة اخراجات میں میانہ روی (اعتدال) آدھی زندگی ہے (یعنی ضروری اور سودمند ہے)۔ (بیہقی)

(۱۵)......الدین النصیحة دین نام ہے خیرخواہی کا (یا دین سراسر خیرخواہی ہے)۔ (صحیح بخاری)

(۱۶)......الندم توبة. نادم (شرمندہ یا پشیماں) ہونا ہی توبہ ہے۔ (مسند احمد)

(۱۷)......من احب ان یبسط له فی رزقه وینساله فی اثره فلیصل

رحمه . جوشخص اپنے رزق میں فراخی (اضافہ) اور لمبی عمر کا خواہشمند ہو اسے چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۸)......**لایومن عبد حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه** انسان اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۹)......**ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء** تم زمین والوں پر رحم کرو اور آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۲۰)..**ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب** حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۱)......**ان الله تعالیٰ جمیل ویحب الجمال** بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور پسند کرتا ہے جمال کو۔ (صحیح مسلم)

(۲۲)......**لیس الشدید بالصُّرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عندالغضب** . طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۲۳)......**من لم یشکر الناس لم یشکر الله** جس نے (احسان کرنے والے) بندہ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا (مسند احمد، جامع ترمذی)

(۲۴)......**افضل الجهاد من قال کلمة حق عندسلطان جائر** . ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۲۵)......**زن وارجح** . تول اور (ترازو کا پلڑا) جھکتا رکھ۔ (سنن ابی داؤد، سنن بن ماجہ)

(۲۶)......**الصوم جنة** روزہ گناہوں سے بچنے کے لیے ڈھال ہے۔ (صحیح بخاری)

(۲۷)......**تصافحوا یذهب الغل وتهادوا تحابوا وتذهب الشحناء** . تم ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کیا کرو، اس سے کینہ دور ہوتا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو

ہدیہ دیا کرو، اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی۔ (موطاامام مالک)

(۲۸)......الطیرۃ شرک. شگون لینا شرک ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۲۹)..الاناۃ من اللہ و العجلۃ من الشیطان. کاموں کو متانت سے اور اطمینان سے انجام دینا اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی کرنا شیطان کی طرف سے (جامع ترمذی)

(۳۰)......کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل دنیا میں ایسے رہ جیسے کہ تو پردیسی ہے یا رستہ چلتا مسافر۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۳۱) لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو اللہ کے بندوں پر رحم نہیں کرتا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۳۲)......المؤمن مالف و لا خیر فی من لا یالف و لا یولف. مومن الفت و محبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔ (مسند احمد و شعب الایمان للبیہقی)

(۳۳)......ان احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ الحب فی اللہ و البغض فی اللہ . اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال میں سب سے محبوب یہ عمل ہے کہ اس کی محبت بھی اللہ کے لیے ہو اور بغض بھی اللہ کے لیے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(۳۴)......حسن الظن من حسن العبادۃ . اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں) نیک گمانی بہترین عبادت ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(۳۵)......من یحرم الرفق یحرم الخیر جو شخص نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ تمام خیر (ہر اچھائی اور بھلائی) سے محروم کیا گیا۔ (صحیح مسلم)

(۳۶)......طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ .(دیگر) فرائض کے بعد حلال کمائی کی تلاش فرض ہے۔ (جامع ترمذی)

(۳۷)......تعوذوا باللہ من جھد البلاء و درک الشقاء و سوء القضاء و شماتۃ الاعداء. اللہ کی پناہ مانگو بلاؤں کی سختی سے اور بدبختی کے لاحق ہونے سے اور بری

تقدیر سے اور دشمنوں کی شماتت سے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۳۸)......ھدیة الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم . زندوں کا خاص ہدیہ مردوں کے لیے ان کے حق میں دعائے مغفرت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(۳۹)......اماطة الاذی عن الطریق . ایمان کا ایک ادنیٰ حصہ ہے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۴۰)......انما الطاعة فی معروف . اطاعت تو صرف نیک کاموں میں ہوتی ہے۔ (صحیحین)

(۴۱)......ادومہ وان اقل وہ کام سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۴۲)......طاعة النساء ندامة. عورتوں کی (بلا سوچے سمجھے) اطاعت سے ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔ (ابن عساکر)

(۴۳)......الدعا مخ العبادة. دعا عبادت کا مغز ہے۔ (جامع ترمذی)

(۴۴)...... کل معروف صدقة ہر بھلائی صدقہ ہے۔ (بیہقی)

(۴۵)......ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث خبردار بدگمانی سے بچنا، بے شک بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے۔ (صحیح مسلم، سنن نسائی)

(۴۶)......الحکمة ضالة المومن یلتقطھا حیث وجدھا. دانائی مومن کی گمشدہ متاع ہے جہاں کہیں اسے پاتا ہے چن لیتا ہے۔ (سیرۃ المختار)

(۴۷)......المرمع من احب . انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی (یعنی قیامت کے دن اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا) (الشفاء)

(۴۸)......قل امنت باللّٰہ ثم استقم کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس قول پر) جم جاؤ۔ (صحیح مسلم)

(۴۹)......رباط یوم فی سبیل اللّٰہ خیر من الدنیا وما علیھا .اللہ کی راہ

میں ایک دن پاسبانی کرنا دنیا اور اس کے تمام ساز وسامان سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

(۵۰)......الید العلیا خیر من الید السفلیٰ الید العلیا ھی المنفقة والسفلیٰ ھی الشائلة . اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا۔ (صحیح بخاری)

(بحوالہ حسنت جمیع خصالہ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۹۳

رسولِ اکرم ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ترانوے نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا" الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا، بے شک دیگر انبیاء کو بھی اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرمائے لیکن سب سے بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمایا، تو معلوم ہوا کہ کائنات کا سب سے بڑا معجزہ کا ملنا بھی ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیت ہے جبکہ دیگر انبیاءؑ کے پاس یہ خصوصیت نہیں، علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سب سے بڑے معجزے سے ہماری مراد قرآن کریم ہے، بے شک قرآن کریم دنیا کا سب سے بڑا معجزہ ہے، جیسا کہ مکمل تفصیل آنے والے اوراق میں آرہی ہے، اگرچہ قرآن کریم بذاتِ خود ایک الگ خصوصیت ہے اور پھر اس میں کئی اور خصوصیات ہیں، چنانچہ اسی لئے قرآن کریم سے متعلق ایک الگ خصوصیت کو بھی ترتیب دیا گیا، جسے آپ پہلی جلد میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، ۔لہٰذا یہاں قرآن کے معجزہ ہونے سے متعلق تفصیل ہے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کائنات کے

اس سب سے بڑے معجزے کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین) بے شک جو قوم بھی اس معجزے کو سینے سے لگائے گی، وہ سر بلند ہوگی، اور جس نے اسے چھوڑا وہ قعر مذلت میں جا گرے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس قرآن پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

ترانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: انبیاء میں سے ہر ایک نبی کو معجزات سے صرف اتنا دیا گیا جس پر انسان ایمان لائے، اور جو معجزہ مجھ کو ملا وہ خدا کی وحی ہے جو اس نے میری طرف بھیجی (اور جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے) اس کی بناء پر مجھے یقین ہے کہ قیامت کے دن میرے ماننے والوں کی تعداد تمام انبیاء کے ماننے والوں سے زیادہ ہوگی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام چونکہ مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت ونبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو کچھ ایسے معجزے عطا فرماتا ہے جس کو وہ اپنے دعوے کی دلیل وبرہان کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرسکیں، چنانچہ جتنے بھی نبی اور رسول اس زمین پر آئے ان کو کسی نہ کسی نوعیت کا ایسا معجزہ دیا گیا جس کو دیکھ کر عقل سلیم رکھنے والا انسان اس نبی کی تصدیق کر سکے اور اس پر ایمان لا سکے لیکن رسولِ اکرم ﷺ سے پہلے جس نبی کو جو بھی معجزہ دیا گیا وہ اس نبی کے زمانہ اور اس کی حیات تک مخصوص اور باقی رہا، اس نبی کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ اس کا معجزہ بھی ختم ہوگیا، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اور جادو کا زبردست چرچا تھا، بڑے بڑے جادوگر اپنے فن کا کمال دکھایا کرتے تھے اور لوگ ان کے فن کے کمال سے متاثر ہوتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا کا معجزہ دیا گیا، ان کے دونوں معجزوں نے تمام چھوٹے بڑے جادوگروں کا چراغ گل کردیا اور نہ صرف عام لوگوں کو بلکہ خود

ان جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب وحکمت کا بڑا زور تھا اس وقت ایسے ایسے قابل اور ماہر فن طبیب اور حکیم موجود تھے جو پیچیدہ سے پیچیدہ دکھ اور بیماری کو جڑ سے اکھیڑ دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ وہ مردوں کو زندہ کردیتے تھے، کوڑھی کو تندرست اور اندھے کو بینا بنادیتے تھے، اس طرح ان کا یہ معجزہ اپنے زمانہ کے نہایت ترقی یافتہ طب وحکمت پر غالب رہا، لیکن نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ان کے بعد باقی رہا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دائمی حیثیت حاصل ہوئی! رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ میں فصاحت وبلاغت کا زور تھا، عرب فصحاء کا دعویٰ تھا کہ ان کی فصاحت وبلاغت کے سامنے دنیا کے تمام لوگ ''گونگے'' ہیں، چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ پر قرآن کریم نازل کیا گیا جس کی فصاحت وبلاغت نے عرب کے بڑے سے بڑے فصیح وبلیغ کی فصاحت وبلاغت کو مانند کردیا، اپنی زبان دانی اور معجز بیانی کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والے مغلوب ہوگئے، تمام فصیح مل کر بھی قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت جیسا کلام بھی پیش نہ کرسکے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم معجزہ کو قیامت تک کے لئے باقی رکھا جو ہر زمانے اور ہر طبقہ میں سید العلمین ﷺ کی نبوت ورسالت کی صداقت پر پوری حقانیت اور یقین کے ساتھ گواہی پیش کرتا رہا ہے اور پیش کرتا رہے گا۔ لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ مجھے عطا کیا جانے والا یہ عظیم معجزہ چونکہ قیامت تک باقی رہے گا اور لوگ برابر اس پر ایمان لاتے رہیں گے اس لئے قیامت کے دن اکثریت ان اہل ایمان کی ہوگی جو میری نبوت ورسالت پر عقیدہ رکھنے والے اور میرے اس معجزہ قرآن کریم کو ماننے والے ہونگے۔

قرآن آپ ﷺ کا عظیم معجزہ ہے

جب معجزات کی بات ہوگی تو ہم آپ ﷺ کے سب سے بڑے معجزے کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے، جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی، جو کل بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے

،دوسرے معجزات کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر اسے ہم دیکھ سکتے ہیں ۔ہم نے شقِ قمر نہیں دیکھا ،ہم نے درختوں کو سلام کرتے نہیں دیکھا ،ہم نے ستونِ حنانہ کا گریہ نہیں سُنا ،ہم نے کنکریوں کی تسبیح نہیں سُنی ،ہم نے انگلیوں سے چشمہ جاری ہوتے نہیں دیکھا ،ہم نے گونگوں کو بولتے اور اندھوں کو بینا ہوتے نہیں دیکھا ،اگر چہ ہم ان تمام معجزات کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کا ہم نے مشاہدہ نہیں کیا ،مگر اس معجزے کا مطالعہ اور مشاہدہ ہم دن رات کرتے ہیں یہ معجزہ ہر ملک ہر شہر ،ہر بستی بلکہ اکثر گھروں میں بھی موجود ہے۔

یہ معجزہ قرآن حکیم ہے اس معجزے کا مقابلہ عام لوگ تو کیا کریں گے حقیقت میں دوسرے انبیاء کے معجزات بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے ،نوح علیہ السلام کی کشتی ،سلیمان علیہ السلام کا تخت ،صالح علیہ السلام کی اونٹنی ،موسیٰ علیہ السلام کا عصا ،موسیٰ علیہ السلام کا یدِ بیضا ،مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کی زندگی ،اور یوسف علیہ السلام کی قمیص ان میں سے کوئی چیز بھی قرآن کے مقابلے میں نہیں رکھی جاسکتی۔

قرآن حکیم اور ان معجزات میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ وہ معجزات عارضی اور فانی تھے ،جبکہ قرآن دائمی اور ابدی معجزہ ہے ،وجہ صاف ظاہر ہے وہ یہ کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے ،نبوت کی صداقت کا شاہد ہوتا ہے اور دلیل اور شاہد کی صرف اس وقت تک ضرورت ہوتی ہے جب تک دعویٰ ہو ،جب دعویٰ ہی باقی نہ رہے تو دلیل اور شاہد کی ضرورت باقی نہیں رہتی ،سابقہ انبیاء نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ ہماری نبوت دائمی ہے ،ان کی نبوتیں ایک مخصوص وقت کے لئے اور مخصوص قوموں کے لئے ہوتی تھیں ،اس لئے ان کے معجزات بھی عارضی اور وقتی تھے۔

لیکن سید الکونین رسول اللہ ﷺ کی نبوت دائمی ہے اس وقت تک کے لئے ہے جب تک زندگی کا سوز و ساز باقی ہے ،اس لئے آپ کو معجزہ بھی ایسا عطا کیا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے ،قرآن نے جیسے اپنے نزول کے زمانے کے انسانوں کو چیلنج کیا تھا ،کہ اگر تمہیں میری صداقت میں کوئی شک ہے تو مثل بنا کے دکھادو۔

اسی طرح آج دنیا کے شرق وغرب کے تمام انسانوں کو بھی اس کا چیلنج ہے کہ اگر تمہیں میرے کلامِ ربانی ہونے میں شک ہے تو لاؤ میری چھوٹی سی چھوٹی سُورت کی مثل تیار کرکے۔

قرآن کا معجزہ ہونا رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کی ایک مستقل دلیل ہے اگر آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو آپ ﷺ کو ایسا معجزہ نہ دیا جاتا جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے ، بلکہ دوسرے انبیاء کی طرح آپ ﷺ کو بھی ایسا معجزہ دیا جاتا جو آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ساتھ ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔

ایسا نہیں ہوا اس لئے نہیں ہوا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین تھے آپ کی نبوت کو ہمیشہ رہنا تھا تو رسولِ اکرم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ایسے لوگ آسکتے تھے جو آپ کی نبوت اور صداقت کی نشانی مانگتے ، جیسا کہ ہر نبی سے اس کے زمانے کے لوگ نشانیاں مانگتے رہے ہیں اس لئے آپ کو نبوت کی ایک ایسی ابدی نشانی عطا کر دی گئی جو ان لوگوں کا منہ بند کر سکے۔

قرآن اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے درمیان ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن علمی معجزہ ہے جبکہ وہ معجزات مادّی تھے، اصل میں ان معجزات کے ظہور کا جو وقت تھا وہ انسان کے عہد طفولیت یا آغازِ شباب کا وقت، سائنسی تحقیقات کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا اور قرآن جن زمانوں کے لئے نازل ہو رہا تھا ان زمانوں میں علمی اکتشافات، سائنٹیفک تحقیقات اور سائنسی ایجادات کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا، قرآن کو مستقبل کے چیلنجوں کا سامنا تھا قرآن کو نازل کرنے والا اللہ جانتا تھا کہ انسان علمی اعتبار سے دورِ شباب میں قدم رکھنے والا ہے، وہ وقت آرہا ہے جب کائنات کا گوشہ گوشہ کھنگالا جائے گا، ستاروں پر کمندیں ڈالی جائیں گی، شمس وقمر کی تسخیر کی کوشش کی جائے گی، معاشیات، نفسیات، سیاسیات اور اخلاقیات کے الگ الگ شعبے قائم ہوں گے اور ان پر ریسرچ ہوگی تو میرے آقا کو ایسا معجزہ عطا کیا، جن میں ان سب علوم کے اصول موجود ہیں، اسی لئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

فرماتے ہیں: مَن أرادَ التّعليم فعليهِ بِا لقرآنِ فإنَّ فيهِ خيرُ الأولينَ والآخرين. جو شخص علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس پر قرآن کا دامن تھامنا لازم ہے کیونکہ قرآن میں پہلوں اور بعد والوں سب کا علم موجود ہے۔

اور ابن ابی الفضل المرسیؒ فرماتے ہیں: جمعَ القرآنُ عُلومَ الأولين والآخرينَ بِحَيثُ لَم يُحطْ علماً حقيقةً اِلّا الْمُتَكلّمُ ثُمَّ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم. اسی قرآن نے اول سے آخر تک ابتداء سے انتہاء تک تمام علوم کو اس طرح اپنے اندر جمع کر لیا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے۔ ان علوم کا نہ آج تک کوئی احاطہ کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔

اور محقق ابن سراقہ کتاب الاعجاز میں لکھتے ہیں: ما مِن شيءٍ فِي العالِمِ اِلّا وهوَ فِي كتابِ اللهِ. کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا ذکر قرآن میں موجود نہ ہو۔

تو علمی اور سائنسی دور کے اعتبار سے آپ ﷺ کو علوم ومعارف کا ایسا بے مثال انسائیکلوپیڈیا عطا کیا گیا جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے آپ دنیا کے کسی مفید علم وفن کی نشاندہی نہیں کر سکتے جن کی اصل قرآن میں موجود نہ ہو، اس میں علم تاریخ ہے، علم قصص ہے علم قرأت وتجوید ہے علمِ نحو ہے علم اصول اور علم کلام ہے علمِ تذکیر اور وعظ ہے علمِ میراث ہے علم معانی اور بیانی اور بدیع ہے، علم تصوف ہے، فلسفہ ہے بعض عُلماء نے تو قرآن سے سائنس، طبّ، ہیئت، ہندسہ، جدل اور جبر ومقابلہ تک کے اصول بھی اخذ کئے ہیں۔

علاوہ ازیں ایک تیسری بات بھی پیشِ نظر رکھیں وہ یہ کہ مختلف انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا کئے گئے وہ ان کے دور کے ذوق اور حالات کے اعتبار سے دیئے گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا جادوگر اپنے فن پر اتراتے پھرتے تھے اور عوام تو کیا خواص بھی ان سے بڑے متاثر تھے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ دیا گیا جس نے جادوگروں کو سرِ عام شکست سے دوچار کیا، حضرت سُلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنّات کی ہیبت دلوں پر چھائی ہوئی تھی، اور وہ اپنی طاقت کے بل پر عجیب عجیب کرشمے دکھاتے

تھے اللہ تعالیٰ نے جنّات کو سُلیمان علیہ السلام کے تابع کردیا جوان سے ہر طرح کی خدمت لیتے تھے اور وہ زرخرید غلاموں کی طرح ان کے حکموں کی بجا آوری میں مصروف رہتے تھے۔اسی طرح ہوا کو حضرت سُلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کردیا جس کے دوش پر سوار ہوکر وہ جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے،اور یہ ایک ایسا معجزہ تھا جس کی مثال پیش کرنے سے جن وانس عاجز تھے،حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طبّ وحکمت کا بڑا چرچا تھا۔حکماء اور اطبّاء ایسی ایسی دوائیں اور مرہمیں تیار کرتے تھے کہ عقل ان کی قوتِ تاثیر پر دنگ رہ جاتی تھی،پرانے پرانے مریض شفایاب ہوجاتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں میں ایسی شفا رکھ دی کہ مادر زاد اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے تھے تو اس کی بینائی بحال ہوجاتی تھی۔کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تھے تو اس کا کوڑھ ختم ہوجاتا تھا،اوراس کی جلد خوبصورت ہوجاتی تھی۔اپاہج کی ٹانگوں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ چلنے لگتا تھا۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرماتے تھے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے کرتا ہوں یہ میرا کوئی ذاتی کارنامہ نہیں ہے۔اوراس بات کی وضاحت اللہ کا ہر رسول کرتا رہا ہے عام لوگوں میں انبیاء کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہوگیا تھا،کہ وہ براہ راست عالمِ کائنات کے تصرف پر قادر ہیں۔چنانچہ موجودہ انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰ کے معجزات کو جس طریقے سے پیش کیا ہے،اس نے عیسائیوں کے دلوں میں یقین پیدا کردیا ہے کہ یہ تمام کائنات حضرت عیسیٰ کے قبضۂ قدرت میں تھی۔اوروہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے،یہی بنیادی پتھر ہے جس پر انجیل کے مصنفوں نے دین کی دیوار کھڑی کی،اوراسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم نہ رہ سکی،قرآن مجید نے نہایت شدّت اورنہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے،کہ معجزات اورنشانات پیغمبر کی قوت اورارادہ سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔فرمایا:قُل اِنَّما الاٰیاتُ عندَ اللہ. (الانعام ع ۳)

ترجمہ: کہہ دے اے پیغمبر کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔قُل اِنَّ اللہَ قادِرٌ علٰی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیۃً. (انعام ع ۴) ترجمہ: کہہ دے اے پیغمبر کہ خدا کو قدرت ہے کہ وہ نشانی

اتارے۔سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت یہ ہے۔ وما کانَ لِرَسولٍ أنْ یأتیَ بِاٰیةٍ اِلّا بِاِذْنِ الله ۔ (رعد ع٦) ترجمہ: کسی رسول کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لائے۔

انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات جس عبارت اور لب ولہجہ میں بیان ہوئے ہیں۔ان کا صاف منشاء یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام کائنات کی بادشاہی سپرد کردی گئی تھی۔اس لئے وہ خاص اپنی قدرت سے جو چاہتے تھے کر دیتے تھے۔لیکن قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا،اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کو بیان کر دیا ہے،مگر اس کے ساتھ اس عقیدہ باطل کو بھی رد کرتا گیا ہے اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ جو کچھ تھا،خدا کی قدرت سے تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اختیار سے نہیں چنانچہ خود عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن کہتا ہے۔

اَنّی قَدْ جِئْتُکُم باٰیةٍ مِنْ ربِّکم أنّی أخْلُقُ لکُم منَ الطِّینِ کھَیْئَةِ الطَّیرِ فأَنْفُخُ فیهِ فیکونُ طیراً بِاِذْنِ الله وأُبْرِئُ الأَکْمهَ والأَبْرصَ وَاُحیِ الْمَوتیٰ بِاِذْنِ الله. (آل عمران) ترجمہ: میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت کا جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں۔تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مُردے کو زندہ کرتا ہوں خدا کے حکم سے۔

بہر حال چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اور حکمت کا بڑا شہرہ تھا اس لئے انہیں طب اور حکمت کی صورت میں ایسا معجزہ دیا گیا جس کی مثال لانے سے ان کے مخاطب قاصر تھے ظاہر ہے کہ وہ سر اور پیٹ کی بیماریوں کا علاج کر سکتے تھے،زخموں کو مرہم سے صحیح کر سکتے تھے،جوڑوں کے درد کی دوا دے سکتے تھے،مگر اندھوں کو بینا کرنا،کوڑھیوں کو تندرست کرنا اور اپاہجوں کو چلتا کر دینا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

اسی طرح سرکارِ دو جہاں ﷺ کی ولادت جس خطے میں ہوئی اور جہاں آپ کو نبوت

سے نوازا گیا اس خطّے کے باسیوں کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طریقے سے ہم مافی الضمیر کا اظہار کر سکتے ہیں دنیا کی کوئی دوسری قوم اس طریقے سے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ اپنے مقابلے میں ساری دنیا کو گونگا (عجمی) سمجھتے تھے کسی بھی قبیلے کا شاعر اور ادیب اس قبیلے کی جان ہوتا تھا اور ہر قبیلے کا فرد اس پر فخر کرتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی نامی گرامی شاعر کسی نادار کے گھر میں قدم رکھ لیتا تھا تو اس گھر کی اور گھر والوں کی قسمت بدل جاتی تھی تو چونکہ اہل عرب کو اپنی قادر الکلامی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا غرور تھا اس لئے حضور ﷺ کو فصاحت و بلاغت کا ایسا شاہکار عطا کیا گیا جس کی مثال لانے سے ان کی زبانیں گنگ اور ان کی قلم اور دواتیں خشک ہو گئیں اور یہ صرف ماضی کی بات نہیں بلکہ آج بھی قرآن حکیم کی مثال لانے سے مشرق و مغرب اور شمال وجنوب میں رہنے والے سب عاجز ہیں اور حقیقت میں قرآن مجید ایک معجزہ نہیں بلکہ کئی معجزوں کا مجموعہ ہے اس کا اندازِ بیان معجزہ ہے، یہ جامعیت میں معجزہ ہے، یہ اثر آفرینی میں معجزہ ہے بلکہ جو خوش قسمت انسان قرآن میں ڈوب جاتا ہے اور قرآن کو اپنے قلب ودماغ اور سیرت و کردار میں سمو لیتا ہے اس کے اندر بھی اعجازی صفت پیدا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم معجزہ کی قدر کرنے اور اس کے سارے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (بحوالہ جستہ جستہ از ندائے منبر و محراب)

قرآن ایک زندہ اور قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے

اب ذیل میں ہم حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحبؒ کی مایہ ناز تفسیر معارف القرآن سے قرآن کریم کے اس عظیم معجزہ سے متعلق یہ شاندار مضمون پیش کر رہے ہیں، جس میں بڑے بہترین انداز میں اعجازِ قرآنی کی تشریح کی گئی ہے۔ چونکہ ہمارے موضوع کی مناسبت سے ہے، اس لئے افادہ عام کے لئے درج کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات صرف ان کی حیات تک معجزہ ہوتے، لیکن قرآن کا معجزہ بعد وفات رسولِ اکرم ﷺ بھی اسی طرح معجزہ کی حیثیت میں باقی ہے، آج بھی ایک ادنیٰ مسلمان ساری دنیا کے اہل علم ودانش کو للکار کر دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس کی مثال نہ کوئی پہلے لاسکا نہ آج لاسکتا ہے، اور جن کو ہمت ہو پیش کر کے دکھلائے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ مفسر جلالین نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں آپ ﷺ کے دو معجزوں کے متعلق بحوالۂ حدیث لکھا ہے کہ قیامت تک باقی ہیں، ایک قرآن کا معجزہ، دوسرے یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایامِ حج میں تینوں جمرات پر لاکھوں آدمی تین روز تک مسلسل کنکریاں پھینکتے ہیں پھر کوئی اُن کنکریوں کے ڈھیر کو یہاں سے اٹھاتا بھی نظر نہیں آتا، اور ایک مرتبہ پھینکی ہوئی کنکر کو دوبارہ استعمال کرنا بھی ممنوع ہے، اس لئے ہر حاجی اپنے لئے مزدلفہ سے کنکریاں نئی لے کر آتا ہے، اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ جمرات کے گرد ایک ہی سال میں ٹیلہ لگ جاتا، جس میں جمرات چھپ جاتے اور چند سال میں تو پہاڑ ہو جاتا، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے کہ جس جس شخص کا حج قبول ہو اس کی کنکریاں اٹھالی جائیں، تو اب اس جگہ صرف اُن کم نصیبوں کی کنکریاں رہ جاتی ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوا، اس لئے اس جگہ پڑی ہوئی کنکریاں بہت کم نظر آتی ہیں، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں پہاڑ کھڑا ہو گیا ہوتا، یہ روایت سننِ بیہقی میں موجود ہے۔

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے ذریعہ رسولِ اکرم ﷺ کی سچائی کی تصدیق ہر سال اور ہر زمانے میں ہوسکتی ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ حج میں لاکھوں آدمی ہر سال جمع ہوجاتے ہیں، اور ہر شخص ہر روز سات سات کنکریاں پھینکتا ہے، اور بعض جاہل تو بڑے بڑے پتھر پھینکتے ہیں، اور یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کنکریوں کو یہاں سے اٹھانے اور صاف کرنے کا حکومت یا کوئی جماعت بھی روزانہ انتظام نہیں کرتی، نہ اٹھائی جاتی ہیں، اور جیسا قدیم سے دستور چلا آتا ہے کہ اس جگہ سے کنکریاں اٹھائی ہی نہیں جاتیں، تو اگلے سال

اس کا دُوگنا اور تیسرے سال تگنا ہو جائے گا، پھر کیا شبہ ہے کہ چند سال میں یہ حصہ زمین مع جمرات کے اُن کنکریوں میں چھپ جائے گا، اور بجائے جمرات کے ایک پہاڑ کھڑا نظر آئے مگر مشاہدہ اس کے خلاف ہے، اور یہ مشاہدہ ہر زمانے میں رسولِ اکرم ﷺ کی تصدیق اور آپؐ پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے، سُنا ہے کہ اب یہاں سے کنکریاں اٹھانے کا کچھ انتظام ہونے لگا ہے، مگر تیرہ سو برس تک کا عمل بھی اس مضمون کی تصدیق کے لئے کافی ہے ۔اسی طرح معجزۂ قرآن ایک زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے جیسے رسولِ اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں اس کی نظیر یا مثال پیش نہیں کی جا سکی، آج بھی نہیں کی جا سکتی۔

اعجاز قرآنی کی تشریح

اس اجمالی بیان کے بعد آپ کو یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن کریم کو کس بناء پر رسولِ اکرم ﷺ کا معجزہ قرار دیا گیا، اور اس کا اعجاز کن کن وجوہ سے ہے، اور کیوں ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ چودہ سو برس کے عرصہ میں قرآن کی زبردست تحدّی (چیلنج) کے باوجود کوئی اس کی یا اس کے کسی ٹکڑے کی مثال پیش نہیں کر سکا، یہ تاریخی حیثیت سے کیا وزن رکھتا ہے، یہ دونوں باتیں طویل الذکر اور تفصیل کی طالب ہیں۔

وجوہِ اعجاز قرآنی

پہلی بات کہ قرآن کو معجزہ کیوں کہا گیا؟ اور وہ کیا وجوہ ہیں جن کے سبب ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، اس پر قدیم وجدید علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں ،اور ہر مفسر نے اپنے اپنے طرز میں اس مضمون کو بیان کیا ہے، ہم اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اس جگہ سب سے پہلے غور کرنے کی چیز ہے کہ یہ عجیب وغریب کُل علوم کی جامع کتاب، کس جگہ، کس ماحول میں، اور کس پر نازل ہوئی ؟ اور کیا وہاں کچھ ایسے علمی سامان

موجود تھے، جن کے ذریعہ دائرہ اسباب میں ایسی جامع بے نظیر کتاب تیار ہو سکے، جو علوم اوّلین وآخرین کی جامع، اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق بہترین ہدایت پیش کر سکے، جس میں انسان کی جسمانی اور روحانی تربیت کا مکمل نظام ہو، اور تدبیر منزل سے لے کر سیاست ممالک تک ہر نظام کے بہترین اصول ہوں۔

جس سرزمین اور جس ذات پر یہ کتاب مقدس نازل ہوئی اس کی جغرافیائی کیفیت اور تاریخی حالت معلوم کرنے کے لئے آپ کو ایک ریگستانی خشک اور گرم علاقہ سے سابقہ پڑے گا جس کو بطحاء مکہ کہتے ہیں اور جو نہ زرعی ملک ہے نہ صنعتی، نہ اس ملک کی آب وہوا ہی کچھ ایسی خوشگوار ہے جس کے لئے باہر کے آدمی وہاں پہنچنے کی رغبت کریں، نہ راستے ہی کچھ ہموار ہیں جن سے وہاں پہنچنا آسان ہو، اکثر دنیا سے کٹا ہوا ایک جزیرہ نما ہے، جہاں خشک پہاڑوں اور گرم ریگ کے سوا کچھ نہیں نظر آتا، اور دور تک نہ کہیں بستی نظر آتی ہے نہ کوئی کھیت نہ کوئی درخت۔

اس پورے خطۂ ملک میں کچھ بڑے شہر بھی نہیں، چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ان میں اونٹ بکریاں پال کر اپنی زندگی گزارنے والے انسان بستے ہیں، اس کے چھوٹے دیہات کا تو دیکھنا کیا، جو برائے نام چند شہر کہلاتے ہیں، ان میں بھی کسی قسم کے علم وتعلیم کا کوئی چرچا نہیں، نہ وہاں کوئی اسکول اور کالج ہے نہ کوئی بڑی یونیورسٹی یا دارالعلوم، وہاں کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے محض قدرتی اور پیدائشی طور پر فصاحت وبلاغت کا ایک فن ضرور دے دیا ہے، جس میں وہ ساری دنیا سے فائق اور ممتاز ہیں، وہ نثر اور نظم میں ایسے قادر الکلام ہیں کہ جب بولتے ہیں تو رعد کی طرح کڑکتے اور بادل کی طرح برستے ہیں، ان کی ادنیٰ ادنیٰ چھوکریاں ایسے فصیح وبلیغ شعر کہتی ہیں کہ دنیا کے ادیب حیران رہ جائیں۔

لیکن یہ سب کچھ اُن کا فطری فن ہے، جو کسی مکتب یا مدرسہ میں حاصل نہیں کیا جاتا، غرض نہ وہاں تعلیم وتعلّم کا کوئی سامان ہے، نہ وہاں کے رہنے والوں کو اُن چیزوں سے کوئی لگاؤ یا دلبستگی ہے، اُن میں کچھ لوگ شہری زندگی بسر کرنے والے ہیں تو وہ تجارت پیشہ ہیں،

مختلف اجناس، مال کی درآمد برآمدان کا مشغلہ ہے۔

اس ملک کے قدیم شہر مکہ کے ایک شریف گھرانہ میں وہ ذات مقدس پیدا ہوتی ہے جو مہبطِ وحی ہے، جس پر قرآن اترا ہے، اب اُس ذاتِ مقدس کا حال پڑھیئے:

ولادت سے پہلے ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، پیدا ہونے سے پہلے یتیم ہو گئے، ابھی سات سال بھی عمر نہ تھی کہ والدہ کی بھی وفات ہوگئی، آغوشِ مادر کا گہوارہ بھی نصیب نہ رہا، شریف آباء واجداد کی فیاضی اور بے مثل سخاوت نے اپنے گھر میں کوئی اندوختہ نہ چھوڑا تھا، جس سے یتیم کی پرورش اور آئندہ زندگی کا سامان ہو سکے، نہایت عُسرت کی زندگی پھر ماں باپ کا سایہ سر پر نہیں، ان حالات میں رسولِ اکرم ﷺ نے پرورش پائی، اور عمر کا ابتدائی حصہ گزارا جو تعلیم و تعلّم کا اصلی وقت ہے، اس وقت اگر مکہ میں کوئی دار العلوم یا اسکول و کالج بھی ہوتا تو بھی آپ ﷺ کے لئے اس سے استفادہ مشکل تھا، مگر معلوم ہو چکا کہ وہاں سرے سے یہ علمی مشغلہ اور اس سے دلچسپی ہی کسی کو نہ تھی، اسی لئے یہ پوری قوم عرب اُمّیّن کہلاتے تھے، قرآن کریم نے بھی اُن کے متعلق یہ لفظ استعمال کیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ آپ ﷺ ہر قسم کی تعلیم و تعلّم سے بے خبر رہے، وہاں کوئی بڑا عالم بھی ایسا نہ تھا جس کی صحبت میں رہ کر یہ علوم حاصل کئے جا سکیں، جن کا قرآن حامل ہے، پھر قدرت کو تو ایک فوق العادۃ معجزہ دکھلانا تھا، آپ ﷺ کے لئے خصوصی طور پر ایسے سامان ہوئے معمولی نوشت وخواند جو ہر جگہ کے لوگ کسی نہ کسی طرح سیکھ ہی لیتے ہیں آپ نے وہ بھی نہ سیکھی، بالکل امی محض رہے، کہ اپنا نام تک بھی نہ لکھ سکتے تھے، عرب کا مخصوص فن شعر وسخن تھا، جس کے لئے خاص خاص اجتماعات کئے جاتے اور مشاعرے منعقد ہوتے، اور اس میں ہر شخص مسابقت کی کوشش کرتا تھا، آپ کو حق تعالیٰ نے ایسی فطرت عطا فرمائی تھی کہ ان چیزوں سے بھی دلچسپی نہ لی، نہ کبھی کوئی شعر یا قصیدہ لکھا، نہ کسی ایسی مجلس میں شریک ہوئے۔

ہاں اُمی محض ہونے کے ساتھ بچپن سے ہی آپ ﷺ کی شرافتِ نفس، اخلاق فاضلہ، فہم وفراست کے غیر معمولی آثار، دیانت وامانت کے اعلیٰ ترین شاہکار آپ کی ذاتِ مقدس

میں ہر وقت مشاہدہ کئے جاتے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب کے بڑے بڑے مغرور و متکبر سردار آپ ﷺ کی تعظیم کرتے تھے، اور سارے مکہ میں آپ ﷺ کو امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ یہ امی محض چالیس سال تک مکہ میں اپنی برادری کے سامنے رہتے ہیں، کسی دوسرے ملک کا سفر بھی نہیں کرتے، جس سے یہ خیال پیدا ہو سکے کہ وہاں جا کر علوم حاصل کئے ہونگے، صرف ملکِ شام کے دو تجارتی سفر ہوئے وہ بھی گنے چنے چند دن کے لئے جس میں اس کا کوئی امکان نہیں۔

اس امی محض ذاتِ مقدس کی زندگی کے چالیس سال مکہ میں اپنی برادری میں اس طرح گزرے کہ نہ کبھی کسی کتاب یا قلم کو ہاتھ لگایا، نہ کسی مکتب میں گئے، نہ کسی مجلس میں کوئی نظم و قصیدہ ہی پڑھا، ٹھیک چالیس سال کے بعد اُن کی زبان پر وہ کلام آنے لگا جس کا نام قرآن ہے جو اپنی لفظی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اور معنوی علوم و فنون کے لحاظ سے محیر العقول کلام ہے، اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو بھی اس کا معجزہ ہونے میں کسی انصاف پسند کو کیا شبہ رہ سکتا ہے، مگر یہاں یہی نہیں بلکہ اس نے ساری دنیا کو تحدّی کی، چیلنج دیا کہ کسی کو اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شبہ ہو تو اس کا مثل بنا لائے۔ اب ایک طرف قرآن کی یہ تحدّی اور دوسری طرف ساری دنیا کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور پیغمبر اسلام کو شکست دینے کے لئے اپنی مال جان، اولاد، آبرو سب گنوانے کو تیار ہیں، مگر اتنا کرنے کے لئے کوئی جرأت نہیں کرتا، کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بنا لائے، فرض کر لیجئے کہ یہ کتاب بے مثال بے نظیر بھی نہ ہوتی، جب بھی ایک اُمی محض کی زبان سے اس کا ظہور اعجاز قرآن اور وجوہِ اعجاز کی تفصیل میں جائے بغیر بھی قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے لئے کم نہیں جس کو ہر عالم و جاہل سمجھ سکتا ہے۔

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ

اب اعجاز قرآن کی دوسری وجہ دیکھئے، یہ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن اور اس کے احکام

ساری دنیا کے لئے آئے، لیکن اس کے بلاواسطہ اور پہلے مخاطب عرب تھے، جن کو اور کوئی علم وفن آتا تھا یا نہیں مگر فصاحت وبلاغت ان کا فطری، ہنر اور پیدائشی وصف تھا، جس میں وہ اقوامِ دنیا سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، قرآن اُن کو مخاطب کر کے چیلنج کرتا ہے کہ اگر تمہیں میرے کلامِ الٰہی ہونے میں کوئی شبہ ہے تو تم میری ایک سورت کی مثال بنا کر دکھلا دو، اگر قرآن کی یہ تحدّی (چیلنج) صرف اپنے حسن معنوی یعنی حکیمانہ اصول اور علمی معارف واسرار ہی کی حد تک ہوتی تو قومِ امیّین کے لئے اس کی نظیر پیش کرنے سے عذر معقول ہوتا، لیکن قرآن نے صرف حسنِ معنوی ہی کے متعلق تحدّی نہیں کی، بلکہ لفظی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بھی پوری دنیا کو چیلنج دیا ہے، اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے اقوامِ عالم میں سب سے زیادہ مستحق عرب ہی تھے، اگر فی الواقع یہ کلام قدرتِ بشر سے باہر کسی مافوق قدرت کا کلام نہیں تھا تو بلغاءِ عرب کے لئے کیا مشکل تھا کہ ایک امی شخص کے کلام کی مثال بلکہ اس سے بہتر کلام فوراً پیش کر دیتے، اور ایک دو آدمی یہ کام نہ کر سکتے تو قرآن نے ان کو یہ سہولت بھی دی تھی کہ ساری قوم مل کر بنا لائے، مگر قرآن کے اس بلند بانگ دعوے اور پھر طرح طرح سے غیرت دلانے پر بھی عرب کی غیور قوم پوری کی پوری خاموش ہے، چند سطریں بھی مقابلہ پر نہیں پیش کرتی۔

عرب کے سرداروں نے قرآن اور اسلام کے مٹانے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مغلوب کرنے میں جس طرح اپنی ایڑھی چوٹی کا زور لگایا، وہ کسی پڑھے لکھے آدمی سے مخفی نہیں، شروع میں رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے گنے چنے رفقاء کو طرح طرح کی ایذائیں دے کر چاہا کہ وہ کلمۂ اسلام کو چھوڑ دیں، مگر جب دیکھا کہ ''یاں وہ نشہ نہیں جسے تُرشی اتار دے۔'' تو خوشامد کا پہلو اختیار کیا عرب کا سردار عتبہ ابن ربیعہ قوم کا نمائندہ بن کر آپؐ کے پاس حاضر ہوا، اور عرب کی پوری دولت وحکومت اور بہترین حسن وجمال کی لڑکیوں کی پیشکش اس کام کے لئے کی کہ آپ اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں، آپ نے اس کے جواب میں قرآن کی چند آیتیں سنا دینے پر اکتفا فرمایا، جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو جنگ ومقابلہ کے لئے تیار

ہو کر قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت جو قریشِ عرب نے رسولِ اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگائی، جان، مال، اولاد، آبرو، سب کچھ اس مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوئے، یہ سب کچھ کیا، مگر یہ سب کچھ کسی سے نہ ہوسکا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرتا، اور چند سطریں مقابلہ پر پیش کر دیتا، کیا ان حالات میں سارے عرب کا اس کے مقابلہ سے سکوت اور عجز اس کی کھلی ہوئی شہادت نہیں کہ انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کلام ہے، جس کے کام یا کلام کی نظیر انسان کیا ساری مخلوق کی قدرت سے باہر ہے۔

پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ عرب نے اس کے مقابلہ سے سکوت کیا، بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں سب نے اس کے بے مثل ہونے کا اعتراف کیا، اور جو ان میں سے منصف مزاج تھے انہوں نے اس اعتراف کا اظہار بھی کیا، پھر اُن میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے، اور کچھ اپنی آبائی رسوم کی پابندی یا بنی عبد مناف کی ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے باوجود اعتراف سے محروم رہے، قریشِ عرب کی تاریخ ان واقعات پر شاہد ہے۔

ہم اس میں سے چند واقعات اس جگہ بیان کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوسکے کہ پورے عرب نے اس کلام کے بے مثل، بے نظیر ہونے کو تسلیم کیا، اور اس کی مثال پیش کرنے کو اپنی رسوائی کے خیال سے چھوڑ دیا، جب رسولِ اکرم ﷺ اور قرآن مجید کا چرچا مکہ سے باہر حجاز کے دوسرے مقامات میں ہونے لگا، اور حج کا موسم آیا تو قریشِ مکہ کو اس کی فکر ہوئی کہ اب اطراف عرب سے حجاج آئیں گے، اور رسولِ اکرم ﷺ کا یہ کلام سنیں گے، تو فریفتہ ہو جائیں گے، اور غالب خیال یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں گے، اس کے انسداد کی تدبیر سوچنے کے لئے قریش نے ایک اجلاس منعقد کیا، اس اجلاس میں عرب کے بڑے بڑے سردار موجود تھے، اُن میں ولید بن مغیرہ عمر میں سب سے بڑے اور عقل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، سب نے ولید بن مغیرہ کو یہ مشکل پیش کی کہ اب اطرافِ ملک سے لوگ آئیں گے، اور ہم سے محمد (ﷺ) کے متعلق پوچھیں گے تو ہم کیا کہیں؟ ہمیں آپ کوئی ایسی بات بتلائیے کہ ہم سب وہی بات کہہ دیں، ایسا نہ ہو کہ خود ہمارے بیانات میں اختلاف ہو جائے، ولید بن

مغیرہ نے کہا کہ تم ہی کہو کیا کہنا چاہئے؟

لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں ہم سب یہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) معاذ اللہ مجنون ہیں، اُن کا کلام مجنونانہ بڑ ہے، ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ایسا ہرگز نہ کہنا، کیونکہ یہ لوگ جب اُن کے پاس جائیں گے، اور اُن سے ملاقات وگفتگو کریں گے، اور ان کو ایک فصیح وبلیغ عاقل انسان پائیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے، پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم ان کو یہ کہیں کہ وہ ایک شاعر ہیں، ولید نے اس سے بھی منع کیا، اور کہا کہ جب یہ لوگ ان کا کلام سنیں گے وہ تو شعر وشاعری کے ماہر ہیں، انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ شعر نہیں اور نہ آپ ﷺ شاعر ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ سب لوگ تمہیں جھوٹا سمجھیں گے، پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ تو پھر ہم ان کو کاہن قرار دیں، جو شیاطین وجنّات سے سن کر غیب کی خبریں دیا کرتے ہیں، ولید نے کہا یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جب لوگ اُن کا کلام سُنیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ یہ کلام کاہن کا نہیں ہے، وہ پھر بھی تمہیں ہی جھوٹا سمجھیں گے، اس کے بعد قرآن کے بارے میں جو ولید بن مغیرہ کے تاثرات تھے اُن کو ان الفاظ میں بیان کیا:

''خدا کی قسم! تم میں کوئی آدمی شعر وشاعری اور اشعارِ عرب سے میرے برابر واقف نہیں، خدا کی قسم! اس کلام میں خاص حلاوت ہے، اور ایک خاص رونق ہے، جو میں کسی شاعر یا فصیح وبلیغ کے کلام میں نہیں پاتا۔'' پھر اُن کی قوم نے دریافت کیا کہ آپ ہی بتلایئے پھر ہم کیا کریں؟ اور اُن کے بارے میں لوگوں سے کیا کہیں؟ ولید نے کہا میں غور کرنے کے بعد کچھ جواب دوں گا، پھر بہت سوچنے کے بعد کہا کہ اگر کچھ کہنا ہی ہے تو تم ان کو ساحر کہو، کہ اپنے جادو سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔ قوم اس پر مطمئن اور متفق ہوگئی، اور سب سے یہی کہنا شروع کیا، مگر خدا کا چراغ کہیں پھونکوں سے بجھنے والا تھا؟ اطرافِ عرب کے لوگ آئے قرآن سُنا اور بہت سے مسلمان ہوگئے، اور اطرافِ عرب میں اسلام پھیل گیا۔ (بحوالہ خصائص کبریٰ)

اسی طرح ایک قریشی سردار نضر بن حارث نے ایک مرتبہ اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا

"اے قومِ قریش! آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد (ﷺ) تمہاری قوم کے ایک نوجوان تھے، اور تُم سب ان کے عادات واخلاق کے گرویدہ اور اپنی قوم میں سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار جانتے اور کہتے تھے، اور جب ان کے سر میں سفید بال آنے لگے، اور انہوں نے ایک بے مثال کلام اللہ کی طرف سے پیش کیا تو تم ان کو جادوگر کہنے لگے، خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں، ہم نے جادوگروں کو دیکھا اور برتا ہے، اُن کے کلام سُنے ہیں، اور طریقوں کو سمجھا ہے، وہ بالکل اس سے مختلف ہیں۔ اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے بہت کاہنوں کو دیکھا اور اُن کے کلام سنے ہیں، ان کو ان کے کلام سے کوئی مناسبت نہیں۔ اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے خود شعر، شاعری کے تمام فنون کو سیکھا سمجھا ہے، اور بڑے بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں، ان کے کلام سے اُس کو کوئی مناسبت نہیں، پھر کبھی تم ان کو مجنون بتاتے ہو، خدا کی قسم! وہ مجنون بھی نہیں ہم نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا بھالا، ان کی بکواس سُنی ہے، اُن کے مختلف اور مختلط کلام سُنے ہیں، یہاں یہ کچھ نہیں، اے میری قوم تم انصاف کے ساتھ اُن کے معاملہ میں غور کرو، یہ سرسری ٹلا دینے کی چیز نہیں۔ (خصائص کبریٰ ج۱)

حضرت ابوذر صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی اُنیس ایک مرتبہ مکہ معظّمہ گیا، اس نے واپس آکر مجھے بتلایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے، میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے، کوئی کاہن بتلاتا ہے، کوئی جادوگر کہتا ہے، میرا بھائی اُنیس خود بڑا شاعر اور کہانت وغیرہ سے واقف آدمی تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیا لوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں، اُن کا کلام نہ شعر ہے نہ کہانت ہے، نہ مجنونانہ کلمات ہیں، بلکہ مجھے وہ کلام صادق نظر آتا ہے۔ ابوذر ﷛ فرماتے ہیں کہ بھائی سے یہ کلمات سن کر میں نے مکہ کا سفر کیا، اور مسجد حرام میں آکر پڑ گیا تیس روز میں نے اس طرح گزارے کہ سوائے

زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں کچھ نہیں گیا، اس تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی نہ کوئی ضعف محسوس کیا۔ (خصائص، ج ۱)

واپس گئے تو لوگوں نے کہا کہ میں نے روم اور فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام بہت سنے ہیں، اور کاہنوں کے کلمات اور حمیرؔ کے مقالات بہت سنے ہیں، محمد (ﷺ) کے کلام کی مثال میں نے آج تک کہیں نہیں سُنی، تم سب میری بات مانو، اور آپ کا اتباع کرو، چنانچہ فتح مکہ کے سال میں اُن کی پوری قوم کے تقریباً ایک ہزار آدمی مکہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے (خصائص)

اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل اور اخنس بن شریق وغیرہ بھی لوگوں سے چھپ کر قرآن سُنا کرتے، اور اس کے عجیب و غریب، بے مثل و بے نظیر اثرات سے متاثر ہوتے تھے، مگر قوم کے کچھ لوگوں نے ان کو کہا کہ جب تم اس کے کلام کو ایسا بے نظیر پاتے ہو تو اس کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ تو ابو جہل کا جواب یہ تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی عبد مناف میں اور ہمارے قبیلہ میں ہمیشہ سے رقابت اور معاصرانہ مقابلہ چلتا رہتا ہے، وہ جس کام میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم بھی اس کا جواب دیتے ہیں، اب جبکہ ہم اور وہ دونوں برابر حیثیت کے مالک ہیں تو اب وہ یہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے اب ہم اس میں کیسے اُن کا مقابلہ کریں، میں تو کبھی اس کا اقرار نہ کروں گا۔ (خصائص کبریٰ)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کے اس دعوے اور چیلنج پر صرف یہی نہیں کہ پورے عرب نے ہار مان لی اور سکوت کیا، بلکہ اس کے بے مثل و بے نظیر ہونے اور اپنے عجز کا کھلے طور پر اعتراف بھی کیا ہے، اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس کی کوئی وجہ نہ ہوتی کہ سارا عرب بلکہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہو جاتی۔

قرآن اور پیغمبر قرآن کے مقابلہ میں جان و مال، اولاد آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تو تیار ہو گئے، مگر اس کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے دو سطریں اس کے مقابلہ میں پیش کر دیتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنے جاہلانہ اعمال

وافعال کے باجود منصف مزاج تھے، جھوٹ کے پاس نہ جاتے تھے، جب انہوں نے قرآن کوسُن کر یہ سمجھ لیا کہ جب درحقیقت اس کلام کی مثل ہم نہیں لا سکتے تو محض دھاندلی اور کٹھ حجتی کے طور پر کوئی کلام پیش کرنا اپنے لئے عار سمجھا، کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم نے کوئی چیز پیش بھی کر دی تو پورے عرب کے فصحاء وبلغاء اس امتحانی مقابلہ میں ہمیں فیل کر دیں گے ،اور خواہ مخواہ رسوائی ہوگی ،اسی لئے پوری قوم نے سکوت اختیار کرلیا،اور جو زیادہ منصف مزاج تھے انہوں نے صاف طور پر اقرار وتسلیم بھی کیا جسکے کچھ وقائع پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ عرب کے سردار سعد بن زرارہ نے رسولِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے اقرار کیا کہ:''ہم نے خواہ مخواہ محمد (ﷺ) کی مخالفت کر کے اپنے رشتے ناتے توڑے،اور تعلقات خراب کئے، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں ،ہرگز جھوٹے نہیں ،اور جو کلام وہ لائے ہیں بشر کا کلام نہیں ہوسکتا۔ (خصائص کبریٰ،ج۱)

قبیلہ بنی سلیم کا ایک شخص مسمّیٰ قیس بن نسیبہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ،آپ سے قرآن سنا،اور چند سوالات کئے،جن کا جواب رسولِ اکرم ﷺ نے عطا فرمایا تو اُسی وقت مسلمان ہوگئے،اور پھر اپنی قوم میں واپس گئے،تو لوگوں سے کہا:''میں نے روم وفارس کے فصحاء وبلغاء کے کلام سُنے ہیں،،بہت سے کاہنوں کے کلمات سُننے کا تجربہ ہوا ہے حِمیرؔ کے مقالات سنتا رہا ہوں،مگر محمد ﷺ کی کلام کی مثل میں نے آج تک کہیں نہیں سُنا،تم سب میری بات مانو اور ان کا اتباع کرو۔''انہیں کی تحریک وتلقین پر ان کی قوم کے ایک ہزار آدمی فتح مکہ کے موقع پر رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرّف باسلام ہوگئے۔'' (خصائص،ج۱)

یہ اقرار وتسلیم صرف ایسے ہی لوگوں سے منقول نہیں جو آپ ﷺ کے معاملات سے یکسو اور غیر جانداار تھے، بلکہ وہ لوگ جو ہر وقت ہر طرح رسولِ اکرم ﷺ کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے قرآن کے متعلق ان کا بھی یہی حال تھا،مگر اپنی ضد اور حسد کی وجہ سے اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے تھے۔

علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں بحوالۂ بیہقی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل اور ابوسفیان اور اخنس بن شُریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لئے نکلے کہ چھپ کر رسولِ اکرم ﷺ سے قرآن سنیں، ان میں ہر ایک علیحدہ علیحدہ نکلا، ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی، اور علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپ کر قرآن سننے لگے، تو اس میں ایسے محو ہوئے کہ ساری رات گزر گئی، جب صبح ہوگئی تو سب واپس ہوئے، اتفاقاً راستہ میں مل گئے، اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا، تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، کہ تم نے یہ بری حرکت کی، اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آئندہ کوئی ایسا نہ کرے، کیونکہ اگر عرب کے عوام کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ کہہ سن کر اپنے اپنے گھر چلے گئے، اگلی رات آئی تو پھر اُن میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹیس اٹھی کہ قرآن سُنیں، اور پھر اسی طرح چھپ چھپ کر ہر ایک نے قرآن سُنا، یہاں تک کہ رات گزر گئی، اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہوئے، تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا، مگر تیسری رات آئی تو پھر قرآن کی لذت وحلاوت نے انہیں چلنے اور سننے پر مجبور کر دیا، پھر پہنچے اور رات بھر قرآن سن کر لوٹنے لگے، تو پھر راستہ میں اجتماع ہوگیا، تو اب سب نے کہا کہ آؤ آپس میں معاہدہ کرلیں کہ آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے، چنانچہ اس معاہدہ کی تکمیل کی گئی، اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، صبح کو اخنس بن شُریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی، اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہنچا، کہ بتلاؤ اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اُس نے دبے دبے لفظوں میں قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا، تو اخنس نے کہا کہ بخدا میری بھی یہی رائے ہے، اس کے بعد وہ ابوجہل کے پاس پہنچا، اور اُس سے بھی یہی سوال کیا کہ تم نے محمد ﷺ کے کلام کو کیسا پایا؟

ابوجہل نے کہا کہ صاف بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان اور بنو عبد مناف کے خاندان میں ہمیشہ سے چشمک چلی آتی ہے، قوم کی سیادت وقیادت میں وہ جس محاذ پر آگے

بڑھنا چاہتے ہیں ہم ان کا مقابلہ کرتے ہیں، انہوں نے سخاوت دبخشش کے ذریعہ قوم پر اپنا اثر جمانا چاہا تو ہم نے اُن سے بڑھ کر یہ کام کر دکھایا، انہوں نے لوگوں کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں تو ہم اس میدان میں بھی ان سے پیچھے نہیں رہے، یہاں تک کہ پورا عرب جانتا ہے کہ ہم دونوں خاندان برابر حیثیت کے مالک ہیں۔ ان حالات میں اُن کے خاندان سے یہ آواز اٹھی کہ ہمارے میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، اب ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ ہم کیسے کریں، اس لئے ہم نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ ہم زور اور طاقت سے اُن کا مقابلہ کریں گے، اور ہرگز ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ (خصائص، ج ۱)

یہ ہے قرآن کا وہ کھلا ہوا معجزہ جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے، یہ تمام واقعات علاّمہ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں نقل کئے ہیں۔

اعجازِ قرآن کی تیسری وجہ

تیسری وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں غیب کی اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی بہت سی خبریں ہیں جو قرآن نے دیں، اور ہو بہو اسی طرح واقعات پیش آئے ،جس طرح قرآن نے خبر دی تھی، مثلاً قرآن نے خبر دی کہ روم و فارس کے مقابلہ میں ابتداء اہل فارس غالب آئیں گے اور رومی مغلوب ہوں گے، لیکن ساتھ ہی یہ خبر دی کہ دس سال گزرنے نہ پائیں گے کہ پھر روم اہل فارس پر غالب آجائیں گے، مکہ کے سرداروں نے قرآن کی اس خبر پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہار جیت کی شرط کر لی اور پھر ٹھیک قرآن کی خبر کے مطابق رومی غالب آگئے تو سب کو اپنی ہار ماننا پڑی، اور ہارنے والے پر جو مال دینے کی شرط کی تھی، وہ مال ان کو دینا پڑا، رسولِ اکرم ﷺ نے اس مال کو قبول نہیں فرمایا، کیونکہ وہ ایک قسم کا جُوا تھا، اسی طرح اور بہت سے واقعات اور خبریں ہیں جو امورِ غیبیہ کے متعلق قرآن میں دی گئیں اور ان کی سچائی بالکل روز روشن کی طرح واضح ہوگئی۔

اعجازِ قرآن کی چوتھی وجہ

چوتھی وجہ اعجازِ قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں پچھلی امتوں اور ان کی شرائع اور تاریخی حالات کا ایسا صاف تذکرہ ہے کہ اُس زمانے کے بڑے بڑے علماء یہود و نصاریٰ جو پچھلی کتابوں کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کو بھی اتنی معلومات نہ تھیں، اور رسولِ اکرم ﷺ نے تو کبھی نہ کسی مکتب میں قدم رکھا نہ کسی عالم کی صحبت اٹھائی، نہ کسی کتاب کو ہاتھ لگایا، پھر یہ ابتدائے دنیا سے آپ ﷺ کے زمانہ تک تمام اقوامِ عالَم کے تاریخی حالات اور نہایت صحیح اور سچے سوانح اور ان کی شریعتوں کی تفصیلات کا بیان ظاہر ہے، کہ بجز اس کے نہیں ہوسکتا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ خبر دی ہوں۔

اعجازِ قرآن کی پانچویں وجہ

یہ ہے کہ اس کی متعدد روایات میں لوگوں کے دل کی چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع دی گئی اور پھر اُن کے اقرار سے ثابت ہوگیا کہ وہ بات صحیح اور سچی تھی، یہ کام بھی عالم الغیب والشہادۃ ہی کرسکتا ہے، کسی بشر سے عادۃً ممکن نہیں، مثلاً ارشادِ قرآنی ہے: **اِذْ ھَمَّتْ طَآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا** "جب تمہاری دو جماعتوں نے دل میں ارادہ کیا کہ پسپا ہو جائیں" اور یہ ارشاد ہے کہ: **یَقُوْلُوْنَ فِیْ اَنْفُسِھِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوْلُ** "وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔" یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کو انہوں نے کسی سے ظاہر نہیں کیا، قرآن کریم نے ہی ان کا انکشاف کیا ہے۔

اعجازِ قرآن کی چھٹی وجہ

چھٹی وجہ اعجازِ قرآنی کی، وہ آیات ہیں جن میں قرآن نے کسی قوم یا فرد کے متعلق یہ پیشگوئی کی کہ وہ فلاں کام نہ کرسکیں گے، اور پھر وہ لوگ بوجود ظاہری قدرت کے اس کام کو نہ کرسکے، جیسے یہود کے متعلق قرآن نے اعلان کیا کہ اگر وہ فی الواقع اپنے آپ کو اللہ کے

دوست اور ولی سمجھتے ہیں تو انہیں اللہ کے پاس جانے سے محبت ہونا چاہئے، وہ ذرا موت کی تمنا کر کے دکھائیں اور پھر ارشاد فرمایا: ولن یّتمنّوہُ ابداً ''وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کر سکیں گے'' موت کی تمنا کرنا کسی کے لئے مشکل نہ تھا، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو قرآن کو جھٹلاتے تھے، قرآن کے ارشاد کی وجہ سے اُن کو تمنائے موت میں خوف وہراس کی کوئی وجہ نہ تھی، یہود کے لئے تو مسلمانوں کو شکست دینے کا موقع بڑا غنیمت تھا کہ فوراً تمنائے موت کا ہر مجلس ومحفل میں اعلان کرتے۔

مگر یہودیوں یا مشرکین زبان سے کتنا ہی قرآن کو جھٹلائیں ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن سچا ہے، اس کی کوئی بات غلط نہیں ہوسکتی، اگر موت کی تمنا ہم اِس وقت کریں گے تو فوراً مر جائیں گے، اس لئے قرآن کے اس کھلے ہوئے چیلنج کے باوجود کسی یہودی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زبان سے تمنائے موت کا اظہار کر دے۔

اعجازِ قرآن کی ساتویں وجہ

وہ خاص کیفیت ہے جو قرآن کے سننے سے ہر خاص وعام اور مؤمن وکافر پر طاری ہوتی ہے، جیسے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے سے پہلے پیش آیا کہ اتفاقاً انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سُنا، جب آپ ﷺ آخری آیات پر پہنچے تو جُبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا دل گویا اڑنے لگا، اور یہ سب سے پہلا دن تھا کہ میرے دل میں اسلام نے اثر کیا، وہ آیات یہ ہیں: اَم خُلِقُوا مِن غیرِ شیٔ اَم ھُمُ الْخالقُون . اَم خلَقُوا السّمٰوٰتِ والأرضَ بَل لّا یُوقِنُونَ . اَم عندَھُم خَزائنُ ربِّکَ اَم ھُمُ المُصیطِرُونَ ''کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ، یا وہی ہیں بنانے والے، یا انہوں نے بنائے ہیں آسمان اور زمین! کوئی نہیں، پر یقین نہیں کرتے، کیا اُن کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے، یا وہی داروغہ ہیں

اعجازِ قرآن کی آٹھویں وجہ

یہ ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے اور سُننے سے کوئی اُکتاتا نہیں، بلکہ جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اس کا شوق اور بڑھتا ہے، دنیا کی کوئی بہتر سے بہتر اور مرغوب کتاب لے لیجئے اس کو دو چار مرتبہ پڑھا جائے تو انسان کی طبیعت اُکتا جاتی ہے، پھر نہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے نہ سننے کو یہ صرف قرآن کا خاصہ ہے کہ جتنا کوئی زیادہ اس کو پڑھتا ہے اُتنا ہی اس کا شوق ورغبت بڑھتا جاتا ہے، یہ بھی قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے ہی کا اثر ہے۔

اعجازِ قرآن کی نویں وجہ

یہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ وہ قیامت تک بغیر کسی ادنیٰ تغیر وترمیم کے باقی رہے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو اس طرح پورا فرمایا کہ جب سے قرآن نازل ہوا ہے آج چودہ سو برس کے قریب ہونے کو آئے ہیں ہر قرن ہر زمانے میں لاکھوں انسان ایسے رہے ہیں اور رہیں گے جن کے سینوں میں پورا قرآن اس طرح محفوظ رہا کہ ایک زیروزبر کی غلطی کا امکان نہیں، ہر زمانے میں مرد ،عورت، بچے، بوڑھے اس کے حافظ ملتے ہیں۔ بڑے سے بڑا عالم اگر کہیں ایک زیروزبر کی غلطی کر جائے تو ذرا ذرا سے بچے وہیں غلطی پکڑلیں گے، دنیا کا کوئی مذہب اپنی مذہبی کتاب کے متعلق اس کی مثال تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں کرسکتا۔ بہت سے مذاہب کی کتابوں میں تو آج یہ پتہ چلانا بھی مشکل ہوگیا ہے کہ اس کی اصل کس زبان میں آئی تھی، اور اس کے کتنے اجزاء تھے۔

کتاب کی صورت میں بھی ہر قرن ہر زمانے میں جتنی اشاعت قرآن کی ہوئی شاید دنیا کی کسی کتاب کو یہ بات نصیب نہیں، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کی تعداد دنیا میں بہ نسبت منکرین اور کافروں کے بہت کم رہی، اور ذرائع نشرواشاعت بھی جتنے غیر مسلموں کو حاصل رہے ہیں مسلمانوں کو اس کا کوئی معتدبہ حصہ نصیب نہ تھا، مگران باتوں

کے باوجود کسی قوم کسی مذہب کی کوئی کتاب دنیا میں اتنی شائع نہیں ہوئی جتنا قرآن شائع ہوا۔

پھر قرآن کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے صرف کتابوں اور صحیفوں پر موقوف نہیں رکھا جن کے جل جانے اور محو ہونے کا امکان ہو، بلکہ اپنے بندوں کے سینوں میں بھی محفوظ کر دیا ،اگر آج ساری دنیا کے قرآن (معاذ اللہ) نابود کر دیئے جائیں ،تو اللہ کی یہ کتاب پھر بھی اسی طرح محفوظ رہے گی ،چند حافظ مل کر بیٹھ جائیں تو چند گھنٹوں میں پھر ساری کی ساری لکھی جاسکتی ہے، یہ بے نظیر حفاظت بھی صرف قرآن ہی کا خاصہ اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے ،کہ جس طرح اللہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اس پر کسی مخلوق کا تصرف نہیں چل سکتا اسی طرح اس کا کلام بھی ہمیشہ تمام مخلوقات کی دستبرد اور تصرفات سے بالاتر ہو کر ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا ،قرآن کی یہ پیشنگوئی چودہ سو برس تک مشاہدہ میں آچکی ہے ،اور تا قیامت انشاء اللہ آتی رہے گی ،اس کھلے معجزے کے بعد قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے میں کیا کسی کو شک وشبہ کی گنجائش رہ سکتی ہے؟۔

اعجازِ قرآن کی دسویں وجہ

وہ علوم ومعارف ہیں جن کا احاطہ نہ آج تک کسی کتاب نے کیا ہے، نہ آئندہ امکان ہے، کہ اتنے مختصر حجم اور محدود کلمات میں اتنے علوم وفنون جمع کئے جاسکیں جو تمام کائنات کی دائمی ضروریات کو حاوی اور انسان کی زندگی کے ہر شعبہ اور حال سے متعلق پورا مرتب اور بہترین نظام پیش کر سکے، شخصی پھر عائلی زندگی سے لے کر قبائلی اور شہری زندگی تک اور پھر عمرانیات واجتماعیات اور سیاستِ ممالک کے ہر پہلو پر حاوی نظام پیش کر دے۔

پھر صرف نظری اور علمی طور پر نظام پیش کرنا ہی نہیں عملی طور پر اس کا رواج پانا اور تمام نظامہائے دنیا پر غالب آکر قوموں کے مزاج ،اخلاق ،اعمال ،معاشرت اور تمدن میں وہ انقلاب عظیم پیدا کرنا جس کی نظیر نہ قرونِ اولیٰ میں مل سکتی ہے نہ قرونِ مابعد میں، یہ حیرت

انگیز انقلاب کیا کسی انسان کی قدرت اور اس کی حکمت عملی کا نتیجہ ہوسکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ وہ انسان بھی اُمّی اور اس کی قوم بھی اُمّی ہو۔

مخدرات سراپردہائے قرآنی چہ دلبرند کہ دل می برند پنہائی

یہی وہ محیرّ العقول تاثیرات ہیں کہ جن کی وجہ سے قرآن کو کلامِ الٰہی ماننے پر ہر وہ شخص مجبور ہے جس کی عقل و بصیرت کو تعصّب و عناد نے بالکل ہی برباد نہ کر دیا ہو۔

یہاں تک کہ اس دورِ مادہ پرستی کے مسیحی مصنفین جنہوں نے کچھ بھی قرآن میں غور و فکر سے کام لیا اس اقرار پر مجبور ہو گئے کہ یہ ایک بے مثل و بے نظیر کتاب ہے۔

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس جس کو حکومتِ فرانس کی وزارتِ معارف نے قرآن حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا اس نے اعتراف کیا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔ ''بے شک قرآن کا طرزِ بیان خالق جلّ وعلا کا طرز بیان ہے، بلاشبہ جن حقائق و معارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ ایک کلامِ الٰہی ہی ہوسکتا ہے ،اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک و شبہ کرنے والے بھی جب اس کی تاثیرِ عظیم کو دیکھتے ہیں تو تسلیم و اعتراف پر مجبور ہوتے ہیں، پچاس کروڑ مسلمان جو سطحِ زمین کے ہر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں اُن میں قرآن کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیحی مشن میں کام کرنے والے بالاجماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ جس مسلمان نے اسلام اور قرآن کو سمجھ لیا وہ کبھی مرتد ہوا یا قرآن کا منکر ہو گیا ہو۔''

مسلمانوں میں تاثیرِ قرآنی کا یہ اعتراف اس مسیحی مستشرق سے ایک ایسے دور میں ہو رہا ہے جبکہ خود مسلمان اسلام اور قرآن سے بیگانہ اس کی تعلیمات سے دور، اس کی تلاوت سے غافل ہو چکے ہیں، کاش! یہ مصنف اسلام اور قرآن کے اُس دور کو دیکھتا جبکہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں قرآن کا عمل تھا اور ان کی زبانوں پر قرآن کی آیات تھیں۔

اسی طرح دوسرے مسیحی مصنفین نے بھی جو منصف مزاج ہیں اسی قسم کے اعتراف کئے ہیں۔ مسٹر ولیم میور نے اپنی کتاب ''حیاتِ محمد'' میں واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے

،اور ڈاکٹر شبلی شمیل نے اس پر ایک مستقبل مقالہ لکھا ہے۔

قرآن کے کلام الٰہی اور معجزۂ نبوی ﷺ ہونے پر دس وجوہ آپ پڑھ چکے ہیں، آخر میں ایک اجمالی نظر اس پر ڈال لیجئے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ پیدائشی یتیم ہو کر دنیا میں تشریف لائے ہیں، عمر بھر کسی مکتب میں قدم نہیں رکھتے، قلم اور کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے، اپنا نام بھی خود نہیں لکھ سکتے، اسی میں جوان ہوتے ہیں، آپ کی طبیعت عزلت پسند ہے، کسی کھیل، تماشہ، جلسوں ہنگاموں میں جانے کے بھی عادی نہیں، شعر و سخن سے بھی مناسبت نہیں، کسی قومی اجتماع میں کبھی کوئی خطبہ دینے یا تقریر کرنے کا بھی عمر بھر اتفاق نہیں ہوتا، چالیس سال ہونے کے بعد جبکہ ادھیڑ عمر میں پہنچ جاتے ہیں، اور عادۃً کسی علم کے سیکھنے سکھانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے اُس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر ایک ایسا محیر العقول، جامع حقائق فصاحت و بلاغت میں اعجاز نما کلام آنے لگتا ہے، جو کسی بڑے سے بڑے عالم، ماہر اور فصیح و بلیغ سے بھی ممکن نہیں جس کے ذریعہ آپ ﷺ عرب کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کو خطاب فرماتے ہیں، ان کے جلسوں میں پہنچ کر خطبے دیتے ہیں، اور پوری دنیا کے لئے عموماً عرب کے لئے خصوصاً یہ چیلنج سناتے ہیں کہ کوئی اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شبہ کرے تو اس کے کسی چھوٹے سے حصہ کی مثال بنا کر دکھلا دے، اس پر پوری قوم مثال پیش کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے۔ پوری قوم جو آپ ﷺ کو پہلے امین کے لقب سے پکارتی اور تعظیم کرتی تھی، آپ کی مخالف ہو جاتی ہے، اس کلام کی تبلیغ سے باز رکھنے کے لئے دولت، حکومت اور ہر انسانی خواہش کی چیزیں پیش کرتی ہے آپ اُن میں سے کسی چیز کو قبول نہیں کرتے، پوری قوم آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے رفقاء کو ستانے، ظلم کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے، آپ ﷺ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں، مگر اس کلام کی تبلیغ نہیں چھوڑتے قوم آپ ﷺ کے قتل کی سازشیں کرتی ہے، جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتی ہے، آپ ﷺ کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑتا ہے، آپ ﷺ کی قوم وہاں بھی سکون سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

سارا عرب اور اہل کتاب آپ ﷺ کی مخالفت پر جمع ہو جاتا ہے، آئے دن مدینہ پر

حملے ہوتے ہیں ۔آپ ﷺ کے مخالفین یہ سب کچھ کرتے ہیں ،مگر قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے ایک چھوٹی سی سورت قرآن کی مثل بنا کر پیش نہیں کرتے ،قرآن ان کو غیرت دلاتا ہے اس پر بھی ان کی رگِ حمیت میں حرکت نہیں ہوتی۔

صرف یہی نہیں کہ پورا عرب قرآن کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہا، بلکہ خود وہ ذاتِ اقدس جس پر یہ قرآن نازل ہوا،وہ بھی اس کی مثال اپنی طرف سے پیش نہیں کر سکتے ،ان کا سارا کلام یعنی حدیث جس طرح کا ہے قرآن کا کلام یقیناً اس سے ممتاز ہے،قرآن کریم کا ارشاد ہے:قَالَ الَّذِینَ لَا یَرجُونَ لِقَآءَ نَا ائتِ بِقُرآنٍ غَیرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ قُل مَا یَکُونُ لِیٓ اَنْ اُبَدِّلَهُ مِن تِلقَائِ نَفسِی. ”جولوگ آخرت میں ہمارے سامنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسی جیسا ایک اور قرآن بنا دیجئے یا اسی کو بدل دیجئے ،تو آپ فرما دیجئے ، کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل ڈالوں“

ایک طرف تو قرآن کے یہ کھلے کھلے معجزات ہیں جو اس کلامِ الٰہی ہونے پر شاہد ہیں،دوسری طرف اس کے مضامین و مضمرات اور حقائق و معارف پر نظر ڈالئے تو وہ اس سے زیادہ محوِ حیرت بنا دینے والی چیز ہے۔نزولِ قرآن کے ابتدائی دور کے چند سال تو اس حالت میں گزرے کہ قرآنی تعلیمات کو کھلے طور پر پیش کرنا بھی ممکن نہ تھا،رسولِ اکرم ﷺ خفیہ طور پر لوگوں کو اصولِ قرآنی کی طرف دعوت دیتے تھے،پھر بے شمار مزاحمتوں اور مخالفتوں کے نرغہ میں کچھ علانیہ دعوت بھی شروع کی جاتی ہے،مگر قرآن کریم کے مجوزہ قانون کی تنفیذ کا کوئی امکان نہ تھا۔

ہجرت مدینہ کے بعد صرف دس سال ایسے ملے جن کو مسلمانوں کے لئے آزادی کا زمانہ کہا جا سکتا ہے،جس میں قرآنی نظام کی مکمل تعلیم اور تنفیذ کی کوشش اور کوئی تعمیری کام کیا جا سکتا تھا۔لیکن اُن دس سال میں بھی آپ تاریخِ اسلام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی چھ سال دشمنوں کے نرغہ اور منافقین اور یہود مدینہ کی سازشوں سے کس کو فرصت تھی کہ کوئی تعمیری کام اور ایسا نظام جو ساری دنیا کے نظاموں سے مختلف ہے،عملی طور پر نافذ کر سکے

،مسلمانوں کے خلاف سب بڑے بڑے معرکے انہیں چھ سال کے اندر پیش آئے ،غزوۂ بدر ،احد،احزاب وغیرہ سب اسی مدت کے اندر ہوئے ،ہجرت کے چھٹے سال دس سال کے لئے حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا گیا اور صرف ایک سال اس معاہدہ پر قریشِ عرب قائم رہے،اس کے بعد انہوں نے اس کو بھی توڑ ڈالا،اور پھر جنگ وجہاد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

ظاہر اسباب میں صرف یہ ایک دو سال ہیں جو رسولِ اکرم ﷺ کو اس کام کے لئے ملے، کہ قرآن کی دعوت کو عام کرسکیں ،اوراس کے نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کرسکیں ،اسی عرصہ میں آپ نے بڑے بڑے سلاطینِ دنیا کو خطوط لکھے ،قرآن کی دعوت اُن کو پہنچائی،قرآنی نظام کو قائم کرنے پھیلانے کی سعی فرمائی ،اور رسولِ اکرم ﷺ کی آخری عمر مبارک تک اس آزادی کے صرف چار سال ہوتے ہیں جن میں فتحِ مکہ کا جہاد بھی پیش آیا اور مکہ مکرمہ فتح ہوا۔

اب اس چار سال کی قلیل مدت کو دیکھئے ،اور قرآن کے اس نفوذ واثر پر نظر ڈالئے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے وقت تقریباً پورے جزیرۃ العرب پر قرآن کی حکومت تھی ،ایک طرف سرحدِ روم تک اور دوسری طرف عراق تک ،تیسری طرف عدن تک پہنچ چکی تھی۔

بہر حال اعجازِ قرآنی کے پورے وجوہ اور اُن کی تفصیلات کا بیان ایک نہایت طویل بحث ہے ،علماء امت نے اس پر بیسیوں مستقل کتابیں ہر زمانہ میں مختلف زبانوں میں تصنیف فرمائی ہیں،

سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں جاحظ نے نظم القرآن کے نام سے مستقبل کتاب لکھی پھر چوتھی صدی کے اوائل میں ابو عبد اللہ واسطی نے بنام اعجاز القرآن ایک کتاب تصنیف کی ،پھر اسی صدی میں ابن عیسیٰ ربانی نے ایک مختصر رسالہ بنام اعجاز القرآن لکھا ،قاضی ابو بکر باقلانی نے پانچویں صدی کے اوائل میں اعجاز القرآن کے نام سے ایک مفصل ومبسوط کتاب لکھی ،علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان اور خصائص کبریٰ میں امام ترمذی نے تفسیر کبیر میں ،قاضی عیاضؒ نے شفاء میں بڑی شرح وسط کے ساتھ اس مضمون کی

تفصیل لکھی آخری دور میں مصطفیٰ صادق رافعی مرحوم نے اعجاز القرآن کے نام سے اور جناب سید رشید رضا مصری نے الوحی المحمدی کے نام سے مستقل، جامع اور مبسوط کتابیں لکھیں، اردو زبان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک رسالہ بنام اعجاز القرآن تصنیف فرمایا۔

یہ بھی قرآن مجید کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس کے ایک ایک مسئلہ پر مکمل تفسیروں کے علاوہ مستقل رسائل و کتابیں اتنی لکھی گئی ہیں کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ عرض کرنا یہ ہے کہ یہ مضمون اپنی پوری تفصیل کے ساتھ تو اس جگہ بیان نہیں ہوسکتا، لیکن جتنا بیان ہو چکا ہے وہ بھی ایک منصف مزاج انسان کو اس پر مجبور کر دینے کے لئے کافی ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور رسول اللہ ﷺ کا عظیم الشان معجزہ تسلیم کرلے۔

قرآن کریم سے متعلق چند شبہات اور ان کے جوابات

بعض لوگوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ قرآن کے مقابلہ میں کتابیں اور مقالات لکھے گئے مگر وہ محفوظ نہ رہے ہوں۔

لیکن اگر ذرا بھی انصاف سے کام لیا جائے تو اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ جب سے قرآن نازل ہوا ، پوری دنیا میں قرآن کے ماننے والے کم اور منکرین زیادہ رہے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذرائع نشر و اشاعت جتنے منکرین قرآن کو حاصل رہے ہیں قرآن کے ماننے والوں کو اکثر قرون میں اس کا کوئی قابل ذکر حصّہ حاصل نہیں رہا، قرآن اتنا بلند بانگ دعویٰ اپنے مخالفین کے سامنے کرتا ہے، اُن کو چیلنج دیتا ہے، غیرتیں دلاتا ہے، اور مخالفین اسلام اس کے مقابلہ میں جان، مال اور اولاد سب کچھ قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں، اگر انہوں نے قرآن کا چیلنج قبول کر کے کوئی چیز مقابلہ کے لئے پیش کی ہوتی تو کیسے ممکن تھا کہ وہ ساری دنیا میں شائع نہ ہوتی، اور ہر زمانہ میں منکرینِ قرآن مسلمانوں کے مقابلہ میں اس کو پیش نہ کرتے، اور مسلمانوں کی طرف سے

اس پر جرح وقدح میں سینکڑوں کتابیں نہ لکھی گئی ہوتیں۔

اسلام کے قرون اول میں صرف ایک واقعہ مسیلمہ کذاب یمامی کا پیش آیا کہ اس نے کچھ چند بے حیائی کے اُلٹے سیدھے کلمات لکھ کر یہ کہا تھا کہ یہ وحی آسمانی قرآن کی مثل ہے،مگر دنیا جانتی ہے کہ اُن کلمات کا کیا حشر ہوا،خود اس کی قوم نے اس کے منہ پر مار دیئے ،وہ کلمات ایسے شرمناک غیر مہذب تھے کہ کسی مہذب سوسائٹی میں ان کو بیان بھی نہیں کیا جاسکتا،اور بہر حال جیسے بھی تھی وہ آج تک کتابوں میں نقل ہوتے چلے آئے ہیں،اگر کسی اور شخص نے کوئی اچھا کلام قرآن کے مقابلہ میں پیش کیا ہوتا،تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا کی تاریخ اس کو یکسر بھلا دیتی،اور منکرین قرآن اس کو ہر قیمت پر باقی رکھنے کی کوشش نہ کرتے۔

وہ لوگ جو قرآن کے مقابلہ پر ہر وقت سینہ سپر تھے قرآن کے اس چیلنج کے جواب میں انہوں نے طرح طرح کی باتیں کیں جن کو قرآن میں نقل کر کے جواب دیا گیا،مگر اس کا ایک واقعہ نہیں کہ کوئی کلام مقابلہ پر پیش کر کے اس کے قرآن کا مثل ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو ،ایک رومی غلام جو مدینہ میں لوہار کا کام کیا کرتا تھا اور کچھ تورات وانجیل پڑھا ہوا تھا،کبھی کبھی رسولِ اکرم ﷺ سے ملتا تھا،عرب کے کچھ جاہلوں نے تعصب وعناد سے یہ مشہور کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو یہ قرآنی مضامین اس نے سکھائے ہیں،قرآن نے اُن کا یہ اعتراض نقل کر کے خود جواب دیا کہ جس شخص کی طرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں وہ تو خود عجمی ہے،عربی زبان کی بلاغت کو کیا جانے ،اور یہ قرآن عربی کی انتہائی بلیغ کتاب ہے سورۂ نحل کی آیت نمبر ۱۰۳ دیکھئے:لِسَانُ الَّذِی یُلْحِدُونَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ. ''(ہم جانتے ہیں کہ یہ مخالفین اسلام یہ کہتے ہیں آپ کو یہ قرآن ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ)وہ جس آدمی کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ عجمی ہیں،اور قرآن ایک بلیغ عربی زبان میں ہے۔'' کچھ لوگوں نے قرآن کی تحدی کے جواب میں یہ کہا کہ:لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا ''اگر ہم چاہتے تو ہم بھی قرآن کے مثل کلام کہہ دیتے'' لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ پھر چاہا کیوں نہیں؟قرآن کے مقابلہ کے لئے سارا ایڑی چوٹی کا زور تو خرچ کیا،جان ومال کی

قربانی دی، اگر تمہیں اس کا مثل کلام لکھنے یا کہنے کی قدرت تھی تو قرآن کی اس تحدّی کے بعد تم نے اس کی مثل کلام بنا کر فتح کا سہرا اپنے سر کیوں نہ لیا؟

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے اس دعویٰ کے بعد مخالفین نے کچھ شریفانہ سکوت نہیں کرلیا بلکہ جو کچھ اُن کے منہ پر آیا اس کے مقابلہ پر کہتے رہے لیکن یہ پھر بھی کسی نے نہ کہا کہ ہم میں سے فلاں آدمی نے قرآن جیسا فلاں کلام لکھا ہے، اس لئے قرآن کا یہ دعویٰ یکتائی (معاذ اللہ) غلط ہے۔

بعض معاندین کو یہ سوجھی کی رسولِ اکرم ﷺ جو قبل از نبوت کے لئے ملک شام تشریف لے گئے، اور راستہ میں بُحیراء راہب سے ملاقات ہوئی وہ تورات کا ماہر تھا، اس سے آپ نے علوم سیکھے، مگر کوئی ان سے پوچھے کہ ایک دن کی ایک ملاقات میں اس سے یہ سارے علوم و معارف فصاحت و بلاغت کا اعجاز، اخلاقی تربیت، نظامِ خانگی، نظامِ مملکت کیسے سیکھ لئے۔

آج کل کے بعض معترضین نے کہا کہ کسی کلام کی مثل نہ بنایا جانا اس کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ خدا کا کلام یا معجزہ ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا ماہر بلاغت کوئی نثر یا نظم ایسی لکھے کہ دوسرے آدمی اس کی نظیر نہ لاسکیں۔ سعدی شیرازی کی گلستان، فیضی کی تفسیر بے نقط کو عام طور پر بے مثل و بے نظیر کتابیں کہا جاتا ہے تو کیا وہ بھی معجزہ ہیں؟

لیکن اگر ذرا غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ سعدی اور فیضی کے پاس سامانِ تعلیم و تالیف کس قدر موجود تھا، کتنے عرصہ تک انہوں نے تعلیم حاصل کی، برسوں مدرسوں میں پڑے رہے، راتوں جاگے، مدتوں محنتیں کیں، بڑے بڑے علماء کے سامنے زانوئے ادب طے کئے، سالہا سال کی محنتوں اور دماغ سوزیوں کے نتیجہ میں اگر بالفرض فیضی یا حریری یا متنبّی یا کوئی اور عربی زبان میں اور سعدی فارسی میں اور ملٹن انگریزی میں یا ہومر یونانی میں یا کالی داس سنسکرت میں ایسے ہوئے ہیں کہ ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہوگیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

معجزہ کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ اسبابِ متعارفہ کے توسط کے بغیر وجود میں آئے، کیا ان لوگوں کی باقاعدہ تحصیل علوم، استادوں کے ساتھ طویل ملازمت وصحبت، وسیع مطالعہ، مدتوں کی مشاقی ان کی علمی مہارت کے کھلے ہوئے اسباب نہیں ہیں؟ اگر ان کے کلام دوسروں سے ممتاز ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جس نے کبھی کتاب وقلم کو ہاتھ نہ لگایا ہو، کسی مدرسہ ومکتب میں قدم نہ رکھا ہو، وہ ایسی کتاب دنیا کے سامنے پیش کرے کہ ہزاروں سعدی اور لاکھوں فیضی اس پر قربان ہو جانے کو اپنا سرمایۂ فخر سمجھیں، اور ان کو جو کچھ علم وحکمت حاصل ہوئی اس کو بھی آپ ہی کے فیضِ تعلیم کا اثر قرار دیں، اس کے علاوہ سعدی اور فیضی کے کلام کا مثل پیش کرنے کی کسی کو ضرورت بھی کیا تھی؟ کیا انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور اپنے کلام کے بے مثل وبے نظیر ہونے کو اپنا معجزہ کہا تھا، اور دنیا کو اس کا چیلنج دیا تھا کہ ہمارے کلام کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی جس کے نتیجہ میں لوگ اس کا مقابلہ کرنے اور مثال پیش کرنے کے لئے مجبور ہوتے۔

پھر قرآن کی صرف فصاحت وبلاغت اور نظم وترتیب ہی بے مثال نہیں، لوگوں کے دل ودماغ پر اس کی تاثیراتِ عجیبہ اس سے زیادہ بے مثال اور حیرت انگیز ہیں، جن کی وجہ سے قوموں کے مزاج بدل گئے، انسانی اخلاق میں ایک کایا پلٹ ہوگئی، عرب کے تند خو، گنوار، حلم واخلاق اور علم وحکمت کے استاد مانے گئے، ان حیرت انگیز انقلابی تاثیرات کا اقرار صرف مسلمان نہیں موجودہ زمانے کے سینکڑوں غیر مسلموں نے بھی کیا ہے، یورپ کے مستشرقین کے مقالات اس بارے میں جمع کئے جائیں تو ایک مستقل کتاب ہو جائے، حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام ''شہادۃ الاقوام علی صدق الاسلام'' تحریر فرمائی ہے۔ اس جگہ چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر گستاولی بان نے اپنی کتان ''تمدن عرب'' میں صفائی سے اس حیرت انگیزی کا اعتراف کیا، اُن کے الفاظ کا ترجمہ اردو میں یہ ہے: ''

اس پیغمبر اسلام اس نبی امّی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے، جس کی آواز

نے ایک قوم ناہنجار کو جو اُس وقت تک کسی ملک گیر کے زیرِ حکومت نہ آئی تھی رام کیا، اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیروزبر کر ڈالا، اور اس وقت بھی وہی نبی اُمّی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگانِ خدا کو کلمۂ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہیں"

مسٹر وڈول جس نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا ہے لکھتا ہے کہ: "جتنا بھی ہم اس کتاب یعنی قرآن کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اُسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، لیکن فوراً ہمیں مسخر کر لیتی ہے، متحیّر بنا دیتی ہے، اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے، اس کا طرزِ بیان باعتبار اس کے مضامین اور اغراض کے، عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں، غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پُرزور اثر دکھاتی رہے گی (شہادۃ الاقوام)

مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں مسٹر کونٹ ہنروی کی کتاب الاسلام کا ترجمہ عربی میں شائع کیا تھا، اصل کتاب فرنچ زبان میں تھی، اس میں مسٹر کونٹ نے قرآن کے متعلق اپنے تأثرات ان الفاظ میں ظاہر کئے ہیں: "عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل اُمّی تھا، تمام مشرق نے اقرار کر لیا ہے کہ نوعِ انسانی لفظاً و معنیً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطاب کو مطمئن کر دیا، اُن کو خدا کا معترف ہونا پڑا، یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے، اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۶ ص ۵۹۹ میں ہے: "قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں، بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں، مظاہر قدرت، تاریخ الہاماتِ انبیاء کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت، مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے، بالخصوص حضرت محمد ﷺ کے واسطہ سے خدا کو واحد اور

قادرِ مطلق ظاہر کیا گیا ہے، بُت پرستی اور مخلوق پرستی کو بلا لحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے، قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔"

انگلستان کے نامور مورّخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف (سلطنتِ روما کا انحطاط وزوال) کی جلد ۵ باب ۵۰ میں لکھتے ہیں: "قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے، قانونِ اساسی ہے، اور صرف اصول مذہب ہی کے لئے نہیں، بلکہ احکامِ تعزیرات کے لئے اور قوانین کے لئے بھی ہے جن پر نظام کا مدار ہے، جن سے نوعِ انسانی کی زندگی وابستہ ہے، جن کو حیاتِ انسانی کی ترتیب وتنسیق سے گہرا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) کی شریعت سب پر حاوی ہے، یہ شریعت ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی،

اس جگہ مستشرقینِ یورپ کے اقوال واعتراف کا استیعاب کرنا نہیں کہ اس کی گنجائش نہیں، نمونہ کے طور پر چند اقوال نقل کئے گئے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ باعتبار فصاحت وبلاغت کے اور باعتبار اغراض ومقاصد کے اور باعتبار علوم ومعارف کے قرآن کے بے نظیر وبے مثل ہونے کا اقرار صرف مسلمانوں نے نہیں ہر زمانہ کے منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ قرآن نے ساری دنیا کو اپنی مثال لانے کا چیلنج دیا تھا اور کوئی نہ لا سکا، آج بھی ہر مسلمان دنیا کے ماہرینِ علم وسیاست کو چیلنج کر کے کہہ سکتا ہے کہ پوری دنیا کی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا دکھلا دو کہ ایک بڑے سے بڑا ماہر حکیم فیلسوف کھڑا ہو اور ساری دنیا کے عقائد ونظریات اور رسوم وعادات کے خلاف ایک نیا نظام پیش کرے، اور اس کی قوم بھی اتنی جاہل گنوار ہو، پھر وہ اتنے قلیل عرصہ میں اس کی تعلیم کو بھی عام کر دے اور عملی تنفیذ کو بھی اس حد پر پہنچا دے کہ اس کی نظیر آج کے مضبوط ومستحکم نظاموں میں ملنا ناممکن ہے۔ دنیا کی پہلی تاریخ میں اگر اس کی کوئی نظیر نہیں تو آج تو بڑی روشنی، روشن خیالی، بڑی تیز رفتاری کا زمانہ

ہے،آج کوئی کر کے دکھلا دے،اکیلا کوئی نہ کر سکے تو اپنی قوم کو بلکہ دنیا کی ساری اقوام کو جمع کر کے اس کی مثال پیدا کر دے۔ **فاِن لم تفعلوا ولَنْ تفعَلُوا فا تَّقُوا النَّار الَّتِی وقُودُها النَّاسُ والحِجارةُ ۔اُعِدَّتْ لِلْکافرینَ.** ''اگر تم اس کی مثال نہ لا سکے اور ہرگز نہ لا سکو گے تو پھر اس جہنم کی آگ سے ڈرو، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔'' (بحوالہ از معارف القرآن جلد اول)

یا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۹۴

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کا مقام اخروی لحاظ سے بھی سب سے اونچا ہوگا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چرانوے نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے"رسولِ اکرم ﷺ کی امت کا مقام اخروی لحاظ سے بھی سب سے اونچا ہوگا" آج جمعرات کا دن ہے فجر کی نماز سے فراغت کے بعد روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں اور رسولِ اکرم ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذاتِ باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحبِ خصوصیت ﷺ کے روضہ مبارک کے سائے تلے بیٹھ کر ان کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، اور امید بھی یہی ہے کہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی وہی اللہ انشاء اللہ میری اس کاوش کو مقبول ومنظور بھی فرمائے گا، اور روز قیامت میری یہی کاوش میری نجات کا باعث ہوگی، انشاء اللہ۔

بہرحال محترم قارئین! اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمارے نبی ﷺ کو دنیاوی زندگی کے اعتبار سے بہت سی بے مثال خصوصیات عطا فرمائیں، اور خصوصی فضائل سے نوازا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اخروی لحاظ سے ہمارے نبی ﷺ کو خصوصی فضائل سے نوازا، جیسا کہ یہ خصوصیت جو آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے، اگر چہ یہ خصوصیت آپ ﷺ کی امت سے متعلق ہے، لیکن چونکہ امت کو بھی یہ فضیلت آپ ﷺ ہی کی برکت سے عطا ہوئی تو حقیقتاً یہ خصوصیت آپ ﷺ ہی کی ہے، کہ آپ ﷺ کی امت کا مقام جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اعتبار سے اونچا رکھا، اسی طرح اخروی لحاظ سے بھی اونچا رکھا، آنے والے اوراق میں

احادیث کی روشنی میں اسی خصوصیت کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے، ملاحظہ فرمایئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مقام کو جان کر صحیح معنوں میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

چرانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں میری شفاعت صرف میری امت کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوگی ترمذی، ابوداود اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کی معافی کی میری شفاعت صرف میری امت کے لوگوں کے حق میں مخصوص ہوگی، دوسری امتوں کے لوگوں کے لئے نہیں ہوگی۔

طیبیؒ نے کہا ہے کہ یہاں جس شفاعت کا ذکر ہے اس وہ شفاعت مراد ہے عذاب سے نجات اور خلاصی دلانے کے لئے ہوگی ورنہ وہ شفاعت جو درجات کی بلندی اور اعزاز و کرامات میں اضافہ کے لئے ہوگی اتقیاء اولیاء اور صلحاء کے حق میں ثابت ہے۔ واضح رہے کہ شفاعت کی مکمل تفصیل پیچھے گزر چکی ہے البتہ شفاعت کے بارے میں کچھ باتیں یہاں بھی نقل کی جا رہی ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک قیامت کے دن شفاعت و سفارش کا ہونا اس آیت سے ثابت ہے۔ یومئذ لاتنفع الشفاعة الامن اذن له الرحمٰن ورضی له قولا ''اس دن کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے خدا اجازت دے اور اس بات کو پسند فرمائے۔

نیز اس بارے میں اتنی زیادہ احادیث منقول ہیں کہ وہ سب مل کر حد تواتر کو پہنچتی ہیں اس لئے تمام سلف صالحین (صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین وغیرہ) اور تمام اہل سنت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے، ہاں خوارج اور معتزلہ کے بعض طبقے اس کے منکر ہیں اور وہ قیامت کے دن شفاعت کے قائل نہیں ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ "شفاعت" کی پانچ قسمیں ہیں پہلی وہ جو آنحضرت ﷺ کے واسطے مخصوص ہے، اس شفاعت کا حق و اذن کسی اور کو حاصل نہیں ہوگا، اور یہ شفاعت وہ ہوگی جس کا تعلق تمام لوگوں کو موقف (میدان حشر میں کھڑے رہنے کی ہولناکیوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا دلا کر حساب وکتاب جلد شروع کرانے سے ہوگا۔ دوسری قسم وہ ہے جو لوگوں کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دینے کے لئے ہوگی اور اس شفاعت کا ثبوت بھی ہمارے حضور ﷺ کے لئے منقول ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہیں دوزخ کا مستوجب قرار دیا گیا۔ چنانچہ ان میں سے جن لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی شفاعت ہمارے حضرت نبی کریم ﷺ کریں گے چوتھی قسم وہ ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈالا جا چکا ہوگا، پس ان لوگوں کی شفاعت کے سلسلے میں جو حدیثیں منقول ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ، فرشتوں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی جانب سے کی جانے والی شفاعت کے نتیجہ میں دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچائے جائیں گے اور پھر آخر میں خود اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت کے تحت ان لوگوں کو عذاب دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا، جنہوں نے لاالـہ الا اللہ کہا ہوگا، اور پانچویں قسم وہ ہے جس کا تعلق جنت میں اہل ایمان کے درجات میں بلندی اور اعزاز وکرامات میں اضافہ سے گا۔

اور حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے بارگاہ رب العزت کی جانب سے مجھے ان دو باتوں میں سے ایک بات چن لینے کا اختیار دیا کہ یا تو میری آدھی امت جنت میں داخل ہو جائے یا سب کے حق میں شفاعت کا حق مجھے حاصل ہو، پس میں نے اپنی پوری امت کے حق میں ،شفاعت کا حق حاصل ہونے کو چن لیا تاکہ بلا استثناء سب ہی مومن و مسلمان اس سے فیضیاب ہوں اور کوئی بھی محروم نہ رہے چنانچہ میری شفاعت میری امت میں سے ہر اس شخص کے لئے طے شدہ ہے جس نے اس حال میں اپنی جان آفرین کے سپرد کی ہو کہ اللہ کے بارے میں شرک میں مبتلا نہیں تھا۔ حاصل یہ کہ قیامت کے دن تمام اہل ایمان کو میری

شفاعت نصیب ہونا یقینی ہے (ترمذی، ابن ماجہؒ) اور حضرت عبداللہ بن ابی جدعاءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا! میری امت کے ایک بزرگ وصالح شخص کی شفاعت سے بنی تمیم کے آدمیوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے (ترمذی، دارمی، ابن ماجہؒ)

تشریح...... بنوتمیم ایک بہت بڑے قبیلے کا نام تھا، جس کے افراد کثرت وزیادتی کے اعتبار سے بطور مثال پیش کیے جاتے تھے۔ حاصل یہ کہ جب اس امت کے ایک اچھے آدمی کی شفاعت کے نتیجے میں اتنے زیادہ لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے تو اندازہ کرنا چاہیے کہ اس امت میں اچھے لوگوں کی کتنی تعداد ہوگی اور ان میں سے ہر ایک شفاعت کرے گا، پس ان سب کی شفاعتوں کے نتیجہ میں امت محمدی کے لوگوں کی کتنی بڑی تعداد جنت میں داخل کی جائے گی۔ بعض محدثین حضرات نے ''میری امت کے ایک شخص'' کو متعین کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے حضرت عثمانؓ کی ذات مراد ہے، بعض نے حضرت اویس قرنیؒ کا نام لیا ہے اور کچھ اس نے کہا ہے کہ یہ تعین مشکل ہے اور کوئی بھی شخص مراد ہوسکتا ہے، اسی قول کو زین العرب نے حدیث کے مفہوم سے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔

اور حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے جن لوگوں کو شفاعت کا حق واذن حاصل ہوگا، جیسے علماء، شہدا اور صلحاء، ان میں سے کوئی تو اپنے متعلقین کی جماعتوں کی شفاعت کرے گا، کوئی ایک عصبہ کے لوگوں کے برابر اپنے متعلقین کی شفاعت کرے گا، اور کوئی اپنے متعلق صرف ایک آدمی کی سفارش کریگا، غرضیکہ اسی طرح ہر ایک شفاعت کے نتیجہ میں ساری امت جنت میں داخل ہوجائے گی۔ (ترمذی)

تشریح...... قبیلہ'' ویسے تو بڑے خاندان، یا ایک باپ کی کئی پشتوں کے بیٹوں کو کہتے ہیں، لیکن عام طور پر اس لفظ کا اطلاق، ''بہت زیادہ لوگوں'' پر ہوتا ہے اور عصبہ دس سے چالیس تک افراد کی ٹولی کو کہتے ہیں۔

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: خداعزوجل نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمیوں کو بلاحساب وکتاب اور مواخذہ وعذاب میں مبتلا کیے بغیر جنت میں داخل فرمائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ ارشاد سن کر عرض کیا کہ

یارسول اللہ! ہماری اس تعداد میں اضافہ کر دیجئے یعنی اللہ تعالیٰ سے اس تعداد میں اور اضافہ کرنے کی درخواست کر دیجئے، یا یہ کہ پروردگار نے آپ ﷺ سے چیز کا وعدہ کیا ہے اس کو بڑھا کر بیان کیجئے، کیونکہ آپ ﷺ رحمت خداوندی پر اعتماد کر کے ہم سے جتنا زیادہ بیان بیان کریں گے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائے گا آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا اتنا اور زیادہ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے چلو بنایا حضرت ابو بکر نے پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہماری اس تعداد و مقدار میں اور اضافہ کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے پھر چلو بنا کر کہا کہ اچھا اتنا اور زیادہ حضرت عمر بھی اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے محسوس کر کے کہا کہ حضرت ابو بکرؓ بس اب ہمیں رہنے دیجئے یعنی اتنی رعایت نہ کرائیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کرم وعنایت ہی پر اعتماد کر کے بیٹھ جائیں اور عذاب خداوندی کے خوف سے اسطرح بےفکر ہو جائیں کہ عمل کرنا ہی ترک کر دیں، حضرت ابو بکرؓ نے یہ سن کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو بغیر حساب کتاب ومواخذہ کے جنت میں بھیج دے تو تمہارا کیا نقصان ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر اللہ عزوجل اپنی ساری مخلوق کو جنت میں داخل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے پھر بار بار درخواست کرنے کی کیا ضرورت ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر فرمایا کہ: ''عمر نے بالکل سچ کہا۔'' اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

تشریح...... (یہ کہہ کر) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے چلو بنایا یعنی ابو بکرؓ کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو چلو بنا کر گویا ان کے آگے اور فرمایا کہ اتنے اور لوگوں کا اضافہ کرتا ہوں! اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ کو چلو بنانا اور یہ کہنا کہ ''اچھا اور اتنا زیادہ'' دراصل حق تعالیٰ کے فعل کی حکایت کے طور پر تھا، یعنی یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میں نے بلا حساب جنت میں جانے والوں کی مذکورہ تعداد متعین طور پر بیان نہیں کی ہے بلکہ اس تعداد سے ''کثرت'' مراد ہے، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس طرح چلو بھر کر یعنی بیشمار اور بے تعداد لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا اس لئے حدیث کے شارحین نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر چلو بنانے کی تمثیل اس حقیقت کے پیش نظر

اختیار کی کہ دل کھول کر دینے والے کی شان یہی ہوتی ہے کہ جب اس سے زیادہ دینے کی درخواست کی جاتی ہے تو وہ تعداد و مقدار سے صرف نظر کر کے چلو بھر بھر کے بے حساب دیتا ہے۔ پس چلو بھر کر دینا دراصل ایک تمثیل ہے جو زیادہ سے زیادہ دینے کی شان کو ظاہر کرتی ہے۔ اس حدیث میں ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق جو کو کچھ ذکر ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مذکورہ مسئلہ میں ان دونوں کے درمیان کوئی ذہنی وفکری اختلاف تھا، بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو کچھ کہا وہ اظہار عجز و بیچارگی، رحمت خداوندی کے تئیں بھر پور امیدواری اور نیازمندی اور درخواست گزاری کے قبیل سے تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا وہ مصلحت و حکمت اور تسلیم ورضا کے قبیل سے تھا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی کہ پہلے تو حضرت ابوبکرؓ کی درخواست کو قابل اعتناء قرار دیا اور ان کو جواب نہیں دیا اور حضرت عمرؓ کی تصدیق کر کے ان کو بھی مزید پسندیدگی عنایت فرمادی! اس بات کو ایک دوسرے نکتہ نظر سے بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی درخواست کا مثبت جواب دے کر گویا یہ ظاہر فرمایا کہ عمل کے راستے پر لگنے اور دین وشریعت کی طرف متوجہ رہنے میں ایک بڑا دخل "بشارت کا بھی ہے، لہذا آپ ﷺ نے اس بشارت کو (کہ اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑی تعداد کو جنت میں داخل کر دے گا) اور زیادہ وسعت عطا فرمائی ، پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے قول کی تصدیق کر کے اس طرف اشارہ کیا کہ عمرؓ نے جو بات کہی ہے وہ بشارت ہی ہے بلکہ پہلی بشارت سے بھی بڑی بشارت ہے۔ اس اعتبار سے دونوں کا مافی الضمیر ایک ہی تھا۔

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اہل ایمان میں سے جو لوگ اپنے گناہوں کے سبب دوزخی قرار دیئے جاچکے ہوں گے وہ اہل جنت یعنی علماء اخیار اور صلحاء وابرار کے راستوں میں صف باندھے کھڑے رہتے ہیں اور پھر جب ایک جنتی ان کے سامنے سے گزرے گا تو ان دوزخیوں میں سے ایک شخص اس جنتی کا نام لیکر کہے گا اے فلانے! کیا تم مجھے نہیں پہنچانتے ؟ میں وہ شخص ہوں جس نے ایک مرتبہ تم کو پانی پلایا تھا انہیں

میں سے کوئی شخص یہ کہے گا کہ میں وہی آدمی ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں وضو کے لئے پانی دیا تھا وہ جنتی یہ سن کر اس کی شفاعت کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرائے گا۔ (ابن ماجہ)

تشریح...... اس سے معلوم ہوا کہ فاسق و گناہ گار اگر اس دنیا میں اہل دین اور ارباب طاعت وتقویٰ کی کوئی خدمت وامداد کریں گے تو اس کا بہتر ثمرہ عقبیٰ میں پائیں گے اور ان کی مدد وشفاعت سے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔

حضرت مظہرؒ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس امر کی ترغیب دی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں اور خصوصاً بزرگ و نیک لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور مروت واحسان کا برتاؤ کرنا چاہئے اور جب بھی ان کی ہم نشینی وصحبت میسر ہو جائے اس کو اختیار کرنے کا موقع گنوانا نہ چاہئے کیونکہ ان کی صحبت اور محبت دنیا میں حصول زینت وپاکیزگی اور آخرت میں حصول نور کا باعث ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اہل ایمان میں سے جو لوگ اپنے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں داخل ہوں گے ان میں سے دو آدمی بہت زیادہ شور مچائیں گے یعنی رونا دھونا اور آہ وفریاد شروع کردیں گے اور خوب چیخیں چلائیں گے پروردگار دوزخ کے فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان دونوں کو باہر نکالو اور جب وہ باہر آئیں گے تو ان سے فرمائے گا کہ کیوں اس قدر چیخ چلا رہے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اس لئے چیخ چلا رہے تھے تا کہ آپ کی رحمت ہمارے طرف متوجہ ہو جائے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپ اس شخص کو پسند کرتے ہو جو آپ کے آگے روئے دھوئے اور آہ وفریاد کرے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے حق میں میری رحمت یہی ہے کہ تم واپس جاؤ اور دوزخ میں جہاں تھے وہیں پڑے رہو۔ ان میں سے ایک شخص تو یہ سنتے ہی کامل اطاعت اور رضاء الٰہی کی طلب میں) واپس ہو جائے گا اور خود کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا اور اللہ تعالیٰ اس آگ کو اس کے لئے ٹھنڈا کردے گا جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم کے لئے آگ کو گل وگلزار بنادیا تھا اور دوسرا شخص اپنے کو اس معاملے میں بالکل بے بس پاتا ہوا اور اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم پر کامل یقین رکھتے ہوئے وہیں کھڑا رہیگا اور خود کو آگ میں نہیں ڈالے گا!

اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے خود کو آگ میں کیوں نہیں ڈالا جب کہ تیرا ساتھی میرا حکم سنتے ہی چلا گیا اور آگ میں کود پڑا؟ وہ عرض کرے گا کہ پروردگار میں اسی امید پر قائم ہوں کہ آپ نے مجھے دوزخ سے باہر بلوالیا ہے تو اب دوبارہ وہاں نہیں بھیجیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا! تو نے جو امید قائم کی ہے وہ تیرے حق میں پوری کی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ دونوں شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کے صدقے میں ایک ساتھ جنت میں داخل کردیئے جائیں گے۔ (ترمذیؒ)

تشریح...... تمہارے حق میں میری رحمت یہی ہے کہ تم واپس جاؤ الخ کے سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے ہوسکتا ہے کہ دوزخ میں واپس جا کر سپردِ آگ ہونے کو رحمت پر کس اعتبار سے حمل کیا گیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہوگا کہ یہ ارشاد اصل سبب کو سبب پر حمل کرنے کے اسلوب سے تعلق رکھتا ہے! وضاحت کے ساتھ اس بات کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کو دوزخ میں اس کے قصور کی پاداش میں داخل کیا جائیگا کہ انہوں نے اس بات کی اطاعت کے حکم کے ذریعہ کہ وہ دوزخ میں واپس جا کر اپنے آپ کو آگ کے سپرد کردیں۔ اس امر پر تنبیہ کی جائے گی کہ رحمت خداوندی کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو ہر حالت میں اس کے حکم کی اطاعت و فرمابرداری کرے۔

''تو نے جو امید قائم کی ہے وہ تیرے حق میں پوری کی جاتی ہے'' سے ثابت ہوا کہ بندہ کا پروردگار پر امید باندھنا اس کے عطاوکرم کے حصول میں بہت موثر ہے، خواہ وہ بندہ اپنے عجز و ناتوانی کے سبب اطاعت و فرمابرادری کے دائرہ سے باہر نکلا ہوا کیوں نہ ہو۔

(بحوالہ جستہ جستہ مظاہر حق جلد پنجم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

چنانچہ محترم قارئیں مندرجہ بالا تمام احادیث سے یقیناً اندازہ ہوا ہوگا کہ اخروی لحاظ سے آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر نوازا ہے اور کتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے رب کی رضا میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

خصوصیت نمبر ۹۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچانوے نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے، اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں۔

بہرحال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا، جیسا کہ اس کی وضاحت آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، اور جب ہم دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو کہیں کسی نبی یا رسول کے بارے میں یہ نظر نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی یا رسول کے بارے میں خود فرمائیں کہ ہم نے انہیں پڑھایا، صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا یہ خاصہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا، اور قرآن کریم میں اس کا اعلان بھی فرمایا جیسا کہ آگے آپ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عظیم نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

پچانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے عَلَّمَکَ مَالَم تَکُن تَعلَم ترجمہ: تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا۔

قرآن مجید کی آیات متعددہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے۔ اب لفظ علمک ظاہر کرتا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی تھی۔

دنیا میں شاگرد کو تعلیم قوت شنوائی و بینائی یعنی حسیات کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔

پھر جب یہ تعلیم حواس انسانی میں قیام پذیر ہو جاتی ہے تو اس کا نام ''تعلیم پانا'' رکھا جاتا ہے۔

انبیاء کی تعلیم ان کے قلب سے شروع ہوتی ہے انزلنهٗ عَلٰی قَلْبِکَ لہٰذا اللہ کی تعلیم دینے میں اور بندہ کی تعلیم دینے میں بڑا نمایاں تفاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی۔ ہم تجھے پڑھائیں گے اور پھر تو نہ بھولے گا۔ تعلیم ربانی کا نسیان سے برتر ہونا وہ خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی معلم یا متعلم میں نہیں پائی جا سکتی۔ جب ہم قرآن پاک پر تدبر کی نگاہ ڈالتے ہیں اور احادیث پاک کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں احوال ماضیہ بھی موجود ہیں اور اخبار مستقبلہ بھی مذکور ہیں اور عہد حال کے احکام بھی بکثرت ہیں، تب یقین ہو جاتا ہے کہ نبی الامی کو ٹھیک اللہ تعالیٰ ہی سے تعلیم ملی تھی جو ماضی و حال و استقبال کا علم رکھنے والا ہے۔

نبی ﷺ کے لئے یہ خصوصیت نہایت خاص ہے کہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جن کو ان پڑھ ہونے پر فخر حاصل تھا۔ ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو ممالک متمدنہ سے بالکل الگ تھلگ ہے، پھر چالیس سال تک حضور ﷺ کی زبان تعلیم و تعلم سے ناآشنا بھی رہی۔

لیکن جب رب العالمین نے حضور ﷺ کو اپنے تلمذ میں لیا تو حضور ﷺ نے جملہ علوم و معارف اور حقائق و معانی کے دفتر کھول دیئے۔ آیت اولین: اقرء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق. پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا۔ پر نگاہ ڈالیے کہ حضور ﷺ کی الف، با، تا حقیقت خلقت انسانی سے شروع ہوتی ہے یہ وہ مسئلہ دقیق ہے جس میں منتہی فلسفی بھی حیران ہیں۔ لہٰذا آیت بالا حضور ﷺ کی خصوصیت کی مظہر ہے۔ (بحوالہ رحمۃ للعلمین ج۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۹۶

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کواللہ تعالیٰ نے نبیوں والا کام (تبلیغی کام) عطا فرمایا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھیانوے نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی امت کواللہ تعالیٰ نے نبیوں والا کام (تبلیغی کام) عطا فرمایا'' بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذاتِ باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحبِ خصوصیت ﷺ کے روضہ مبارک کے سائے تلے بیٹھ کران کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکرادا کروں کم ہے، اور امید بھی یہی ہے کہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی وہی اللہ انشاء اللہ میری اس کاوش کو مقبول ومنظور بھی فرمائے گا، اور روز قیامت میری یہی کاوش میری نجات کا باعث ہوگی، انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! جیسا کہ اس سے قبل بھی آپ کچھ ایسی خصوصیات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جو آپ ﷺ کی امت سے متعلق ہیں تو چونکہ وہ تمام خصوصیات بھی حضور ﷺ ہی کے صدقے امت کو ملیں تو حقیقتاً وہ آپ ﷺ ہی کی خصوصیات ہیں، منجملہ ان خصوصیات میں سے ایک عظیم خصوصیت ذیل میں آرہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسی عظیم امت عطا فرمائی کہ جسے انبیاء کرامؑ والا کام نصیب ہوا، یعنی دعوت وتبلیغ کا عظیم کام جسے پہلے صرف اور صرف انبیاء کرامؑ ہی کیا کرتے تھے، لیکن چونکہ ہمارے نبی ﷺ آخری نبی ہیں، اور آپ ﷺ کے بعد اب قیامت تک کسی اور نبی نے نہیں آنا تو آپ ﷺ کی ختم نبوت کے صدقے اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم کام امتِ محمدیہ کے سپرد کردیا، چنانچہ آنے والے اوراق میں

تفصیل کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے، جس میں آپ دعوت وتبلیغ کے فضائل، اہمیت، موجودہ دور میں اس کام کی ضرورت، اور اس کام کو کرنے کے لئے رہنما اصول اسکے علاوہ دیگر اور بھی بہت سی کارآمد باتیں ملاحظہ فرمائیں گے انشاءاللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عظیم کام میں جڑنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

چھیانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

دعوت وتبلیغ کی ترغیب قرآن کریم کی روشنی میں

آیت نمبر۱......ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ! تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کی (نفع رسانی) کے لئے نکالے گئے ہو۔ تم لوگ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور بُرے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے ہو۔ (پ۴،ر۳)

آیت نمبر۲......فرمان باری تعالیٰ ہے کہ! عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر (وبرکت) نہیں ہوتی مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ صدقہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کرنے کی ترغیب دیتے ہیں (اور اس تعلیم وترغیب کے لئے خفیہ تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں ان کے مشوروں میں البتہ خیر وبرکت ہے) اور جو شخص یہ کام (یعنی نیک اعمال کی ترغیب محض) اللہ کی رضا کے واسطے کریگا (نہ کہ لالچ یا شہرت کے غرض سے) اس کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (پ۵،ر۱۴)

آیت نمبر۳......فرمان باری تعالیٰ ہے کہ! اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور بُرے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہونگے۔ (پ۴،ر۲)

آیت نمبر۴......اعلان باری تعالیٰ ہے کہ! اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے؟ جو خدا تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے

ہوں۔ (پ۲۴،۱۹)

فائدہ...... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کو بلائے وہ اس بشارت اور تعریف کا مستحق ہے خواہ کسی بھی طریقے سے بلائے۔ مثلاً انبیاءؑ معجزہ وغیرہ کے ذریعے بلاتے ہیں اور علماء دلائل سے، مجاہدین تلوار سے، اور مؤذنین اذان سے، غرض جو بھی کسی شخص کو دعوت الی الخیر کرے وہ اس میں داخل ہے۔

آیت نمبر۵...... قرآن کریم کی ایک آیت کا مفہوم ہے کہ! بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر کہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ (پ۲۱،۱۱)

فائدہ...... مندرجہ بالا آیات قرآنی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کے قرآن کریم میں کس قدر فضائل بیان فرمائیں ہیں اور فکر نبوی ﷺ کو اپنانے کی کس قدر ترغیب دی ہے۔ ان آیات سے واضح طور پر ہمیں یہ بات سمجھ میں آجانی چاہئے کہ درِ دامت کو اپنے قلوب میں بسانا، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو راہ ہدایت دکھانا ہماری اہم ترین ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہی مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی بھلائی مضمر ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو درِ دامت وفکر نبوی ﷺ سے سرشار فرمائیں۔ آمین

اب ہم دعوت تبلیغ کے فضائل احادیث کی روشنی میں بیان کرنا چاہیں گے۔ انشاءاللہ لیجئے ملاحظہ فرمایئے:

دعوت وتبلیغ کی ترغیب احادیث کی روشنی میں

ایمان کا آخری درجہ

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ کا ارشادگرامی ہے کہ! جو شخص کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اس پر قدرت ہو کہ اسکو ہاتھ سے بند

کر دے تو اس کو بند کر دے اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو برُا سمجھے اور یہ ایمان کا بہت ہی کم (یعنی آخری) درجہ ہے۔

(ترمذی شریف)

تبلیغ نہ کرنے کا انجام

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ! بنی اسرائیل میں سب سے پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع کرتا کہ دیکھ اللہ سے ڈر ایسا نہ کر لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست و برخاست میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے بعضوں کے قلوب کو بعضوں کے ساتھ خلط کر دیا (یعنی نافرمانوں کے قلوب جیسے تھے، انکی نحوست سے فرماں برداروں کے قلوب بھی ویسے ہی کر دیئے گئے) پھر ان کی تائید میں کلام پاک کی آیتیں لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْ سے فَاسِقُوْنَ تک پڑھیں اس کے بعد حضور ﷺ نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔ (ترمذی شریف)

امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے رہیں

حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ دولت کدہ پر تشریف لائے تو میں نے چہرہ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ آپ ﷺ نے کسی سے کوئی بات چیت نہیں فرمائی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں حجرے کی دیوار سے لگ کر سننے کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا کہ وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو۔ تم سوال

کرواور سوال پورا نہ کیا جائے تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ یہ کلمات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ (ابن ماجہ)

کلمہ توحید کے حقوق

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ! (کلمہ توحید) لاالہ الااللّٰہ (محمدرسول اللّٰہ) کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب اور بلاکو رفع کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی واستخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اسکے حقوق سے بے پرواہی واستخفاف کیئے جانے کا کیا مطلب ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کیجائیں اور ان کو بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ (فضائل اعمال)

دنیا میں ہی عذاب

حضرت جریر بن عبداللہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ! اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت اور قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔ (ابوداؤد شریف)

تبلیغ والوں کے لئے انعام

حضرت ابوذر غفاریؓ روایت نقل فرماتے ہیں کہ! حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ کیا مشرکین سے جنگ کے بغیر بھی جہاد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں اے ابوبکر اللہ تعالیٰ کے ایسے مجاہدین بھی زمین پر ہیں جو کہ ان شہداء سے افضل ہیں جو زندہ ہیں انہیں روزی ملتی ہے یہ زمین پر چل رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ آسمان سے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتے ہیں ان کے لئے جنت سجائی جاتی ہے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا نیکی کا حکم کرنے

والے، برائی سے روکنے والے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے والے۔ پھر ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ بندہ بلند ترین مکان میں ہوگا جو شہداء کے مکانات سے بلند ہوگا ہر مکان کے تین سو دروازے ہوں گے یاقوت اور سبز زمرد کے۔ ہر دروازے پر روشنی ہوگی۔ ایسا آدمی تین لاکھ حوروں سے نکاح کرے گا جو انتہائی پاکباز اور خوبصورت ہوں گی جب بھی وہ کسی ایک کی طرف دیکھے گا تو وہ کہے گی، آپ نے فلاں دن اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور آپ نے اسی طرح نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ الغرض جب بھی کسی حور کی طرف دیکھے گا تو وہ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے اس کا ایک اعلیٰ مقام بتائی گی۔ (بحوالہ احیاء العلوم ج ا)

اسلام کی دعوت کو پھیلانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں کہ! مسلمانوں کی اصلی شناخت یہی ہے کہ یا تو اسلام کی دعوت اور عملی جد جہد میں مشغول ہوں، یا پھر اس دعوت وعملی جد جہد میں مشغول ہونے والوں کے لئے پشت پناہ و مددگار ہوں اور اس کے ساتھ بھی عملی جد جہد میں حصہ لینے کا عزم اور شوق رکھتے ہوں، مطمئن شہری اور محض کاروباری زندگی اسلامی زندگی نہیں، اور کسی طرح بھی یہ ایک مسلمان کا مقصود حیات نہیں ہوسکتا۔ جائز مشاغل زندگی، جائز وسائل معیشت ہرگز ممنوع نہیں بلکہ نیت اور اجر طلبی کے ساتھ عبادت وقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں، مگر اس وقت جب یہ سب دین کے سایہ میں ہو اور صحیح مقاصد کا وسیلہ ہوں نہ خود مقصود بالذات۔

چنانچہ ہم پوری صراحت کے ساتھ عرض کرتے ہیں کے اگر مسلمان دعوتِ حق سے کنارہ کش اور سبکدوش ہوگئے جو ان کے سپرد کی گئی ہے اور جس کی خاطر ان کو سرفراز کیا گیا ہے تو پھر دنیا میں ان کے حفظ وبقاء کی کوئی ضمانت نہیں لی جاسکتی، خواہ ان کے پاس فوجی طاقت ہو، عددی طاقت ہو، اقتصادی طاقت ہو، بہتر سے بہتر مواقع میسر ہوں اور جو بھی جاہ

وحشمت ان کو ملی ہو سب بے کار سب بے سود و بے نفع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت ان کی اسی صفت کی بنا پر کی تھی۔ بہر حال مسلمانوں کو سب کچھ مل سکتا ہے، حکومتیں ملتی رہیں گی، دولت پا سکتے ہیں مگر امانت خداوندی یعنی دعوت الی اللہ جس سے صرف اللہ کی پرستش ہو اور اس کا پیغام سرمدی دنیا میں باقی رہے اور غلبہ وسطوت صرف اللہ کا رہے، اس کے احکام زمین پر جاری ہوں، زندگی کے ہر موڑ پر اس کے احکام کی پیروی ہو، یہ نہیں ہوگا اور جب یہ نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت ونوازش بے پایاں سے امت محروم ہو جائے گی۔ اس لئے وہ چیز جس کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے اور جس کے لئے ان کے اندر غیرت اور حمیت ہونا چاہیئے اور جس کو وہ اپنی جان سے صحت سے اپنی دانائی وہوش مندی سے زیادہ عزیز رکھیں اور جس کو دولت وحکومت پر ترجیح دیں، اپنی شہرت وناموری کے پروپیگنڈے اور اپنی سیاسی تگ ودو سے زیادہ اہمیت دیں اور جذبہ حکمرانی اور اپنے حدود سلطنت کو وسیع کرنے کی تمنائیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے دین کا داعی ومبلغ سمجھیں، علم توحید کو سر بلند اور اللہ کے دین کو سرسبز وشاداب رکھنے کی آرزوں اور تمناؤں کو غالب رکھیں آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں اللہ کی رضا اور اس کے احکام کے اجزاء کو ہر مقصد اور ہر نسبت پر قربان کرنے کا جذبہ اپنے اندر بیدار کریں، مسلمانوں کے بقاء کی ضمانت اسی میں ہے کیونکہ ان کا وجود ملّی اسی دھاگے سے بندھا ہوا ہے۔

دین کی تبلیغ ودعوت کو لیکر اٹھیئے

یاد رکھیئے! قیامت کا دن بڑا کٹھن ہے، اس دن دل کی کیفیت چہروں پر عیاں ہوگی۔ جن کے دل نور ایمان سے منور ہیں قیامت کے دن ان کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوں گے اور جن کے باطن میں دین وایمان کی دوری کے باعث گمراہی کی تاریکی جمی ہوئی ہے، اس روز ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کامیابی اسی میں ہے کہ ہم اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر کے اللہ کی دین کی دعوت لیکر نکلیں تاکہ ہمیں بھی اللہ

تعالیٰ روشن چہروں والوں کے ساتھ ملا دے۔ قیامت کے روز بعض پر انعام اور اکرام کی بارش اور بعضوں پر غضب و ناراضگی کی پھٹکار ہوگی، اور یہ بلاوجہ نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کے اعمال کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے بلند ہے کہ وہ کسی پر زیادتی کرے یا اس کے اعمال کو ضائع کرے۔ اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم نہیں فرماتے ہاں ہم خود جان بوجھ کر اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اور اپنے اعمال بد سے اپنے نامہ اعمال کی سیاہی میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

یاد رکھیئے! اللہ کی دین کی دعوت کا کام چھوڑ کر ہم خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں، ہم نبی کریم ﷺ کے امتی ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے خیرالامم کے جلیل القدر لقب سے سرفراز کیا ہے۔ ہم سے پہلے جتنی بھی امتیں صفحہ ہستی پر ظاہر ہوئی ہیں ان سب سے ہمیں بہتر کہا گیا ہے کیونکہ ہماری زندگی کا مقصد بڑا پاکیزہ اور بہت بلند ہے، ہمیں اس لئے زندہ رہنا ہے کہ حق کا بول بالا ہو، ہدایت کی رشنی پھیلے، گمراہی کی ظلمت کافور ہو، باطل کا طلسم ٹوٹے اور اخلاق حسنہ کو قبولیت حاصل ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی صداقت (یعنی توحید) پر جب خود بھی ایمان لا چکے ہیں تو ہمارے ذمہ یہ فرض ہے کہ ہم دوسروں کو بھی اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں۔ یہ ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے اسلئے ہمیں چاہئے کہ ہم ہمت، خلوص اور سرفروشی کا جذبہ لے کر اللہ کے دین کی دعوت لیکر اٹھیں اور دنیا کے کونے کونے میں اللہ کے دین کو پہنچانے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم کی بھری محفل میں ہمارے سر پر فضیلت کا تاج رکھا ہے۔ جبکہ دوسری قوموں کے فیضان ہدایت سے ایک محدود علاقہ، ایک مخصوص قوم، ایک مقررہ وقت تک مستفیض ہو سکتی تھی لیکن اللہ کے دین کی دعوت کا کام کرنے والے مسلمانوں کا ابر کرم بحر و بر، نشیب و فراز، سیاہ و سفید، نزدیک و دور ہر خطہ پر برستا رہا۔ اور ہر خطے کے پیاسوں کی پیاس بجھتی رہی۔ دین کے کام کرنے والے مسلمانوں کی برکتیں صرف اپنے لئے اور صرف اپنوں کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے ہیں۔ آیئے ہم بھی عہد کریں کہ آج کے بعد ہم نے دین کی دعوت کو اپنی

زندگی کالازمی جزو بنانا ہے اوراللہ کے دین کوساری دنیامیں پھیلانے کاجذبہ اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کواسلام کاسچا مبلغ وداعی بنادے۔آمین

تبلیغ ودعوتِ حق اور مشکلات

یادرکھیئے!دعوتِ حق میں مصائب ومشکلات کا آناضروری ہے،آزمائشوں کی منزل سے گزر کرہی ایمان میں قوت آتی ہے اوراخلاق وکردار میں پختگی پیدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کوضرورآزماتا ہے،جوایمان کادعوی کرتے ہیں اورجواپنے دین وایمان میں جتنازیادہ پختہ ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی اسی لحاظ سے سخت ہوتی ہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے کہ!اورہم ضرورتمہیں خوف اورخطرہ،فاقہ کشی،جان اورمال کے نقصانات اورآمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلاکرکے تمہاری آزمائش کریں گے۔ان حالات میں جولوگ صبرکریں گےاورجب کوئی مصیبت پڑےتوکہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اوراللہ ہی کی طرف لوٹ کرجانا ہے،انہیں خوشخبری دیجئے!ان پران کے رب کی طرف سے عنایات ہوں گی۔اس کی رحمت ان پرسایہ کریگی اورایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورہ بقرہ)

چنانچہ دعوت وتبلیغ کی راہ میں آنے والی مشکلات،تکالیف اورآزمائشوں کوخندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرناچاہیئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!اورنیکی کاحکم دواور برائی سے روکواوراس راہ میں جومصائب بھی آئے ان کواستقلال کے ساتھ برداشت کرتے رہو(سورہ لقمان)

ایک دفعہ حضرت سعدؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا!یارسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ آزمائش کس شخص کی ہوتی ہے آپ نے فرمایاانبیاءکی،پھردین وایمان میں جوان سے زیادہ قریب ہواورپھرجواس سے قریب ہو۔آدمی کی آزمائش اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے، پس جوشخص اپنے دین میں پختہ ہوتا ہے اس کی آزمائش سخت ہوتی ہے اورجودین میں کمزورہواس کی آزمائش ہلکی ہوتی ہے اوریہ آزمائش برابرہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ زمین پراس حال میں چلتا ہے کہ اس پرگناہ کاکوئی اثرنہیں رہ جاتا۔ (مشکوۃ شریف)

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ! مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ستایا گیا کہ کبھی کوئی انسان اتنا نہیں ستایا گیا اور مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ڈرایا گیا کہ کبھی کوئی آدمی اتنا نہیں ڈرایا گیا اور ہم پر تیس شب وروز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لئے کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس مختصر توشے کہ جو بلال کے بغل میں تھا۔ (ترمذی شریف)

اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ آزمائش تحریک کو قوت پہنچانے اور آگے بڑھانے کا ذریعہ ہیں، آزمائشوں کی منزلوں سے گزرے بغیر کوئی تحریک کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی خصوصًا وہ تحریک جو عالم انسانی میں ہمہ گیر انقلاب کی دعوت دیتی ہو اور پوری انسانی زندگی کو نئی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا منصوبہ رکھتی ہو۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جس زمانے میں مکہ کے سنگ دل آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر بے پناہ ظلم وستم ڈھا رہے تھے انہی دنوں کا ایک واقعہ حضرت خبّاب بن الارت بیان فرماتے ہیں!

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے سائے میں چادر سر کے نیچے رکھے آرام فرما رہے تھے، ہم آپ ﷺ کے پاس شکایت لے کر پہنچے ،یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہیں فرماتے۔ آپ اس ظلم کے خاتمے کی دعا نہیں کرتے (آخر یہ سلسلہ کب تک دراز رہے گا اور کب یہ مصائب کا دور ختم ہوگا؟) رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا! تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے بعض کے لئے گھڑا کھودا جاتا، پھر اس کو اس گھڑے میں کھڑا کر دیا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اس کے جسم کو چیرا جاتا یہاں تک کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے ۔ پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتا اور اس کے جسم میں لوہے کے کنگھے چھبوئے جاتے جو گوشت سے گزر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے مگر وہ اللہ کا بندہ حق سے نہ پھرتا۔ قسم ہے خدا کی یہ دین غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کہ سوار (یمن کے دار الخلافہ) صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور راستے میں اللہ کے سوا اس

کوکوئی خوف نہ ہوگا۔ البتہ چرواہوں کوصرف بھیڑیوں کا خوف رہے گا کہ کہیں بکری اٹھانہ لے جائیں۔ لیکن افسوس کہ تم جلدی مچارہے ہو (بخاری شریف)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ راہ حق میں مشکلات ومصائب کا آنا ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ ہمیشہ تک جاری رہے گا۔ اس لئے دعوت حق کے سلسلہ میں آنے والی مشکلات کے سامنے حوصلہ ہار دینا ایک کامیاب مبلغ وداعی کی علامت نہیں بلکہ مشکلات کوسہہ کرآگے بڑھنا ہی ایک سچے، پکے داعی کا شیوہ ہونا چاہیئے اس کے بعد ہی اللہ کی مدد ونصرت آتی ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ! میری امت میں برابر ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو اللہ کے دین کا محافظ رہے گا۔ جولوگ ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور جولوگ ان کی مخالفت کریں گے وہ ان کو تباہ نہ کرسکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے اور یہ دین کے محافظ لوگ اپنی اسی حالت پر قائم رہیں گے۔ (بخاری شریف) اللہ تعالیٰ ہمیں دین حق کا سچا پکا مبلغ بنادے۔ آمین

دعوت وتبلیغ کا عظیم شرف حاصل کیجئے

''دین اسلام'' اس صالح طریق زندگی اور اس خداوندی ہدایت کا نام ہے جس کا پیغام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو پہنچتا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے دو کام تھے۔

ایک وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اس طریقِ زندگی اور اس ہدایات کا حکم حاصل کرنا، اور دوسرے اس علم وہدایت کو بندوں تک پہنچانا، بتانا، سکھانا اور ان کو اس پر چلانے کی کوشش کرنا۔

ان میں سے پہلا کام تو سلسلہ نبوت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہوگیا۔ ختم نبوت کا مطلب ہی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب کسی کو یہ مقام ومنصب عطا نہیں فرمایا جائے گا کہ وحی کے ذریعہ اس پر دین وشریعت کے احکام نازل ہوں

اوراس کو نبی مان کراس کی اطاعت وپیروی کرنا لوگوں کے لئے ضروری ہو۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی اس ہدایت وشریعت نے جو قیامت تک پیدا ہونے والے سب انسانوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہے اور جس کے آخری زمانہ تک محفوظ رہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام بھی کر دیا گیا ہے اس ضرورت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ لیکن سلسلہ نبوت کا دوسرا کام (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی اس ہدایت وشرافت وشریعت کو بندوں تک پہنچانا اوراس کو اسی طرح چلانے کی کوشش کرنا) باقی اور جاری ہے اور امت محمدی ﷺ کا یہ خاص شرف ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نیابت میں وہ اس مقدس مشن کو قیامت تک جاری رکھنے اوراس کارنبوت کو انجام دینے کی ذمہ دار ہے۔

حضور ﷺ نے مکہ معظمہ میں یہ کام دعوت وتبلیغ سے شروع کیا تھا،لوگوں کو آپ ﷺ اللہ کی طرف اوراس کے دین کی طرف بلاتے تھے،اس راستہ پر یہ آپ کا پہلا قدم تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے کچھ بندوں نے آپ ﷺ کی ایمانی دعوت کو قبول کرلیا اور اپنے لئے اس دین حق اوراس صالح طریق زندگی کا فیصلہ کرلیا جس کی طرف آپ ﷺ دعوت دیتے تھے تو ابتدائی دعوت وتبلیغ کے ساتھ ان اہل ایمان کی تعلیم وتربیت اورتزکیہ وارشاداورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کام کااوراضافہ ہوگیا۔

پھرایک وقت آیا کہ ہدایت وارشاد کے اس مقدس مشن کی حفاظت اوراس کے آگے بڑھانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے زیادہ سے زیادہ بندوں کو ایمان وعمل صالح کی دولت سے بہرہ مند کرنے کے لئے ان باطل کوش مخالف طاقتوں سے نمٹنا ضروری ہوگیا جو اللہ تعالیٰ کے نور کی اس شمع کو زبردستی بجھا دینا چاہتی تھیں، یا اس کے راستہ میں مزاحم ہوتی تھیں۔اس وقت اس مقدس مہم کے پروگرام میں جہاد وقتال کا بھی اضافہ ہوگیا اور پھر زمانہ کی رفتار کے ساتھ یہ کام بھی روز بروز بڑھتے ہی گئے۔

جولوگ آپ ﷺ کی دعوت قبول کرتے تھے،ان کو آپ ﷺ دین کے بنیادی اصول و احکام بتلانے کے ساتھ اس کی بھی تلقین فرماتے تھے کہ دین کی دعوت وخدمت اوراللہ تعالیٰ

کے بندوں کی اصلاح وہدایت کا جو کام اور اس راستہ میں جو جدوجہد میں کر رہا ہوں تمہیں بھی حالات وامکانات کے مطابق اس میں میرا ساتھ دینا ہے اور اس کام کو اپنا کام بنانا ہے۔
جب تک آپ اس دنیا میں رونق افروز رہے، امت آپ ﷺ کی زیر قیادت، ہدایت وارشاد اور دین کی خدمت ونصرت کی اس پیغمبرانہ مہم میں اپنے جان ومال سے پوری طرح آپ کی شریک رفیق رہی۔ دعوت وتبلیغ تعلیم وتربیت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے میدانوں میں اور جہاد وقتال کے معرکوں میں آپ کے زیر ہدایت اپنا یہ فرض ادا کرتی رہی۔ پھر جب آپ ﷺ اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف تشریف لے گئے تو اس پوری مقدس مہم کو اسی طرح جاری رکھنا اور اس کے تمام شعبوں کے تقاضوں کو انجام دیتے رہنا بطور نیابت اس امت ہی کا فریضہ ہو گیا اور اب قیامت تک کے لئے خدمت دین ونصرت دین کے ان سب شعبوں میں آپ ﷺ کی امت ہی آپ ﷺ کی قائم مقام اور مسئول وجواب دہ ہے۔

اس کام کی اہمیت وفضیلت کے لئے اگرچہ یہی کافی ہے کہ یہ دراصل پیغمبرانہ کام اور کام نبوت کی نیابت ہے لیکن پھر بھی اس بارے میں قرآن وحدیث مبارکہ کے بعض تاکیدی اور ترغیبی نصوص یہاں ذکر کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس کام کے مختلف شعبے ہیں، دعوت وتبلیغ تعلیم وتزکیہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور قتال فی سبیل اللہ ''دین کی نصرت'' کا لفظ (جس کے معنی ہیں دین کی مدد) اور اس طرح ''جہاد'' اور ''جہد'' کا لفظ (جس کے معنی ہیں کسی مقصد کے لئے پوری محنت وکوشش) اپنے اصل معنی کے لحاظ سے خدمت دین کے ان سب شعبوں پر حاوی ہیں اور قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت اسی عام معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور بعض مقامات پر نصرت دین کی آخری مخصوص شکل یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

اگرچہ دعوت وتبلیغ کے حوالے سے کچھ آیات واحادیث آپ گذشتہ صفحات میں بھی پڑھ چکے ہیں، البتہ کچھ نہ کچھ مزید یہاں بھی ہم چند وہ آیتیں پیش کرتے ہیں جن میں دین کے متعلق خدمت ونصرت اور دین کے لئے جدوجہد کی عام تاکید کی گئی ہے یا ترغیب دی گئی

ہے۔خواہ وہ کسی طور پر اور کسی شکل میں ہو۔اس کے بعد ہم وہ آیتیں پیش کریں گے جن میں خدمت دین کے خاص خاص شعبوں کے لئے تاکید فرمائی گئی یا ترغیب دی گئی ہے۔سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے (قرب و رضا کا) ذریعہ تلاش کرو (یعنی ایسے عمل جن سے اس کی رضا حاصل ہو اور اس سلسلہ کا خاص الخاص عمل یہ ہے کہ) اس کے دین کی راہ میں جدوجہد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔ (سورۂ مائدہ)

اور سورۂ حج کے آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ ''اور جدوجہد کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کے دین کے راستہ میں جیسی جدوجہد کا اس کا حق ہے (اے امت محمد ﷺ!) اللہ تعالیٰ نے تم کو اس خدمت کے لئے چنا ہے، یہ طریقہ ہے تمہارے باپ ابراہیمؑ کا، اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے، اس (کتاب قرآن مجید) میں اور اس سے پہلے (والی کتابوں میں) تو ایسا ہے کہ رسول تو تمہارا نگران اور معلم ہو اور (رسول سے دین کی تعلیم و تربیت پا کے) تم باقی دنیا کے نگران و معلم بنو''۔ (سورۂ حج)

اور سورۂ صف میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے کہ ''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسا کاروبار بتادوں جو دردناک عذاب سے تمہیں نجات دلا دے؟ (سنو وہ یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس ایمان کے مطالبوں کو ادا کر کے اپنے حقیقی مومن ہونے کا ثبوت دو) اور اپنے جان و مال سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اس کے دین کے لئے جدوجہد کرو، یہ تمہارے لئے سراسر خیر ہے اگر تم کو حقیقت کا علم ہو (تم نے اگر ایسا کیا) تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو بہشت میں ان باغات میں پہنچا دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور سدا بہار جنتوں کے نہایت نفیس مکانات میں تمہیں بسائے گا یہ عظیم الشان کامیابی ہے (اور آخرت کی اس جنت اور کامیابی کے علاوہ اس سے پہلے) ایک دوسری نعمت بھی تم کو عطا کرے گا جس کی تمہیں چاہت ہے (اور وہ ہے) دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کی مدد اور قریبی فتح، اور اے پیغمبر ﷺ! آپ ایمان لانے والے بندوں کو اس کی خوشخبری سنا دیجئے۔اے ایمان والو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار، جیسا کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ نے

حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہیں میری مدد کرنے والے اللہ کے راستہ میں؟ تو حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے انصار اور اس کے راستہ میں آپ ﷺ کے مددگار''۔

سورۂ صف کی ان آیتوں کے آخر میں اس امت کے اہل ایمان کو **کونوا انصار اللہ** کے دلنواز نعرے کے ذریعے دین کی نصرت اور مدد کا حکم اور اس کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پکار **من انصاری الی اللہ** اور حواریوں کے جواب **نحن انصار اللہ** کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان آیتوں میں جس جہاد اور نصرت کی اہل ایمان کو دعوت و ترغیب دی گئی ہے اس سے مراد خاص جہاد بالسیف ہی نہیں ہے بلکہ دین کی عام کوشش اور مدد مراد ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے متعلق یہ معلوم و مسلم ہے کہ انہوں نے کبھی بھی جہاد بالسیف نہیں کیا، ان کا جہاد دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ اور اصلاح و ارشاد کی راہ میں تکلیفیں اٹھانا اور مصیبتیں سہنا ہی تھا۔

بہر حال قرآن مجید کی ان سب آیتوں میں اہل ایمان کو جہاد یا نصرت کے لفظ سے دین کی جدوجہد اور خدمت و نصرت کی جو دعوت دی گئی ہے اس میں ہر وہ سعی و کوشش اور ہر وہ محنت و خدمت اور ہر وہ قربانی داخل ہے جو دین کے فروغ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے کی جائے، خواہ وہ تبلیغ و دعوت کی شکل میں ہو یا تعلیم و تربیت کی شکل میں، یا جنگ و قتال کی صورت میں۔

ایک آیت مبارکہ میں ارشاد ہے کہ۔'' اے پیروان محمد ﷺ! تم تمام امتوں میں بہترین امت ہو، جو لوگوں (کی اصلاح و ہدایت) کے لئے ظہور میں لائی گئی ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

اس آیت مبارکہ میں اس امت کے ظہور کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس کو ایمان باللہ کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی خدمت انجام دینا ہے اس لئے ان آیتوں کی رو سے ان کاموں کی انجام دہی کی ذمہ داری تو پوری

امت کی ہے، لیکن ان کاموں کی خاص نوعیت ایسی ہے کہ ان کی انجام دہی کے لئے اکثر حالات میں امت کے ہر ہر فرد کا ان میں لگنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ ان کاموں کی اہلیت اور صلاحیت رکھنے والے لوگ بقدر کفایت اگر ان کاموں میں لگ جائیں اور باقی افراد امت کی تائید اور تعاون ان کو حاصل رہے تو بھی کام پورا ہو جاتا ہے۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے کہ۔ ''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر لعنت ہوئی اللہ کے نبی داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریمؑ کی زبان پر، یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حدود سے تجاوز کرتے تھے (ان کا ایک خاص گناہ جو اس لعنت کا سبب بنا یہ تھا) کہ جو برائیاں وہ کرنے لگے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو ان سے روکتے نہیں تھے (نہی عن المنکر، کا فریضہ انہوں نے معطل کر رکھا تھا) ان کا یہ بہت برا فعل تھا''۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس درجہ کا فریضہ ہے کہ اس سے غفلت برتنے اور اس کو ترک کرنے کی وجہ سے بنی اسرائیل قابل لعنت ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اس کے ذکر کا خاص مقصد امت محمدی ﷺ کو یہ آگاہی دینا ہے کہ اگر اس بارے میں اس نے بھی وہی غفلت کی جو بنی اسرائیل نے کی تھی تو بنی اسرائیل ہی کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و نصرت سے محروم اور لعنت کی مستحق ہو جائے گی۔

اس موقع پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی چند حدیثیں بھی رقم کی جاتی ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو، اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو ضرور ایسا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیجے، پھر تم اس عذاب سے نجات کے لئے اس سے دعائیں کرو گے اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔ (ترمذی شریف)

دراصل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث اسی اشارے کی تفصیل اور وضاحت ہے، جو سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔ ''تم میں سے جو شخص کوئی برا عمل ہوتے دیکھے تو (اگر اپنی طاقت وقوت سے اس برائی کو نیکی سے بدل سکتا ہو) تو وہ اپنی طاقت استعمال کر کے اس کی تبدیلی کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اس کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو پھر دل ہی سے کرے (یعنی دل ہی سے اس کو برا سمجھے اور اس کی اصلاح کے بارے میں سوچتا رہے) اور یہ آخری صورت ایمان کے سخت ضعف کے وقت ہوگی''۔ (مسلم شریف)

اور حضرت جریر ابن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔ ''جو شخص کسی قوم میں رہتا ہو اور ان کے اندر رہ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہو اور وہ لوگ اس کے اس طرزِ عمل کے بدلنے کی قدرت رکھتے ہوں، لیکن اس کے باوجود نہ بدلیں تو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے دنیا ہی میں ان کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے گا''۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا ہے کہ۔ من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ ٥ (رواہ مسلم)

''اللہ تعالیٰ کا جو بندہ کسی دوسرے بندے کو کسی نیک عمل کی رہنمائی کرے تو اس بتانے والے کو بھی کرنے والے کے برابر ثواب ہے''۔

اور حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔ ''کیا تم جانتے ہو کہ جود وسخا میں کون سب سے بڑھا ہوا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو خبر ہے''۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جود وسخا میں سب سے اعلیٰ اور بالا تو اللہ تعالیٰ ہیں، پھر اس کے بعد جود وسخا میں میرا درجہ ہے اور میرے بعد اس شخص کا درجہ ہے جس نے اللہ کی ہدایت کا علم حاصل کیا، پھر اس کو پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے میں جدوجہد کی۔ ایسا شخص قیامت کے دن سردار اور حاکم بن کر آئے گا (یا فرمایا کہ یہ اکیلا شخص ایک امت بن کر آئے گا)''۔

ایک حدیث مبارکہ اسی سلسلہ میں اور بھی نقل کی جاتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن

ابزیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ۔ ''ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں مسلمانوں کے بعض گروہوں اور قبیلوں کی (ان کی کارکردگی اور خدمت کی بناء پر) تعریف فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا بعض دوسرے گروہوں اور قبیلوں کا یہ کیا حال ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ اور اس کا شعور پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ ان کو تعلیم دیتے ہیں اور نہ نصیحتیں کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا نہیں کرتے (اس کے بعد آپ ﷺ نے روئے سخن بدلتے ہوئے فرمایا) اور بعض گروہوں کا یہ حال ہے کہ وہ پڑوسیوں سے دین کا علم اور اس کا فہم وشعور حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ وہ ان سے نصیحتیں لینے کے لئے جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم (دین کا علم اور دین کی سمجھ رکھنے والے) ہر گروہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کی تعلیم کا اہتمام کرے اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کرنے کی کوشش کرے اور ان کو وعظ ونصیحت کیا کرے اور بری باتوں سے ان کو روکا کرے اور اچھی باتوں کے لئے ان سے کہا کرے۔ اور اسی طرح (جن گروہوں میں علم دین نہ ہو) ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم رکھنے والے پڑوسیوں سے علم حاصل کیا کریں اور نصیحت لیا کریں اور دین کو سمجھنے کی کوشش کیا کریں۔ (بہر حال نہ جاننے والوں کے لئے جاننے والوں سے سیکھنا ان کے دینی فرائض میں سے ہے اور ہر گروہ کو چاہیئے کہ وہ اپنا یہ فرض ادا کیا کرے) اور اگر کسی گروہ نے اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی تو میں ان کو جلدی سخت سزا دلواؤں گا''۔

اس حدیث سے یہ بات وضاحت کے ساتھ معلوم ہوگئی کہ دین کی تبلیغ اور ناواقفوں کی تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کے بارے میں اس امت کی ذمہ داری کیا ہے اور اگر وہ اس ذمہ داری کو ادا نہ کریں تو اللہ اور رسول کے نزدیک وہ کتنے بڑے جرم کی مرتکب ہے۔

امت کی اسی عام ذمہ داری کو رسول اکرم ﷺ نے اپنے ایک بہت مختصر اور مشہور جملہ میں اس طرح ادا فرمایا ہے کہ۔ الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ ٥

''جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے حلقہ کا نگراں ہے اور ہر ایک کو

اپنے زیرِ نگرانی حلقہ کی بابت خدا کے سامنے جواب دہی کرنا ہے''۔

ان آیتوں اور حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دین کی خدمت ونصرت کے ان شعبوں اور ان شکلوں یعنی تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کی اس امت پر کتنی عظیم ذمہ داری ہے اور اس کے بارے میں اللہ ورسول کی طرف سے کتنی سخت تاکید ہے اور اس کام کے کرنے والوں کا کیا مقام اور کتنا بلند درجہ ہے اس میں غفلت اور سستی کرنے والے کتنے معتوب اور اس کو بالکل چھوڑ دینے والے کتنے ملعون اور مغضوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (بحوالہ جستہ جستہ از دین وشریعت)

ہر فرد کے تبلیغی فرائض وذمہ داریاں

دین اسلام محض عقائد وعبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر رخ کے لئے ابدی ہدایات اور احکام موجود ہیں، جو ایک مسلمان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے تمام دائروں اور گوشوں پر حاوی ہیں۔ ان کی روشنی میں جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے اسے حسن کردار کی مظہر انفرادیت اور اجتماعیت کا نہایت حسین امتزاج کہا جاسکتا ہے۔ اسلام جہاں معاشرے کے ہر فرد کے حقوق وفرائض متعین کرتا ہے وہاں وہ مسلمانوں سے یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ تم میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت رہنی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے، انہیں اچھے کاموں پر لگائے اور برائی سے روکے۔ ظاہر ہے کہ جماعت افراد ہی سے تشکیل پاتی ہے۔ اس لئے بنیادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ فرد ہی پر عائد ہوتا ہے، گویا ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ۔

اسلام ''نیک بنو اور نیکی پھیلاؤ'' کا علمبردار ہے۔ اس لئے کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں کہلا سکتا جب تک وہ اُن چار صفات کا حامل نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور

آخرت میں انسان کی کامیابی کے لئے ضروری قرار دی ہیں۔ یہ صفات ہیں ایمان، اعمال صالح، دوسروں کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرنا۔ قرآن حکیم کی سورۃ العصر میں اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر کہا ہے کہ ان صفات سے تہی دامن شخص ہمیشہ خسارے میں رہے گا۔ خسارہ فلاح کی ضد ہے اس لئے فرمان الٰہی کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایسا انسان دنیا اور آخرت میں ناکام ونامراد رہے گا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ قرآن حکیم کا تصور فلاح محض دینوی خوشحالی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ دنیا سے لے کر آخرت تک انسان کی حقیقی کامیابی پر حاوی ہے اور یہ حقیقی کامیابی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حاصل ہونا ہے۔ اگر ان صفات پر الگ الگ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ اسلامی معاشرے کے ہر فرد کے ہر پہلو کی داخلی نگران اور خارجی معیار ہیں۔ خلوت ہو یا جلوت، گھر ہو یا میدان، تجارت ہو یا سیاست، امن ہو یا جنگ تنگ دستی ہو یا آسودہ حالی، سفر ہو یا قیام، ہر حالت میں یہ صفات انسان کو راہِ راست پر رکھیں گی۔

سب سے پہلی صفت ایمان ہے۔ ایمان لانے کا مطلب ہے اللہ وحدہ لاشریک، اس کے پیغمبروں، ملائکہ، کتب الٰہیہ اور آخرت کا ماننا۔ یہ ایمان ہی ہے جو اخلاق اور سیرت وکردار کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ ورنہ جہاں سرے سے ایمان ہی نہ ہو وہاں انسان کی زندگی بظاہر کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو، اس کی حیثیت ایک ایسے جہاز کی ہے جس کا کوئی لنگر نہ ہو اور جو موجوں کے تھپیڑوں کے ساتھ بہتا چلا جائے۔ یوم آخرت پر عقیدہ دل میں اللہ کا خوف پیدا کرتا ہے، یہی ایمان کی روح ہے۔

دوسری صفت نیک کاموں پر عمل کرنا ہے۔ نیک کاموں کی تعریف یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ کئے جائیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے باز رہا جائے۔ اعمال صالح یا نیک کاموں میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں کہ سچ بولنا، عہد کا پورا کرنا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، نرمی سے بات کرنا، عفو و درگزر

کرنا، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، والدین کی خدمت کرنا، صلہٗ رحمی، مہمان نوازی کرنا، امانت داری کرنا، تواضع وانکساری کرنا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت، سچی گواہی دینا، عدل کرنا رحم وکرم کرنا، اخلاص کے ساتھ عبادت کرنا مخلوق خدا کی بے غرض خدمت کرنا، جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، اللہ کی رضا کے لئے ان سے رک جانا بھی نیکی ہے۔ ایسے کاموں میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں۔

بدعہدی، بخل، قطع رحمی، چوری، بے حیائی، بدچلنی، سودخوری، تکبر، غصہ، فتنہ وفساد، قتل ناحق، ریاکاری، رشوت دینا اور لینا، خیانت، بدگمانی، دروغ گوئی، ناپ تول میں کمی، غیبت، خوشامد، تمسخر، فضول خرچی، جوئے بازی، شراب خوری، اہانت نفسِ انسانی۔

نیکی کی ترویج کے لئے محسن انسانیت ہادیٔ برحق ﷺ کے چنداور ارشادات ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے کہ نہ تو خود اس پر ظلم وزیادتی کرے نہ دوسروں کا نشانہ ظلم بننے کے لئے اس کو بے مدد چھوڑے۔ اور کوئی اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کو کسی تکلیف اور مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی پردہ داری کرے گا۔ (صحیحین)

حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس شخص پر اللہ کی رحمت نہ ہوگی جو اس کے پیدا کئے ہوئے انسانوں پر رحم نہ کھائے گا اور ان کے ساتھ ترحم کا معاملہ نہ کرے گا۔ (صحیحین)

حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (گویا اس کا کنبہ) ہے اس لئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور

اچھا سلوک کرے۔ (شعب الایمان بیہقی)

غور فرمایئے کہ اگر ہم میں سے ہر فرد رحمت عالم ﷺ کے ان ارشادات کو اپنی زندگی کا شعار بنالے تو سارا معاشرہ نیکی کی خوشبو سے کیوں نہ مہک اٹھے گا اور اس میں خود بخود ہی باطل سوز اجتماعیت کیوں نہ پیدا ہو جائے گی۔ خسارے سے بچنے کے لئے تیسری اور چوتھی صفتیں قرآن نے یہ بتائی ہیں کہ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والے لوگ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اول تو ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنیوالوں کو فرد فرد بن کر نہیں رہنا چاہیئے بلکہ ان کے باہمی ربط وضبط سے ایک صالح معاشرہ وجود میں آنا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ اس معاشرے کے ہر فرد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اسے بگڑنے سے بچائے اور اس کے تمام افراد ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کریں۔ حق کا لفظ باطل کی ضد ہے اور بالعموم یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک صحیح اور سچی بات اور دوسرے کو حق کی نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں اگر حق کے خلاف کام کئے جا رہے ہیں تو خاموشی کے ساتھ اس کا تماشہ نہ دیکھیں بلکہ حق کی قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں۔ معاشرے کا ہر فرد نہ صرف خود حق کے تقاضے پورے کرے بلکہ دوسروں کو بھی اس طرز عمل کی تلقین کرے۔ یہ وہ چیز ہے جو معاشرے میں حق کی سر بلندی اور نیکی کی ترویج کی ضامن ہے اور اس کو اخلاقی انحطاط سے بچاتی ہے۔ بعض اوقات باطل اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہوتا ہے اور اس سلسلے میں حق کے علمبردار بے پناہ مصائب وآلام سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ ان کو یہ سب کچھ صبر واستقامت سے برداشت کرنا ہوگا۔ اسی لئے معاشرے کے تمام افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ہمت بندھاتے رہیں اور ان حالات کو صبر سے برداشت کرنے کی نصیحت کرتے رہیں۔ صبر کی تلقین کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد کسی مصیبت میں مبتلا ہو، کسی اذیت ناک بیماری کا شکار ہو جائے یا اس کا کوئی پیارا ہمیشہ کے داغ مفاقت دے جائے تو اس کو نصیحت کی جائے کہ صبر سے کام لے، جزع فزع نہ کرے اور اللہ کی رضا کے سامنے سر

تسلیم خم کردے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر اسلامی معاشرے کا کوئی فرد نیکی کی ترویج میں ممد و معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو نیک بننے اور نیکی پھیلانے کی توفیق دے۔ آمین

دعوت و تبلیغ والوں کے لئے حضور ﷺ کی دعا

کس مومن کے دل میں یہ آرزو نہ ہوگی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی مقبول دعا کا مستحق بنے اور رسول اکرم ﷺ کی یہ دعا کہ ”اے اللہ! تو اس بندے کو خوش و خرم اور شاداب رکھ!“ اس کے حق میں بھی خدا کے یہاں شرف قبولیت پائے۔

کیسا خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کے لئے اللہ کے رسول ﷺ دعا فرمائیں، اس بات میں کیسے تردد ہوسکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا شرف قبولیت نہ پائے گی اور خدا اپنے حبیب کی فرمائش ہرگز رد نہ فرمائے گا۔

رسول اکرم ﷺ کی دعا کا مستحق دنیا میں بھی خوش و خرم اور شاداب رہے گا، لیکن اصل خوشی اور شادابی تو اس کو اس دن حاصل ہوگی جب وہ حشر کے میدان میں خدا کے حضور پہنچے گا۔ ذرا تصور تو کیجئے اس بندے کی خوش نصیبی کا جو حشر کے میدان میں اس طرح آئے کہ اس کا چہرہ مسرت و کامرانی سے چمک رہا ہو اور اس کی نگاہیں دیدار الٰہی میں محو ہوں۔

وُجُوہ یومئذ ناضرۃ ۝ الیٰ ربھا ناظرہ (القیمہ)

”اس دن بہت سے (خوش نصیبوں کے) چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے اور رب کے دیدار میں محو ہوں گے“۔

جب کہ اُسی دن بہت سے بدنصیب وہ بھی ہوں گے جن کے چہرے شرم و ندامت اور گناہوں کی تپش سے جھلسے ہوئے ہیبت ناک حد تک سیاہ اور اداس ہوں گے۔

و وجوہ یومئذ باسرۃ ۝ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ ۝

”اور بہت سے (بدنصیبوں کے) چہرے اداس اور بے رونق ہوں گے اس آفت

کے اندیشے سے جواُن پر آنے والی ہے''۔

ذرا اپنے دل کو ٹٹولئے کیا آپ کے دل میں یہ تڑپ نہیں کہ آپ بھی اپنے رسول ﷺ کی اس دعا کے مستحق بنیں کہ ''اے اللہ! تو اس بندے کو خوش وخرم اور شاداب رکھ!''۔ اور آپ بھی چمکتے چہرے کے ساتھ خدا کے حضور پہنچیں اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کریں۔

رسول اکرم ﷺ نے کن لوگوں کے لئے یہ دعا فرمائی ہے اور کون لوگ اس کے مستحق ہیں، یقیناً آپ جاننا چاہتے ہوں اور بڑی بے تابی کے ساتھ! رسول اکرم ﷺ نے یہ دعا اُن لوگوں کے حق میں فرمائی ہے جو رسول اکرم ﷺ کا پیغام رسول ﷺ سے سن کر خدا کے بندوں تک پہنچائیں اور دعوت وتبلیغ کا کام کریں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے ''خدا اس بندے کو شاداب ومسرور رکھے جس نے مجھ سے میرا پیغام سنا اور اسے ٹھیک ٹھیک دوسروں تک پہنچایا۔

بلاشبہ آپ نبی ﷺ کا پیغام نبی ﷺ کی زبان سے نہیں سن سکتے، لیکن یہ موقع بہرحال آپ کو حاصل ہے کہ آپ نبی ﷺ کا پیغام دوسروں تک ٹھیک ٹھیک پہنچائیں اور قلب کی لگن کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور نبی ﷺ کی دعا کے مستحق بنیں۔

رسول اکرم ﷺ کی یہ دعا یقیناً آپ کے حق میں بھی ہے اگر آپ دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں، اور حسن وخوبی کے ساتھ یہ عمل کر رہے ہیں، یہی آپ کی زندگی کا مشن ہے اور یہی شب وروز کی سرگرمی۔

پھر دعوت وتبلیغ کے اجر وانعام کی کوئی حد اور انتہا نہیں، بالکل ممکن ہے کہ آپ جن لوگوں تک خدا کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچائیں، وہ آپ کے مقابلے میں اس پیغام کی زیادہ حفاظت کریں۔ آپ سے زیادہ اس کے تقاضوں کو سمجھیں، آپ سے زیادہ اس کا حق ادا کریں، اور آپ سے زیادہ شوق ومحنت کے ساتھ دوسروں تک اُسے منتقل کریں، لیکن خدا کا فضل واحسان تو دیکھئے چونکہ ان تک دین کا پیغام پہنچنے کا واسطہ آپ بنے ہیں، اس لئے اب

رہتی زندگی تک اس واسطے سے جن جن لوگوں کو بھی یہ پیغام پہنچے گا، ان سب کے اجر و انعام کے برابر آپ کو اجر و انعام ملتا رہے گا۔ آپ کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ یہ بے پایاں فضل و کرم فرمائے گا اور اُن لوگوں کے اجر و انعام میں بھی کوئی کمی نہ کرے گا۔

البتہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے وقت یہ بنیادی بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ نبی ﷺ کی دعا کے مستحق صرف وہی لوگ ہوں گے جو ٹھیک ٹھیک آپ ﷺ کی دعوت کو منتقل کریں، آپ ﷺ سے سننے والوں نے جس طرح آپ ﷺ سے سنا، جس طرح سمجھا اور جس طرح اپنے بعد کی امت کو پہنچایا، ٹھیک اسی طرح آپ بھی دوسروں تک وہ دعوت پہنچائیں، اس میں آپ کو کسی کمی کی اجازت ہے اور نہ کسی اضافے کا اختیار، اگر آپ اسی آرزو کے ساتھ دعوتِ دین کا کام کر رہے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی دعا کے مستحق بنیں، خدا کا دیدار آپ کو نصیب ہو، اور قیامت کے دن آپ کامیاب اور شاد ماں خدا کے حضور پہنچیں تو آپ نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کریں، نہ کسی لالچ سے مرعوب ہوں، نہ کسی قوت سے خوف کھائیں اور نہ کسی آزمائش سے ہراساں ہوں۔ ہر آنے والی آفت کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور خدا کا دین بے کم و کاست ٹھیک ٹھیک خدا کے بندوں تک پہنچائیں، اور اس تمنا کے ساتھ یہ سب کچھ کریں کہ رسول اکرم ﷺ کی دعا آپ کے حق میں قبول ہو، دنیا میں بھی آپ کامیاب و شاد ماں ہوں اور کل قیامت کے روز بھی آپ کا چہرہ مسرت و کامرانی سے دمک رہا ہو، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔

نضّر اللہ امرأً سمع منا شیئاً فبلّغ کما سمع فربّ مبلّغ اوعیٰ لھا من سامع. (ابوداؤد، ترمذی) ''خدا اُس بندے کو مسرور و شاداب رکھے جس نے مجھ سے سنا اور پھر اس کو ٹھیک اسی طرح دوسروں تک پہنچایا جس طرح مجھ سے سنا تھا، بہت سے وہ لوگ جن تک واسطوں سے بات پہنچتی ہے وہ ان سے زیادہ اس پیغام کی حفاظت کرتے ہیں جو براہِ راست سننے والے ہوتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کی سعادت ملنے پر شکر ادا کیجئے

خدا نے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ کو پکارا، آپ نے اس کی پکار پر لبیک کہا، اور دین کی دعوت و اشاعت کے کام میں لگ گئے۔ یہ محض خدا کی توفیق اور احسان ہے کہ اُس نے اپنے دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا جبکہ روئے زمین پر کروڑوں بندے ہیں جو مال و دولت، اثر و شہرت، علم و بصیرت اور قوت و اقتدار کے لحاظ سے آپ سے کہیں زیادہ آگے ہیں۔ اس کے باوجود خدا کی نظر آپ پر پڑی اور اس نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا۔ اُسی نے آپ کے سینے میں یہ عزم و حوصلہ پیدا فرمایا ہے کہ آپ دینِ حق سے ناواقف اور غافل بندوں تک خدا کا پیغام پہنچائیں، اور انہیں اسلام کا سیدھا سچا راستہ بتائیں۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے جو خدا نے محض اپنے فضل و کرم سے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے آپ کو اس عظیم منصب کے لئے چنا۔ یہ انتخاب خدا کا بہت بڑا انعام بھی ہے اور بہت بڑی آزمائش بھی، دینِ حق کا علم و شعور اور دعوتِ دین کی ذمہ داری کا احساس دے کر خدا نے آپ پر اپنا خصوصی فضل فرمایا ہے اور یقیناً اس نے آپ کو بہت بڑے انعام سے نوازا ہے۔ لیکن یہ شعور و احساس آپ کا امتحان اور آزمائش بھی ہے، اس عظیم منصب پر سرفراز فرما کر دراصل اللہ تعالیٰ آپ کو آزما رہا ہے کہ آپ اس کی وفاداری میں کس حد تک پورے اترتے ہیں۔ خدا کے احسان و سلوک کا اپنے عمل و کردار سے کیا جواب دیتے ہیں، اور اپنی ذمہ داری کا حق ادا کرنے میں کس قدر مخلص ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ۔ **وان اللہ مستخلفکم فیھا فینظر کیف تعملون**۔ ''اور یہ کہ اللہ نے تمہیں ان لوگوں کا جانشین بنایا ہے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، تاکہ وہ یہ دیکھے کہ تم کیا روش اختیار کرتے ہو''۔

خدا کی سونپی ہوئی اس ذمہ داری کا حق ادا کرنے کے لئے تین حقیقتوں کو ہمہ وقت

پیش نظر رکھئے اور کسی وقت بھی ان کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی اختیار نہ کیجئے۔

☆ ایک یہ کہ خدا کی نظر میں بندے کے لئے اس سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی طرف بلائے۔

☆ دوسری یہ کہ خدا ہی نے اس کام کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا ہے، وہ انتخاب نہ فرماتا تو آپ ہرگز اس کام نہیں لگ سکتے تھے۔

☆ تیسری یہ کہ خدا کی پکار پر لبیک کہنے والوں کے جذبات اور سرگرمیاں کیا ہوتی ہیں۔

یہ تینوں باتیں ہمہ وقت آپ کے دل و دماغ میں تازہ رہیں، صرف ایک بار انہیں پڑھ لینا یا سمجھ لینا کافی نہیں ہے، بار باران باتوں کو دہرایئے، بار بار انہیں اپنے ذہن میں تازہ کیجئے، آدمی بار بار بھولتا ہے، اور ضرورت ہوتی ہے کہ اسے بار بار یاددہانی کرائی جائے۔

خدا کے بندوں میں سب سے اونچا مرتبہ رسولوں اور پیغمبروں کا ہے، جو خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی طرف بلاتے ہیں، اور اپنے قول وعمل سے لوگوں کو دین کا سیدھا اور سچا راستہ بتاتے ہیں، خدا کے یہ رسول ہر دور میں آئے، ہر قوم میں آئے، ہر ملک میں آئے اور اپنے اپنے زمانے میں انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی تعلیم سے روشناس کرایا، سب سے آخر میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خدا نے اس کام کے لئے رسول بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد پورے ۲۳ سال تک خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو خدا کی راہ پر لگایا، اور دین کی روشن تعلیمات سے ان کی انفرادی، سماجی اور سیاسی زندگی کو آراستہ کیا۔ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، یعنی آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی ہے، اب رہتی زندگی تک کوئی اور نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو گیا لیکن لیکن وہ کام ختم نہیں ہوا جس کے لئے نبی آتے تھے، یعنی خدا کے ناواقف اور غافل بندوں کو خدا کے دین کی تعلیمات پہنچانا اور دین کی طرف دعوت دینا، اب یہ کام رہتی دنیا تک رسول اکرم ﷺ کی امت یعنی ''امت مسلمہ'' انجام دے

گی، بیت اللہ کی تعمیر کرتے وقت خدا کے برگزیدہ پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک ط (البقرہ۔۱۲۸)

''اے ہمارے رب! ہمیں اپنا مسلم اور فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک ایسی امت کو اٹھا جو تیری مسلم اور فرمانبردار ہو''۔

خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور رسول اکرم ﷺ کی قیادت میں امت مسلمہ کو اٹھایا جو اس وقت تک دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔ جب تک یہ دنیا آباد ہے۔ یہ امت رسول اکرم ﷺ کی جانشین ہے، اور اس کو وہی کام انجام دینا ہے جو رسول اکرم ﷺ انجام دیتے رہے ہیں۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد پاک ہے کہ۔

''خدا نے تمہارا انتخاب فرمالیا ہے، اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، پیروی کرو اس دین کی جو تمہارے اپنے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے، اس نے پہلے ہی سے تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا اور اسی سلسلہ میں کہ رسول ﷺ تمہارے لئے دین حق کی شہادت دیں، اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے دین حق کی شہادت دو۔ (سورۃ الحج)

دین میں اس سے بڑی سعادت اور کوئی نہیں ہے کہ آپ وہ خدمت انجام دیں جس کے لئے ہمیشہ انبیا علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے ہیں، اور جس کے لئے خدا نے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجا۔ خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی دعوت دے کر آپ رسول اکرم ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ دین و دنیا میں انسان کے لئے اس سے زیادہ شرف اور عظمت کا کوئی دوسرا کام نہیں ہوسکتا، اپنے منصب کی یہ قدر و عظمت کا یہ شعور آپ کو ہمیشہ سرگرم رکھے گا۔ آپ کو عزم، حوصلہ، ولولہ اور لگن بخشے گا اور کسی وقت بھی آپ کی داعیانہ جذبات کو مضمحل نہ ہونے دے گا۔

دوسری حقیقت جو کسی وقت بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونی چاہیئے، وہ یہ ہے کہ آپ اشاعت دین کی کوششوں میں اسی لئے شریک ہیں، کہ خدا نے اپنی حکمت کے تحت اس کام کے لئے آپ کو منتخب فرمالیا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہوتی تو آپ اس عظیم کام کا حوصلہ

ہرگز نہ کرسکتے تھے، اس کی توفیق کے بغیر آپ نیکی کے لئے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے، یقیناً خدا ہی نے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا ہے اور اس کا ہر کام علم و حکمت کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے، اس یقین و شعور کا زبردست فائدہ یہ ہے کہ آپ دو بہت بڑی نفسیاتی اور اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رہیں گے۔

☆ احساس پستی اور کہتری

☆ احساس برتری اور غرور

یہ وہ بدترین کمزوریاں ہیں جن کے ہوتے نہ آپ دعوت اسلامی کے لئے کسی طور مفید ہوسکتے ہیں اور نہ آپ کو دعوت اسلامی سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

احساس کہتری اور پستی کا شکار آدمی دنیا میں کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ دعوت اسلامی کے لئے بھی وہ لوگ ہرگز مفید نہیں ہوسکتے جو احساسِ پستی میں مبتلا ہوں، اس کے لئے ایسے ہی کارکن درکار ہیں، جو ہر محفل میں، ہر طبقہ میں، اور ہر مقام پر کسی خوف و خطر کے بغیر یقین کی پوری قوت اور جرأت کے ساتھ اپنی بات پیش کرسکیں، اور اپنے پیغام کی قدر و عظمت پر یقین رکھتے ہوئے پیش کرسکیں۔

ایرانی سپہ سالار رستم کے دربار میں جہاں آدمی پر داخل ہوتے ہوئے لرزہ طاری ہوتا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت ربعی بن عامرؓ نے جس جرأت، بے باکی اور شان عظمت کے ساتھ اسلام کی دعوت پیش کی، حضرت جعفر طیارؓ نے جس شان کے ساتھ نجاشی کے دربار میں اسلام کی ترجمانی کی، اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے جس جرأت اور بے خوفی کے ساتھ مکّے کے خونخوار نادانوں کے سامنے اعلانِ حق کیا وہ تاریخ دعوت کے ایسے روشن باب ہیں جن سے داعیانِ حق کے قافلے رہتی دنیا تک روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

نبوت کے ابتدائی دور میں رسول اکرم ﷺ نے قریش کے سرداروں کو اپنے دستر خوان پر مدعو کیا اور ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ جو پیغام میں لے کر آیا ہوں، اس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی سعادت و فلاح ہے۔ بتاؤ تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟

سب خاموش تھے، ایک نوعمر لڑکا اٹھا اور اس نے کہا۔ ''اے چچا کے بیٹے! اگر چہ میری آنکھوں میں آشوب ہے، میری ٹانگیں پتلی ہیں، اور میں نوعمر ہوں لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔

مکے کے ابتدائی دور، قریش کے تنومند سرداروں کی غضبناک نگاہیں، اور ایک نوعمر، ناتواں اور بظاہر بے مایہ لڑکے کا یہ جرأت مندانہ اعلان، کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا، دراصل اس یقین و شعور کا اظہار ہے کہ اس عظیم کام کے لئے خدا ہی میرا انتخاب فرما رہا ہے، اور جب قوت و طاقت اور اثر و رسوخ رکھنے والے ان تندرست و توانا سرداروں کو چھوڑ کر خدا کی نظر انتخاب مجھ ناتواں اور نوعمر پر پڑی ہے تو میں ظاہر کی ہر بے بسی اور ناتوانی سے بے نیاز ہو کر اعلان کرتا ہوں کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا، جس ہستی نے آپ ﷺ کی رفاقت و معیت کے لئے میرا انتخاب کیا ہے وہ قوتوں کا سرچشمہ ہے، کائنات اسی کی چٹکی میں ہے، وہی میری پشت پناہی کرے گا۔ جب اس نے میرا انتخاب کیا ہے، تو میری پتلی ٹانگوں میں وہی استقلال کی قوت بھرے گا۔ میری دکھتی آنکھوں میں وہی روشنی پیدا کرے گا جس سے میں دور تک دیکھ سکوں اور پیغامِ حق ملک کے دور دراز گوشوں تک پہنچا سکوں۔ یہ اندازِ فکر رکھنے والا داعیِ حق کبھی احساس پستی اور کہتری کا شکار نہیں ہو سکتا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس تاریخ ساز بچے نے وہ کارنامے انجام دیئے جس کے تصور سے بڑے بڑوں کے زہرے بے آب ہوتے ہیں۔

آپ بھی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، اور بجا طور پر آپ کو اپنے اس حوصلے پر فخر ہے۔ بے شک آپ معذور بھی ہو سکتے ہیں، کمزور ناتواں بھی ہو سکتے ہیں، آپ کو کوئی اثر و رسوخ اور شہرت و اقتدار بھی حاصل نہیں ہے اور دنیوی اعتبار سے آپ کسی اونچے مقام کے مالک بھی نہیں ہیں، لیکن خدا نے آپ کو اسلام کے شعور سے نوازا ہے اور آپ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں، تو یقین کیجئے کہ خدا نے آپ کا انتخاب فرمایا ہے، ہر احساس پستی اور کہتری کو دل سے کھرچ پھینکئے اور وہی الفاظ دہرا کر کہ ''اگر چہ میری ٹانگیں پتلی ہیں، میری آنکھوں میں آشوب ہے، لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا'' تن من دھن

سے اس کام میں لگ جایئے جس نے آپ کا انتخاب کیا ہے وہ خود آپ کی ناتوانی کو توانائی سے بدل دے گا اور آپ کو وہ حوصلہ اور جرأت بخشے گا کہ اس دور کے بڑے سے بڑے جبار اور بڑے سے بڑے علم وفکر رکھنے والوں کے سامنے آپ کامل یقین اور مثالی جرأت کے ساتھ اسلام کا پیغام رکھ سکیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس تاریخ ساز لڑکے کے الفاظ میں آپ کے لئے ایک اور سبق بھی ہے، وہ یہ کہ تبلیغ دین کا یہ عظیم فریضہ انجام دیتے ہوئے آپ پر غرور وکبر اور احساس برتری کا سایہ بھی کبھی نہ پڑنے پائے۔ یہ وہ بدترین برائی ہے جس کے ہوتے آپ کا سارا کیا کرایا اکارت جائے گا اور آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ آپ کی کوششوں سے دعوت اسلامی کو کچھ فائدہ پہنچ بھی جائے تو بھی آپ کا دامن خالی ہی رہے گا، اور دعوت اسلامی سے نسبت وتعلق رکھنے کے باوجود آپ کو اپنی عبرتناک محرومی پر رونا پڑے گا۔

حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی ناتوانی، معذوری، بے مائیگی اور نوعمری کی تصویر کشی کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے وہ ان کی ذہنی عظمت کا اظہار ہے، وہ یوں سوچتے ہیں ”میں اپنی شخصیت کے لحاظ سے کسی پہلو سے بھی اس قابل نہیں ہوں کہ اس عظیم کام کی ذمہ داری اپنے سر لوں، یہ محض خدا کی توفیق اور کرم ہے کہ اُس نے مجھے اس عظیم خدمت کے لئے منتخب فرمایا، میں صرف اُسی ذات کے بھروسے پر ان سنگین حالات میں رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دینے کی ہمت کر رہا ہوں جس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی اور مجھے اس عزم وارادے کی توفیق بخشی“۔

آپ اسی عظیم شخصیت کے جانشین اور پیرو ہیں، اپنے دل کے ایک ایک گوشے میں جھانک کر دیکھئے، دعوت دین کا عظیم کام انجام دیتے ہوئے کہیں آپ اپنی عظمت کے دھوکے میں مبتلا نہیں ہو رہے ہیں، نفس آپ کو فریب دینے میں کامیاب نہیں ہو رہا ہے، یقین کیجئے کہ اگر اس میدان میں آپ نفس سے دھوکا کھا گئے تو پھر دعوت اسلامی میں آپ کا کوئی مقام نہیں ہے، سمجھ لیجئے! آپ نے اپنی شخصیت کو تباہ کر دیا اور آپ کی عاقبت خراب ہو

گئی۔ کبر و غرور کے مریضوں کا دین میں کوئی حصہ نہیں، وہ لوگ ہرگز خدا کی بندگی نہیں کر سکتے، جو اپنے نفس کی بندگی میں مگن ہوں اور اُن کا اُن کوششوں کے اجر و انعام میں کوئی حصہ ہے جو خدا کی بندگی کا نظام قائم کرنے کے لئے کی گئی ہوں، خواہ ان میں وہ خود بھی شریک رہے ہوں۔

تیسری حقیقت یہ علم و شعور ہے کہ خدا کی پکار پر لبیک کہنے والوں کے جذبات کیا ہوتے ہیں۔ مگر یاد رکھئے! اس باب میں صرف علم و شعور ہی کافی نہیں ہے مگر عملی طور پر ان جذبات اور اوصاف سے اپنی زندگیوں کو آراستہ کرنے کی مسلسل جدوجہد کے بغیر، آپ اپنے داعیانہ منصب کا حق ادا نہیں کر سکتے، آپ کے لئے بہترین صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ہیں، جو رسول اکرم ﷺ کی دعوت قبول کر کے آخر دم تک ہر طرح کے حالات میں آپ ﷺ کا ساتھ دیتے رہے، خدا کے دین کو قبول کرنے کے بعد انہوں نے کوئی چیز اپنے لئے بچا کر نہیں رکھی، بلکہ سب کچھ اس دین پر نثار کر دیا، مال و دولت، اثر و اقتدار، قوت و صلاحیت، وطن و اولاد، محبت و دشمنی، حتیٰ کہ اپنی جان عزیز بھی اس راہ میں قربان کر دی اور پھر بھی یہ احساس انہیں بے چین کئے رہا کہ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

آیئے حواریین عیسیٰ علیہ السلام کی زندگیوں کی ایک جھلک دیکھیں، یہ بھی خدا کے انصار تھے اور دین حق کے داعی اور نقیب، داعیان اسلام کے لئے ان کی زندگی میں بڑی کشش بھی ہے اور سبق بھی۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔ **فلما احس عیسیٰ منھم الکفر قال من انصاری الیٰ اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ اٰمنا باللہ واشھد بانا مسلمون ربنا اٰمنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشٰھدین۔** ''پس جب عیسیٰؑ نے ان کی طرف سے مسلسل انکار کو بھانپ لیا۔ تو انہوں نے پکارا کون میرا مددگار بنتا ہے، خدا کی راہ میں؟ حواری نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کے انصار، ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں، آپ گواہ رہیئے کہ ہم اور فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس چیز پر جو تو نے نازل کی اور ہم نے اس رسول کی پیروی کی سو تو ہمیں گواہی دینے

والوں میں لکھ۔

رسول کی پکار کے جواب میں انصار اللہ ہونے کا عزم واظہار، اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا حوصلہ اور حق کی شہادت دینے والوں میں شامل ہونے کی تمنا۔ یہ حوارییں عیسیٰؑ کی ایسی ایمان افروز داستان ہے جسے بار بار دہرایئے اور دل کی دنیا کو ان جذبات اور تمناؤں سے آباد کرنے کی فکر کیجئے۔

حواری کے معنی ہیں، خیر خواہ، مددگار، حامی وناصر، جس طرح انصار کا لفظ مدینے کے ان جاں نثاروں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو رسول اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور انہوں نے ہر طرح کے حالات میں رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے حواری وہ جاں نثار کہلائے جو اخلاص کے ساتھ آپ کی دعوت پر ایمان لائے، اور ہر طرح کے نرم گرم حالات میں انہوں نے آپؑ کا ساتھ دیا، حضرت عیسیٰؑ نے نہایت شفقت، دلسوزی اور لگن کے ساتھ اپنے شاگردوں کی تعلیم وتربیت فرمائی، اور پھر یہ آپ ﷺ کے داعی، نقیب، اور پیغامبر بن کر بنی اسرائیل کی ایک ایک بستی تک پہنچے۔

دنیوی اعتبار سے یہ کسی بڑے مرتبے کے لوگ نہ تھے، لیکن اس اعتبار سے یہ سب پر بازی لے گئے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جوشِ دعوت میں ان کے سامنے حقیقت رکھی کہ مجھے تو ہر حال میں خدا کی راہ میں چلنا ہے، اب کون یہ حوصلہ کرتا ہے کہ میرا ساتھ دے تو حوارییں نے ہر لالچ اور خوف سے بے نیاز ہو کر کہا نحن انصار اللہ اور ان نازک حالات میں یہ اعلان کیا کہ جب قوم کے علماء، سردار اور مقتدر لوگ محروم رہ گئے اور خدا نے ان بے اثر لوگوں کو اپنے کام کے لئے منتخب فرما کر اپنے رسول کی رفاقت اور نصرت کی توفیق بخشی۔

انصار اللہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے وہ خوب سمجھ رہے تھے کہ اس اعلان کا کیا مطلب ہے، انصار اللہ ہونے کے کیا تقاضے ہیں اور یہ اعلان کر کے ہم کن ذمہ داریوں اور وفاداریوں کا اقرار کر رہے ہیں۔ چنانچہ نحن انصار اللہ کہنے کے بعد انہوں نے خود ہی

ان تقاضوں کو واضح کیا، اور خدا سے اپنی وفاداری کا عہد استوار کیا

☆ ہم سچے دل سے خدا پر ایمان لائے۔ اب ہماری زندگی ایمان کی روشنی میں گزریگی۔

☆ آپ گواہ رہیئے کہ ہم مسلم اور فرمانبردار ہیں، ہم اقرار کرتے ہیں اور آپ کو گواہ بنا کر اقرار کرتے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ ہم خدا کے وفادار بندے ہیں، وفاداری اور جاں نثاری ہی ہمارا شیوہ ہے۔

☆ ہم خدا کی بھیجی ہوئی وحی پر ایمان لائے۔ ہم بے چون و چرا اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

☆ ہم رسول کی پیروی میں زندگی گزارتے ہیں اور کسی مرحلے میں بھی ان کی قیادت سے سرتابی نہیں کرتے۔

☆ اور ہم نے اپنے قول وعمل سے اس حق کی شہادت دیتے ہیں جس کا تو نے ہمیں امین بنایا ہے۔

پروردگار! ہماری دعا یہ ہے کہ حشر کے میدان میں ہمارا شمار حق کی شہادت دینے والوں میں ہو، حق کو چھپانے والوں میں نہ ہو، تو نے جب ہمیں اپنے دین کا شعور دیا ہے، اپنے دین کی دعوت قبول کرنے کی توفیق دی ہے اور ہمیں دین کی خدمت کے لئے قبول کرلیا ہے تو ہم ہر حال میں حق کی شہادت دیں گے، دل سے، زبان سے، عمل سے، اور اگر ضرورت ہوگی تو جان دے کر یہ شہادت دیں گے۔ کہ یہی اصل شہادت ہے۔ لہٰذا اے ہمارے رب! ہمارا نام حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ اور اُن لوگوں میں ہرگز نہ لکھ جو حق واضح ہونے کے بعد اپنے قول وعمل سے حق کی شہادت دینے کے بجائے حق کو چھپانے کا سنگین جرم کرتے ہیں۔ (آمین یارب العالمین)

آپ نے بھی خدا کی دعوت پر لبیک کہا ہے، دعوت اسلامی کو قبول کیا ہے اور انصار اللہ ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اپنے جزبات، احساسات، تمناؤں اور آرزوؤں کا جائزہ لیجئے۔

اپنے حوصلوں، ارادوں اور ولولوں پر نگاہ ڈالئے، اپنے قول و عمل پر نظر کیجئے، اپنی شب و روز کی سرگرمیوں کا تجزیہ کیجئے اور اپنے رب سے آپ نے جو عہد کیا ہے اسی کو گواہ بنا کر انصاف کے ساتھ اپنا احتساب کیجئے کہ آپ کے ذہن و فکر، علم و فن، مال و دولت اور جسم و جان کی قوتیں کہاں صرف ہو رہی ہیں اور خدا نے اس دور میں اپنے کروڑوں بندوں میں سے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ ہی کو منتخب فرمایا ہے تو خدا کے اس انتخاب کے ساتھ آپ کا سلوک کیا ہے؟۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از شعورِ حیات)

بے شک دعوت و تبلیغ کرنے والوں کے لئے بھلائی ہے

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تمام لوگوں کو عذاب نہیں دیتے البتہ جب گناہ کھلے بندوں کئے جائیں اور روکنے والا کوئی نہ ہو تو تمام قوم عذاب کے لائق ہو جاتی ہے اور آپ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میں تیری قوم میں سے چالیس ہزار اچھے لوگوں اور ساٹھ ہزار برے لوگوں کو ہلاک کردوں گا انہوں نے عرض کی یا اللہ برے تو برے ہیں نیکوں کو ہلاک کرنے کی کیا وجہ ہے۔ ارشاد ہوا کہ انہوں نے میرے لئے کبھی غصہ نہیں دکھایا، بلکہ بروں کے ساتھ ہم پلہ ہم نوالہ بنے رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد پاک نقل کرتے ہیں بھلائی کی تلقین کرو اگرچہ خود عمل نہ بھی کرو اور برائی سے روکتے رہو گو خود نہ بھی رکتے ہو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بھلائی کے پھیلنے کا اور برائی کے روکنے کا ذریعہ ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو برائی کے پھیلنے کا اور بھلائی کی رکاوٹ کا ذریعہ ہوتے ہیں سو مبارک ہے ان لوگوں کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خیر پھیلنے کا ذریعہ بنایا اور ہلاکت

ہے ان لوگوں کے لئے جو برائی پھیلانے پر ہو گئے حاصل یہ کہ امر بالعمروف اور نہی عن المنکر کرنے والا بھلائی کو پھیلاتا ہے اور برائی کے لئے رکاوٹ ہے اور وہ مومنین میں سے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **والمومنون والمؤمنت بعضهم اولياء بعض يامرون با لمعروف وينهون عن المنكر**، ''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مدد گار ہیں نیک بات سکھلاتے اور برائی سے روکتے ہیں'' اور جو برائی پر لوگوں کو لگاتا اور بھلائی سے روکتا ہے وہ اپنے میں منافقوں والی علامات رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد مبارک ہے۔ ﴿**المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض يامرون بالمنكر وينهون عن المعروف**﴾ ''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں بری بات سکھاتے اور بھلائی سے روکتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے کہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر''، بہترین عمل ہے اور فاسق کو جلانے والا ہے، پس امر بالمعروف کرنے والا مومن کی پشت پناہی کرتا ہے اور نہی عن المنکر کرنے والا منافق کو ذلیل کرتا ہے۔

سب سے زیادہ محبوب عمل

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا جبکہ آپ مکہ میں تھے، کہنے لگے کہ آپ ہی ہیں جو اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں ارشاد فرمایا ہاں! سائل نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے، فرمایا اللہ پر ایمان لانا، پوچھا پھر کون سا! ارشاد ہوا صلہ رحمی کرنا۔ عرض کیا پھر کون سا، ارشاد فرما بھلائی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا، پھر پوچھا حق تعالیٰ کے ہاں سب سے ناپسند عمل کون سا ہے، ارشاد فرمایا شرک کرنا، سائل نے عرض کیا پھر کون سا، فرمایا قطعی رحمی کرنا، سائل نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون سا عمل برا ہے، فرمایا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا، سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی عالم کو دیکھو کہ وہ ہمسایوں میں محبوب ہے، برادری والے اس کی

تعریف کرتے ہیں تو یقین کرلو کہ وہ شخص مداہن ہے۔

حضرت جریرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں کوئی گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور لوگ طاقت کے باوجود اس کو روکتے نہیں تو مرنے سے پہلے وہ لوگ عذاب میں داخل ہوجاتے ہیں۔ فقیہ ؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قدرت کی شرط لگانے کا مطلب یہ ہے کہ جب معاشرہ یا ماحول میں نیک لوگ کا غلبہ ہو تو ان پر واجب ہے کہ وہ معصیت کرنے والوں کو روکیں جب کہ وہ اعلانیہ طور پر معصیت کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس امت کی تعریف اسی وصف کی وجہ سے فرمائی ہے۔ ارشاد پاک ہے۔ ﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ ولو اٰمن اھل الکتب لکان خیر الھم منھم المومنون واکثرھم الفسقون﴾ ''تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجے گئے عالم میں۔ حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کے لئے بہتر تھا۔ کچھ تو ہیں ان میں سے ایمان پر اور اکثر ان میں نافرمان ہیں۔''

بعض علماء فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ میں تمہیں بہترین امت لکھا گیا ہے جسے لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لئے تمہیں بنایا ہے کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے رہو اور اہل معاصی کو معصیت سے روکتے ہو۔ المعروف وہ کام ہے جو اللہ کی کتاب اور عقل سلیم کے موافق ہو اور المنکر وہ کام ہے جو کتاب اللہ کے خلاف ہو اور عقل سلیم بھی اسے پسند نہ کرے ایک اور آیت میں ارشاد ہے۔ ﴿ولتَکُن مِنکُم اُمَّةٌ یَّدعُونَ اِلَی الخَیرِ ویأمُرونَ بِالمعرُوفِ وینھونَ عَنِ المُنکَرِ وَاُولٰئِکَ ھُمُ المُفلِحُون﴾ اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے اور وہی لوگ پہنچنے والے ہیں مراد کو۔''

فائدہ......شروع آیت میں لام امر کا لگا ہوا ہے یعنی تم میں سے ایسی جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکتی ہو۔ اور اسی فریضہ کو چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ نے اقوام سابقہ کی مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد پاک ہے: ﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنكَرٍ فَعَلُوهُ﴾ ''آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے جو وہ کرتے تھے۔''

یعنی جن برائیوں کا وہ ارتکاب کرتے تھے۔ باہم ایک دوسرے کو اس سے روکتے نہیں تھے اور ان کا یہ عمل بہت ہی برا تھا ایک اور آیت میں ہے: ﴿ولو لا ينههُمُ الرَّبَّانِيُّونَ والأحبَارُ عَن قَولِهِمُ الإثمَ وَأكلِهِمُ السُّحتَ، لَبِئسَ مَا كَانُوا يَصنَعُونَ﴾ ''کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت ہی برے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔

یعنی اہل علم اور نیک لوگوں کو انہیں برا کلام اور گندے کاموں سے روکنا چاہیے تھا۔ تو کیوں نہ روکا یقیناً انہوں نے بہت برا کیا۔ مناسب ہے کہ بھلائی کی دعوت و تبلیغ تنہائی یا پوشیدگی میں ہو سکے تو یوں ہی کرے کہ یہ موثر طریقہ ہے۔ حضرت ابودرداء فرماتے ہیں کہ جس کسی نے اپنے بھائی کو اعلانیہ نصیحت کی اس نے اسے رسوا کیا۔ اور جس کسی نے چپکے سے کی تو اسے زینت بخشی۔ اگر پوشیدہ وعظ مؤثر نہ ہو تو اعلانیہ کرے بلکہ دوسرے نیک لوگوں سے بھی تعاون حاصل کرے کہ سب مل کر اسے برائی سے روکیں اگر ایسا نہ کر سکیں تو اہل معیصت ان پر غالب آجائیں گے اور سب کے سب عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے۔

ترکِ تبلیغ کا نتیجہ

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ کے حقوق میں نرمی اور سستی کرنے والے اور ان حقوق کو ضائع کرنے والے، اور ان کی حفاظت کرنے والے، ان تین قسم کے لوگوں کی طرح ہیں جو ایک بحری جہاز میں سوار تھے، انہوں نے اس کی منزلیں باہم تقسیم کر لیں ایک کو بالائی دوسرے کو درمیانی اور تیسرے کو پہلی

منزل ملی، سفر جاری تھا کہ ایک شخص کلہاڑا لے آیا، ساتھی کہنے لگے کہ کیا کرنا چاہتا ہے کہنے لگا اپنی منزل میں سوراخ کرنا چاہتا ہوں، پانی بھی قریب رہے گا اور دیگر حاجات میں بھی آسانی رہے گی، اب بعض لوگ تو یوں کہنے لگے کہ اسے دفع کرو اپنے حصہ کی منزل میں جو چاہے کرے، دوسرے بولے ہرگز ایسا نہ کرنے دو ورنہ یہ ہمیں بھی ڈبو دے گا اور خود بھی غرق ہوگا، پس اگر وہ شخص اس کا ہاتھ پکڑتے ہیں تو وہ خود بھی بچتا ہے اور یہ لوگ بھی بچتے ہیں اگر اسے چھوڑتے ہیں تو وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور انہیں بھی ہلاک کرے گا۔

حضرت ابودرداءؓ کا مقولہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسا ظالم حاکم مسلط کردیں گے جو نہ کسی بڑے کی تعظیم کا خیال کرے گا اور نہ چھوٹے پر رحم کھائے گا اور تمہارے نیک لوگ دعائیں بھی کریں گے تو قبول نہ ہوں گی اور مدد مانگے گے تو مدد نہ کی جائے گی اور بخشش چاہیں گے تو بخشش نہ ہوگی۔ حضرت حذیفہؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دیں پھر تم دعائیں مانگو گے تو قبول نہ ہوں گی، حضرت علیؓ نبی کرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میری امت جب ظالم کو ظالم کہنے سے خوف کھانے لگے گی تو ان سے الگ ہو جایئو۔

حضرت ابوسعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے ایسا نہ کرسکے تو زبان سے روکے اور یہ بھی نہ کرسکے تو دل سے براجانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ یعنی اہل ایمان کا کمزورترین عمل ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ ہاتھ سے روکنا اُمراء اور حکام کا فریضہ ہے اور زبان سے روکنا اہل علم کا اور دل سے برا سمجھنا اور بیزاری دکھانا عام لوگوں کا عمل ہے اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جو شخص بھی ان تینوں درجوں میں سے کسی پر قدرت پائے لازم ہے کہ اسے اختیار کرے۔

دعوت وتبلیغ سے دین کی برتری اور اللہ کی رضا مقصود ہو

فقیہہ ابولیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کرنے والے کو چاہئے کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی برتری کا قصد کرلے۔ اپنی کوئی غرض پیش نظر نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی برتری مقصود ہوگی تو اس عمل کی توفیق اور نصرت خداوندی حاصل ہوگی۔ اگر کوئی نفسانی غرض آگے رکھی تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے محروم کردیتے ہیں۔ حضرت عکرمہؓ راوی ہیں کہ ایک آدمی ایک درخت کے سامنے سے گزرا جس کی لوگ پوجا کیا کرتے تھے اس کو طیش آیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس درخت کی پوجا کررہے ہیں۔ ایک دن کلہاڑا پکڑ کر گدھے پر سوار ہوکر اس درخت کی جانب چل دیا کہ اسے کاٹ ڈالے۔ راستے میں ابلیس لعین انسانی شکل میں ملا اور پوچھنے لگا کہ کدھر جارہے ہو، یہ شخص بولا کہ میں نے ایک درخت دیکھا ہے کہ لوگ اس کی پوجا کررہے ہیں، میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ گدھے پر سوار ہوکر وہاں جاؤں گا اور اسے کلہاڑے سے کاٹ ڈالوں گا، ابلیس کہنے لگا بھلا تجھے اس سے کیا غرض اس درخت کا خیال چھوڑ اور اس کے پجاریوں کو دفع کر ان کو خدا خود ہی سمجھ لے گا۔ دونوں میں تکرار ہونے لگا حتی کہ دست وگریباں ہوگئے۔ ابلیس لعین عاجز آگیا اور یہ شخص اپنے ارادے پر پکا رہا۔ یہ دیکھ کر شیطان ملعون کہنے لگا کہ تو واپس ہوجا تجھے روزانہ چار درھم دیا کروں گا روزانہ اپنے بستر کا کنارہ اٹھا کرلے لیا کرنا یہ شخص سن کر کہنے لگا کہ سچ کہتا ہے وہ بولا میں بالکل اس کا ضامن ہوں۔ یہ شخص واپس آگیا اور حسب وعدہ دو تین دن تک دو چار درھم یومیہ وصول کرتا رہا اس کے بعد ایک دن چادر اٹھائی تو نیچے سے کچھ نہ ملا۔ اور اگلے روز بھی کچھ نہ ملا۔ تو پھر کلہاڑا لے کر گدھے پر سوار ہوکر چلا۔ ابلیس پھر انسانی شکل میں سامنے آیا اور کہنے لگا کہ کہاں کا ارادہ ہے یہ شخص بولا ایک درخت ہے لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں اسے کاٹنے جارہا ہوں ابلیس کہنے لگا اب تو یہ کام نہیں کرسکتا کیونکہ تیرا پہلی بار کا جانا اللہ کے لئے تھا اگر تمام زمین وآسمان

والے جمع ہو جاتے تو تجھے روک نہ سکتے تھے اور اب تیرا جانا محض خود غرضی کا ہے کہ درھم نہیں ملے تو اٹھ کر چل دیا ہے خبردار اگر ذرا بھی آگے بڑھا تو تیری گردن مار دوں گا، یہ شخص چپکے سے واپس لوٹ گیا اور درخت کا خیال چھوڑ دیا۔

دعوت وتبلیغ کیلئے پانچ چیزوں کی ضرورت ہے

فقیہ ؒ فرماتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کرنے والے کو پانچ چیزوں کی ضرورت ہے۔ پہلی چیز علم کہ جاہل اس کام کو اچھی طرح نہیں کرسکتا۔ دوسری یہ کہ مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی برتری ہو۔ تیسری یہ کہ نرمی اور محنت کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کرے سخت اور تند خو نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا تھا ﴿فقولا له قولا لينا﴾ ''کہ اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرنا۔''

چوتھی یہ کہ صبر اور تحمل اختیار کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان علیہ السلام کے بیان میں ارشاد فرمایا: وَأمُر بِالمَعرُوفِ وَانهَ عَنِ المُنكَرِ وَاصبِرُ عَلىٰ مَاأصَابَكَ ''اور سکھلا بھلی بات اور منع کر برائی سے اور تحمل کر جو تجھ پر (مصیبت) پڑے۔''

پانچویں چیز یہ کہ جس بات کو دوسروں کو تلقین کرتا ہے خود بھی اس پر عمل کرتا ہو تا کہ لوگ اس کو خود عمل نہ کرنے کی عار نہ دلائیں۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسكم ''کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو۔'' کے تحت داخل نہ ہو جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے معراج کے سفر میں ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جواب دیا کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ حضرت قتادہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے اے آدم زاد تو دوسروں کو میری یاد

دلاتا ہے اور خود مجھے بھلاتا ہے لوگوں کو میری طرف بلاتا ہے اور خود مجھ سے بھاگتا ہے یہ کیا غلط طریق ہے۔

حضرت ابو معاویہ فرازیؒ حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تم لوگ آج اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ طریقہ پر قائم ہو بھلائی کی دعوت دیتے ہو برائی سے منع کرتے ہو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہو لیکن ایک وقت آئے گا کہ تم اس طریق سے ہٹ جاؤ گے۔ جب کہ تم میں دنیا کی محبت عام ہو جائے گی تو تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرو گے۔ اللہ کی راہ کے ماسوا میں جدوجہد کرنے لگو گے۔ اس وقت پوشیدہ اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر قائم رہنے والے ان مہاجریں اور انصار کا درجہ پائیں گے جو اول اول ایمان لائے تھے اور دوسروں سے سبقت لے گئے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے دین کی حفاظت کی غرض سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف ہجرت کی خواہ ایک بالشت ہی سفر کیا ہو تو اس نے جنت اپنے لئے لازم کرلی۔ اور وہ حضرت ابراہیم اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا ساتھی بنے گا۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَقَالَ اِنِّی مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّی اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم ''اور فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤں گا وہ زبردست حکمت والا ہے۔''

اور فرماتے ہیں ﴿اِنِّی ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّی سَیَهْدِین﴾ ''میں اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو پہنچا ہی دے گا۔''

یعنی اپنے رب کی اطاعت اور رضا کی طرف۔ اور نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو جو شخص ایسی جگہ میں ہو جہاں گناہ ہوتے ہوں اور وہاں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نکل آیا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی

پیروی کی۔ لہٰذا جنت میں ان دونوں حضرات کا رفیق اور ساتھی بنایا جائے گا اللہ پاک کا ارشاد ہے۔ ﴿ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله وکان الله غفورا رحیما﴾ ''اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ و رسول کی طرف ہجرت کروں گا۔ پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والا ہے۔''

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو مسلمان اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لئے نکلتا ہے اور سواری کی رکاب میں پاؤں ڈال کر خواہ ایک قدم ہی چلا تھا کہ اسے موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ اس کو مہاجرین جیسا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ اور جو مسلمان جہاد کی غرض سے گھر سے نکلا ابھی لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی، کہ جانور نے گرا دیا یا کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا، یا یوں ہی فوت ہو گیا تو یہ شخص شہید ہوگا، اور جو شخص بیت اللہ شریف کا قصد کر کے گھر سے نکلا اور راستے ہی میں موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت واجب کر دیتے ہیں۔

فقیہ ؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے وطن کو نہیں چھوڑتا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور اس میں کوتاہی نہیں کرتا اور کوئی رکاوٹ نہیں پاتا تو اسے گنجائش ہے کہ وطن نہ چھوڑے، مگر لوگوں کے گناہوں سے بیزار رہے اور ناپسند سمجھتا رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ تمہارے کسی آدمی کے لئے یہ چیز کافی ہے کہ جب کسی برائی کو دیکھے اور روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ دل سے اس کو ناپسند کرتا ہے، بعض صحابہ سے منقول ہے کہ کوئی شخص جب کسی برائی کو دیکھے اور اس کو روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو تین مرتبہ یوں کہے کہ اے اللہ! یہ بات یقیناً بری ہے تو مجھے اس کی وجہ سے نہ پکڑیو۔ یوں کہنے پر اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کا ثواب مل جائے گا۔ جب لوگ دنیا کے حریص ہو جائیں اور برائیاں پھیل جائیں اس وقت اپنی فکر کرو ابوامیہ کہتے ہیں کہ میں نے ثعلبہ خشنیؓ سے اس آیت کے متعلق

سوال کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ﴾ ''اے مسلمانوں تم اپنی جانوں کا فکر کرو۔''

فرمانے لگے تو نے ایک باخبر آدمی سے سوال کیا ہے پھر کہنے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ثعلبہ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو حتی کہ جب دیکھو کہ دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے۔ اور بخل وحرص کی اطاعت ہورہی ہے اور ہر شخص اپنی عقل کے گھمنڈ میں تلا ہے تو پھر اپنی فکر میں لگ جاؤ، کیونکہ تمہارے موجودہ حالات کے بعد بڑے صبر آزما ایام آنے والے ہیں ان دنوں میں تمہارے جیسی دینداری پر پکا رہنے والا شخص پچاس دینداروں کے برابر اجر پائے گا صحابہ نے عرض کیا کہ وہ اپنے زمانہ کے پچاس عمل کرنے والوں کا اجر پائے گا یا ہمارے زمانہ کے عمل کرنے والوں کا، فرمایا بلکہ تمہارے زمانہ کے پچاس عاملوں جیسا ثواب پائے گا۔

قیس بن اَبی حَازِمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ فرماتے سنا کہ تم لوگ یہ آیت یٰایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم پڑھتے ہو مگر اس کا مطلب غلط لیتے ہو۔ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ جس قوم میں برائیاں ہوتی ہوں اور وہ روک ٹوک نہ کرتے ہوں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پوری قوم پر اپنا عذاب نازل فرمائے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ ابھی اس آیت کا زمانہ نہیں آیا۔ ہاں جب خواہشات بکثرت پھیل جائیں گی جھگڑے عام ہو جائیں گے تو ہر کسی کو اپنے دین کی فکر کرنی چاہئے بس اس آیت کا مطلب یہ ہے۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از تنبیہ الغافلین)

دعوت و تبلیغ اور اس کے آداب

جو لوگ اعمال خیر سے برگشتہ ہوں معاصی میں لگے ہوں ان کو خیر کی راہ دکھانا معاصی سے متنفر کرنا اور بچانا ایک اہم دینی ضرورت ہے جس کی ذمہ داری پوری امت مسلمہ پر ہے اور حضرات علماء کرام اس کو بہتر طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں اس کام کے بہت سے

احکام وآداب ہیں ذیل میں اولاً سورۃ النحل کی آیت اور اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے اس کے بعد کچھ تفصیل سے احکام وآداب لکھے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ، وهو ولی التوفيق.

سورۂ نحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿أُدعُ اِلَى سَبيلِ رَبِّکَ بِالحِکمَةِ وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ وَجَادِلهُم بِالَّتِى هِىَ أَحسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ أَعلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهٖ وَهُوَ أَعلَمُ بِالمُهتَدِين﴾ ''اپنے رب کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے بلائیے اور ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجئے جو اچھا طریقہ ہو، بلاشبہ آپ کا رب ان کوخوب جاننے والا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور وہ ان کوخوب جانتا ہے جو ہدایت کی راہ پر چلنے والے ہیں۔'' اس آیت میں دعوت الی اللہ کا طریقہ بتایا ہے اور ارشاد فرمایا: ﴿أُدعُ اِلَى سَبيلِ رَبِّکَ بِالحِکمَةِ﴾ ''آپ اپنے رب کی طرف حکمت کے ذریعے بلائیے'' ﴿وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ﴾ ''اور موعظہ حسنہ کے ذریعے'' ﴿وَجَادِلهُم بِالَّتِى هِىَ أَحسَن﴾ ''اور ان سے ایسے طریقے سے بحث کیجئے جو بہت اچھا طریقہ ہو'' اس میں تین چیزوں کی رعایت رکھنے کا حکم فرمایا (۱) حکمت (۲) موعظہ حسنہ (۳) اچھے طریقہ پر بحث کرنا، حکم تو رسول اللہ کو فرمایا ہے۔ اور وہ سب حضرات اس کے مخاطب ہیں جو رسول اللہ کے نائب ہیں جو بھی کوئی شخص دعوت کا کام کرے عالم ہو یا غیر عالم وہ ان چیزوں کا خیال رکھے، ان کا خیال رکھا جاتا ہے تو عموماً منصف مزاج بات مان لیتے ہیں اور دعوت حق قبول کر لیتے ہیں۔ دعوت الی الایمان ہو یا اعمال صالحہ کی دعوت ہو سب میں مذکورہ بالا چیزیں اختیار کرنا ضروری ہے۔

حکمت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے ﴿انها الكلام الصواب الواقع من النفس اجمل﴾ ''یعنی حکمت وہ صحیح بات ہے جو نفس انسانی میں خوبصورت طریقہ پر واقع ہو جائے۔'' حکمت کی دوسری تعریفیں بھی کی گئی ہیں لیکن ان سب کا حال یہی ہے کہ ایسے طریقے پر بات کی جائے جسے مخاطب قبول کر لے یہ طریقے افراد واحوال کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں جو شخص

اخلاص کے ساتھ یہ چاہتا ہے، کہ مخاطبین میری بات کو قبول کر ہی لیں وہ اس کے لئے تدبیریں سوچتا ہے، واسطوں کو استعمال کرتا ہے، نرمی سے کام لیتا ہے ثواب بتاتا ہے اور عذاب سے ڈراتا ہے، موقع دیکھ کر بات کرتا ہے جو لوگ مشغول ہوں ان سے بات کرنے کے لئے فرصت کا انتظار کرتا ہے اور اتنی دیر بات کرتا ہے جس سے وہ تنگدل اور ملول نہ ہو جائیں، اگر پہلی بار مخاطبین نے اثر نہ لیا تو پھر موقع کا منتظر رہتا ہے پھر جب موقع پاتا ہے پھر بات کہہ دیتا ہے اور اس میں زیادہ تر نرمی ہی کام دیتی ہے، اللہ جلّ شانہٗ نے جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجنے کا حکم دیا تو فرمایا: ﴿**فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی**﴾ (سو تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کرلے یا ڈر جائے) البتہ اپنے لوگوں کو موقع کے مناسب کبھی سختی بھی کرنا مناسب ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت سرور دو عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو سختی سے مخاطب فرمایا جب کہ انہوں نے عشاء کی نماز میں لمبی قراءت کر دی تھی صاحب حکمت اپنے نفس کے ابھار اور کسی بغض وحسد کی وجہ سے مخاطب کو نہیں ڈانٹتا داعی کے لئے ضروری ہے کہ ناصح یعنی خیر خواہ بھی ہو اور امین یعنی امانت دار بھی ہو جیسا کہ حضرت ہود نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿**وَاَنَالَكُم نَاصِحٌ أَمِينٌ**﴾ "اور میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں اور امین ہوں۔"

حکمت کا یہ بھی تقاضہ ہے جو بہت ہی اہم ہے کہ دین کو آسان کر کے پیش کرے اور نفرت پیدا ہونے کا سبب نہ بنے حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**يَسِّرُوا وَلَاتُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا**﴾ "آسانی کی بات کرو اور سختی سے پیش نہ آؤ اور بشارت دو، نفرت نہ دلاؤ۔"

بہت سے لوگوں میں حق کہنے کا جذبہ ہوتا ہے لیکن وہ موقع نہیں دیکھتے، ہتھوڑا مار کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے تو بات کہہ دی اپنا کام کر دیا لیکن اس سے مخاطب کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بعض مرتبہ ضد وعناد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں جہاں پر حق دب رہا ہو، وہاں زبان سے کہہ دینا بھی بڑی بات ہے ایسے موقع پر حکمت کا تقاضہ یہی ہوتا ہے کہ حق کلمہ کہہ دیا

جائے اسی کو فرمایا ہے: ﴿افضل الجهاد من قال كلمة حق عند سلطان جائر﴾ (رواه البغوی فی شرح السنۃ) سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس شخص کا جہاد ہے جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دیا)۔

حکمت کی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بات کہنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ سننے والے ملول اور تنگ دل نہ ہوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ روزانہ بیان فرمایا کرتے تو اچھا ہوتا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں روزانہ اس لئے بیان نہیں کرتا کہ تمہیں ملول اور تنگدل کرنا گوارا نہیں ہے تمہیں رغبت کے ساتھ موقع دیتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے موقع کا دھیان رکھتے تھے تاکہ ہم تنگ دل نہ ہو جائیں۔

حکمت کے تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی بات نہ کرے جو لوگوں کے لئے عجوبہ بن جائے، اگرچہ باتیں صحیح ہوں، لوگوں کو قریب کرتے رہیں تھوڑا تھوڑا علم ان کے دل میں داخل کرتے رہیں جب جس بات کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اس وقت وہ بات کہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: ﴿حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يكذب الله ورسوله﴾ "یعنی لوگوں کے سامنے وہ باتیں بیان کرو جنہیں وہ پہچانتے ہوں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے (مطلب یہ ہے کہ بات تو تم صحیح پیش کرو گے مخاطبین کی سمجھ سے بالاتر ہوگی تو وہ کہیں گے ایسا نہیں ہے یا یوں کہیں گے ایسا نہیں ہو سکتا)۔

اس وجہ سے حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ جس علاقہ میں جو قرات اور جو روایت رائج ہو عوام کے مجمع میں اسی کو پڑھا جائے جیسے ہمارے ملکوں میں حضرت عاصم کی قرات اور حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہما کی روایت رواج پزیر ہے کوئی کلمہ کسی دوسرے قرات کا پڑھ دیا جائے تو حاضرین کہیں گے کہ اس نے قرآن غلط پڑھ دیا اور اس تکذیب کا سبب وہ قاری بنے گا جس نے کسی دوسری قرات کے مطابق تلاوت کردی۔

حکمت کے تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اجتماعی خطاب میں سختی ہو اور انفرادی گفتگو میں نرمی ہو اور حکمت کے طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو غیر شرعی کاموں میں مبتلا دیکھے تو بجائے اس کو خطاب کرنے کے محفل عام میں یوں کہہ دے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں فلاں فلاں گناہ کی یہ وعید ہے اس طرح سے ہر وہ شخص متنبہ ہو جائے گا جو اس گناہ میں مبتلا ہو۔

''لفظ حکمت بہت جامع لفظ ہے اس کی جتنی بھی تشریح کی جائے کم ہے چنانچہ اجمالی طور پر بات کی جائے کہ بات قبول کر لینا اقرب ہو اور ایسا انداز اختیار کیا جائے جس سے وہ متوحش نہ ہوں داعی کے طریقہ کار کی وجہ سے نہ چڑ جائیں نہ عناد پر کمر باندھ لیں مقصود حق قبول کرانا ہو نفرت دلانا نہ ہو جب کوئی شخص نیک نیتی سے اس مقصد کو آگے لے کر بڑھے گا تو خیر پہچانے کے وہ طریقے اس کے ذہن میں آئیں گے جو اسے کسی نے نہیں بتائے اور جو اس نے کتابوں میں نہیں پائے۔ انشاء اللہ اور واضح رہے کہ کسی فرد یا جماعت کو راہ حق پر لانے کے لئے خود گناہ کرنا حلال نہیں بعض لوگ دوسروں کو ہدایت دینے کے لئے بدعتوں میں شریک ہو جاتے ہیں یا جانتے بوجھتے ہوئے حرام مال سے دعوت کھا لیتے ہیں یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے، ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسروں کو خیر پر لگانے کے لئے خود گناہ گار ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت دینے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہوئے مزید فرمایا ﴿و الموعظة الحسنة﴾ کہ موعظہ حسنہ کے ذریعے دعوت دو یہ لفظ بھی بہت جامع ہے ترغیب و ترہیب والی آیات اور احادیث بیان کرنا اور ایسی روایات سنانا جس سے دل نرم ہو اور ایسے واقعات سامنے لانا جس سے آخرت کی فکر ذہنوں میں بیٹھ جائے اور گناہ چھوڑنے اور نیک اعمال اختیار کرنے کے جذبات قلوب میں بیدار ہو جائیں یہ سب چیزیں موعظہ حسنہ میں آجاتی ہیں مخاطبین کو ایسے انداز سے خطاب نہ کرے جس سے وہ اپنی اہانت محسوس کریں اور دل خراش طریقہ اختیار نہ کرے جب اللہ کی راہ پر لگانا ہے تو پھر ایسا طریقہ

اختیار کرنا کہ جس سے کہ لوگ مزید دور ہو جائیں کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا عمل موعظہ حسنہ کے خلاف ہوگا۔

تیسری بات یوں فرمائی: ﴿وجَادِلهُم بِالَّتِي هِيَ أحسَن﴾ ''کہ ان سے اچھے طریقے سے جدال کرو۔''

جدال سے جھگڑنا مراد نہیں سوال جواب مراد ہے جس کا ترجمہ مباحثہ سے کیا گیا ہے جن لوگوں سے خطاب ہوا ان میں بہت سے لوگ باوجود باطل پر ہونے کے، حق کو دبانے کے لئے الٹے الٹے سوال کرتے ہیں ان کے جواب دینے کے لئے ایسا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے جس سے ان کا منہ بند ہو جائے اور ان کے لاجواب ہونے کو دیکھ کر ان کے ماننے والے گمراہی سے منحرف ہو جائیں اور حق کو قبول کر لیں جب کسی شخص میں اخلاص ہوتا ہے او اللہ کے بندوں کی ہمدردی پیش نظر ہوتی ہے تو اللہ کی توفیق سے سوال و جواب اور مباحثہ میں عمدگی اور نرمی اور موثر طریقے پر گفتگو کی توفیق ہو جاتی ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو دیوانہ جادوگر، گمراہ، احمق کہا گیا اور بے تکے سوالات کئے گئے ان حضرات نے صبر و تحمل سے کام لیا جس کے واقعات سورہ اعراف اور سورہ ہود اور سورہ شعراء میں مذکور ہیں اگر کوئی شخص برے طریقے پر پیش آئے تو اس سے اچھے طریقے پر پیش آنا لازمی ہے۔

سورہ حم سجدہ میں فرمایا: ﴿وَمَن أحسَنُ قَولًا مِّمَّن دَعَا اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِي مِنَ المُسلِمِينَ وَلَاتَستَوِى الحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ، اِدفَع بِالَّتِي هِيَ أحسَن فَاِ ذَا الَّذِى بَينَکَ وَبَينَهُ عَدَاوَةٌ کَأنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ، وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيم﴾ ''اور اس سے اچھی کس کی بات ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یوں کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نہیں برابر ہوتی اچھی خصلت اور بری خصلت، تو اس طریقے پر دفع کر جو طریقہ اچھا ہو پھر اچانک وہ شخص جس میں دشمنی تھی ایسا ہو جوئے گا جیسا خالص دوست ہوتا ہے اور یہ خصلت انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جنہوں نے صبر کیا اور انہی کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے

ہیں۔''

جاہلوں اور معاندوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹنا پڑتا ہے، اگر داعی حق نے بھی جاہل اور معاند کے مقابلے میں آستین چڑھالی، آنکھیں سرخ کرلیں، لہجہ تیز کردیا، ناشائستہ الفاظ زبان سے نکال دیئے تو پھر داعی اور مدعو اور صاحب حق اور صاحب باطل میں فرق ہی کیا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک بادشاہ نے (جس کا نام نمرود بتایا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحث کی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّیَ الَّذِی یُحیِی وَیُمِیتُ﴾ ''کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔''

اس پر اس نے جیل خانہ سے دو قیدی بلائے ان میں سے ایک کو قتل کردیا اور ایک کو رہا کردیا اور کہنے لگا کہ (میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں) اس نے اپنی جہالت سے یا اعتماد سے ایسا کیا۔ حضرت ابراہیم نے زندہ کرنے اور موت دینے کا مفہوم کے بارے میں بحث کرنے کے بجائے بات کا انداز بدل دیا اور فرمایا کہ میرا رب وہ ہے کہ جو سورج کو پورب سے لے کے آتا ہے تو اسے مغرب سے لے کر آ۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گیا ،اور کوئی جواب بن نہ پڑا، اگر حضرت ابراہیمؑ زندہ کرنے اور موت دینے کا مفہوم متعین کرنے اور سمجھانے منوانے میں لگتے تو ممکن تھا کہ وہ جاہل کافر غلط مفہوم پر اڑا رہتا۔ خواہ مخواہ جھک جھک کرتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بات کا انداز ایسا اختیار فرمالیا جس سے وہ کافر جلد ہی خاموش ہوگیا۔

یہ واقعہ سورۃ بقرہ رکوع (۳۵) میں مذکور ہے حضرت ابراہیمؑ کا ایک اور واقعہ بھی ہے جو سورہ قصص میں مذکور ہے ان کی قوم بت پرست تھی حضرت ابراہیمؑ نے ایک دن ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ وہ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے واپس آئے تو دیکھا کہ بت ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں، کہنے لگے کہ اے ابراہیم! کیا تم نے یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو انہی سے پوچھ لو اس پر وہ لوگ کہنے لگے یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ یہ تو بولتے نہیں، حضرت ابراہیمؑ گفتگو کرتے کرتے انہیں یہاں تک

لے آئے اوران سے کہلوادیا کہ یہ بولتے نہیں،تواب تبلیغ فرمائی اور توحید کی دعوت دی: ﴿قَالَ اَفَتعبُدُونَ مِن دُونِ اللهِ مَا لَايَنفَعُكُم شَيئًا وَّلَا يَضُرُّكُم اُفٍّ لَّكُم وَلِمَا تَعبُدُونَ مِن دُونِ اللهِ اَفَلَا تَعقِلُون﴾ ''سو کیا تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے اور نہ ضرر پہنچا سکے،تم پر افسوس کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔''اس ترکیب سے بات کرنا اور تدبیر سوچنا موعظہ حسنہ میں داخل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کبھی اصلاح کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کسی کی غلطی پر متنبہ فرمانے کے لئے بعض مرتبہ سلام کا جواب نہیں دیا اور فرمایا جاؤ اس کو دھوڈالو۔

اور آپ ﷺ کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کسی کے پیچھے کوئی کلمہ فرمادیا اور وہ اسے پہنچ گیا اس پر اس نے اپنی اصلاح کرلی۔حضرت خریم اسدی ایک صحابی تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ خریم اچھے آدمی ہیں اگر ان کے بال بہت لمبے نہ ہوتے اور تہبند لٹکا ہوا نہ ہوتا۔حضرت خریمؓ کو یہ بات پہنچ گئی تو انہوں نے اپنے بال کاٹ لئے جو کانوں تک رہ گئے تھے اور اپنے تہبند کو آدھی پنڈلیوں تک کرلیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے وہاں دیکھا ایک اونچا قبہ بنا ہوا ہے آپ نے صحابہؓ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے،آپ خاموش ہوگئے اور اس بات کو دل میں رکھا جب قبہ والے حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے سلام کیا،آپ ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا،کئی بار ایسا ہوا جس کی وجہ سے قبہ والے صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ ناراض ہیں۔حاضرین سے انہوں نے دریافت کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا رخ بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں،صحابہ نے بتایا کہ آپ ﷺ ایک دن باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے قبہ کو دیکھ لیا تھا۔یہ معلوم کرکے وہ صاحب واپس لوٹے اور اپنے قبہ کو گراکر زمین کے برابر کردیا۔اب حضرات صحابہؓ کا ادب دیکھو کہ واپس آکے یوں نہیں کہا کہ میں گرا آیا ہوں،پھر آپ ﷺ کسی دن اس طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ قبہ نہیں ہے دریافت فرمایا کہ وہ قبہ کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ قبہ والے صاحب نے آپ ﷺ کی بے رخی کی شکایت کی تو ہم نے

یہ بتادیا کہ تمہارے قبہ پر آپ ﷺ کی نظر پڑ گئی تھی لہٰذا انہوں نے اسے گرادیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ خبردار! ہر عمارت صاحب عمارت کے لئے وبال ہے سوائے اس عمارت کے جس کی ضرورت ہو۔

ان روایات سے معلوم ہوا ہے کہ ڈانٹنا، ڈپٹنا، جھڑکنا، سختی کرنا ہی تعلیم وتبلیغ نہیں ہے۔ زیادہ تر نرمی سے اور حکمت اور تدبیر سے کام چلانا چاہئے۔ کہیں ضرورت پڑ گئی تو سختی بھی کر لینی چاہئے لیکن ہمیشہ نہیں۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے تو نرمی اور تواضع سے پیش آتے ہیں لیکن اپنی آل واولاد کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ اور مار پٹائی کا معاملہ کرتے ہیں پھر جب بڑے ہوجاتے ہیں تو بڑھ چڑھ کر نافرمانی کرتے ہیں، اس وقت ان کو دین پر ڈالنا بہت مشکل ہوجاتا ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے فرمایا: ''اے عائشہ نرمی کو پکڑ لو اور سختی سے اور بدکلامی سے بچو بلاشبہ جس کسی چیز میں نرمی ہوگی وہ اسے زینت دے دے گی اور جس چیز سے نرمی ہٹالی جائے گی تو وہ اسے عیب دار بنادے گی۔''

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿من یحرم الرفیق یحرم الخیر﴾ ''جو شخص نرمی سے محروم کردیا گیا وہ خیر سے محروم کردیا گیا۔''

اصلاح کا طریقہ یہ بھی ہے کہ گناہ کرنے والوں سے قطع تعلق کرلیا جائے لیکن یہ اسی وقت مفید ہے جب وہ شخص اثر لے جس سے تعلق قطع کیا گیا ہے۔ آج کل تو یہ زمانہ ہے کہ گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں اگر ان سے تعلق توڑلیا جائے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں اچھا ہوا تم روٹھے اور ہم چھوٹے، لہٰذا کسی نیک آدمی کے ناراض ہونے کا اثر نہیں لیتے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ معاشرہ میں شر اور معاصی کا اٹھان زیادہ ہے۔ دینداروں کو حاجت ہے کہ اہل معاصی سے ملیں جلیں، ان سے مال خریدیں، گناہ گاروں کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ دینداروں کے پاس آئیں، اسی لئے قطع تعلق اور بائیکاٹ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اصل مقصود اصلاح ہونی چاہئے، داعی اور مبلغ ہمدردانہ طور پر یہ سوچے کہ فلاں فرد اور فلاں جماعت میں کیا طریق کار ہوگا۔ پھر اس کے مطابق عمل کرے۔ لیکن کسی کو نیکی پر لانے کے لئے خود گناہ کرنا جائز نہیں بعض وہ جماعتیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہی سب سے بڑے پکے سچے مسلمان ہیں انہوں نے الیکشن کے موقع پر لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے گانے بجانے تک کا انتظام کرلیا اور اپنے خیال میں اس عمل کو خدمت اسلام سمجھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿امرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر﴾ ''میرے رب نے مجھے گانے بجانے کی چیزوں مٹانے کا حکم دیا۔'' جولوگ امامت صالحہ کے مدعی ہیں وہ ممنوعات شرعیہ کے ذریعے اپنے خیال میں دینی خدمت کررہے ہیں۔

یہ بھی سمجھنا چاہئے جہاں دعوت وتبلیغ میں اخلاص ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہوگی وہاں نفس اور نفسانیات کا دخل نہ ہوگا۔ بعض لوگ کسی کو گناہ پر ٹوکتے ہیں تو اصلاح کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے ٹوکتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں جس کسی شخص سے ان بن ہوگئی اسے ذلیل کرنے کے لئے مجمع میں ٹوک دیا۔ مقصود اصلاح نہیں ہوتی بلکہ بدلہ لینا اور ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے جب بات کرنے والے ہی کی نیت اصلاح کی نہیں ہے تو مخاطب پر کیا اثر ہوگا، بہر حال مبلغ اور داعی کو خیر خواہ ہونا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (بحوالہ جستہ جستہ از اصلاحی مقالات)

دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے کچھ راہنما اصول

ا......اپنے منصب کا حقیقی شعور پیدا کیجئے

دردامت اور فکر نبوی ﷺ ایک بہت بڑی ذمہ داری اور ہر مسلم نوجوان کے لئے خصوصًا، ہر مسلمان کے لئے عموما ایک اہم ترین فریضہ ہے جسے پورا کیئے بغیر کامیابی نہیں۔ اس لئے اپنے اندر اپنے اس اعلیٰ اور حقیقی منصب کا شعور پیدا کیجیے، آپ رسول اقدس ﷺ

کے جانشین ہیں کیونکہ آپ نے دعوت دین ،شہادت حق اور تبلیغ کا وہی فریضہ سرانجام دینا ہے جواللہ کے محبوب پیغمبر ﷺ انجام دیتے رہے ۔ چنانچہ وہی داعیانہ تڑپ پیدا کرنے کی کوشش کیجیے جو رسول اقدس ﷺ کا خصوصی اور امتیازی وصف ہے۔قرآن کریم کا اعلان ہے کہ!''اس نے تمہیں منتخب فرمالیا ہے،اوردین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے ،پیروی کرواس دین کی جوتمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے،اس نے پہلے تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا اور اسی سلسلے میں رسول تمہارے لئے دین حق کی شہادت دیں گے اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے دین حق کی شہادت دو گے''۔ (سورۃ حج آیۃ ۷۸)

گویا کہ امت مسلمہ رسول اقدس ﷺ کی جانشین ہے اور اس کو وہی کام انجام دینا ہے جو رسول اقدس ﷺ نے انجام دیا۔جس طرح آپ نے اپنے قول وعمل اور شب وروز کی تگ ودو سے اللہ تعالیٰ کے دین کو امت تک پہنچانے کا صحیح حق ادا کر دیا۔ٹھیک اسی طرح اب امت مسلمہ کو بھی دنیا کے سارے ہی انسانوں کے سامنے اللہ کے دین کو پہنچانا ہے۔اوراسی طرح احساس فرض کو سمجھتے ہوئے اور داعیانہ تڑپ اور فکر کے ساتھ دین حق کی تابندہ شہادت بن کر زندہ رہنا ہے۔اس کے لئے جیسی ہی قربانی دینا پڑے اس سے قطعاً کسی قسم کا گریز نہیں کرنا ہے یہی ہمارا منصب اور یہی ہمارا مقصد ہے۔

۲......اپنے نصب العین کا حقیقی علم حاصل کیجئے

آپ کا نصب العین کیا ہے؟ اور کیا ہونا چاہیئے ؟اور اللہ تعالیٰ نے کیا نصب العین دیا ہے؟ اس کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔چنانچہ اپنے نصب العین کا حقیقی علم حاصل کیجیئے اور شرح صدر کے ساتھ اس کو اپنانے کی کوشش کیجیئے ،اللہ تعالیٰ کی نظر میں امت مسلمہ کا نصب العین قطعی طور پر یہ ہے کہ وہ کامل یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ اس پورے دین کو قائم اور نافذ کرے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اور جو عقائد وعبادات ، اخلاق ومعاشرت ،اور معیشت وسیاست غرض انسانی زندگی سے متعلق تمام ہی آسمانی ہدایت پر مشتمل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک دور میں اس دین کو اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ قائم فرمایا، آپ ﷺ نے عقائد واخلاق کی تعلیم بھی دی ،عبادت کے طریقے بھی سکھائے ،دین کی بنیادوں پر معاشرے کی تعمیر بھی فرمائی ،اور انسانی زندگی کو منظم کرنے اور خیر و برکت سے، مالا مال کرنے کے لئے اپنی سیرت کے تابندہ اصول بھی چھوڑے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے نصب العین کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ!

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ منتخب کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی اے رسول! ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو''۔ (سورۃ شوریٰ آیت ۱۳)

اور دوسری جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ! ''اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم سارے انسانوں کے لئے دین حق کے گواہ بنو، اور ہمارے رسول تمہارے لئے گواہ ہیں''۔ (سورۃ بقرہ)

چنانچہ اپنی اس اصل حیثیت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھیئے اور اسی کی شایان شان اپنی زندگی کو بنانے اور بنائے رکھنے کی کوشش پیہم جاری رکھیئے۔

یہ امت گزشتہ امتوں کی طرح ایک عام نہیں ہے بلکہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے ایک امتیازی شان بخشی ہے، اس امت کو دنیا کی تمام قوموں میں صدر کی طرح رہنمائی کا مقام حاصل ہے اس لئے آپ ہمیشہ افراط وتفریط سے پاک اور اللہ تعالیٰ کی سیدھی شاہراہ پر اعتدال کے ساتھ قائم رہیئے۔

۳......دعوت وتبلیغ کے لئے ہمہ وقت تیار رہیے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر دردامت وفکر نبوی کا ایک اہم ترین جزو ہے، اس لئے آپ برائیوں کو مٹانے اور بھلائیوں کو قائم کرنے کے لئے ہمہ وقت کمر بستہ رہیئے یہی آپ

کے ایمان کا تقاضا ہے اور یہی آپ کی ملی وجود کا مقصد ہے، اسی مقصد کے لئے زندہ رہیئے اور اسی کے لئے جان دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کام کو انجام دینے کے لئے آپ کو خیر امت کے عظیم لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے! ''تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتے ہو''۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم لوگ لازمًا نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، ورنہ عنقریب اللہ تم پر ایسا عذاب بھیج دے گا کہ پھر تم پکارتے رہو گے اور کوئی شنوائی نہ ہوگی۔ (ترمذی شریف)

۴......اپنے اندر مثالی تڑپ پیدا کیجئے

انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانا اور انہیں ساحل پر لاکر راہ نجات دکھانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ چنانچہ امت کے ہر فرد تک راہ نجات کا پیغام پہنچانے اور بندگان خدا کو جہنم کے ہولناک عذاب سے بچانے کے لئے اپنے اندر داعیانہ تڑپ اور مثالی درد وسوز پیدا کیجئے۔ رسول اقدس ﷺ کی بے مثال تڑپ اور بے پایاں درد کا اعتراف قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ! ''شاید آپ ان لوگوں کے پیچھے اپنی جان ہلاک ہی کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ اس کلام ہدایت پر ایمان نہ لائیں۔ (سورۃ کہف آیت ۶)

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ! میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور جب آس پاس کا ماحول آگ کی روشنی سے چمک اٹھا تو یہ کیڑے پتنگے اس پر گرنے لگے اور وہ شخص پوری قوت سے ان کیڑے پتنگوں کو روک رہا ہے، لیکن پتنگے ہیں کہ اس کی کوشش کو ناکام بنائے دیتے ہیں اور آگ میں گھسے جا رہے ہیں۔ (اسی طرح) میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں

گرے جارہے ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک بار حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! احد سے زیادہ سخت، دن بھی آپ پر گزرا ہے، فرمایا ہاں عائشہ! میری زندگی میں سب سے زیادہ سخت عقبی کا دن تھا۔ یہ وہ دن تھا جب آپ ﷺ مکہ والوں سے مایوس ہو کر طائف والوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے، وہاں کے سردار عبد یالیل نے شرارتی لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا اور انھوں نے پیغام رحمت کے جواب میں آپ ﷺ کے جسد اطہر پر پتھر برسائے، آپ ﷺ لہولہان ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر آپ ﷺ انتہائی پریشان اور غمگین حالت میں وہاں سے چلے۔ جب قرن الثعالب پہنچے تو غم کچھ ہلکا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے فرشتے کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ عذاب کے فرشتے نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ فرمائیں تو میں ابوقبیس اور جبل احمر کو آپس میں ٹکرا دوں؟ اور ان دونوں پہاڑوں کے بیچ یہ بدبخت پس کر اپنے انجام کو پہنچ جائیں رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا! نہیں نہیں مجھے چھوڑ دو تا کہ میں اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا رہوں، شاید کہ اللہ انہی کے دلوں کو ہدایت کے لئے کھول دے یا پھر ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہدایت کو قبول کر لیں۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی بے مثال تڑپ کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجئے اور اپنے اندر بھی ایسی ہی تڑپ اور درد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

آپ ﷺ مکے میں ہیں اور یہاں کے لوگوں میں آپ ﷺ کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ کوئی کہتا ہے انہیں شہر سے نکال دو۔ کوئی کہتا ہے کہ انہیں قتل کر دو۔ ان ہی دنوں میں مکہ کو قحط نے آگھیرا۔ اور قحط بھی ایسا کہ قریش کے لوگ پتے اور چھال کھانے پر مجبور ہو گئے، بچے بھوک سے بلبلاتے اور بڑے ان کی یہ حالت زار دیکھ کر تڑپ تڑپ اٹھتے۔ رحمت دو عالم ﷺ ان لوگوں کو اس لرزہ خیز مصیبت میں مبتلا دیکھ کر بے قرار ہو گئے آپ ﷺ کے مخلص ساتھی بھی آپ ﷺ کا اضطراب دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ان جانی

دشمنوں کو جن کے پہنچائے ہوئے زخم ابھی بالکل تازہ تھے، اپنی دلی ہمدردی کا پیغام بھیجا اور ابوسفیان اور صفوان کے پاس پانچ سو دینار بھیج کر کہلوایا کہ یہ دینار ان قحط کے مارے ہوئے غریبوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

حقیقت یہی ہے کہ گمراہ بندوں کے غم میں گھلنا، ان کی گمراہی اور مصیبت پر کڑھنا، ان کو اللہ کے غضب سے بچانے کے لئے تڑپنا، ان کی تکلیف دیکھ کر بے قرار ہونا اور ان کی ہدایت کے لئے غیر معمولی حریص ہونا، یہی ایک داعیٔ حق کے وہ جوہر ہیں جن کے ذریعے اس کی زندگی انتہائی دل کش اور غیر معمولی اثر انگیز بن جاتی ہے۔

۵......اپنے مقصد کی عظمت کو سامنے رکھیئے

جیسا کہ معلوم ہے کہ ہمارا مقصد دین اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا ہے اور اپنی زندگیوں میں دردامت وفکر نبوی کے جذبے کو بسانا ہے۔ یقیناً یہ انتہائی عظیم، اعلیٰ وارفع مقصد ہے، چنانچہ آپ اپنے اس مقصد اور نصب العین کی عظمت واہمیت کو ہمیشہ مدنظر رکھیئے اور اس بات کا خیال رہے کہ یہ وہ عظیم کام ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ اور اس بات کا یقین اپنے دل میں پختہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین اسلام کی جو دولت عطا فرمائی ہے یہی دونوں جہاں کی عظمت وسربلندی کا سرمایہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے، اس دین حق کو چھوڑ کر جو بھی طریق بندگی اختیار کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر وقیمت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تو وہی دین مقبول ہے جو قرآن پاک میں ہے اور جس کی عملی تفسیر رسول اقدس ﷺ نے اپنی مبارک زندگی سے پیش فرمائی۔ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو صاف صاف بتلا دیجیئے کہ میں نے جو راہ بھی اپنائی ہے، سوچ سمجھ کر پوری بصیرت کے ساتھ اپنائی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!" (اے رسول) آپ ان سے صاف صاف کہ

دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اور میرے پیچھے چلنے والے پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے اور میرا ان سے کوئی تعلق نہیں جو شرک کرنے والے ہیں"۔ (سورۃ یوسف آیت ۱۰۸)

اور اللہ تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد مبارک ہے !"اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو اختیار کرنا چاہے گا۔اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام ونامراد ہوگا"۔ (سورۃ آل عمران آیت ۸۵)

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامَ ۔ بے شک اللہ کے نزدیک دین تو بس اسلام ہی ہے۔ چنانچہ جب آپ اپنے دین کی صحیح عظمت دل میں بٹھا کر لوگوں کو اس دین کی طرف بلائیں گے تو آپ کی بات میں بھی اثر ہوگا۔

۶......خود اپنے گھر کی اصلاح کو بھی سامنے رکھیئے

یاد رکھیئے! اپنے بچوں کی اصلاح وتربیت اور ان کو اقامت دین کا فریضہ انجام دینے کے لئے تیار کرنا آپ کا اولین فریضہ بھی ہے اور آپ کی سرگرمیوں کا فطری میلان بھی۔اس میدان کو چھوڑ کر اپنی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے لئے محض باہر کے میدان تلاش کرنا غیر حکیمانہ اور غیر فطری عمل ہے۔ یقیناً یہ بہت بڑی کوتاہی اور فرار ہے۔اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ قحط کے زمانے میں اپنے گھر والوں کو بھوک و پیاس سے نڈھال اور جان بلب چھوڑ کر باہر کے ضرورت مندوں کو تلاش کر کے غلہ تقسیم کرنے کی فیاضی کا مظاہرہ کریں ۔گویا نہ تو آپ کو بھوک پیاس اور قربت ومحبت کا احساس ہے اور نہ غلے کی تقسیم کی حکمت ہی سے آپ کا ذہن آشنا ہے۔قرآن پاک میں مؤمنوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ !"مؤمنو! بچاؤ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے"۔

چنانچہ یہاں سب سے پہلے اپنی فکر اور پھر اپنے گھر والوں کی فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کی فکر کرنا بھی ضروری ہے لیکن اپنے گھر کی فکر چھوڑ کر نہیں ۔

جب آپ کے گھر کی اصلاح ہو جائے گی تو یقیناً آپ کے لئے باہر کی اصلاح کرنا آسان ہوگی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ! تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے، اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کے بارے میں باز پرس کی جائے گی جو تمہاری نگرانی میں ہوں گے۔ حاکم نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور شوہر اپنے گھر والوں کا نگران ہے۔ تو تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی جو اس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں۔ (بخاری)

۷.....اپنے پڑوسیوں کی بھی فکر کرتے رہئے

اپنے پڑوسیوں اور محلے داروں کی اصلاح و تعلیم کی بھی فکر کرتے رہیئے اور اس کو بھی اپنا فریضہ سمجھئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں کچھ مسلمانوں کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا! ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا نہیں کرتے اور انہیں دین نہیں سکھاتے اور انہیں دین سے ناواقف رہنے کے عبرتناک نتائج نہیں بتاتے ،اور انہیں بُرے کاموں سے نہیں روکتے؟ اور ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم حاصل نہیں کرتے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا نہیں کرتے اور دین سے جاہل رہنے کے عبرتناک نتائج معلوم نہیں کرتے۔ خدا کی قسم! لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازمًا دین کی تعلیم دیں۔ ان کے اندر دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں۔ انہیں نصیحت کریں۔ ان کو اچھی باتیں بتائیں اور بُری باتوں سے روکیں نیز لوگوں کو چاہیئے کے لازمًا اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں، دین کی سمجھ پیدا کریں، اور ان کی نصیحتوں کو قبول کریں ورنہ میں انہیں بہت جلد سزا دوں گا۔

پھر آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور تقریر ختم فرمادی۔ سننے والوں میں سے بعض لوگوں نے بعض سے پوچھا۔ یہ کون لوگ تھے جن کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے تقریر فرمائی؟ دوسرے لوگوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کا روئے سخن قبیلہ اشعر کے لوگوں کی طرف تھا۔ یہ لوگ دین کا علم رکھنے والے لوگ ہیں اور ان کے پڑوس میں چشموں پر رہنے والے دیہاتی اجڈ لوگ ہیں۔

جب اس تقریر کی خبر اشعری لوگوں کو پہنچی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اپنے خطبے میں کچھ لوگوں کی تعریف فرمائی اور ہمارے اوپر غصہ فرمایا تو فرمائیے ہم سے کیا قصور ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیم دیں، انہیں وعظ و نصیحت کریں، اچھی باتوں کی تلقین کریں اور بُری باتوں سے روکیں، اسی طرح لوگوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم حاصل کریں، ان کی نصیحتوں کو قبول کریں اور اپنے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں ورنہ میں بہت جلد ان لوگوں کو سزا دوں گا۔ یہ سن کر قبیلہ اشعر کے لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم دوسرے لوگوں میں سمجھ پیدا کریں آپ نے فرمایا جی ہاں یہ تمہاری ذمہ داری ہے تو یہ لوگ بولے حضور ﷺ ہمیں ایک سال کی مہلت دیجئے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو ایک سال کی مہلت دی کہ جس میں وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں اور دینی سمجھ پیدا کر دیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائی جنکا مفہوم یہ ہے! ''بنی اسرائیل کے کفر کرنے والوں پر لعنت کی گئی داؤد کی زبان سے اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے اور یہ لعنت اس لئے کی گئی کہ انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور برابر اللہ کے احکام توڑتے چلے گئے۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کو بری باتوں کے کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ بلاشبہ ان کی یہ حرکت انتہائی بُری تھی''۔ (سورۃ مائدۃ آیت ۷۸)

۸......اپنے قول و فعل میں یکسانی پیدا کیجئے

جب تک قول و فعل یکساں نہ ہو اس وقت تک بات نہ دل سے نکلتی ہے اور نہ اثر کرتی ہے اس لئے اپنے قول اور فعل میں یکسانی پیدا کیجئے اور جو کچھ دنیا کے سامنے پیش کریں اس کا مخاطب سب سے پہلے اپنی ذات کو بنائیں، دوسروں کو بتانے سے پہلے خود اپنے آپ کو مخاطب کر کے بتائیں اور جو دوسروں سے آپ چاہتے ہیں پہلے خود وہ کر کے دکھائیں۔

دین حق کے داعی کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت کا سچا نمونہ ہوتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اپنے عمل و کردار کو اس پر گواہ بناتا ہے، جن حقیقتوں کو قبول کرنے میں وہ دین کی بھلائی دیکھتا ہے خود اس کا سب سے زیادہ حریص ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب جب قوم کے سامنے دعوت دینے اٹھے آپ نے اعلان کیا "اَنَـا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" میں خود سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

آپ کی زبان اور آپ کا قلم بھی اس بات کی گواہی دے کہ حق وہی ہے جو آپ پیش کر رہے ہیں۔ اور اپنے انفرادی عمل، خانگی تعلقات، سماجی معاملات اور سیاسی اور ملکی سرگرمیوں سے بھی یہ ثابت کریں کہ اسلامی تعلیمات کو اپنا کر ہی پاکیزہ کردار وجود میں آتا ہے، مستحکم خاندان بنتا ہے، اچھا سماج تشکیل پاتا ہے اور ایک ایسا نظامِ تہذیب و تمدن بنتا ہے جس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہو۔

یاد رکھیئے! جو لوگ اپنی تربیت اور اصلاح سے غافل ہو کر دوسروں کی اصلاح و تربیت کی باتیں کرتے ہیں وہ انتہائی نادان ہیں اور اپنا گھر جلتا ہوا دیکھ کر بے فکر ہیں اور پانی کی بالٹیاں لئے تلاش کر رہے ہیں کہ کسی کے گھر کو آگ لگی مل جائے تو اس کو بجھا دیں، ایسے لوگ دنیا میں بھی ناکام ہیں اور آخرت میں بھی ناکام ہیں یہ انتہائی عبرت ناک عذاب بھگتیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات انتہائی ناگوار ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے والے خود بے

عمل رہیں اور ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ﴾ یعنی وہ کہیں جو خود نہیں کرتے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسے بے عمل داعیوں کو انتہائی ہولناک عذاب سے ڈرایا ہے چنانچہ ارشاد ہے! قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، اس کی انتڑیاں اس آگ میں باہر نکل پڑیں گی پھر وہ آدمی ان انتڑیوں کو اس طرح لیئے لیئے پھرے گا جس طرح گدھا اپنی چکی میں پھرتا ہے۔ یہ دیکھ کر دوسرے جہنمی لوگ اس کے پاس جمع ہوں گے اور پوچھیں گے اے فلاں! تمہارا کیا حال ہے؟ کیا تم دنیا میں ہمیں نیکیوں کی تلقین نہیں کرتے تھے؟ اور برائیوں سے نہیں روکتے تھے؟ (ایسی نیکی کے کام کرنے کے باوجود تم یہاں کیسے آگئے؟) وہ آدمی کہے گا، میں تمہیں تو نیکیوں کا سبق دیتا تھا لیکن خود نیکی کے قریب بھی نہ جاتا تھا، تمہیں تو برائیوں سے روکتا تھا لیکن خود برائیوں پر عمل کرتا تھا۔ (بخاری شریف) اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے آمین۔

۹......حق کے سچے سپاہی بنئے

ہمیشہ حق کی بات کہیئے چاہے اس کے لئے کوئی بھی قربانی دینی پڑے۔ اسلام میں کتمان حق (حق کو چھپانا) بہت بڑا جرم ہے۔ جو لوگ دنیا کے مال و متاع حاصل کرنے کے لئے کتمان حق کرتے ہیں وہ اللہ کو ناراض کرتے ہیں۔

چنانچہ ہمیشہ دنیا کی گہما گہمی، اس کی عیش پرستی اور اللہ سے غافل کر دینے والی زندگی سے دور رہیئے اور حق کے پکے اور سچے ایسے سپاہی بنیئے جو ہر ڈیوٹی پر چوکس ہو اور کسی وقت بھی ہتھیار نہ اتارے (یعنی کبھی بھی حق بات دوسروں تک پہنچانے کے ذرائع سے غفلت نہ برتے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ! میں عیش اور سہولت کی زندگی کیسے گزاروں! جبکہ اسرافیل صور منہ میں لئے کان لگائے، سر جھکائے انتظار کر رہے ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں مؤمنوں کوخطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ !اورتم لوگ جہاں تک تمہارابس چلے ،زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیار کھوتا کہ اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور خود اپنے دشمنوں کواوران دوسرے اعداء دین کوخوف زدہ کرو،جنہیں تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ جانتا ہے،اللہ کی راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کروگے ،اس کا پوراپورابدلہ تمہاری طرف پلٹایا جائے گااورتمہاراحق دینے میں ذرا کمی نہ کی جائے گی۔ (سورۃ انفال آیت ۶۰)

۱۰......اپنے اندرقربانی دینے کا جذبہ پیدا کیجئے

دین اسلام کے لئے ہرطرح کی قربانی دینے اورضرورت پڑنے پراپنے وطن عزیز سے ہجرت کرنے کے لئے بھی خودکوامادہ رکھیئے ۔اورخودکوتو لتے رہیئے کہ کس حد تک آپ کے اندر یہ جذبہ قوت پکڑ رہا ہے۔قرآن کریم میں حضرت ابراہیم کاواقعہ ہجرت بیان کرتے ہوئے ہجرت کی ترغیب اورقربانیوں کے لئے تیاررہنے کی تلقین اس طرح کی گئی ہے کہ!''اوراس کتاب میں ابراہیمؑ کے قصے سے نصیحت حاصل کیجئے بے شک وہ ایک سچے نبی تھے(لوگوں کواس وقت کاذکرسنایئے)جب انہوں نے اپنے والد سے کہاابا جان! آپ ان چیزوں کی عبادت کیوں کررہے ہیں؟جونہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اورنہ آپ کے کسی کام آسکتی ہیں۔اباجان میرے پاس وہ علم آیا ہے جوآپ کے پاس نہیں آیا ہے آپ میرے کہے پر چلیئے ،میں آپ کوسیدھی راہ پر چلاؤں گا۔ اباجان آپ شیطان کی بندگی نہ کیجئے شیطان تورحمٰن کا بڑانافرمان ہے۔اباجان! مجھے ڈر ہے کہ(آپ اسی طرح اگر رہے تو) رحمٰن کاعذاب آپ کوآ پکڑے اورآپ شیطان کے ساتھی بن کررہ جائیں۔

باپ نے کہا! کیاتم میرے معبودوں سے پھر گئے ہو؟اگرتم باز نہ آئے تو میں تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کردوں گا،اور جاؤ ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہوجاؤ۔ابراہیم نے کہا آپ کومیرا اسلام ہے۔میں پروردگار سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کی بخشش فرمادے۔ بے شک

میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں سے بھی کنارہ کرتا ہوں اور اُن ہستیوں سے بھی جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو، میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر ہرگز نامراد نہ ہوں گا۔ (سورۃ مریم آیت ۴۱ تا ۴۸)

(تلخیص و ترمیم اور عنوانات کے اضافہ کے ساتھ از آدابِ زندگی)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۹۷

رسولِ اکرم ﷺ کا نام لیکر خطاب کرنے سے امت کو منع فرمایا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ستانوے نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کا نام لیکر خطاب کرنے سے امت کو منع فرمایا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں'' بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا نام لے کر خطاب کرنے سے منع کیا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں، تو معلوم ہوا کہ یہ ہمارے نبی ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی نظر میں خاص مقام ہے، کہ نام لینے کی ممانعت صرف اور صرف آخری محمد الرسول اللہ ﷺ سے متعلق فرمائی گئی، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

ستانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں

رسولِ اکرم ﷺ کو نام مبارک کے ساتھ خطاب کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ حالانکہ دوسری قومیں اپنے نبیوں کو نام کے ساتھ خطاب کیا کرتی تھیں۔ ملاحظہ کیجئے آیات ذیل:

قالُوا یٰمُوسی اجْعل لّنآ اِلٰھاً کمالَھُم اٰلِھۃٌ. (پ۹ اعراف۔ع۱۶)

ترجمہ: کہنے لگے اے موسیٰؑ ہمارے لئے بھی ایک (مجسم) معبود ایسا ہی مقرر کردیجیے ،جیسے ان کے یہ معبود ہیں،

واِذْقالَ الْحَوارِیُّونَ یٰعِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ ھَلْ یَسْتطِیعُ رَبُّکَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَینا مآئدۃً مِّنَ السَّمآءِ. (پ۔۷ مائدہ۔ع۱۵)

ترجمہ: وہ وقت قابل یاد ہے،جبکہ حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰؑ ابن مریمؑ! کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں، کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرمادیں۔

قالُوا یھودُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَۃٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِکِی اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِکَ وَمَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤمنین. (پ۔ہود ع۵)

ترجمہ: ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہودؑ آپ نے ہمارے سامنے کوئی دلیل تو پیش نہیں کی اور ہم نے آپ کے کہنے سے تو اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم کسی طرح آپ کا یقین کرنے والے نہیں۔

قالُوا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِینَا مَرْجُوّاً قبلَ ھٰذا اَتَنْھٰنَا اَنْ نعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰباؤُنَا وَاِنَّنا لَفِی شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا اِلَیہِ مُرِیبٌ. (پ۔ہود ع۶)

ترجمہ:وہ لوگ کہنے لگے اے صالحؑ تم تو اس کے قبل ہم میں ہونہار تھے، کیا تم ہم کو اُن چیزوں کی عبادت سے منع کرتے ہو، جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو، واقعی ہم تو اُس کی طرف سے بڑے شبہ میں ہیں جس نے ہم کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔

مگر ہمارے آقائے نامدار کی نسبت یوں ارشاد باری ہوتا ہے:۔

ترجمہ: مت مقرر کرو پکارنا پیغمبر کا درمیان اپنے جیسا پکارنا بعض تمہارے کا ہے بعض کو۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۹۸

رسولِ اکرم ﷺ جس راستے سے چلتے وہاں خوشبو آیا کرتی تھی

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھانویں نمبر خصوصیت شروع کی جاتی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ جس راستے سے چلتے وہاں سے خوشبو آیا کرتی تھی''، بیشک دیگر خصوصیات کی طرح ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی حضور ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس کی وضاحت پیش کی جارہی ہے، بے شک یہ ہمارے نبی ﷺ کا خاصّہ ہے اگر چہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء کرامؑ معصوم اور جسمانی وروحانی لحاظ سے پاک ومنزّہ تھے لیکن آخری نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کے بارے میں ایسی بات نہیں ملتی کہ وہ جس راستے سے چل کر جاتے وہاں سے خوشبو آتی ہو لہٰذا معلوم ہوا کہ جسم کی خوشبو اپنی جگہ لیکن اُن راستوں سے بھی خوشبو کا آنا جہاں سے آپ ﷺ گزر کر جایا کرتے تھے صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا خاصّہ ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر کرنے کی اور آپ کی جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

اٹھانویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی عنبر اور کوئی مشک اور کوئی چیز رسول اللہ ﷺ کی مہک سے زیادہ خوشبودار نہیں دیکھی۔ اور آپ ﷺ کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی۔ اور کبھی کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کے سبب دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا، چنانچہ آپ ﷺ ایک بار حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر

میں سوئے ہوئے تھے۔اور آپ ﷺ کو پسینہ آیا ہوا تھا تو حضرت انس کی والدہ ایک شیشی لاکر آپ ﷺ کے پسینے کو جمع کرنے لگیں۔رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس بارہ میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملاویں گے اور یہ پسینہ اعلیٰ درجے کی خوشبو ہے۔روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے سے گزرتے تو وہاں سے خوشبو آیا کرتی تھی اور کوئی شخص آپ ﷺ کی تلاش میں جاتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں۔یہ خوشبو آپ ﷺ کے بدن مبارک میں تھی۔

اور ابراہیم بن اسمعیل مزنی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ مجھ کو ایک بار رسول ﷺ نے اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا میں نے مہر نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا۔سو اس میں سے مشک کی لپٹ آرہی تھی اور مروی ہے کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء میں جاتے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ ﷺ کے بول و براز کو نگل جاتی اور اس جگہ نہایت ہی پاکیزہ خوشبو آتی۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس طرح روایت کیا ہے اور اسی لئے علماء آپ ﷺ کے بول و براز کے طاہر ہونے کے قائل ہوئے ہیں، مالک بن سنان یوم احد میں آپ ﷺ کا خون زخم چوس کر پی گئے۔آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کبھی دوزخ کی آگ نہ لگے گی اور عبداللہ بن زبیر نے آپ ﷺ کا خون جو پچھنے لگانے سے نکلا تھا پی لیا اور برکتؓ اور آپ ﷺ کی خادمہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ کا بول پی لیا تھا۔سو ان کو ایسا معلوم ہوا جیسے شیریں نفیس پانی ہوتا ہے اور آپ ﷺ مختون آون، نال کٹے ہوئے سرمہ لگے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔حضرت آمنہ آپ کی والدہ کہتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو پاک صاف جنا کہ کوئی آلودگی آپ ﷺ کو لگی ہوئی نہ تھی اور آپ ﷺ باوجود یہ کہ ایسا سوتے تھے کہ خراٹے بھی لینے لگتے مگر بدون وضو کئے ہوئے نماز پڑھ لیتے تھے یعنی سونے سے آپ ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔(بحوالہ دینی دسترخوان جلد سوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۹۹

رسولِ اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر گزشتہ انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں بھی آیا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ننانوے نمبر خصوصیت ہے جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر گزشتہ انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں بھی آیا'' بحمد اللہ اس خصوصیت کو بھی میں نے اپنے آقا ﷺ کے مقدس روضہ کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے یعنی اس خصوصیت سے متعلق جو مضامین میں نے تیار کئے تھے ان کی فائنل ترتیب میں نے روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر مکمل کی ہے، بحمد اللہ یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے کہ میرے اللہ نے مجھے اپنے پیارے نبی ﷺ کے روضہ پر بیٹھ کر ان کی شان میں کچھ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی، اور اللہ کی ذات سے مجھے امید ہے کہ روز قیامت یہ میری کاوش انشاء اللہ میری نجات کا باعث بنے گی، دعا گو ہوں کہ یا خداوند قدوس میری اس کاوش کو مقبول ومنظور فرما، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے پیارے نبی ﷺ کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے آنے سے قبل ہی آپ ﷺ کے اوصاف کا ذکر اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں فرمادیا تھا جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں میں ہمیں یہ بات نظر نہیں آتی، لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ دیگر انبیاء کرامؑ بھی اپنا بہت بڑا مقام رکھتے ہیں، یہی تعلیم ہمارے قرآن سے بھی ہمیں دی جارہی ہے اور ہمارے نبی ﷺ کی تعلیمات سے بھی یہی سبق دیا جارہا ہے اور ہمارا ایمان بھی یہی ہے، لیکن جہاں تک ہمارے نبی ﷺ کے مقام کا تعلق ہے وہ اللہ کے کلام سے ثابت ہے کہ جو مقام اللہ نے اپنے آخری نبی کو عطا فرمایا وہ مقام کسی کو بھی نہیں ملا، ''**ذلک فضل اللہ یوتیه من یشاء**'' اور جیسا کہ اس خصوصیت سے بھی ہمارے نبی ﷺ کا

مقامِ ارفع واعلیٰ نکھر کر سامنے آجاتا ہے، تفصیل کے لئے آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمایا جائے، انشاء اللہ ایمان ومحبت میں اضافہ ہوگا۔ اور دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات کی قدر کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

ننانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

تورات میں رسولِ اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر

حضرت عطاء ابن یسارؒ جو مشہور جلیل القدر تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاصؓ کی ملاقات سے مشرف ہوا، تو ان سے عرض کیا کہ یہودیوں کی آسمانی کتاب تورات میں رسولِ اکرم ﷺ کی جن صفات وخصوصیات کا ذکر ہے ان کے بارے میں مجھے کچھ بتایئے۔

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ ضرور بتاؤں گا۔ خدا کی قسم تورات میں رسولِ اکرم ﷺ کی ان بعض صفات وخصوصیات کا ذکر ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں آپ ﷺ کی جو خصوصیات وصفات ذکر کی ہیں، ان کو اپنی زبان اور اپنے اسلوب میں اس طرح بیان کیا جاسکتا کہ: اے نبی! ہم نے تمہیں اہل ایمان کا شاہد، اجر وانعام کی خوشخبری دینے والا، عذاب وعتاب سے ڈرانے والا اور امیوں کو پناہ دینے والا بنا کر بھیجا۔ اے محمد (ﷺ)! تم میرے بندے ہو (عبدیت وبندگی کا وہ مرتبۂ خاص تمہیں حاصل ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں) تم بندوں کی طرف بھیجے جانے والے میرے خاص رسول ہو، میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے، یعنی تمہیں توکل واعتماد کی وہ دولت عطا کی ہے جو کسی اور کو نہیں ملی، اسی بنا پر تم اپنے تمام معاملات ومہمات میں اپنی طاقت وصلاحیت پر اعتماد کرنے کے بجائے صرف میری ذات اور میرے حکم پر بھروسہ رکھتے ہو نہ تم بدخو ہو، نہ سخت گو اور سخت دل ہو، اور نہ بازاروں میں شور وغل مچانے والے ہو۔"

تورات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ (محمد ﷺ) برائی کو برائی کے ساتھ دور نہیں کریں گے یعنی وہ اپنے ساتھ برائی کرنے والے سے انتقام نہیں لیں گے اور اس کو سزا نہیں دیں گے بلکہ درگذر کریں گے، اور احسان پر احسان یہ کریں گے کہ برائی کرنے والے کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے۔

اور اللہ تعالیٰ ان (محمد ﷺ) کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں کریں گے جب تک ان کے ذریعہ کج رو اور گمراہ قوم کو راہ راست پر نہ لے آئیں اس طرح قوم کے لوگ اعتراف واقرار کرلیں گے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس وقت ان کی روح قبض نہیں کی جائے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ) کے ذریعہ اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور بے حس دلوں کو درست نہ کردے۔

اس روایت کو بخاریؒ نے عطاء ابن یسارؒ سے نقل کیا ہے، نیز یہی حدیث دارمیؒ نے بھی عطاء ابن یسارؒ ہی سے نقل کی ہے، البتہ دارمی میں عطاء ابن یسار کی یہ روایت عبداللہ ابن عاصؓ کے بجائے عبداللہ ابن سلامؓ سے منقول ہے۔

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاصؓ نہایت عالم فاضل قاری صحابی تھے، کتابت خوب جانتے تھے، پچھلی آسمانی کتابوں تورات وانجیل پر بھی ان کی اچھی نظر تھی، رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو اپنی احادیث لکھنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ سے جو سنتے تھے لکھ لیتے تھے، اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ کی طرح یہ بھی کثیر الاحادیث ہیں، اور بہت سے تابعین آپ سے حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

بہر حال حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے توراۃ پڑھ رکھی تھی اور انہیں معلوم تھا کہ اس آسمانی کتاب میں ہمارے رسول ﷺ کے بارے میں کیا کیا پیشن گوئیاں ہیں اور آپ ﷺ کے کن فضائل واوصاف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس لئے انہوں نے حضرت عطاء ابن یسار کے سوال پر بتایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے جنابِ رسول ﷺ کے جو بعض اوصاف وفضائل قرآن کریم میں ذکر کئے ہیں اور جن کو ہم نے جناب رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی میں دیکھا بھی

ہے وہ تورات میں مذکور ہیں۔''

پھر انہوں نے کچھ تفصیل کے ساتھ آپ ﷺ کے ان اوصاف وفضائل کو بیان کیا جو تورات میں مذکور ہیں۔ نیز انہوں نے تورات میں مذکورہ باتوں کو بیان کرنے کے لئے تفنن عبارت کے طور پر شروع میں تو وہی اسلوب اختیار کیا، جو قرآن میں آپ ﷺ کو خطاب کا ہے، اور پھر وہ اسلوب بھی اختیار کیا جو تورات میں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق پیش گوئی کا ہے۔

''امیوں کو پناہ دینے والا'' میں ''امیوں'' سے مراد اہل عرب ہیں، اور ان کو ''امی'' سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ ان کی اکثریت پڑھنا لکھنا نہیں جانتی تھی۔ اور یا ان کو ''ام القریٰ'' یعنی اہل مکہ کی طرف منسوب کر کے ''امی'' کہا گیا۔ نیز یہاں اہل عرب کی تخصیص اس لئے ہے کہ جناب رسولِ اکرم ﷺ کا نسلی اور وطنی تعلق انہی سے ہے اور انہی میں مبعوث فرمائے گئے، تا کہ ان کو غیر عرب کے غلبۂ تسلط سے محفوظ رکھیں اور سب سے پہلے ان ہی کو ایمان واخلاق کے ہتھیار سے مسلح کر کے ان کی حفاظت وفلاح کا سامان کریں، اور اگر شیطانی گمراہیوں اور نفسانی آفات سے پناہ مراد لی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا بابرکت وجود تمام ہی عالم کے لئے پشت پناہ ہے۔

اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ ''پناہ'' سے مراد آپ ﷺ کی قوم وملت کا اس وقت تک عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے اور تباہ وہلاک ہوجانے سے محفوظ ومامون رہنا ہے جب تک آپ ﷺ اپنی قوم کے درمیان موجود ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا: وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُم وَأَنتَ فِيهِم ''یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں پر عذاب نازل کرے اور آپ ﷺ ان میں موجود ہوں۔''

تورات میں رسولِ اکرم ﷺ اور امت محمدی ﷺ کے اوصاف کا ذکر

حضرت کعب احبارؒ (جو جلیل القدر تابعی ہیں اور مسلمان ہونے سے پہلے زبردست

یہودی عالم تھے) تورات کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے تورات میں یہ لکھا ہوا پایا ہے: محمد (ﷺ) اللہ کے رسول اور برگزیدہ بندے ہوں گے، وہ نہ درشت خو ہوں گے، اور نہ سخت گو، نہ بازار میں شور مچاتے ہوں گے، اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے بلکہ معاف کردینے والے اور بخش دینے والے ہوں گے، ان کی پیدائش کی جگہ مکہ ہوگا، ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ) ہوگا اور ان کی حکومت کی جگہ ملک شام ہوگا، ان کی امت بہت زیادہ تعریف اور شکر کرنے والی ہوگی جو ہر حالت میں کیا غمی، کیا خوشی اور کیا فراخی، کیا تنگی، خدا کی حمد وثنا اور شکر کرے گی۔

وہ لوگ جہاں بھی اتریں گے اور جہاں بھی چڑھیں گے خدا کی بڑائی بیان کریں گے، یعنی جب اونچی جگہ پر چڑھیں گے تو اللہ اکبر کہیں گے اور سورج کا لحاظ رکھیں گے، جب نماز کا وقت ہوگا نماز پڑھیں گے، اپنی کمر پر (یعنی ناف کے اوپر) ازار باندھیں گے یعنی ستر پوشی کا بہت زیادہ خیال رکھیں گے جسم کے اعضاء پر وضو کریں گے یعنی ہاتھ پاؤں اور منہ دھوئیں گے اور پورا وضو کریں گے۔

ان کا منادی کرنے والا زمین وآسمان کے درمیان منادی کرے گا، یعنی موذن کسی بلند جگہ جیسے منارہ وغیرہ پر کھڑا ہو کر اذان دیا کرے گا۔ جنگ میں اور نماز میں ان کی صف یکساں ہوگی۔ یعنی وہ دشمنان اسلام کے خلاف میدان جنگ میں بھی صف بندی کے اصول وقواعد کی پابندی کریں گے اور باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے بھی اپنی صفیں استوار کریں گے۔ رات میں اپنے نفس اور شیطان کی سرکوبی کے لئے عبادت کے وقت ان کی آواز پست ہوگی۔ یعنی تسبیح وتہلیل اور ذکر وتلاوت ہلکی آواز سے کیا کریں گے۔ جیسے شہد کی مکھی کی آواز ہوا کرتی ہے۔'' مصابیح نے اس روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ اور دارمیؒ نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔''

تشریح...... ''ان کی حکومت کی جگہ ملک شام ہوگا'' میں حکومت سے مراد دین ونبوت کے ثمرات وآثار کا ظاہر ہونا اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ خدا کا پرچم بلند ہونا

ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی دعوت اسی ملک میں سب سے زیادہ پھیلی اور مسلمانوں کو جہاد بھی اسی علاقہ میں زیادہ کرنا پڑا۔

ورنہ جہاں تک رسولِ اکرم ﷺ کی دینی و دنیاوی حکومت کا تعلق ہے اس کا دائرہ اثر کسی خاص ملک یا علاقہ تک محدود نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی حیثیت میں پورے عالم تک پھیلا ہوا ہے۔ یا اس جملہ کی یہ مراد ہے کہ حضور ﷺ کا پایہ تخت آپ کی حیات اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد ملک شام کو منتقل ہو جائیگا۔ چنانچہ تاریخی طور پر ایسا ہی ہوا کہ حضرت معاویہؓ اور بنوامیہ کے زمانہ میں مسلمانوں کا دارالخلافہ ملک شام میں رہا۔

''سورج کا لحاظ رکھا کریں گے۔'' کے ذریعہ نماز روزے اور دیگر عبادت کے ایام و اوقات کی پابندی ورعایت کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان سورج کے طلوع وغروب اور زوال کے اعتبار سے اپنی نماز وعبادت کے اوقات کا دھیان رکھیں گے اور جو وقت جس عبادت کا متعین ہوگا اس میں اس عبادت کا اہتمام کریں گے۔ ایک روایت میں، جس کو حاکم نے عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ فرمایا گیا ہے: ''بلاشبہ خدا کے بندوں میں بہتر لوگ وہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے (اوقات کے تعین کی خاطر) سورج چاند ستاروں اور سایوں کا دھیان رکھتے ہیں۔

''اور حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ تورات میں رسولِ اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ ابن مریمؑ کے حجرۂ اقدس میں جمع کئے جائیں گے۔ حضرت مودودؓ (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کا بیان ہے کہ (حضرت عائشہؓ کے) حجرۂ مبارک میں (جہاں آپ ﷺ زیرزمین آرام فرما ہیں) ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔''

تشریح...... حجرہ مبارک میں، جہاں رسولِ اکرم ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدفون ہیں۔ تینوں قبروں کی ترتیب اس طرح ہے، کہ سب سے آگے قبلہ کی جانب رسولِ اکرم ﷺ کی قبر مبارک ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی قبر اس طرح ہے کہ جہاں آپ ﷺ سینہ مبارک ہے وہاں حضرت ابوبکرؓ کا سر ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی قبر کے بعد حضرت عمرؓ کی قبر اس طرح ہے کہ جہاں حضرت ابو بکرؓ کا سینہ مبارک ہے وہاں حضرت عمرؓ کا سر ہے، اور حضرت عمر کے پہلو میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے اس جگہ میں متعدد صحابہ نے دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن خواہش قصد کے باوجود کسی کو وہاں دفن ہونا نصیب نہ ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ قدرت کی حکمت اس جگہ کو خالی رکھنا تھی تا کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ اسی جگہ دفن کئے جائیں۔

چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس دنیا میں اپنی عمر کے آخری حصہ میں پہنچیں گے تو حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لے جائیں گے۔ وہاں سے واپس آرہے ہوں گے، کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان انتقال فرما جائیں گے، اور ان کی نعش مبارک مدینہ منورہ لائی جائے گی، جہاں روضہ اقدس میں حضرت عمر فاروقؓ کے پہلو میں دفن کئے جائیں گے۔ اس طرح یہ دونوں صحابی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نبیوں کے درمیان تا قیامت آرام فرما رہیں گے۔ (بحوالہ مظاہر حق جلد پنجم)

اور بیہقی نے اپنی سند سے وہب بن منبہ یمامیؒ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راز دارانہ گفتگو کے لئے قریب کیا تو انہوں نے کہا:۔ اے میرے رب! میں ایک ایسی امت کی خبر پاتا ہوں، جو لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے، اور اللہ پر ایمان لائیں گے۔ اے میرے اللہ! ان کو میری امت بنادے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (یعنی رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تورات میں خیر الامم کی خبر پاتا ہوں، جو امتوں کے آخر میں ہوں گے، اور بروز قیامت سابقون میں ہوں گے، ان کو میری امت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جن کی اناجیل ان کے سینوں میں ہوں گی، اور وہ انہیں پڑھیں گے۔ اور ان

سے پہلے لوگ اپنی اپنی کتابوں کو دیکھ کر پڑھتے تھے۔ اور انہیں حفظ نہ کرتے تھے، ان کو میری امت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔''

حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں جو پہلی اور پچھلی کتاب پر ایمان لائیں گے، اور ضلالت کے سرخیلوں سے جنگ کریں گے، حتیٰ کہ یک چشم کذاب سے بھی جنگ کریں گے، ان کو میری امت بنادے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔'' حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جو صدقات کو اپنے پیٹوں میں ڈالیں گے، (اور ان سے پہلے کا آدمی جب اپنا صدقہ نکالتا تو اللہ تعالیٰ اس پر آگ بھیجتا تھا جو اسے کھا جاتی تھی، اور اگر وہ قبول نہ ہوتا تو آگ اس کے قریب نہ جاتی) ان کو میری امت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔''

حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جب ان میں سے کوئی شخص برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کی برائی نہیں لکھی جائے گی، اور جب ان میں سے کوئی شخص نیکی کا اردہ کرے گا، اور اس پر عمل نہیں کرے گا تو اس کی نیکی لکھی جائے گی، اور اگر اس پر عمل کرے گا تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی۔ ان کو میری امت بنادے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔'' حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جو جواب دیتے ہیں اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے، ان کو میری امت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔''

راوی بیان کرتے ہیں کہ وہب بن منبہؒ نے حضرت داؤدؑ کے واقعہ میں اور جو اللہ نے ان کی طرف زبور روحی کیا، بیان کیا ہے کہ:۔ اے داؤدؑ! عنقریب آپؑ کے بعد ایک نبی آئے گا، جس کا نام احمد (ﷺ) اور محمد (ﷺ) ہے، وہ صادق اور سردار ہے، میں اس پر کبھی

ناراض نہ ہوں گا، اور نہ وہ کبھی مجھے ناراض کرے گا، اور قبل اس کے کہ وہ میری نافرمانی کرے، میں نے اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں، اس کی امت مرحومہ ہے، میں انہیں نوافل کا انبیاء کی طرح ثواب دوں گا، اور ان پر وہ فرائض ادا کروں گا جو میں نے انبیاء ورسل پر عائد کیے ہیں، حتیٰ کہ وہ قیامت کے روز میرے پاس آئیں گے، اور ان کا نور انبیاء کے نور کی طرح ہوگا، اور یہ اس لئے کہ میں نے ان پر فرض عائد کیا ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے پاک ہوں، جیسا کہ میں نے ان سے پہلے انبیاء پر عائد کیا تھا، اور میں نے ان کو غسل جنابت کا حکم دیا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے انبیاء کو حکم دیا تھا، اور میں نے ان کو حج کا حکم دیا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے انبیاء کو دیا تھا، اور میں نے ان کو جہاد کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ان سے پہلے رسولوں کو حکم دیا تھا۔

اے داؤد! میں نے محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے، میں نے ان کو چھ ایسی باتیں عطا کی ہیں جنہیں میں نے ان کے سوا کسی امت کو نہیں دیا، میں خطا ونسیان پر ان سے گرفت نہیں کروں گا، اور ہر وہ گناہ جسے وہ بلا ارادہ کریں، اگر وہ مجھ سے بخشش طلب کریں تو میں وہ گناہ انہیں بخش دوں گا، اور جس چیز کو وہ بطیّب خاطر اپنی آخرت کے لئے بھیجیں گے، میں اُسے کئی گنا بڑھاؤں گا، اور میرے پاس خزانے میں ان کے لئے کئی گناہ اور اس سے بہتر بھی ہے، اور جب وہ مصائب میں صبر کریں گے اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہیں گے تو میں نے انہیں جنات النعیم تک صلوٰۃ ورحمت اور ہدایت دوں گا۔ اور اگر مجھ سے دعا کریں گے تو میں ان کی دعا قبول کروں گا، خواہ وہ اسے جلد طلب کریں، یا میں ان سے برائی کو دور کروں گا، اور یا میں ان کے لئے اسے آخرت کے لئے ذخیرہ کر دوں گا۔ اے داؤدؑ! جو شخص محمد ﷺ کی امت سے ''لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ'' کی شہادت حقہ دیتا ہوا مجھے ملے گا وہ میرے ساتھ میری جنت میں ہوگا، اور اسے میری عزت سے بھی حصہ ملے گا، اور جو شخص محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی لائی ہوئے تعلیم کی تکذیب کرتا ہوا مجھے ملے گا، اور میری کتاب سے استہزاء کرے گا، میں اس کی قبر میں اس پر عذاب نازل کروں گا، اور جب وہ اپنی قبر سے

اٹھے گا تو اس وقت فرشتے اس کے منہ اور اس کی پشت پر ماریں گے، پھر اسے دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں داخل کروں گا۔"

اور حافظ بیہقی بیان کرتے ہیں کہ ام عثمان بنت سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم نے اپنے باپ سے، اس کے باپ کے حوالے سے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ جبیر بن مطعم کو بیان کرتے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (محمد ﷺ) کو مبعوث فرمایا اور محمد ﷺ کا امر مکہ میں ظاہر ہوا تو میں شام کی طرف گیا جب میں بصرہ میں تھا تو نصاریٰ کی ایک جماعت میرے پاس آئی، اور انہوں نے مجھے کہا کہ کیا تو حرم کے علاقے کا ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں، انہوں نے کہا، کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جس نے تم میں دعویٰ نبوت کیا ہے؟ میں نے کہا: "ہاں!......" راوی بیان کرتا ہے، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور مجھے اپنے گرجا میں لے گئے جس میں تصاویر اور اسٹیچو پڑے تھے، اور کہنے لگے، دیکھو کیا تم اس نبی کی تصویر کو دیکھتے ہو جو تم میں مبعوث ہوا ہے؟ میں نے دیکھا تو محمد ﷺ کی تصویر نہ پائی، میں نے کہا: میں محمد ﷺ کی تصویر نہیں دیکھتا تو وہ مجھے اس سے بھی بڑے گرجے میں لے گئے، جس میں اس گرجے سے بھی زیادہ تصاویر اور اسٹیچو تھے، اور مجھے کہنے لگے: کیا تم اس (نبی ﷺ) کی تصویر دیکھتے ہو؟، میں نے دیکھا، تو آپ ﷺ کی صفت اور تصویر دیکھ لی، اور حضرت ابو بکرؓ کی صفت اور تصویر بھی دیکھی آپ رسولِ اکرم ﷺ کی پشت کو پکڑے ہوئے ہیں انہوں نے مجھے کہا: کیا تم ان کی صفت دیکھتے ہو؟ میں نے جواب دیا: ہاں، اور انہوں نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی صفت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: یہ وہ ہے؟ میں نے کہا ہاں، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی ہے، انہوں نے پوچھا کیا تم اس شخص کو بھی جانتے ہو، جو اس (نبی ﷺ) کی پشت پکڑے ہوئے ہے میں نے جواب دیا: ہاں، انہوں نے کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ تمہارا آقا ہے اور یہ اس کے بعد خلیفہ ہوگا۔

اور بخاری نے اسے تاریخ میں عن محمد غیر منسوب عن محمد بن عمر اپنے اسناد کے ساتھ مختصر روایات کیا ہے، اور بخاری کے نزدیک انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو نبی ہوا ہے اس کے

بعد نبی ہوا، مگر اس نبی (رسولِ اکرم ﷺ) کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی کتاب میں سورہ اعراف کی آیت " اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوباً عِندَهُم فِي التَّوْرَاةِ وَالاِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالمَعرُوفِ وَيَنهَاهُم عَنِ المُنكَرِ الاية" کی تفسیر میں وہ روایت بیان کی ہے، جسے بیہقی وغیرہ نے ابوامامہ باہلی کے طریق سے بحوالہ ہشام بن العاص اموی بیان کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ:۔ مجھے اور قریش کے ایک آدمی کو رومیوں کے بادشاہ ہرقل کی طرف دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا گیا، اور اس نے اس کے پاس ان کے اجتماع کا ذکر کیا، اور جب میں نے اسے پہچانا، تو جب انہوں نے اللہ کا ذکر کیا تو میری طبیعت مکدر ہوگئی، پس اس نے انہیں مہمان خانہ میں اتارا، اور تین دن بعد انہیں بلایا، اور ایک بڑی حویلی کی طرح کی چیز منگوائی، جس میں چھوٹے چھوٹے گھر تھے، جن کو دروازے لگے ہوئے تھے، اور ان میں ریشم کے ٹکڑوں پر حضرت آدمؑ سے لے کر رسولِ اکرم ﷺ تک انبیاء کی تصاویر بنی ہوئی تھیں، اور وہ انہیں ایک ایک کر کے نکالنے لگا، اور ہر ایک تصویر کے متعلق بتانے لگا، اور اس نے ان کے لئے حضرت آدمؑ، پھر حضرت نوحؑ اور پھر حضرت ابراہیمؑ کی تصاویر نکالیں۔ پھر اس نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی تصویر نکالنے میں جلدی کی۔

راوی بیان کرتا ہے، پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا، اور اس گھر میں سفید تصاویر تھیں، اور خدا کی قسم رسولِ اکرم ﷺ کی تصویر بھی تھی، اس نے پوچھا کیا تم اسے جانتے ہو؟ ہم نے کہا: "ہاں! یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔"

راوی بیان کرتا ہے، ہم رو پڑے، راوی بیان کرتا ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ وہ کچھ دیر کھڑا رہا پھر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: "خدا کی قسم یہ وہی ہے۔"

ہم نے کہا: ہاں یقیناً یہ وہی ہے، جیسا کہ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں، پھر وہ اسے کچھ دیر دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا: یہ آخری گھر تھا، لیکن میں نے تمہارے لئے جلدی کی، تا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے دیکھوں پھر اس نے انبیاء کی بقیہ تصاویر کو نکالنے کی پوری

بات بیان کی، اوران کا تعارف کرایا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ آخری میں ہم نے اسے کہا کہ آپ نے یہ تصاویر کہاں سے حاصل کی ہیں؟ کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان پر انبیاء کی تصاویر ہیں، اور ہم نے اپنے نبیؑ کی تصویر کو بھی ان کی مثل دیکھا ہے، اس نے کہا کہ حضرت آدمؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ انہیں ان کی اولاد میں سے ہونے والے انبیاء دکھائے تو اس نے ان کی تصاویر کو حضرت آدم علیہ السلام پر نازل کیا جو مغرب الشمس کے پاس حضرت آدم علیہ السلام کے خزانہ میں تھیں اور ذوالقرنین نے انہیں مغرب الشمس سے نکال کر دانیال کو دیا، پھر اس نے کہا، خدا کی قسم، میرا دل اپنی حکومت سے نکل جانا چاہتا ہے، اور میں تمہارے سب سے بڑے آدمی کا مملوک ہونا چاہتا ہوں، حتیٰ کہ مجھے موت آجائے۔

راوی بیان کرتا ہے، پھر اس نے ہمیں بہت اچھے عطیات دئے، اور رخصت کیا، پس جب ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو ہم نے جو کچھ دیکھا، اور جو کچھ بیان کیا اور جو ہمیں عطیات دیئے، اس کا سارا حال آپؓ سے بیان کیا، راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رو پڑے، اور فرمایا وہ مسکین ہے، اگر اللہ نے اس سے بھلائی کا اردہ کیا تو وہ ضرور ایسا کرے گا، پھر فرمایا: محمد ﷺ نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ اور یہودی اپنے ہاں آپ ﷺ کی صفت پاتے ہیں۔

واقدی کا بیان ہے کہ علی بن عیسیٰ الحکیمی نے اپنے باپ سے بحوالہ عامر بن ربیعہ مجھ سے بیان کیا کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو بیان کرتے سنا کہ میں اولادِ اسماعیل میں سے ایک نبی کا منتظر ہوں، یہ بنی عبدالمطلب میں سے ہے، اور میرا خیال ہے کہ میں اسے نہیں ملوں گا، اور میں اس پر ایمان لاتا ہوں، اور اس کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں، اور اگر تیری عمر لمبی ہوئی اور تو نے اسے دیکھا، تو اُسے میرا سلام کہنا اور میں تمہیں اس کی صفت بتاؤں یہاں تک کہ وہ تجھ سے مخفی نہ رہے گا، میں نے کہا: آؤ بتاؤ۔ اس نے کہا: ''وہ آدمی نہ لمبا ہے نہ چھوٹا، اور نہ بہت بالوں والا ہے اور نہ تھوڑے بالوں والا اور اس کی آنکھ سے سرخی زائل نہیں

ہوتی اور مہرِ نبوت اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ہے، اور اس کا نام احمدؐ ہے، اور یہ شہر اس کا مولد و مبعث ہے، پھر اس کی قوم اسے اس شہر سے نکال دے گی اور وہ اس کی تعلیم کو ناپسند کریں گے، یہاں تک کہ وہ یثرب کی طرف ہجرت کر جائے گا، اور اس کا امر غالب آجائے گا، اس کے بارے میں دھوکہ کھانے سے بچنا، میں نے دینِ ابراہیم کی تلاش میں تمام ممالک کا چکر لگایا ہے، اور جو کوئی یہود و نصاریٰ اور مجوس سے پوچھا ہے وہ کہتے ہیں یہ کامل دین ہے، اور وہ کامل نبی ہے، اور اس کی ایسے ہی صفت بیان کرتے ہیں، جیسی میں نے تیرے سامنے بیان کی ہے، اور کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی نبی باقی نہیں رہا۔''

عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں جب میں مسلمان ہوا تو میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو زید بن عمرو بن نفیل کی بات کی اطلاع دی اور اس کا سلام بھی دیا، رسولِ اکرم ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس کے لئے رحم کی دعا کی، اور فرمایا: ''میں نے اُسے جنت میں دامن گھسیٹتے دیکھا ہے۔'' (بحوالہ جستہ جستہ از البدایہ والنہایہ)

تورات کی پہلی کتاب میں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں لکھا ہے جس کا مضمون اور ترجمہ یہ ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے نارِ نمرود سے حضرت ابراہیمؑ کو بچانے کے بعد ان کی طرف وحی کی کہ کھڑا ہو جا اور اپنی اولاد کے لئے زمین کے مشارق و مغارب میں جا، اور آپؑ نے حضرت سارہ کو یہ بات بتائی تو اس نے لالچ کیا کہ یہ اس کے بیٹوں کے لئے ہو جو حضرت ابراہیم سے اس کے ہاں پیدا ہوں اور اس نے حضرت ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو دور بھیجنے کی کوشش کی، حتیٰ کہ خلیلؑ ان دونوں کو حجاز کے جنگل اور فاران کے پہاڑوں میں لے گئے اور حضرت ابراہیم نے خیال کیا کہ یہ بشارت آپؑ کے بیٹے اسحاقؑ کے لئے ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی طرف وحی کی جس کا مضمون یہ ہے کہ آپؑ کے بیٹے اسحاق کو بہت اولاد ملے گی اور آپؑ کے بیٹے اسماعیل کو میں برکت اور عظمت دوں گا اور اولاد بہت ہوگی اور میں اس کی ذریت سے ماذ ماذ (یعنی محمد ﷺ) کو پیدا کروں گا اور ان کی اولاد میں بارہ امام بناؤں گا اور ان کی امت بہت ہوگی اور اسی طرح میں نے حضرت ہاجرہؑ کو اس وقت بشارت دی جب

حضرت خلیل انہیں بیت اللہ کے پاس چھوڑ آئے انہیں پیاس لگی اور وہ اپنے بیٹے کے بارے میں غمگین ہوئیں اور فرشتے نے آکر زم زم کو کھول دیا اور انہیں اس بچے کی حفاظت کا حکم دیا، بلاشبہ اس کی اولاد سے ایک عظیم فرزند پیدا ہوگا، جس کی ذریت کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہوگی اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ حضرت اسماعیل کی اولاد سے بلکہ حضرت آدم کی ذریت سے، رسولِ اکرم ﷺ سے بڑی عظمت وجاہ منزلت ومنصب کا آدمی پیدا نہیں ہوا اور حضور ﷺ ہی کی امت کی حکومت مشارق ومغارب پر چھائی ہے اور انہوں نے دیگر اقوام پر حکومت کی ہے۔''

اسی طرح پہلی کتاب میں حضرت اسماعیل کے واقعہ میں بیان ہوا ہے کہ حضرت اسماعیل کی اولاد کا ہاتھ تمام اقوام کے اوپر ہوگا اور تمام اقوام آپ کے ہاتھ تلے ہوں گی اور وہ اپنے بھائیوں کے تمام مساکن میں رہے گا اور یہ بات صرف حضور ﷺ کے گروہ پر ہی صادق آتی ہے۔

اور اسی طرح پانچویں کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیجئے کہ اے موسیٰؑ میں ان کے اقارب میں سے تیری مانند ایک نبی پیدا کروں گا اور اپنی وحی اس کے منہ میں ڈالوں گا اور تم اسی سے سنو گے۔

اور پانچویں کتاب میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی آخری عمر میں بنی اسرائیل سے خطاب کیا اور انہیں ایام اللہ اور جو احسانات اس نے ان پر کئے تھے یاد دلائے اور انہیں فرمایا: ''جان لو کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے اقارب میں سے ایک نبی میری مانند بھیجے گا جو تم کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے منع کرے گا اور تمہارے لئے طیبات کو حلال کرے گا اور خبائث کو تم پر حرام قرار دے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اسے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ملے گا۔

اور اسی طرح پانچویں کتاب کے آخر میں جو اس تورات کا آخر ہے ان کے پاس

ہے بیان ہوا ہے کہ خداوند سینا سے آیا اور ساعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اس کے دائیں جانب نور اور بائیں جانب نار ہے قومیں اس کے پاس جمع ہوں گی، یعنی امر الٰہی اور اس کی شریعت طور سینا سے آئی۔

(یہ وہ پہاڑ ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا...... اور ساعیر سے طلوع ہوا، یہ بیت المقدس کے پہاڑ ہیں...... یعنی وہ جگہ جہاں حضرت عیسیٰؑ فروکش تھے...... اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا، یعنی جبال فاران سے امر الٰہی ظاہر ہوا اور بلا اختلاف یہ حجاز کے پہاڑ ہیں۔) اور یہ صرف رسولِ اکرم ﷺ کی زبان سے ہوا ہے پس اللہ تعالیٰ نے وقوعی ترتیب کے لحاظ سے ان تینوں مقامات کا ذکر کیا ہے، پہلے حضرت موسیٰؑ کے اترنے کی جگہ کا، پھر حضرت عیسیٰؑ کے اترنے کی جگہ کا اور پھر رسولِ اکرم ﷺ کے شہر کا ذکر کیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات کی قسم کھائی تو قسم کے اصول کے مطابق پہلے فاضل کا پھر افضل کا اور پھر اس سے افضل مقام کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ "والتین والزیتون" اس سے مراد بیت المقدس کا محلّہ ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ رہتے تھے۔ "وطور سینین" یہ وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔ "وھذا البلد الامین" اور یہ وہ شہر ہے جہاں رسولِ اکرم ﷺ کو بھیجا گیا۔ یہ بات ان آیات کریمہ کی تفسیر میں کئی مفسرین نے بیان کی ہے۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں اس امت کے جہاد و عبادت کا بیان ہے اور اس میں رسولِ اکرم ﷺ کی ایک مثال بیان ہوئی ہے کہ آپ تعمیر شدہ عمارت کا آخر ہیں جیسا کہ اس کے متعلق صحیحین میں حدیث بیان ہوئی ہے کہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور ایک اینٹ کی جگہ کے سوا، اس کو مکمل کر دیا اور لوگ اس کے نزدیک آ کر کہنے لگے، یہ اینٹ نہیں رکھی گئی؟ اور اس کا مصداق اس آیت میں ہے: "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ."

اور زبور میں رسولِ اکرم ﷺ کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت و نبوت

پھیل جائے گی اور آپ کا کلام ایک سمندر کو پار کر کے دوسرے سمندر تک جائے گا اور دیگر علاقوں کے بادشاہ خوشی خوشی آپ کے پاس تحائف وہدایا لائیں گے اور آپ مضطر کو رہائی دلائیں گے اور قوموں کی مصیبت کو دور کریں گے اور بے یارو مددگار کمزور کو بچائیں گے اور ان پر ہر وقت درود پڑھا جائے گا اور اللہ ہر روز ان کو برکت دے گا اور ان کا ذکر ہمیشہ رہے گا، اور یہ بات صرف محمد ﷺ پر منطبق ہوتی ہے۔

اور شعیاء کے صحائف میں طویل کلام میں بنی اسرائیل پر ناراضگی پائی جاتی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ: بلاشبہ میں تمہاری طرف اور قوم کی طرف ایک امی نبی بھیجوں گا جو بد اخلاق اور تند خو نہ ہوگا اور نہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا میں اسے ہر اچھائی اور تمام کریمانہ اخلاق سے بہرور کروں گا پھر میں سکینت کو اس کا لباس اور نیکی کو اس کا شعار بناؤں گا اور تقویٰ اس کے ضمیر میں رکھوں گا اور حکمت کو اس کی عقل اور وفا کو اس کی عادت اور عدل کو اس کی سیرت اور حق کو اس کی شریعت اور ہدایت کو اس کی ملت اور اسلام کو اس کا دین اور قرآن کو اس کی کتاب بناؤں گا۔ اس کا نام احمدؐ ہوگا، میں اس کے ذریعے ضلالت سے ہدایت دوں گا اور گمنامی کے بعد اسے مشہور کروں گا اور تفرقہ کے بعد اس کے ذریعے اکٹھا کروں گا اور پراگندہ دلوں کو اس کے ذریعے متالف کروں گا اور اس کی امت کو بہترین امت بناؤں گا جو لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے ان کے خون ان کی قربانیاں ہوں گی اور ان کے سینوں میں اناجیل ہوں گی۔: **"ذٰلِکَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ ذُو الفَضلِ العَظِيم"**..

اور شعیاء کے کلام کی پانچویں فصل میں ہے کہ...... وہ قوموں کو کھلیانوں کی طرح روند ڈالے گا اور مشرکین عرب پر مصیبت نازل کرے گا اور وہ اس کے آگے شکست کھا جائیں گے۔ اور چھبیسویں فصل میں ہے کہ:۔ پیاسے صحرا کی زمین خوش ہو جائے اور احمد کو لبنان کے محاسن عطاء ہوں گے اور وہ اس کے چہرے پر جلال الٰہی کو دیکھیں گے۔

اور الیائل کے صحائف میں ہے کہ...... وہ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ

روزہ دار ہو کر نکلے اور جب انہوں نے عربوں کو ارضِ حجاز میں دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے، ان لوگوں کی طرف دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے عظیم قلعوں پر قابض ہوں گے۔ انہوں نے کہا: یا نبی اللہ! ان کا معبود کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ ہر بلند ٹیلے پر رب العزت کی تعظیم کرتے ہیں۔''

اور حزقیل کے صحائف میں ہیں کہ..... میرا بندہ افضل ہے اس پر وحی نازل ہوتی ہے وہ قوموں میں میرا عدل نمایاں کرے گا میں نے اسے اپنے لئے چن لیا ہے اور اسے اقوام کی طرف احکام صادقہ کے ساتھ بھیجا ہے۔

اور کتاب النبوات میں ہے کہ ایک نبی مدینہ کے پاس سے گزرا تو بنو نضیر اور بنو قرنطیہ نے اس کی ضیافت کی اور جب اس نے انہیں دیکھا تو رو پڑا انہوں نے اس سے پوچھا: اے نبی اللہ! آپ کو کون سی بات رلاتی ہے؟ اس نے جواب دیا ایک نبی سیاہ پتھروں میں مبعوث ہوگا جو تمہارے دیار کو برباد کردے گا اور تمہاری بیویوں کو قیدی بنائے گا، راوی بیان کرتا ہے کہ یہود نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ بھاگ گیا۔

اور جزقیل علیہ السلام کے کلام میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اس سے قبل کہ میں اندرونے میں تیری صورت بناتا میں نے تجھے پاک کیا اور تجھے نبی بنایا اور تجھے تمام اقوام کی طرف بھیجا۔''

اور اسی طرح شعیا کے صحائف میں مکہ شریف کے لئے ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ اے بانجھ اس بیٹے سے خوش ہو جا جو تیرے رب نے تجھے دیا ہے، اس کی برکت سے تیرے لئے جگہیں وسیع ہو جائیں گی اور تیری پہنچیں زمین میں گڑ جائیں گی اور تیرے مساکن کے دروازے بلند ہو جائیں گے اور تیرا یہ بیٹا تمام اقوام کا وارث ہوگا اور تمام شہروں اور براعظموں پر قبضہ کرلے گا، تو خوف و غم نہ کر تجھے دشمن سے پہنچنے والا ظلم ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے اور تو اپنی بیوگی کے تمام ایام بھول جائے گی اور یہ سب کچھ جنابِ حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ سے ہوا اور اس جگہ بانجھ سے مراد مکہ ہے پھر جیسے اس کلام میں بیان کیا گیا لامحالہ

ایسے ہی وقوع میں آیا۔

اور اہل کتاب میں سے جو شخص اس میں ردوبدل کرنا چاہے اور اس کی تاویل بیت المقدس سے کرے تو یہ کسی لحاظ سے اس کے لئے مناسب نہیں، واللہ اعلم۔

اور ارمیا کے صحائف میں ہے کہ جنوب سے ایک ستارہ نمودار ہوگا جس کی شعاعیں بجلی اور اس کے تیز خوارق ہوں گے، پہاڑ اس کے لئے ہموار ہو جائیں گے۔ اور اس سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

اور انجیل میں حضرت عیسیٰؑ بیان کرتے ہیں کہ...... میں بلند جنات کی طرف جاؤں گا اور تمہارے پاس فارقلیط روح حق کو بھیجوں گا وہ تمہیں ہر چیز سکھائے گا اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا۔ اور فارقلیط سے مراد محمد ﷺ ہیں اور یہ حضرت عیسیٰؑ کے پہلے قول کے مطابق ہے کہ: "وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَّأْتِي مِن بَعْدِ اسْمُهُ أَحْمَد"

بہر حال یہ باب بہت وسیع ہے اور اگر ہم لوگوں کی سب بیان کردہ باتوں کا استقصاء کریں تو یہ بات بہت لمبی ہو جائے گی، چنانچہ ہم نے اس میں سے چند باتوں کی طرف اشارہ کر دیا جن سے، ان کی بصیرت نور الٰہی سے ہدایت پا سکتی ہے اور صراط مستقیم کی طرف اس کی رہنمائی کر سکتی ہے اور ان نصوص کی اکثریت کو ان کے علماء جانتے ہیں اس کے باوجود انہیں چھپاتے ہیں۔

حافظ ابو بکر بیہقیؒ ایک صحابی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ: "ہم رسولِ اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے ٹکٹکی باندھ کر ایک شخص کو دیکھا اور اسے بلایا تو یہود کا ایک آدمی قمیص، سلوار اور جوتے سمیت آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! اور آپ ﷺ کہنے لگے: "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" تو وہ کوئی جواب نہ دیتا صرف یا رسول اللہ ﷺ کہتا اور آپ ﷺ فرماتے: "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" تو وہ انکار کر دیتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تو تورات پڑھتا ہے؟" اس نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اور انجیل بھی پڑھتا ہے؟" اس نے کہا: "ہاں، اور رب محمد کی قسم اگر

چاہوں تو فرقان بھی پڑھ لوں۔'' تو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں تجھے اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ہے اور اس سے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے تو ان دونوں میں میرا ذکر پاتا ہے؟'' اس نے کہا:

''ہم آپ کی تعریف کی مانند پاتے ہیں وہ آپ کے ظہور کی جگہ سے ظاہر ہوگا ہم امید رکھتے تھے کہ وہ ہم سے ہوگا اور جب آپ نے ظہور کیا تو ہم نے دیکھا کہ آپ وہی ہیں اور جب ہم نے غور سے دیکھا تو آپ وہ نہیں ہیں۔'' تو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم نے یہ بات کہاں سے معلوم کی؟......'' اس نے کہا: ہم آپ کی امت میں ستر ہزار آدمیوں کو بلاحساب جنت میں داخل ہوتا پاتے ہیں حالانکہ آپ کی تعداد تھوڑی ہے۔

راوی بیان کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے تہلیل وتکبیر پڑھی پھر فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے بلاشبہ میں وہی ہوں اور میری امت میں سے ستر ہزار سے زیادہ اور ستر ستر سے زیادہ ہوں گے۔'' (بحوالہ چیدہ چیدہ تاریخ ابن کثیر، جلد ششم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر۱۰۰

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کی تعداد قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوگی

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ آخری خصوصیت پیش کی جارہی ہے، جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی امت کی تعداد قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوگی'' الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے، اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے ریاض الجنۃ میں بٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل کی خصوصیت حضور ﷺ کی امت سے متعلق ہے، بے شک یہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر خصوصیت عطا فرمائی کہ روزِ قیامت انشاء اللہ آپ ﷺ کی امت کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی، اگر چہ ہمارے نبی ﷺ کو دیگر انبیاء کرامؑ کی بنسبت عمر بہت کم ملی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا اور خاص فضائل سے نوازا، چنانچہ قیامت کے دن تک امت کے جتنے افراد بھی اس دھرتی پر جنم لیں گے سب کے سب رسول اکرم ﷺ کے امتی ہی کہلائیں گے، لہٰذا آنے والے اوراق میں آپ ﷺ کی اسی خصوصیت کی وضاحت پیش کی جارہی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کا سچا امتی بننے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین، لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

آخری خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے دن پیغمبروں میں

سے جس پیغمبر کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی وہ میں ہوں گا اور جنت کا دروازہ سب سے پہلے جو شخص کھٹکھٹائے گا یعنی کھلوائے گا وہ بھی میں ہی ہوں گا۔ (مسلم)

تشریح...... قیامت کے دن امت محمدیہ کی تعداد کی کثرت کے بارے میں ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کی امت تمام جنت کی مجموعی تعداد کا دو تہائی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کی اتباع اور پیروی کرنے والوں کی کثرت، اس شخص کی فضیلت و برتری کا باعث بنتی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مرتبہ زیادہ بلند ہے کیونکہ ائمہ فقہ میں سے ان ہی کا مسلک زیادہ رائج ہے اور مسلمانوں کی کثرت اسلام کے فروعی احکام میں ان ہی کی پیروکار ہیں، اسی طرح قاریوں میں امام عاصمؒ کا برتبہ بلند تر ہے کیونکہ فن تجوید وقرات میں ان کے پیروکار زیادہ ہیں۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

''حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوگی۔ اسی (۸۰) اس امت کی، اور چالیس صفیں باقی امتوں کی۔''

اور ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک قبہ میں تقریباً چالیس آدمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم (یعنی تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے افراد) اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ، جی ہاں (ہم اس پر راضی ہیں) فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم (یعنی تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے افراد) اہل جنت کا تہائی حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ، جی ہاں فرمایا کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم نصف اہلِ جنت ہو؟ (اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اس بات کا جواب اثبات میں دیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک میں امید رکھتا ہوں کہ تم (کم از کم) نصف اہل جنت ہو گے اس کی وجہ یہ ہے کہ) جنت میں صرف وہی شخص داخل ہوگا جو مسلمان ہو۔ اور تم اہل شرک کے مقابلے میں اس سفید بال کی طرح ہو جو سیاہ بیل کی کھال میں ہو۔ یا اس سیاہ بال کی طرح ہو جو سرخ رنگ کے بیل کی کھال میں ہوتا ہے۔''

تشریح...... یہ قبہ آنحضرت ﷺ کے لئے منیٰ میں نصب کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا تھا۔ اس میں یہ بشارت سنائی تھی۔ پہلے چوتھائی، پھر تہائی، پھر نصف کا ذکر فرمانا سامعین کی مسرت میں اضافہ کے لئے تھا، اور آخر میں جو فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم نصف اہل جنت ہو گے۔ اس میں زیادہ کی نفی نہیں۔ چنانچہ متعدد احادیث میں یہ مضمون ہے کہ اس امت کی تعداد اہل جنت میں دو تہائی ہو گی حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث بھی اسی کی موید ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہو گی۔ اسی (۸۰) اس امت کی، اور چالیس صفیں باقی امتوں کی۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

ماخذ ومراجع

تفسیرِ مظہری.....................حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

تفسیرِ عثمانی.....................حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

معارف القرآن.....................حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ

بخاری شریف.....................محمد اسماعیل البخاریؒ

مسلم شریف.....................ابی الحسن بن الحجاج القشیریؒ

ترمذی شریف.....................ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ

ابوداؤد.....................ابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ

ابن ماجہ.....................ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینیؒ

مشکوٰۃ شریف.....................ابومحمد الحسنین بن مسعودؒ

الادب المفرد.....................حضرت امام بخاریؒ

ریاض الصالحین.....................حضرت امام نوویؒ

معارف الحدیث.....................حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ

تاریخ ابن خلدون.....................علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدونؒ

طبقات ابن سعد.....................علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصریؒ

کلیدِ مثنوی.....................حضرت مولانا تھانویؒ

سیرت حلبیہ.....................علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

غزوات النبیؐ.....................علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

تاریخ ابن کثیر............حافظ عماد الدین ابو الفراء اسماعیل ابن کثیرؒ

تاریخ طبری..............علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبریؒ

سیرت النبیؐ.............علامہ شبلی نعمانیؒ

ترجمان السنۃ..............حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ

تاریخ بغداد..............خطیب بغدادیؒ

تذکرۃ الحفاظ..............حافظ ذہبیؒ

کشف الباری..............حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ

کتاب الآثار..............حضرت امام ابو حنیفہؒ

انوار البیان..............مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

معارف القرآن..............حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ

تفسیر ابن کثیر..............حافظ عماد الدین ابو الفراء ابن کثیرؒ

تفسیر فی ظلال القرآن..............حضرت سید قطب شہیدؒ

تفسیر جلالین..............علامہ جلال الدین سیوطیؒ

تفسیر ماجدی..............حضرت مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ

تفسیر ابن عباسؓ..............حضرت جلال الدین سیوطیؒ

انوار القرآن..............ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ صاحبؒ

الاتقان فی علوم القرآن..............علامہ جلال الدین سیوطیؒ

سیرت النبیؐ ابن ہشام..............محمد بن اسحاق بن یسار/ ابو محمد عبد الملک بن ہشامؒ

الترغیب والترہیب..............حافظ ذکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذریؒ

سیرت النبیؐ..............علامہ شبلی نعمانیؒ/ علامہ سید سلیمان ندویؒ

العطور المجموعہ..............افادات از حضرت مولانا تھانویؒ

تاریخ ابن الخلکان..............احمد بن محمد بن ابراہیم بن خلکانؒ

مسند امام اعظمؒ.........................حضرت امام ابوحنیفہؒ

رسولِ رحمت.........................مولانا ابوالکلام آزادؒ

تقویۃ الایمان.........................حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ

تاریخ اسلام.........................مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادیؒ

سیرۃ المصطفیٰ.........................حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

رحمۃ العلمین.........................قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ

پیغمبر انسانیتؐ.........................مولانا شاہ محمد جعفر پھلواریؒ

النبی الخاتم.........................مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

الرحیق المختوم.........................جناب صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ

محمد رسول اللہؐ.........................حضرت مولانا سید محمد میاںؒ

سیرت رسول اکرمؐ.........................حضرت علامہ ابوالحسن علی ندویؒ

سیرت الحبیبؐ.........................حضرت تھانویؒ

عہد نبوت کے ماہ وسال.........................مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

شرح اسماء حسنیٰ.........................قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ

ذکر رسولؐ.........................عبدالماجد دریابادیؒ

سیرتِ رسول عربیؐ.........................پروفیسر علامہ نور بخش توکلیؒ

معجزاتِ رسول اکرمؐ.........................مفتی عنایت احمد صاحبؒ

خطبات مدارس.........................حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

محمد رسول اللہؐ صبر وثبات کے پیکرِ اعظم.........................مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

آئینہ جمالِ نبوت.........................محترم ابراہیم بن عبداللہ الحازمیؒ

محبوبِ خداؐ.........................محترم چوہدری افضل حقؒ

پیغمبر انقلابؐ.........................مولانا وحیدالدین خانؒ

خصائل نبویؐ..........حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریاؒ

فضائل درود شریف..........حضرت مولانا زکریاؒ

سیرتِ سید المرسلینؐ..........مولانا صدیق احمد مہاجر ندویؒ

تاریخ ملت..........مفتی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ

اسوۂ رسول اکرمؐ..........حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ

تاریخ اسلام..........مولانا محمد میاںؒ

معراج رسولؐ..........حافظ محمد اسحاق دہلویؒ

رسول اللہ کے تین سو معجزات..........مولانا احمد سعیدؒ

سیرت الرسولؐ..........حضرت ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ

کاروانِ مدینہ..........مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

حضورؐ استاد و مربی..........شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ

سیرتِ سرورکونینؐ..........حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہریؒ

کتاب الشفاء..........قاضی عیاض بن موسیٰ مالکیؒ

جامع الاخلاق..........حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہریؒ

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے..........مولانا محمد منظور نعمانیؒ

رحمتِ دو عالمؐ..........سید سلیمان ندویؒ

سید المرسلینؐ..........مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ

سیرتِ مصطفیٰؐ..........مولانا عبدالعزیز ہزارویؒ

طبِ نبویؐ..........حافظ ابن قیم الجوزیؒ

نشر الطیب..........حضرت تھانویؒ

تاریخ ارض القرآن..........علامہ سلیمان ندویؒ

ماہتاب عربؐ..........مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

انسانیت کے محسنِ اعظم.........................مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

سیرتِ رسولِ اکرمؐ.........................مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

ہمارے حضورؐ.........................امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ

قصص القرآن.........................مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

انوارحرمین.........................مولانا احتشام الحسن کاندھلویؒ

صدائے فاروقی.........................مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ

رسولِ کریمؐ کے آخری لمحات.........................مولانا عبدالکلام آزادؒ

مطالعہ سیرت.........................مولانا وحیدالدین خان صاحبؒ

محمد بن عبداللہ سے محمد رسول اللہ تک.........................قاری محمد طیب قاسمیؒ

مرقع حبیبؐ.........................حضرت مولانا حبیب اللہ نعمانیؒ

منتخب احادیث.........................مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

نور البصر.........................مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ

ذریعۃ الوصول الی جناب رسولؐ.........................حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

سیرتِ طیبہؐ.........................الحاج امیر الدینؒ

سرور کائنات کی معاشرت.........................ملا واحدی مرحومؒ

آخری نبیؐ، آخری امت، آخری شریعت.........................مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

سیرت مبارکہ قرآن کی روشنی میں.........................مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ

ہجرتِ مدینۃ النبیؐ.........................علامہ سید سلیمان ندویؒ

سیرت کا پیغام.........................مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

امام النبیینؐ بحیثیت خاتم النبیین.........................مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

ختم نبوت کامل.........................حضرت مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ

خاتم النبیین.........................مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

مسک الختام فی ختم نبوت الانامؐ..........مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

فلسفہ ختم نبوت..........مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ

عقیدہ ختم نبوت..........مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

شان رسالتؐ..........قاری طیب صاحبؒ

خطبہ رحمت العٰلمین..........مولانا صادق سیالکوٹیؒ

سرورِدوعالم کا پیغام آخریں..........مولانا صادق سیالکوٹیؒ

نبی اکرمؐ بحیثیت سپہ سالار..........مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

اطلس السیرۃ النبویہؐ..........دکتور سوقی ابو خلیلؒ

تجلیات نبوتؐ..........مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ

مہرِ نبوتؐ..........قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ

سیرتِ جامع..........امام غزالیؒ

سید البشرؐ..........قاضی سلیمان منصور پوریؒ

مختصر سیرت الرسولؐ..........امام محمد بن عبدالوہابؒ

ولادت نبویؐ..........مولانا ابوالکلام آزادؒ

ساقی کوثرؐ..........مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ

سید الکونینؐ..........مولانا صادق سیالکوٹیؒ

اخلاق اور فلسفہ اخلاق..........مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ

جمال مصطفیٰؐ..........مولانا محمد اسحاق سیالکوٹیؒ

مقدس رسولؐ..........مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ

مدارج النبوۃ..........علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ

نزہۃ المجالس..........علامہ عبدالرحمٰن صفوریؒ

قرآنی شعور انقلاب..........مولانا عبیداللہ سندھیؒ

تحفہ خلافت..........................حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ
سراجاً منیراً..........................مولانا ابراہیم میر سیالکوٹیؒ
فیوض الحرمین..........................حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
تفسیر روح البیان..........................حضرت علامہ اسماعیل حقیؒ
مسندِ احمد بن حنبل..........................امام احمد بن حنبلؒ
حلیۃ الاولیاء..........................امام حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانیؒ
سیرتِ خیر الانامؐ..........................مولانا قاری طیب صاحب قاسمیؒ
رسولِ اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے آخری لمحات..........................مولانا ابوالکلام آزادؒ
میلادووفات..........................مولانا حافظ اسحاق دہلویؒ
حقوق المصطفیٰؐ..........................قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسیؒ
جوامع السیر ۃ..........................علامہ ابن حزمؒ
تہذیب التہذیب..........................علامہ ابن حجر عسقلانیؒ
سیر اعلام النبلاء..........................امام علامہ ذہبیؒ
فتوح البلدان..........................احمد بن یحییٰ البلاذریؒ
السنن الکبریٰ بیہقی..........................علامہ ابی بکر احمد بن الحسین البیہقیؒ
خلاصہ تذہیب الکمال للخزرجی..........................صفی الدین احمد بن عبداللہؒ
تاریخ کبیر الامام بخاری..........................محمد بن اسماعیل البخاریؒ
الخصائص للنسائی..........................ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائیؒ
التبیان فی اقسام القرآن..........................علامہ حافظ ابن قیمؒ
تفسیر روح المعانی..........................علامہ آلوسیؒ بغدادیؒ
مظاہرِ حق جدیہ..........................حضرت نواب محمد قطب الدینؒ
حجۃ اللہ البالغہ..........................حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

تنبیہُ الغافلین .... حضرت ابولیث سمرقندیؒ

احیاءالعلوم .... حضرت امام غزالیؒ

آداب المعاشرت .... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

احکامِ اسلام عقل کی نظر میں .... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

التبلیغ .... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مخزن اخلاق .... حضرت مولانا رحمت اللہ سبحانیؒ

خطباتِ حکیم الاسلام .... حضرت قاری طیب صاحبؒ

فضائل صدقات .... حضرت مولانا زکریا صاحبؒ

فضائل اعمال .... حضرت مولانا زکریا صاحبؒ

خطبات حکیم الامت .... مولانا اشرف علی تھانویؒ

ملفوظات حکیم الامت .... مولانا اشرف علی تھانویؒ

خطباتِ اکابر .... ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

خطباتِ مدنی .... مولانا حسین احمد مدنیؒ

خطبات حضرت لاہوریؒ .... حضرت لاہوریؒ

اصلاح معاشرہ اور اسلام .... حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختیار شہیدؒ

.اصلاحی مواعظ .... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

خطباتِ علی میاں .... حضرت ابوالحسن علی ندویؒ

خطباتِ مسیح الامت .... حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ

خطبات جمیل .... حضرت مولانا طارق جمیل صاحب

رسول اللہ ﷺ کی نصیحتیں .... حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

کام کی باتیں .... حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ

نورستان .... جناب حکیم سعید شہیدؒ

خطباتِ حرم.............................ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ صاحبؒ

قوت القلوب.............................شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکیؒ

اصلاحی مضامین.............................حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ

اصلاحی نصاب.............................حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

خطباتِ نعمانی.............................حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ

الدین القیم.............................مولانا سید منظر احسن گیلانیؒ

گلزارِ سنت.............................حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب شہیدؒ

دین وشریعت.............................مولانا منظور احمد نعمانیؒ

قرآنی افادات.............................حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

اسلامی آداب زندگی.............................امام غزالیؒ

گناہوں کے نقصانات اوران کا علاج.............................امام ابن قیم جوزیؒ

اصلاحِ انقلابِ امت.............................حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

پیغام اسلام اقوام عالم کے نام.............................حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ

منتخب احادیث.............................حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

تبلیغ دین.............................حضرت امام غزالیؒ

گلزارِ سنت.............................حضرت مولانا سید اصغر حسنؒ

کرامات اولیاء.............................حضرت امام عبداللہ یافعی یمنیؒ

خصائص الکبریٰ.............................امام سیوطیؒ مترجم مولانا عبدالاحد صاحب

معالم العرفان فی دروس القرآن.............................حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

سیرت طیبہ رحمت دارینؐ.............................از طالب ہاشمی

سیرت النبیؐ بعد از وصال النبیؐ.............................محمد عبدالمجید صدیقی ایڈوکیٹ

رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی.............................ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب

خطبہ حجۃ الوداع.................ڈاکٹر نثار احمد

تاریخ حرمِ نبویؐ.................محی الدین قادری الرزاقی

معجزاتِ محمدؐ.................محترم خالد سراج صاحب

جب حضورؐ آئے.................محمد متین خالد

معارفِ اسم محمدؐ.................محترم ثناء اللہ سعد صاحب

آخری نبیؐ اور توراۃ موسوی.................محترم بشیر احمد حسینی

رحمتِ دوعالمؐ اور اسلامی اخلاق.................مفتی محمد صادق/مفتی محمد فاروق صاحب

اخلاق رسولؐ.................محمد ندیم باری

اخلاق پیغمبریؐ.................طالب ہاشمی صاحب

مثالی بچپن.................محمد اسحاق ملتانی صاحب

تاریخ حرمین شریفین.................علامہ الحاج عباس کرارہ مصری

طبِ نبویؐ.................حافظ اکرام الدین صاحب

عہد نبویؐ کا نظام تعلیم.................مولانا عبدالمعبود صاحب

محمد عربیؐ انسائیکلوپیڈیا.................ڈاکٹر ذوالفقار صاحب

فضائل مدینہ منورہ.................امام محمد بن یوسف

سیرتِ کبریٰ.................مولانا ابو قاسم رفیق دلاوری

قصص الحدیث.................مولانا محمد زکریا اقبال

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام.................جناب محمد یامین قریشی سہارنپوری

تزکرۃ الانبیاء.................امیر علی خان

تزکرۃ معجزاتِ انبیاء.................امیر علی خان

معلومات سیرۃ النبیؐ.................امیر علی خان

تعمیرِ اخلاق.................مولانا قاضی اسامہ صاحب

خطباتِ سیرت..........................مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

آئینہ محمدیؐ..........................مولانا سرفراز خان صفدر صاحب

مقالہ ختم نبوت..........................مولانا سرفراز صفدر خان صفدر صاحب

معالجاتِ نبویؐ اور جدید سائنس..........................حکیم طارق محمود چغتائی

تعلیماتِ نبویؐ اور جدید سائنس..........................حکیم طارق محمود چغتائی

نفائس النبیؐ..........................حضرت سید نفیس الحسینی صاحب

حضورؐ کی اطاعت..........................پروفیسر مولانا محمد رفیق چودھری

تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ..........................ڈاکٹر احمد شبلی

نبی اکرمؐ کی معاشی زندگی..........................ڈاکٹر نور محمد غفاری

اسماء الرسولؐ..........................مکتبہ المیزان

حیات محمدؐ..........................محمد حسن ہیکل

فتوح العرب..........................حضرت مولانا بشیر احمد انصاری

پیارے نبی کی پیاری سنتیں..........................مولانا شاہ حکیم اختر صاحب

بچوں کے لئے سیرت النبیؐ..........................ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب

درود شریف سے آپ کی پریشانیوں کا حل..........................مولانا قاسم ضیاء صاحب

معراج مصطفیٰؐ..........................مولانا احمد علی جانباز

محسن انسانیتؐ کی سنتوں پر عمل اور اس کے فوائد..........................ڈاکٹر نور احمد صاحب

عہد نبویؐ میں نظام تعلیم..........................مولانا عبد المعبود صاحب

حضرت محمدؐ..........................مولانا مظہر علی خان صاحب

یوم میلاد النبیؐ کے تقاضے..........................قاری محمد قاسم صاحب

آئینہ قادیانیت..........................مولانا اللہ وسایا صاحب

ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں..........................مولانا سرفراز خان صفدر

ہادی کونینؐ...........................حکیم محمد اسماعیل ظفر آبادی

آئینہ تاریخ.........................جناب مختار احمد

اخلاق النبیؐ.........................محترم عالم فقری صاحب

معجزات نبویؐ.........................محترم عالم فقری صاحب

حلیہ مصطفیٰؐ.........................حکیم علی محمد صمصام

نبیوں کے قصے.........................مولانا محمود احمد غفنفر

اُسوۂ حسنہؐ.........................پروفیسر حمید احمد خان

مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات.........................محترم امتیاز احمد صاحب

تاریخ خانہ کعبہ.........................محمد طاہر الکردی صاحب

تعلیم القرآن.........................مولانا محمد ادریس ندوی

مطالعات قرآن.........................ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

قرآن کریم کے عظیم فضائل.........................شیخ ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد

قرآن کریم کا اعجاز بیان.........................ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی

اسلامی طرز فکر.........................محترم کلیم چغتائی

نظارہ حرمین.........................فاروق ارگلی صاحب

آدمؑ سے محمدؐ تک.........................مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب

اخلاق العلماء.........................امام ابوبکر محمد حسین آجری صاحب

اخلاقِ حسنہ.........................علامہ عالم فقری

پیغمبر صحراؐ.........................کے ایل گابا

فضائل نعلینؐ.........................امام احمد المقری التلمسانی

معمولات مصطفیٰؐ.........................صوفی محمد اکرم مدنی

صحابہ کرامؓ اور عشق حبیب کے تقاضے.........................علی اصغر چودھری

شانِ محمدؐ......................سید ابوالاسد وارثی صاحب

شاہنامہ اسلام......................حفیظ جالندھری صاحب

درِ یتیمؐ......................مولانا ماہر القادری

رسولِ اکرمؐ کا نظامِ جاسوسی......................پروفیسر محمد صدیق قریشی

سیرت الامینؐ......................محمد رفیق ڈوگر

سیرت رسولِ اکرمؐ......................مائل خیر آبادی

سیرتِ نبویہؐ قرآن مجید کے آئینہ میں......................مولانا محدم اسجد قاسمی ندوی

تاجدار مدینہؐ......................جاوید انجم صاحب

میلاد مصطفیٰؐ......................مولانا ابوالکلام احسن صاحب

ذکرِ جمیلؐ......................مولانا شفیع اوکاڑوی

معراج النبیؐ......................علامہ سید محمود احمد رضوی

طبِ نبویؐ......................حافظ اکرام الدین صاحب

قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن......................ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری صاحب

رحماء بینھم......................حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ

رسولِ اکرمؐ کی مسکراہٹیں......................مولانا عبدالغنی طارق صاحب

رسولِ اکرمؐ کے آنسو......................مولانا عبدالغنی طارق صاحب

انعامات ربانی......................حضرت مولانا حکیم اختر صاحب

احقاقِ حق و ابطال باطل......................مولانا شفیق عبدالرحمٰن القریشی صاحب

جمالِ حرمین......................حافظ لدھیانوی صاحب

اسلامی عقائد......................مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب

حدیث کا درایتی معیار......................مولانا تقی امینی صاحب

حیاتِ صحابہ کے درخشاں پہلو......................جناب محمود احمد غضنفر صاحب

حیات تابعین کے درخشاں پہلو..........جناب محمود احمد غضنفر صاحب

رحمتِ دارین کے سوشیدائی..........محترم طالب ہاشمی صاحب

منہج انقلابِ نبویؐ..........ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

امن عالم اور اسلام..........عالمی تناظر میں اسلام کا مکمل تعارف

شمائل کبریٰ..........مولانا مفتی ارشاد القاسمی صاحب

پیارے رسول کا پیار..........کرنل (ر) محمد عمر خان صاحب

اصلاحی خطبات..........حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب

خطباتِ فقیر..........حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی صاحب

ندائے منبر ومحراب..........حضرت مولانا اسلم شیخوپوری صاحب

صدائے منبر..........حضرت مفتی محمد امین صاحب

اخلاق النبی..........ڈاکٹر محمد احمد قمر مختیار صاحب

محسنِ انسانیت اور انسانی حقوق..........ڈاکٹر حافظ محمد ثانی صاحب

قرآن کیا کہتا ہے..........جناب خالد خان خلجی

قرآن کا پیغام..........مولانا شہاب الدین ندوی

دینی دستر خوان..........حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی

خلق خیر الخلائق..........جناب طالب ہاشمی

اسلام اور جدید دور کے مسائل..........مولانا محمد تقی امین

حسن گفتار..........جناب طالب ہاشمی صاحب

اسلاف کی یادیں..........حضرت مولانا مفتی اسد اللہ عمر نعمانی

حسنت جمیع خصالہ..........جناب طالب ہاشمی صاحب

خلاصۃ القرآن..........مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب

جواہرات علمیہ..........ابو احمد حافظ محمد سلیمان صاحب

مؤلف کی چند دیگر کتب

ناشر:۔ دارالاشاعت کراچی

میر پور خاص میں ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ یوسفیہ دوکان نمبر 303 بلدیہ شاپنگ سینٹر میر پور خاص